مرتب

عتیق الرحمن سنبھلی

قیمت فی پرچہ 65 P.

اُردو زبان

کے ——— اسلامی لٹریچر میں

دینی رُوح اور علمی افادات سے بھرپور ——— ایک

یعنی اُردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ ——— احادیثِ نبوی کا ایک نیا اور جامع

معارف الحدیث

جس میں عوام اور خواص دونوں اپنی اپنی سطح کے مطابق بہترین افادیت پ

زمانے کی نفسیات کا لحاظ ——— ہر سطح کے فہم و فکر کی رعایت ——— اور حدیث کی اصل مقصد

یہ اس کتاب کے تشریحی حصے کی اہم خصوصیات ہیں

اور تشریحات کے علاوہ ہر باب کے شروع کے تمہیدی نوٹ، شریعت کے نظامِ حکم

"ما قلّ و ما دلّ" کی ایک مثال کہے جاسکتے ہیں

تالیف

مولانا محمد منظور نعمانی

سائز ۲۶×۲۰ / ۸

عمدہ سفید ... دیدہ زیب ... کتابت و ...

جلد اوّل ——— ایمان اور آخرت کے بیان کی حدیثیں ——— قیمت ——— مجلد ۵/-

جلد دوم ——— تزکیۂ نفس اور اصلاح اخلاق کی حدیثیں ——— قیمت ——— مجلد ۵/۵۰

جلد سوم ——— طہارت اور نماز کے تمام ابواب کی حدیثیں ——— قیمت ——— مجلد ۶/-

مؤلف کی دوسری مشہور کتابیں

اسلام کیا ہے؟ اردو ۲/- ہندی ۲/- انگریزی ۴/- | کلمۂ طیبہ کی حقیقت

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟ ۲/- | آپ حج کیسے کریں؟ ۲/۰ | نماز کی حقیقت ۱/- | برکات رمضان ۵۰/- | دین و شریعت اردو

ہماری دیگر مطبوعات | تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ۳/- | مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ ۳/- | حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت

ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ۱/۵۰ | سب سے پہلا سفر نامۂ حجاز ۱/۰۵ | انیس نسواں ۰۵/- | کلمات اکابر ۱/۵۰ | فیصلہ

محصول ڈاک بذمہ خریدار

کتب خانہ الفرقان کچہری روڈ، لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پینتیسواں سال ——— پہلا شمارہ

نگاہِ اولیں

——— عتیق الرحمٰن سنبھلی

ہندوستان کی نئی پارلیمنٹ کے پہلے اجلاس میں نئے مرکزی وزیر قانون نے صاف صاف اعلان کر دیا ہے کہ حکومت مسلم پرسنل لا کے کسی جزو میں تبدیلی کی ضرورت پر غور نہیں کر رہی ہے۔ اور اس کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک طرف تو انھوں نے یہ عام بات کہی کہ اقلیتوں کے معاملے میں ایسی کسی تبدیلی کی تحریک خود متعلقہ اقلیت کی طرف سے ہونی چاہیے۔ اور دوسری بات خاص طور سے مسلمانوں کے سلسلے میں انھوں نے کہی کہ مسلمان اپنے پرسنل لا میں کسی مداخلت کو جو کہ شریعت کا ایک جزو ہے، اسلام میں مداخلت سمجھتے ہیں۔

یہ مسئلہ اب سے چند سال پہلے جب پارلیمنٹ میں اُٹھا تھا اور حکومت نے اس سلسلے میں ایک کمیشن نامزد کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا تو مسلمانوں نے قدرتی طور پر اس کے خلاف سخت احتجاج کیا اور اس احتجاج کی بنیاد یہی دوسری بات تھی جو نئے وزیر قانون نے اپنے بیان میں کہی ہے یعنی یہ مسلمانوں کے مذہب میں مداخلت ہے جس کا نہ ملک کی پارلیمنٹ کو حق ہے نہ کسی اور کو۔ اس احتجاج کی شدت پر نائب صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نے بھی مسئلہ میں دلچسپی لی اور اُن کی تحریک پر مرکز کے مسلمان وزرا، ممبران پارلیمنٹ، اور دوسرے مسلمان لیڈروں کے ایک اجتماع نے حکومت سے اپیل کی کہ وہ اس سلسلے میں بغیر مسلمانوں کی تحریک کے کوئی قدم نہ اٹھائے۔ چنانچہ حکومت نے یہ ارادہ ختم کر دیا۔

ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب جو اس مرتبہ کانگریس کی طرف سے صدارت کے امیدوار ہیں،

کتاب الاذکار والدعوات

معارف الحدیث

(مسلسل)

سونے کے وقت کی دعائیں :- (۲)

[اس عنوان کے تحت ۵ حدیثیں گزشتہ قسط میں درج کی جا چکی ہیں۔ باقی ذیل میں پیش کی جا رہی ہیں۔]

عَنْ حَفْصَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّرْقُدَ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى تَحْتَ خَدِّهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ——— رواہ ابوداؤد

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ سونے کا ارادہ فرماتے تو اپنا داہنا ہاتھ رخسار مبارک کے نیچے رکھ کر لیٹ جاتے اور تین دفعہ یہ دعا کرتے "اَللّٰهُمَّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ" (اے میرے اللہ مجھے اپنے عذاب سے بچا قیامت کے دن جبکہ سارے بندے دوبارہ زندہ کیے جائیں گے)۔

(سنن ابی داؤد)

تشریح) خاص سونے وقت اس دعا کی ایک کھلی وجہ تو یہی ہے کہ سونے کو موت سے جو ایک خاص مشابہت ہے اسکی وجہ سے آپ سونے کے لیے بستر پر لیٹتے وقت موت اور قیامت اور وہاں کے حساب اور غضب و عذاب کو یاد کرتے تھے، اور جس بندہ کو اللہ کی معرفت حاصل ہوگی اسکو جب سے [illegible] تعلق [illegible] کا سب [illegible] کہ [illegible] عذاب

نجات نصیب ہو۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِیْنَ یَأْوِیْ اِلٰی فِرَاشِہٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَیْہِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ غُفِرَتْ لَہٗ ذُنُوْبُہٗ وَاِنْ کَانَ عَدَدَ وَرَقِ الْاَشْجَارِ وَاِنْ کَانَتْ عَدَدَ رَمْلِ عَالِجٍ وَاِنْ کَانَتْ عَدَدَ اَیَّامِ الدُّنْیَا۔

رواہ الترمذی

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سونے کے لیے بستر پر لیٹتے وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس طرح توبہ و استغفار کرے اور تین دفعہ عرض کرے " اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَیْہِ "۔ (میں مغفرت و بخشش چاہتا ہوں اس اللہ سے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور وہ حی و قیوم ہے، ہمیشہ رہنے والا اور سب کا کارساز ہے۔ اور اس کے حضور میں توبہ کرتا ہوں) تو اس کے سب گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ اگرچہ وہ درختوں کے پتوں اور مشہور ریگستان عالج کے ذروں اور دنیا کے دنوں کی طرح بے شمار ہوں۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث میں سوتے وقت مذکورہ بالا الفاظ کے ساتھ توبہ و استغفار کرنے پر سارے گناہ بخش دیئے جانے کا مژدہ جانفزا سنایا گیا ہے۔ کتنی بڑی محرومی ہوگی اگر حضورؐ کی اس ہدایت پر عمل کا اہتمام نہ کیا جائے۔ ہاں یہ استغفار و توبہ سچے دل سے ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ دلوں کا دیکھنے والا ہے، اس کو زبان سے دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔

عَنْ فَرْوَۃَ بْنِ نَوْفَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِاَبِیْ اِقْرَأْ قُلْ یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ ثُمَّ نَمْ عَلٰی خَاتِمَتِھَا فَاِنَّھَا بَرَاءَۃٌ مِّنَ الشِّرْکِ

رواہ ابو داؤد و الترمذی

فروہ بنت نوفل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد نوفل سے فرمایا کہ (جب تم سونے کا ارادہ کرو) تو سورۂ " قُلْ یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ " پڑھ لیا کرو اس کے بعد سو جایا کرو، اس سورت کے مضمون میں شرک سے پوری برأت ہے۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(تشریح) ترمذی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ نوفل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ مجھے کوئی چیز بتا دیجیے جو میں سوتے وقت پڑھ لیا کروں اسکے جواب میں آپ نے ان کو یہ بتلایا کہ "قل یا ایہا الکفرون" پڑھ لیا کرو۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ كُلَّ لَيْلَةٍ جَمَعَ كَفَّيْهِ ثُمَّ نَفَثَ فِيْهِمَا فَقَرَأَ فِيْهِمَا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهٖ يَبْدَأُ بِهِمَا عَلٰى رَاْسِهٖ وَوَجْهِهٖ وَمَا اَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهٖ يَفْعَلُ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ـــــ رواہ ابوداؤد والترمذی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوامی معمول تھا کہ جب رات کو سونے کے لیے لیٹتے تو "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ، یہ تینوں سورتیں پڑھ کے دونوں ہاتھوں پر دم کرتے اور جہاں تک ان کے ہاتھ پہونچ سکتے ان کو جسم مبارک پر پھیرتے۔ پہلے سر اور چہرہ پر اور جسم کے سامنے کے حصے پر پھیرتے، تین دفعہ یہ عمل کرتے۔ (سنن ابی داؤد۔ جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہے کہ آخری مرض میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف زیادہ ہوگئی تو آپ مجھے حکم دیتے تھے کہ میں اسی طرح تینوں سورتیں پڑھ کے اور اپنے ہاتھوں پر دم کرکے آپ کے جسم مبارک پر پھیروں، اور میں ایسا ہی کرتی تھی۔

(فائدہ) ممکن ہے کہ بعض لوگوں کے لیے سونے کے وقت کی بعض دوسری ماثورہ دعائیں یاد کرنا مشکل ہوں۔ وہ کم از کم "قُلْ يَا اَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ، قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ تو پڑھ ہی سکتے ہیں ان کے لیے یہی سب کچھ ہے۔ بہرحال کچھ نہ کچھ معمول ضرور ہی کر لینا چاہیے۔ جو اتنا بھی اہتمام نہ کر سکے اس کی محرومی قابل عبرت ہے۔

نیند نہ آنے کی شکایت کی دعا:۔

عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ شَكٰى خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اَنَّهٗ لَا يَنَامُ اللَّيْلَ مِنَ الْاَرَقِ فَقَالَ اِذَا اَوَيْتَ اِلٰى فِرَاشِكَ فَقُلْ اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَمَا اَظَلَّتْ وَرَبَّ الْاَرَضِيْنَ وَمَا اَقَلَّتْ وَرَبَّ الشَّيَاطِيْنِ وَمَا اَضَلَّتْ كُنْ لِّيْ جَارًا مِّنْ شَرِّ خَلْقِكَ كُلِّهِمْ جَمِيْعًا اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيَّ اَحَدٌ اَوْ اَنْ يَّبْغِيَ عَلَيَّ عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ۔ ——— رواہ الترمذی

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت خالد بن ولید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ مجھے رات کو نیند نہیں آتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم بستر پر لیٹو تو اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرلیا کرو۔ "اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ ......تا...... لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ" (اے اللہ ساتوں آسمانوں کے اور ان سب چیزوں کے مالک جو اس کے نیچے واقع ہیں، اور سب زمینوں کے اور اُن سب چیزوں کے مالک جو اس پر واقع ہیں۔ اور شیاطین اور اُن کی گمراہ کن سرگرمیوں کے مالک، اپنی ساری مخلوق کے شر سے مجھے اپنی پناہ اور حفاظت میں لے لے، کوئی مجھ پر زیادتی اور ظلم نہ کرپائے۔ باعزت اور محفوظ ہے وہ جس کو تیری پناہ حاصل ہے۔ تیری حمد و ثنا کا مقام بلند ہے، تیرے سوا کوئی لائق پرستش نہیں، بس تو ہی معبود برحق ہے۔ (جامع ترمذی)

نیند میں ڈر جانے کی دعا:۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَزِعَ اَحَدُكُمْ فِي النَّوْمِ فَلْيَقُلْ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعَذَابِهٖ وَمِنْ شَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَنْ يَّحْضُرُوْنَ فَاِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهٗ وَ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يُلَقِّنُهَا مَنْ بَلَغَ مِنْ اَوْلَادِهٖ وَمَنْ لَّمْ يَبْلُغْ مِنْهُمْ كَتَبَ فِيْ صَكٍّ وَعَلَّقَهَا فِيْ عُنُقِهٖ۔

——— رواہ ابوداؤد والترمذی

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی (ڈراؤنا خواب دیکھ کے) سوتے میں ڈر جائے تو یوں دعا کرے "اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ ..... تا ..... وَاَنْ یَّحْضُرُوْنَ" (میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے کلمات تامات کے ذریعہ خود اس کے غضب اور عذاب سے اور اس کے بندوں کے شر سے اور شیطانی وساوس و اثرات سے اور اس بات سے کہ شیاطین میرے پاس آئیں اور مجھے ستائیں")۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر شیاطین اس بندہ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ (حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے یہ حدیث انکے صاحبزادہ شعیب نے روایت کی ہے) ان کا بیان ہے کہ ہمارے والد ماجد عبداللہ بن عمرو کا یہ دستور تھا کہ ان کی اولاد میں جو بڑے اور بالغ ہو جاتے وہ یہ دعا ان کو تلقین فرماتے تاکہ وہ اس کو اپنا معمول بنالیں، اور جو بچے چھوٹے ہوتے تو یہی دعا ایک کاغذ پر لکھ کر ان کے گلے میں (بطور تعویذ کے) ڈال دیتے۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ڈراؤنے اور پریشان کن خواب شیطانی اثرات سے ہوتے ہیں اور اگر اس دعا کو معمول بنا لیا جائے تو ان شاء اللہ ان اثرات سے حفاظت ہوگی۔ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا نام یا اس کا کلام یا کوئی دعا کاغذ پر لکھ کر بطور تعویذ گلے وغیرہ میں ڈال دینا کوئی غلط کام نہیں ہے۔

رات کو آنکھ کھلنے کے وقت کی دعا:-

عَنْ عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّیْلِ فَقَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسُبْحَانَ اللّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ اَوْ دَعَا اُسْتُجِیْبَ فَاِنْ تَوَضَّأَ قُبِلَتْ صَلٰوتُہٗ ——— رواہ البخاری

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب رات کو سوکر کسی کی آنکھ کھلے اور وہ اس وقت کہے " لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ " اس کے بعد کہے " اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ " (اے اللہ میری مغفرت فرما اور مجھے بخش دے) یا کوئی دعا کرے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی یہ دعا و التجا قبول فرمائی جائے گی، اس کے بعد اگر (وہ ہمت کرکے اٹھ جائے اور) وضو کرکے نماز پڑھے تو اس کی یہ نماز بھی ضرور قبول ہوگی۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) حدیث کا مندرجۂ بالا متن صحیح بخاری سے نقل کیا گیا ہے، اس میں کلمۂ "الحمد للہ" "سبحان اللہ" سے پہلے ہے۔ لیکن امام بخاری کے علاوہ امام ابوداؤد اور امام ترمذی وغیرہ جن ائمہ نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اُن سب کی روایات میں "سبحان اللہ" پہلے اور "الحمد للہ" بعد میں ہے جیسا کہ کلمۂ تمجید میں ہے۔ اسی لیے حافظ ابن حجر وغیرہ شارحین بخاری نے کہا ہے کہ بخاری کی روایت میں "الحمد للہ" کا مقدم ہوجانا کسی راوی کا تصرف ہے، بہرحال ان کلمات کی صحیح ترتیب وہی ہے جو سنن ابی داؤد اور ترمذی کی روایت میں ہے۔ اسی بنا پر ترجمہ میں اسی ترتیب کے مطابق لکھ دیا گیا ہے۔

اس حدیث میں بشارت سنائی گئی ہے کہ جو بندہ رات کو آنکھ کھلنے پر اللہ تعالیٰ کی توحید و تمجید اور تسبیح و تحمید اور اس کی مدد کے بغیر اپنی عاجزی و بے بسی کے اعتراف کے یہ کلمے پڑھے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنی مغفرت و بخشش کی دعا مانگے یا کوئی اور دعا کرے تو وہ ضرور قبول فرمائی جائے گی ــــ اسی طرح اس وقت وضو کرکے جو نماز پڑھی جائے گی وہ بھی قبول ہوگی۔ بعض اکابر کا یہ ارشاد ہے کہ جس بندہ کو یہ حدیث پہنچے وہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص الخاص عطیہ سمجھے اور آپ کی اس بشارت پر یقین کرتے ہوئے اس کے مطابق عمل کرکے استغفار و دعا کی مقبولیت کی یہ دولت حاصل کرنے کی پوری کوشش کرے۔ بلاشبہ حضور کے ایسے عطیات کی ناقدری بڑی محرومی ہے۔ امام بخاری سے صحیح بخاری کو روایت کرنے والے امام

ابو عبداللہ قرشی فرماتے ہیں کہ ایک دن رات کو سوتے سے میری آنکھ کھلی اور میں نے اللہ کی توفیق سے یہ کلمے اپنی زبان سے ادا کئے، اس کے بعد پھر میری آنکھ لگ گئی تو میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی میرے پاس آیا اور اس نے یہ آیت تلاوت کی "وَهُدُوْا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوْا إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ"[1] (اور ان کو توفیق و ہدایت ملی بہت اچھی بات کی، اور وہ لگا دیئے گئے اللہ کے راستے پر)۔

گھر سے نکلنے اور گھر میں آنے کے وقت کی دعا:۔

آدمی کے لیے صبح شام کے آنے جانے اور سونے جاگنے کی طرح گھر سے باہر نکلنا اور باہر سے گھر میں آنا بھی زندگی کے لوازم میں سے ہے اور بندہ قدم قدم پر اللہ کے رحم و کرم اور اس کی حفاظت و نگہبانی کا محتاج ہے، اس لیے جب گھر سے باہر قدم نکالے یا باہر سے گھر میں آئے تو برکت و استعانت کے لیے خدائے پاک کا نام لے اور اس سے دعا کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع کے لیے ذکر و دعا کے جو کلمے تعلیم فرمائے وہ مندرجہ ذیل حدیثوں میں پڑھیے!

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ الرَّجُلُ مِنْ بَيْتِهِ فَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ " يُقَالُ لَهُ حَسْبُكَ، هُدِيْتَ وَكُفِيْتَ وَوُقِيْتَ وَيَتَنَحَّى عَنْهُ الشَّيْطَانُ ——— رواہ ابوداؤد والترمذی مع اللفظ لہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی آدمی اپنے گھر سے نکلے اور نکلتے وقت کہے "بسم اللہ توکلت علی اللہ، لا حول ولا قوۃ الا باللہ" (میں اللہ کا نام لے کر نکل رہا ہوں، اللہ ہی پر میرا بھروسہ ہے، کسی خیر کے حاصل کرنے یا کسی شر سے بچنے میں کامیابی اللہ ہی کے

---

[1] [illegible] سورۃ الحج ع ۵

لکھے ہو سکتی ہے) تو عالم غیب میں اس آدمی سے کہا جاتا ہے (یعنی فرشتے کہتے ہیں)
"اللہ کے بندے تیرا یہ عرض کرنا تیرے لیے کافی ہے، تجھے پوری رہنمائی مل گئی، اور
تیری حفاظت کا فیصلہ ہو گیا"۔ اور شیطان مایوس و نامراد ہو کر اس سے دور ہو جاتا ہے۔

(جامع ترمذی و سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس مختصر حدیث کا پیغام اور روح یہ ہے کہ جب بندہ گھر سے باہر قدم نکالے تو اپنی ذات کو بالکل عاجز و ناتواں اور خدا کی حفاظت و مدد کا محتاج سمجھتے ہوئے اپنے کو اس کی پناہ میں دے دے، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی پناہ اور حفاظت میں لے لے گا اور شیطان اسے کوئی گزند نہ پہنچا سکے گا۔

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ نَزِلَّ اَوْ نَضِلَّ اَوْ نَظْلِمَ اَوْ نُظْلَمَ اَوْ نَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَيْنَا ــــــــ رواہ احمد والترمذی والنسائی

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب گھر سے باہر نکلتے تو کہتے "بسم اللہ ....تا..... او یجہل علینا" (میں اللہ کا نام لے کر نکل رہا ہوں اللہ ہی پر میرا بھروسہ ہے، اے اللہ ہم تیری پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ ہمارے قدم بہکیں اور ہم غلط راہ پر چلیں، یا ہم دوسروں کی گمراہی اور غلط روی کا ذریعہ بنیں، یا ہم کسی پر ظلم و زیادتی کریں یا ہمارے ساتھ ظلم و زیادتی کی جائے یا ہم کسی کے ساتھ جہالت سے پیش آئیں یا کوئی ہمارے ساتھ جہالت سے پیش آئے۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن نسائی)

(تشریح) آدمی جب کسی کام سے گھر سے باہر نکلتا ہے تو مختلف حالات اور مختلف لوگوں سے اس کا سابقہ پڑتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق اس کے شامل حال نہ ہو اور اس کی دستگیری اور حفاظت نہ کی جائے تو ہو سکتا ہے کہ وہ ظلوم و جہول بہک جائے اور کسی ناکردنی میں مبتلا ہو جائے یا کسی دوسرے بندے کی گمراہی اور بے راہ روی کا سبب بن جائے، یا کسی سے کوئی جھگڑا ہو جائے

اور اس میں وہ کوئی غلط فانہ یا جاہلانہ حرکت کر بیٹھے، یا خود کسی کے ظلم و ستم اور جہل و نادانی کا نشانہ بن جائے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلتے وقت اللہ کا نام پاک لیتے اور اس پر اپنا ایمان اور اعتماد و توکل تازہ کرنے کے علاوہ ان سب خطرات سے بھی اس کی پناہ مانگتے تھے اور اپنے عمل سے گویا اس کی شہادت دیتے تھے کہ آپ بھی قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق اور حفاظت و دستگیری کے حاجتمند ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس سے پہلی حدیث میں مختصر کلمہ "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" بھی ان سب خطرات سے پناہ جوئی کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے، اس لیے اس مقصد کے لیے وہ بھی کافی ہے۔

عَنْ اَبِیْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا وَلَجَ الرَّجُلُ بَیْتَہٗ فَلْیَقُلْ اَللّٰھُمَّ اَسْأَلُكَ خَیْرَ الْمَوْلَجِ وَخَیْرَ الْمَخْرَجِ، بِسْمِ اللّٰہِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللّٰہِ خَرَجْنَا وَعَلَی اللّٰہِ رَبِّنَا تَوَکَّلْنَا، ثُمَّ لِیُسَلِّمْ عَلٰی اَھْلِہٖ ——— رواہ ابوداؤد

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی اپنے گھر میں داخل ہو تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ عرض کرتا ہوا داخل ہو۔ "اَللّٰھُمَّ اَسْأَلُكَ ... تا ... توکلنا" "اے خدا! میں تجھ سے مانگتا ہوں گھر میں داخل ہونے اور گھر سے نکلنے کا خیر (یعنی میرا گھر میں داخل ہونا اور باہر نکلنا میرے واسطے خیر اور بھلائی کا وسیلہ بنے) ہم اللہ کا نام پاک لے کر داخل ہوتے ہیں اور اسی طرح اس کا نام پاک لے کر باہر نکلتے ہیں، اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے، وہی کارساز ہے" ——— اللہ کے حضور میں یہ عرض کرنے کے بعد داخل ہونے والا آدمی گھر والوں کو سلام کرے اور کہے السّلام علیکم! (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس تعلیم و ہدایت کی روح یہی ہے کہ گھر میں آنے اور گھر سے نکلنے کے وقت بھی بندے کے دل کی نگاہ اللہ تعالیٰ پر ہو، زبان پر اس کا بابرکت نام ہو اور یہ یقین کرتے ہوئے کہ ہر خیر و برکت اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اس سے دعا اور سوال ہو اور اسی کی کریمی و کارسازی پر بھروسہ

اعتماد ہو — پھر گھر کے بڑوں اور چھوٹوں پر سلام ہو، جو درحقیقت ان کے لیے اللہ تعالیٰ ہی سے خیر اور سلامتی کی دعا ہے۔

مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کے وقت کی دُعا:۔

مسجد گویا خانۂ خدا اور دربار الٰہی ہے، آنے والے وہاں اس لیے آتے ہیں کہ عبادت کے ذریعہ اُن کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت حاصل ہو، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ کوئی بندہ غفلت کے ساتھ نہ مسجد میں جائے اور نہ مسجد سے نکلے۔ بلکہ جانے کے وقت بھی اور آنے کے وقت بھی اس کے دل و زبان پر مناسب دُعا ہو۔ اللہ کے دربار کی حاضری کا یہ لازمی ادب ہے۔

عَنْ اَبِیْ اُسَیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَقُلْ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَاِذَا خَرَجَ فَلْیَقُلْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ — رواہ مسلم

حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرے " اللھم افتح لی ابواب رحمتك " (اے اللہ میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے) اور جب مسجد سے باہر آنے لگے تو عرض کرے " اللھم انی اسألك من فضلك " (اے اللہ میں تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ " رحمت " کا لفظ خاص طور سے رُوحانی اور اُخروی نعمتوں کے لیے بولا جاتا ہے، جیسے کہ نبوت، ولایت، مقام قرب و رضا اور نعماء جنت وغیرہ چنانچہ سورۂ زخرف میں فرمایا گیا ہے " وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ " [1] — اور فضل کا لفظ خصوصیت کے ساتھ دُنیوی نعمتوں کے لیے بولا جاتا ہے، جیسے رزق کی وسعت اور خوشحالی

---

[1] اور تیرے پروردگار کی رحمت اس مال و دولت سے کہیں بہتر ہے جس کو یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔

کی زندگی وغیرہ، چنانچہ سورۂ جمعہ میں فرمایا گیا ہے "فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ"[۱]۔ پس مسجد چونکہ ان اعمال کی مخصوص جگہ ہے جن کے صلہ میں روحانی اور اُخروی نعمتیں ملتی ہیں اس لیے مسجد میں داخلہ کے وقت کے لیے فتح ابواب رحمت کی اور مسجد سے نکلنے کے وقت کے لیے اللہ سے اس کا فضل مانگنے کی تلقین فرمائی گئی۔

۱؎ جب نماز سے فراغت ہو جائے تو اللہ کی زمین میں چل پھر کر اللہ کے فضل کی تلاش و جستجو میں لگ جاؤ (جس سے تمہاری دنیوی اور معاشی ضرورتیں پوری ہوں)۔

معارف الحدیث (چہارم) الحمد للہ کہ معارف الحدیث کی چوتھی جلد طباعت کے لیے پریس جا چکی ہے یہ جلد کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم اور کتاب الحج پر مشتمل ہے۔ جون کے پہلے ہفتہ میں آرڈروں کی تعمیل شروع ہو جائے گی ان شاء اللہ ——— قیمت مجلد ۶/۲۵ ، غیر مجلد -/۵ — کتب خانہ الفرقان لکھنؤ

تفسیر حقانی

اردو زبان میں اپنی نوعیت کی واحد تفسیر

[illegible] صفحات پر مشتمل یہ ضخیم تفسیر آپ صرف پانچ روپے ماہانہ ادا کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔

قرآن حکیم کی ایک ایسی مکمل، سلیس اور دل نشین تفسیر و تشریح جس نے اپنے ساتھ فاضل مفسر مولانا ابو محمد عبد الحق حقانی کے نام کو بھی زندۂ جاوید بنا دیا۔ سائنس جدید اور مذاہب عالم کی طرف سے قرآن حکیم پر ہونے والے تمام اعتراضات کے حقانی جواب، آیات کا شان نزول اور باہمی ربط احادیث کے ذریعہ قرآنی قصص و واقعات کی تفسیر و تشریح، نیز معرفت و تصوف کے علوم بھی بڑی عمدگی سے منضبط کیے گئے ہیں۔ معلومات و مطالب کا بیش بہا خزانہ، علماء و طلباء، عوام و خواص سب کے لیے نافع۔ اس ایک تفسیر کے مطالعہ کے بعد تفسیر کے رموز پر سیر حاصل معلومات ہو جاتی ہیں۔ مکمل تفسیر [illegible] پانچ جلدوں میں تقریباً تین ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ قیمت مکمل سٹ ساٹھ روپے

اللہ تعالیٰ کے اس مقدس فرمان کو گھر گھر پہنچانے کے لیے کتب خانہ نعیمیہ نے یہ پروگرام بنایا ہے کہ جو حضرات اپنا نام مکمل تفسیر کے لیے درج کرائیں گے ہم ان کو ایک سال کے مختصر عرصہ میں مکمل تفسیر کو بارہ حصوں میں تقسیم کر کے ہر ماہ ایک حصہ پانچ روپے کے وی پی سے ارسال کرتے رہیں گے۔ (محصول ڈاک معاف) ہمارے اس مقدس پروگرام کو گھر گھر پہنچانے کے لیے آج ہی تفسیر کے لیے نام درج کرائیے اپنے عزیزوں اور دوستوں کو ترغیب دیجیے (فہرست کتب مفت طلب کیجیے)

ناشر:- منیجر کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند (یوپی)

(اشتہار کی تمام تر ذمہ داری ناشر پر ہے)

سراج الہند حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رح

مختصر حالات، ملفوظات، غیر مطبوعہ علمی و ادبی تبرکات

(از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی)

آج میرا قلم ایک ایسی عظیم شخصیت پر کچھ لکھنے کے لیے آمادہ ہے جس کا سکۂ علم و فضل چار دانگ عالم میں چل رہا ہے۔ جو سراپا مرقع تحقیق اور مجسم مخزن رموز و نکات تھا۔ جو اسلام کی حقانیت کی قد آدم روشن دلیل تھا، جس نے ایک طرف درس و تدریس کا مشغلہ جاری رکھا اور دوسری طرف سلوک راہ عرفان میں طالبین کی رہنمائی کی، جس نے ایک طرف وعظ و افتا کے ذریعے رشد و ہدایت کے دریا بہائے تو دوسری طرف تصنیف و تالیف سے اسلام اور زمرۂ اہل سنت و جماعت کی حمایت و حفاظت کی۔ جس نے ایک طرف مدرسہ کو چار چاند لگائے تو دوسری طرف خانقاہ کے در و بام کو ذکر اللہ سے لبریز کر دیا۔ جس نے اپنی روحانیت کی بے پناہ قوت اور حمیت اسلامی کی بے مثال طاقت کو بروئے کار لا کر حضرت سید احمد شہید جیسا روشن دل مجاہد اور غازی تیار کیا۔ جس نے ہندوستان میں اسلام و ایمان کے قیام و فروغ کے لیے ایک جاں باز جماعت کی تشکیل کی اور اسلام و ایمان کی بقا و استحکام کی خاطر مع رفقا کے شہادت سے ہم آغوش ہو کر زندگیٔ جاوید سے ہمکنار ہوا۔ اور جس کے ایمان افروز نعروں کی آواز بازگشت آج بھی گنبد نیلگوں کے نیچے اقصائے ہند میں سنی جا رہی ہے۔ وہ شخصیت حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رح کی حقائق انگیز شخصیت ہے۔ جو اپنے زمانے کے محدثین و مشائخ کا مرجع تھے۔ جن کا سلسلۂ تلامذہ و مسترشدین آفاق گیر ہے، جنھوں نے باوجود مسلسل علالت و

نقاہت اور باوجود سیاسی انتشار اور ناسازگار حالات کے دہلی میں بیٹھ کر خمستان علوم و معارف دینیہ سے تشنگان بادۂ توحید و سنت کو سرشار و سیراب کیا۔ جن کی ظاہری بینائی اگرچہ عالم شباب ہی میں جا چکی تھی لیکن ان کے دل کی حیرت انگیز روشنی نے ہزاروں دلوں کو روشن کر دیا۔ ہزاروں دل کے نابیناؤں کو بفضل ایزدی چشم بصیرت سے بہرہ ور کیا۔

اس عظیم شخصیت کے حالات میں کچھ رسالے لکھے گئے ہیں مگر سب نامکمل ہیں۔ حالات عزیزی مؤلفہ رحیم بخش دہلویؒ جو کمیاب ہوگئی ہے کہیں دیکھنے کو نہ ملی تھی۔ رضا لائبریری (رامپور) میں اس کا مطالعہ کیا، بڑی مایوسی ہوئی کہ اس میں سوانح کا حق ادا نہیں کیا گیا، حالانکہ سوانح نگار کے پاس پورے پورے حالات بہم ہو جانے کے اس وقت کافی ذرائع موجود تھے، حیات ولی کے آخر میں بھی انھیں رحیم بخش صاحب نے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا ذکر کیا ہے۔ اس میں تھوڑے سے حالات لکھنے اور نظم و نثر کے چند نمونے دکھانے کے بعد لکھتے ہیں :-

"اگرچہ اس وقت آپ کے خطوط کے بہت سے مسودات میرے زیر نظر ہیں لیکن میں نے حیات ولی کے طول پکڑ جانے کے خوف سے چند رقعات کا انتخاب کر کے آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ الخ"

خطوط کے جن مسودات کا ذکر رحیم بخش صاحب سرسری طور پر کر رہے ہیں کاش وہ تمام خطوط حیات عزیزی یا حیات ولی میں درج ہو جاتے تو آج حیات عزیزی کے بہت سے گوشے ہماری نظروں کے سامنے ہوتے۔

نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اتحاف النبلاء میں بڑی متانت اور محدثانہ و مورخانہ بالغ نظری کے ساتھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر حال لکھا ہے۔ اس کا ترجمہ مولانا ذوالفقار احمد بھوپالی مرحوم نے الروض الممطور میں کر دیا ہے اور کچھ مزید حالات بھی آخر میں لکھے ہیں۔ مگر ان دونوں کتابوں میں عمر عزیز کو نوے سال بتایا ہے۔ حالانکہ حضرت رحمۃ اللہ کی عمر اسّی سال کی ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ [illegible]ھ میں پیدا ہونے والا انسان ۱۲۳۹ھ میں اسّی سال کا ہوگا۔ اس قسم کی سہو قلم سے پیدا ہونے والی غلطیاں اگرچہ معمولی ہوتی ہیں مگر تاریخ و سوانح کے طالب علم کو خلجان میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ فتاوی شاہ عبدالعزیزؒ مطبوعہ مجتبائی کے شروع میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بہ رائے نام

سوانح عمری ہے۔ اس کے آخر میں ہے ۔ "بعد حضرت مولانا ہر سہ برادران ایشان قائم مقام ایشان شدند و بہ درس و تدریس مشغول گشتند الخ" یعنی حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے وصال کے بعد ان کے تینوں بھائی ان کے قائم مقام ہوئے اور آپ کی جگہ درس و تدریس میں مشغول رہے ۔ حالانکہ سب سے پہلے چھوٹے بھائی شاہ عبدالغنیؒ[۵] کا انتقال ہوا، پھر ۱۲۳۰ھ میں شاہ عبدالقادرؒ دنیا سے رخصت ہوئے اور ۱۲۳۳ھ میں شاہ رفیع الدینؒ نے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے سامنے اُن سے تقریباً چھ سال پہلے رحلت فرمائی ۔ ایسی صورت میں بھلا کس طرح یہ تینوں بھائی شاہ عبدالعزیزؒ کے بعد قائم مقام ہو سکتے ہیں ۔

دو ماہ کے قریب ہوئے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ اور اُن کے خاندان کے دیگر اکابر کے مزارات پر حاضری کا اتفاق ہوا ۔ ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں اس قبرستان کے کتبے تک برباد ہو گئے تھے۔ بعض اہل خیر نے مسجد و احاطۂ درگاہ شاہ ولی اللہؒ کی مرمت کا کام بڑے اہتمام سے کیا ہے مزارات اکابر پر دوبارہ کتبے بھی نصب کرائے گئے ہیں۔ مگر یہ دیکھ کر افسوس اور تعجب ہوا کہ مزار شاہ عبدالعزیزؒ پر جو کتبہ ہے اس میں سن وفات ہو نے قلم سے ۱۲۳۹ھ لکھا ہوا ہے ۔ اس کو بھی معمولی غلطی کہہ دیجیے۔ مگر میرے نزدیک بہت بڑی غلطی ہے۔ ہم اپنے بزرگوں کی حیات کے ہر ہر دور اور وفات و بعد وفات سے تاریخ کے بہت سے واقعات وابستہ رکھتے ہیں اگر اس طرح بے توجہی سے کام لیا گیا اور اہل علم نے کوئی خبر نہ لی تو ہماری ہندستان کی ملی تاریخ پر غلط اثر پڑے گا۔

محقق شہیر مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی رائے بریلویؒ نے نزہۃ الخواطر جلد ۷ میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا جامع تذکرہ کیا ہے اس سے مجھے بڑی رہنمائی ملی۔ میں اس وقت حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے مکمل حالات لکھنے سے قاصر ہوں، اس کے لیے بڑی جستجو بڑا وقت اور بڑا سفر درکار ہے، انکی تمام تصانیف پر سیر حاصل تبصرہ کرنا، تلامذہ کی مکمل فہرست، اُن کے اجمالی حالات کے ساتھ

---

[۵] مولوی امام خان نوشہروی نے اپنی کتاب تراجم علمائے حدیث میں ایک دلچسپ غلطی اور کی ہے وہ یہ کہ حضرت شاہ عبدالغنی ابن حضرت شاہ ولی اللہؒ کو وہ حضرت مولانا نانوتویؒ کا استاد بتلاتے ہیں۔ انھیں شاید یہ معلوم ہی نہیں کہ شاہ ابو سعید کے ایک صاحبزادے کا نام بھی شاہ عبدالغنی مجددیؒ تھا اور وہی استاذ قاسم العلومؒ تھے۔

تیار کرنا اور ہندوستان کے شخصی و درسگاہی کتب خانوں سے حضرت شاہ صاحبؒ کی نادر و غیر مطبوعہ تحریرات کا حاصل کرنا میرے لیے دشوار ہے۔ میرا خیال تو فقط یہ تھا کہ بیاض مولانا رشید الدین خاں دہلویؒ کا تعارف کراؤں۔ یہ وہی مولانا رشید الدین خاںؒ ہیں جن کے متعلق حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا ایک مقولہ مشہور ہے کہ "میری تقریر تو محمد اسمٰعیل نے لے لی اور تحریر رشید الدین نے"۔

اب سے تقریباً تیس سال پیشتر جبکہ میں دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پاتا تھا، یہ بیاض دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اس بیاض پر جمعیۃ الانصار کی مُہر لگی ہوئی ہے۔ غالباً حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے اس کو کہیں سے حاصل کیا تھا۔ اس بیاض میں زیادہ تر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی ایسی نادر تحریرات ہیں جو کسی دوسری جگہ نہیں ملیں۔ اس میں شاہ صاحبؒ کے مکتوبات بھی ہیں، فتاویٰ بھی ہیں، اور کلام نظم و نثر کے بہترین شاہ کار بھی۔

اس بیاض کا کچھ حصہ میں نے نقل کر لیا تھا اور یہ اطمینان تھا کہ جب بیاض رشیدی کا تعارف کرانا ہوگا اس کو دوبارہ دیکھ لوں گا۔ اب پاؤ صدی سے زیادہ عرصہ گزرنے پر کثیر التعداد کتابوں کے ذخیرے میں اس بیاض کا پتہ نہیں چلتا۔ خدا کرے کہ وہ کتب خانے میں محفوظ ہو۔ میں اپنے اس مقالے میں اپنے مقام پر اس بیاض ہی سے نقل کیے ہوئے علمی و ادبی نمونے پیش کروں گا۔ اسی بیاض کے

ع۵۔ سرسید احمد خاں آثار الصنادید میں لکھتے ہیں ۔۔۔ "جامع معقول و منقول حاوی فروع و اصول یگانۂ روزگار ... یکتائے زمانہ، قدوۂ دوراں مولوی محمد رشید الدین خاں طاب ثراہ ۔۔۔ شاگرد رشید اور مخلص خالص العقیدہ جناب جنت مآب زبدۂ اکابر روزگار مولانا رفیع الدین رضوان اللہ علیہ کے تھے ۔۔۔ اگرچہ کسب کمال ان حضرت کے دونوں بھائی یعنی مولانا عبدالعزیز اور مولانا عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہما کی خدمت سے بھی کیا تھا لیکن تکمیل علوم کی ان ہی کی خدمت میں اختتام کو پہونچائی۔ مدۃ العمر فرقۂ امامیہ کے علماء سے مباحثہ و مناظرہ کیا اور باہم تحریریں اس بحث میں رسائل و نسخ متعدد فراہم ہوگئے۔ طریق مناظرہ کا یہ دیکھا گیا کہ تقریر یا تحریر میں خصم کو بجز اعتراف عجز کے چارہ نہ تھا۔ مدرسۂ دہلی میں مدرس تھے اور مولانا مملوک علی نانوتویؒ ان ہی کے شاگرد رشید تھے، کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان میں الصولۃ الغضنفریہ اور شوکت عمریہ مشہور کتابیں ہیں [illegible] میں انتقال فرمایا۔

(تذکرۂ علمائے ہند و نزہۃ الخواطر جلد ۷)

قارئین کی خاطر شروع میں تھوڑے سے حالات اور ملفوظاتِ عزیزی بھی شامل کر دیئے ہیں۔

پیدائش | حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی ۱۱۵۹ھ میں پیدا ہوئے۔ غلام حلیم تاریخی نام ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی زوجۂ اولیٰ سے ایک صاحبزادے شیخ محمد محدثؒ تھے اور دوسری زوجہ سے چار صاحبزادے تھے جن میں سب سے بڑے شاہ عبد العزیزؒ تھے۔

تعلیم | حفظ قرآن کے بعد آپ نے تعلیم زیادہ تر اپنے والد ماجد سے پائی اور کچھ تعلیم حضرت شاہ محمد عاشق پھلتیؒ اور حضرت شاہ نور اللہ بڈھانویؒ سے بھی حاصل کی۔ منجانب اللہ ذہانت، ذکاوت غیر معمولی اور حافظہ بے نظیر عطا ہوا تھا۔ ۱۵ سال کی عمر میں اپنے والد کے سامنے ہی تمام علوم و فنونِ مروجہ سے فارغ ہو گئے تھے اور اسی زمانے سے پڑھانا شروع کر دیا تھا۔

بیعت | اپنے والد ماجد سے تمام سلاسل میں بیعت ہوئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں میدانِ سلوک طے کر لیا، ۱۷ سال کے تھے کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے تمام خلفاء کی موجودگی میں آپ ہی قائمقام اور سجادہ نشین بنائے گئے۔ اور اپنے چھوٹے بھائیوں مولانا شاہ رفیع الدینؒ، شاہ عبد القادر اور شاہ عبد الغنیؒ کی تعلیم و تربیت کا کام آپ نے بحسن و خوبی انجام دیا۔

نکاح و اولاد | آپ کا نکاح شاہ نور اللہ صدیقی بڈھانویؒ کی صاحبزادی سے ہوا جن سے ایک صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ صاحبزادے کا نام احمد تھا جیسا کہ بیاضِ رشیدی کے ایک مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔ سب سے بڑی صاحبزادی حضرت شاہ رفیع الدینؒ کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد عیسیٰؒ کے عقدِ نکاح میں آئیں۔ دوسری صاحبزادی شیخ محمد افضل فاروقیؒ سے منسوب ہوئیں جن کے دو صاحبزادے حضرت شاہ محمد اسحٰقؒ اور شاہ محمد یعقوبؒ تھے۔ اول الذکر ۱۱۹۷ھ میں اور ثانی الذکر ۱۲۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ تیسری صاحبزادی حضرت مولانا محمد عبد الحیٔ بڈھانویؒ کی زوجہ تھیں۔ مولانا عبد الحیٔؒ، شاہ نور اللہ کے پوتے اور شاہ عبد العزیزؒ کی زوجۂ محترمہ کے حقیقی بھتیجے تھے۔ غالباً ان تیسری صاحبزادی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ مولانا عبد الحیٔؒ کی ایک دوسری زوجہ کے بطن سے مولانا عبد القیوم محدث بڈھانویؒ ثم بھوپالی تھے۔ مولانا عبد القیوم محدثؒ، حضرت شاہ محمد اسحٰق محدثؒ

ھ دماشہ و محو صفر [illegible]

کے داماد تھے۔ مولانا عبد القیومؒ کی ایک صاحبزادی تھیں اور دو صاحبزادے مولانا محمد یوسف صاحب اور میاں محمد ابراہیم صاحب تھے۔ مولانا ذوالفقار احمد صاحب بھوپالیؒ الروض الممطور میں لکھتے ہیں کہ مولوی محمد یوسف مثل اپنے والد ماجد مرحوم کے درس حدیث میں مشغول رہتے ہیں۔ نہایت صالح و متدین ہیں۔"

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا ایک الہام یا آگاہی

نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اتحاف النبلاء میں بحوالہ "قول جلی در سوانح شاہ ولی اللہ مرتبہ شاہ محمد عاشق پھلتیؒ" لکھا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا کہ "ہمیں آگاہی دی گئی ہے کہ یہ لڑکے جو ہمیں لطفِ الٰہی سے عطا ہوئے ہیں سب سعید ہیں۔ ایک نوع کی کُلّیت ان میں ظہور کرے گی — تدبیر غیب تقاضا کرتی ہے کہ دو شخص اور پیدا ہوں جو مکہ و مدینہ میں سالہا احیائے علوم دین کریں اور حجاز میں وطن اختیار کریں۔ ماں کی طرف سے ان کا نسب ہم تک پہونچے گا — آدمی زادہ ماں کی طرف میلانِ طبعی رکھتا ہے اس لئے اپنے ماں کے وطن کو چھوڑ کر کسی اور جگہ منتقل ہو۔ یہ بات بظاہر بالطبع مشکل نظر آتی ہے مگر ہاں قسر قاسر (کسی سبب سے) ایسی صورت پیدا ہو جائے تو دوسری بات ہے" — اس ملفوظ کو تحریر کرنے کے بعد نواب صاحب فرماتے ہیں کہ "مصداق اس آگاہی کا وجود ہر دو نواسۂ شاہ عبد العزیز دہلوی قدس سرہٗ کا ہے، یعنی مولانا محمد اسحٰق (م ۱۲۶۲ھ) اور مولانا محمد یعقوب (م ۱۲۸۲ھ) رحمہما اللہ تعالیٰ کہ دہلی سے (۱۲۵۸ھ میں) ہجرت کر کے ان دونوں نے مکۂ مکرمہ میں اقامت فرمائی اور سالہا اہل عرب و عجم میں روایت حدیث شریف کو زندہ کیا۔ لیکن اس وقت میں یہ خاندانِ علم و کمال بتمامہا ختم ہو گیا اور کوئی ان میں سے باقی نہ رہا۔ یفعل اللہ ما یشاءُ و یحکم ما یرید۔

(ترجمہ از اتحاف النبلاء ص ۴۳۰ و ۴۳۱)

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) ؎ ابو یحییٰ امام خان نوشہری نے تراجم علمائے حدیث جلد اول میں ص ۱۲۲ پر مولانا عبد القیومؒ کو حضرت شاہ عبد العزیزؒ کا نواسہ بتایا ہے جو غلط ہے۔ اور ص ۱۲۳ پر لکھا ہے کہ وہ بھوپال میں سپرد خاک ہوئے" یہ بھی غلط ہے۔ مولانا عبد القیوم کی وفات اپنے وطن بڈھانہ ضلع مظفر نگر پہونچ کر ۱۲۹۹ھ میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے اور یہاں کی خواہش وہاں کی تھی جیسا کہ الروض الممطور میں مولانا ذوالفقار احمدؒ نے لکھا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے تلامذہ | آپ کے اجازت یافتہ تلامذہ اور خلفاء و مریدین کا حلقہ یقیناً بہت وسیع ہوگا۔ تذکرۂ علماء ہند، نزہۃ الخواطر، عمدۃ الصحائف مؤلفہ مولوی عبدالکریم حنفی قادریؒ، سراج العوارف مؤلفہ شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہرویؒ، تذکرۃ الکرام (تاریخ امروہہ) تذکرہ مشاہیر کاکوری اور بعض دیگر تذکروں کی مدد سے حسب ذیل تلامذہ کی فہرست تیار کرسکا ہوں، یقیناً یہ بہت کم ہیں، مگر اس میں مشاہیر تلامذہ ایک حد تک سب آگئے ہیں۔ ان میں سے بہت سے وہ حضرات ہیں جن کی مستقل سوانح عمریاں لکھی جانی چاہئیں۔

(۱) و (۲) و (۳) ہر سہ برادران گرامی قدر۔ (۴) و (۵) ہر دو نواسے۔ (۶) مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید دہلویؒ برادر زادہ (۷) مولانا مخصوص اللہؒ ابن شاہ رفیع الدین دہلویؒ (۸) مولانا عبدالحیٔ بڈھانویؒ (۹) شاہ غلام علی مجددی دہلویؒ۔ (۱۰) شاہ ابوسعید مجددی رامپوری ثم دہلویؒ (۱۱) مولانا شاہ احمد سعید مجددیؒ ابن شاہ ابوسعید مجددیؒ۔ (۱۲) مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ۔ (۱۳) مولانا سید قطب الہدیٰ حسنی ساکن رائے بریلی (۱۴) مولانا رؤف احمد رافت مجددی رامپوریؒ (۱۵) مولانا حسین احمد محدث ملیح آبادیؒ۔ (۱۶) مرزا حسن علی صغیر محدث لکھنویؒ (۱۷) مولانا حیدر علی رامپوریؒ (۱۸) مولانا حیدر علی فیض آبادیؒ مؤلف ازالۃ الغین و منتہی الکلام (۱۹) مولانا سید احمد علی بجنوریؒ، (۲۰) مولانا سلامت اللہ کشفی بدایونی ثم کانپوریؒ (۲۱) مولانا ثناء الدین احمد بدایونی۔ (۲۲) مولانا شاہ سید آل رسول برکاتی مارہروی (۲۳) اخوند حافظ عبدالعزیز قادری دہلویؒ (۲۴) مولانا فضل حق خیرآبادیؒ (۲۵) مولانا رشید الدین خاں دہلویؒ (۲۶) مولانا کریم اللہ دہلویؒ۔ (۲۷) مولانا محبوب علی دہلویؒ۔ (۲۸) مولانا سید محمد اسحٰق بن سید محمد عرفان رائے بریلویؒ (حضرت سید احمد شہیدؒ کے برادر زادہ)۔ (۲۹) مولانا عبدالخالق دہلویؒ (۳۰) مولانا غلام جیلانی رفعت رامپوریؒ (۳۱) مولانا کرم اللہ محدث دہلویؒ (م ۱۲۵۲ھ) (۳۲) شیخ قمرالدین حسینی سونی پتیؒ (۳۳) مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ (۳۴) مولانا غلام محی الدین بگویؒ (۳۵) حافظ غلام علی چریاکوٹی۔ (۳۶) مولانا محمد شکور مچھلی شہری

۱؎ تذکرہ علماء ہند میں لکھا ہے کہ [illegible] میں ان کا انتقال ہوا اور حجاز میں انتقال ہوا حالانکہ صحیح یہ ہے کہ [illegible] میں شہر [illegible] کے اندر انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے جیسا کہ نزہۃ الخواطر جلد ۷ اور سفرنامۂ شیفتہ سے معلوم ہوتا ہے۔

(۳۷) مولانا سید جلال الدین برہان پوریؒ۔ (۳۸) مولانا سید آل حسن قنوجیؒ (نواب صدیق حسن خاں کے والد ماجد) (۳۹) شاہ رحمٰن بخش چشتی امروہیؒ ابن حضرت شاہ عبدالباری صدیقی چشتیؒ (۴۰) مولانا سید رمضان علی امروہیؒ (۴۱) مولانا نجابت حسین ساکن محلہ قاضی ٹولہ باشی بریلی (یہ نام زبانی روایت کی بنا پر درج کیا گیا ہے) (۴۲) شیخ فضل حق عرف غلام مینا ساحر علوی کاکوروی (۴۳) مفتی صدرالدین آزردہ (۴۴) مولانا شاہ ظہور الحق قادری پھلواروی (آپ نے مکاتبۃً حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے اجازت حدیث حاصل کی تھی نزہۃ الخواطر)

مولوی بیر علی دہلوی (مولوی رحمٰن سہارن پوری) | مؤلف تذکرہ علمائے ہند نے لکھا ہے کہ یہ سودا فرونش حرف شناس بھی نہ تھے (اُمّی تھے) حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی صحبت میں رہتے تھے قوت حافظہ ایسی تھی کہ جو کچھ شاہ صاحب سے سنتے تھے لفظ بلفظ یاد رکھتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی زبان سے قرآن مجید کا وعظ بارہا سن چکے تھے۔ اگر کوئی کہتا کہ کچھ فرمائیے، کہتے کہ قرآن کی کوئی آیت پڑھو اگر پڑھنے والا غلط پڑھتا تو تصحیح کرتے اور اسکا ترجمہ کرکے تفصیل و تشریح کرتے تھے۔ مفتی اسد اللہ الہ آبادی مرحوم فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں دہلی گیا اس زمانے میں مولوی بیر علی زندہ تھے ان کے اوصاف سن کر اُن کی ملاقات کا مشتاق ہوا، نماز جمعہ شاہجہانی جامع مسجد میں ادا کی، نماز کے بعد مجلس وعظ منعقد ہوئی بعض لوگوں نے کہا یہی مولوی بیر علی ہیں جو وعظ کہہ رہے ہیں۔ میں نے نہایت توجہ سے ان کا وعظ سنا جتنا اُن کے متعلق سنا تھا اُس سے زیادہ ان کو پایا۔ وعظ سے جب فارغ ہو گئے تو میں نے سلام و مصافحہ کیا اور ایک آیت کا مطلب دریافت کیا، انھوں نے برجستہ اس کا مطلب بیان کیا اور میرے اشکال کو بھی دور کر دیا۔ ع۔ صحبت صالح ترا صالح کند۔

(ملخصاً از ترجمہ تذکرۂ علمائے ہند، مرتبہ محمد ایوب قادری)

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے فیض صحبت سے خواص تو خواص عوام بھی کس قدر متاثر ہوئے تھے۔

تصانیف | حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی تصنیفات و تالیفات میں جو کتب شائع ہو چکی ہیں یا جو موجود اور مشہور ہیں اُن کی فہرست نزہۃ الخواطر اور حیات ولی سے اخذ کر کے پیش کرتا ہوں۔ ان کے علاوہ بھی نہ معلوم کتنا ذخیرۂ تالیف اور ہوگا جو انقلاب زمانہ اور غفلت سے تلف ہو گیا۔ ان کتابوں میں

سے ہر ایک پر ایک مفصل تبصرہ کیا جا سکتا ہے۔ فی الحال فہرست اور اجمالی تعارف پر اکتفا کرتا ہوں۔

(۱) آپ کی مشہور تالیف تفسیر فتح العزیز ہے جو کہ تفسیر عزیزی بھی کہلاتی ہے۔ اس تفسیر کو ایسے زمانے میں جبکہ مرض کا شدید غلبہ تھا املاء لکھوایا۔ یہ کئی جلدوں میں تھی۔ اس کا اکثر حصہ ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں ضائع ہو گیا، اول و آخر کی صرف دو جلدیں دستیاب ہوئیں جو شائع ہو چکی ہیں۔ اور ان کا اردو میں ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔

(۲) تحفۂ اثنا عشریہ، علم کلام میں ایک زبردست علمی شاہکار ہے۔ فرقۂ امامیہ کی پوری تحقیق اور ان کے اعتراضات کے مکمل جوابات ہیں۔ قرآن و حدیث کے مطالب اور تاریخ و سیرت کے بہت سے گوشے اس کے مطالعے سے کھلتے ہیں۔ لفظ چراغ سے اس کی تصنیف کا سال ۱۲۰۴ھ نکلتا ہے۔ مولوی اسلمی مدراسیؒ نے اس کا عربی میں بھی ترجمہ کر دیا تھا۔ خود حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک مجلس میں تحفۂ اثنا عشریہ کا ذکر آنے پر فرمایا کہ ایک شخص نے اس کتاب کے بارے میں لکھا تھا " ھذا الکتاب لو بیع ذھباً لکان البائع مغبوناً " (یعنی یہ کتاب ایسی ہے کہ اگر اس کے برابر سونا لے کر اس کو فروخت کیا جائے تو بھی بیچنے والا خسارہ میں رہے گا)

(۳) بستان المحدثین۔ اس میں کتب احادیث کی فہرست ہے اور ان کے مدونین و جامعین کے شرح و بسط کے ساتھ سوانح ہیں۔ بے نظیر کتاب ہے۔ اس کا اردو ترجمہ مولانا عبدالسمیع صاحب دیوبندی مدرس دارالعلوم دیوبند نے کیا تھا۔

(۴) عجالۂ نافعہ۔ فارسی زبان میں اصول حدیث میں مختصر اور بڑا جامع و نافع رسالہ ہے اس کا بھی اردو میں ترجمہ ہو گیا ہے۔

(۵) میزان البلاغۃ۔ علم البلاغت میں ایک عمدہ متن ہے۔ اس کو غالباً سب سے پہلے قاضی بشیر الدین صدیقی میرٹھی مرحوم نے مفتی عزیز الرحمن صاحب نقشبندی دیوبندیؒ کے حاشیے کے ساتھ اپنے مطبع مجتبائی میرٹھ میں شائع کیا۔

(۶) میزان الکلام۔ علم کلام میں ایک عمدہ متن ہے۔

(۷) سر الجلیل فی مسئلۃ التفضیل۔ یہ رسالہ علیحدہ بھی شائع ہوا ہے اور فتاویٰ جلد دوم میں شامل ہو کر بھی۔ (۸) عزیز الاقتباس۔ خلفاء راشدین کے فضائل میں ہے۔

(۹) سر الشہادتین۔ شہادت حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے بارے میں ایک مختصر رسالہ ہے مگر حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف اس کی نسبت میں بعض حضرات کو کلام ہے

(۱۰) رسالۃ فی الانساب (۱۱) رسالۃ فی الرویا۔

(۱۲) حواشی جو منطق اور حکمت کی کئی کتابوں پر ہیں۔

(۱۳) فتاوی ـــ یہ مطبع مجتبائی میں دو جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان کا اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ فتاوی کے ساتھ پانچ چھ رسائل بھی شائع ہوئے ہیں جو بہت اہم ہیں۔

ان کتابوں کے ساتھ ساتھ حاجی رفیع الدین فاروقی مرادآبادیؒ کی کتاب "اسولہ واجوبہ" کے جوابات کو بھی حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی تالیف قرار دینا چاہیے۔ یہ کتاب جہاں تک مجھے معلوم ہے کتب خانہ دارالعلوم ندوہ لکھنؤ، کتب خانہ مظاہر علوم سہارنپور، کتب خانہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، اور کتب خانہ قاضی شہر رامپور میں موجود ہے۔ حاجی رفیع الدین مرادآبادیؒ اس کتاب کے دیباچے میں جو تحریر فرماتے ہیں اس کا ترجمہ ذیل میں درج ہے۔ اصل عبارت دیباچہ کتب خانہ دارالعلوم ندوہ سے نقل کی گئی تھی۔

"حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سلمہ اللہ تعالی نے ایک تفسیر تالیف کی ہے جس کا نام فتح العزیز ہے۔ ابھی اس کے مسودات بیاض کی منزل تک نہیں پہنچے ہیں۔ یوں تو اس میں تحقیقات بسیار اور لطائف بیشمار تحریر ہوئے ہیں۔ مگر پانچ علوم پر خصوصیت سے بحث کی گئی ہے۔

(۱) سورتوں کے عنوانات اور اجمالاً ہر سورت کا مضمون۔

(۲) بعض آیات کا بعض کے ساتھ ربط۔

(۳) متشابہات القرآن۔

(۴) قصص و احکام قرآنی کے اسرار۔

(۵) لطائف نظم قرآن۔

مصنف سلمہ اللہ تعالی نے ان پانچوں علوم کے نمونے جستہ جستہ فقیر محمد رفیع الدین مرادآبادی کو مکتوب کی شکل میں مرحمت فرمائے۔ ان کے بارے میں احقر نے جو سوالات کیے ان کے جوابات بھی مکاتیب ہی میں لکھے۔ میں نے ان سب کو ان اوراق میں جمع کر دیا۔ وباللہ التوفیق۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی مجالسِ درسِ قرآن | مشہور مناظر و متکلم حضرت مولانا سید رعلی فیض آبادیؒ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب ازالۃ الغین کے مقالۂ تاسعہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کی مجالسِ درسِ قرآن کا آنکھوں دیکھا حال تحریر فرمایا ہے۔ ذیل میں اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

علامہ دہلوی (حضرت شاہ عبدالعزیزؒ) روز جمعہ اور سہ شنبہ کو مجلسِ وعظ اپنے مدرسے میں منعقد کرتے تھے۔ شائقین وہاں جمع ہوتے تھے اور یہ وعظ کافی دیر تک ہوتا تھا۔ علماء کرام تفسیر بیضاوی، تفسیر نیشاپوری، کشاف اور دیگر تفاسیر مشکلہ اپنے سامنے رکھتے تھے۔ اور سمجھ لیتے تھے کہ اس وقت فلاں اشکال کو فلاں تفسیر میں سے حل فرمایا گیا ہے۔ میں نے بارہا یہ دیکھا کہ جس شخص کے دل میں کسی قسم کا اعتراض یا شبہ آتا تھا آپ کی تقریر سے وہ شخص مطمئن ہو جاتا تھا۔ آپ کے فیضِ صحبت سے اکثر غیر مسلم مسلمان ہو جاتے اور شک و تردد والے قوتِ اعتقاد حاصل کرتے تھے ___ فقیر کا سفرِ دہلی، محض تحقیقِ مذہب کے سلسلے میں ہوا تھا جب اس بابرکت صحبت میں التزام کے ساتھ رہا تو تمام شکوک و اوہام ختم ہو گئے۔

آخری درسِ قرآن | حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا آخری درسِ قرآن اِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ کی تفسیر تھا۔ یہاں سے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے تفسیر شروع کی اور ان کا آخری درس إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ کی تفسیر تھا۔ اس سے آگے کو حضرت شاہ محمد اسحاقؒ نے سلسلہ جاری رکھا۔

(ماخوذ از نزہۃ الخواطر جلد، بحوالہ المقالات الطریقہ)

حلیہ مبارک | حکیم سید عبدالحیؒ ”نزہۃ الخواطر“ میں تحریر فرماتے ہیں ___ آپ طویل القامت، نحیف البدن، گندم گوں، کشادہ چشم اور گھنی داڑھی والے تھے۔

مسلک | علامہ نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اتحاف النبلاء میں لکھا ہے کہ ان کا (شاہ عبدالعزیزؒ کا) مذہب علوم حدیث و فقہ حنفی کا ہے۔ خدمت اس علم شریف کی جیسی اس خاندان سے وجود میں آئی ویسی اس ملک میں اور کسی سے معلوم و معہود نہیں ہے۔ (الروض الممطور بحوالہ اتحاف)

مرض وفات اور وفات | نزہۃ الخواطر میں ہے کہ ۲۵ سال کی عمر سے آپ کو گوناگوں امراض لاحق ہو گئے تھے جس کی وجہ سے بینائی پر اثر پڑ گیا تھا۔ بنا بریں مدرسہ کا کام شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کے سپرد کر دیا تھا، زیادہ تر یہی دونوں بھائی طلباء کو درسِ حدیث دیتے تھے۔ خود بھی درسِ حدیث دیتے تھے مگر کم ___ تصنیف و تالیف، فتویٰ و وعظ کا کام برابر جاری رہا۔ آپ کے مواعظ حقائقِ قرآنی

سے لبریز ہوتے تھے۔ آخری عمر میں تو آپ اس قابل بھی نہ رہے تھے کہ مجلس میں ایک ساعت بیٹھ سکیں۔ دونوں مدرسوں (قدیم و جدید) کے درمیان دو آدمیوں کے سہارے چلا کرتے تھے اور اس وقت میں چلتے چلتے بھی درس دیتے تھے اور رشد و ہدایت کی طرف رہنمائی بھی اپنے کلمات طیبات کے ذریعے فرماتے جاتے تھے۔ عصر اور مغرب کے درمیانی وقت میں اس سڑک تک (دو آدمیوں کے سہارے) تشریف لے جاتے تھے جو مدرسہ اور جامع مسجد دہلی کے درمیان میں ہے۔ لوگ اس وقت آپ کے قدوم کے منتظر رہتے تھے اور اپنے سوالات اور علمی اشکالات آپ کی خدمت میں پیش کر کے حل کرتے تھے ۔۔۔ بھوک اتنی کم ہو گئی تھی کہ کئی کئی دن کے بعد غذا استعمال فرماتے تھے۔"

بالآخر وہ زمانہ بھی قریب آگیا جب کہ یہ ہندوستان کا آفتاب علم غروب ہونے والا ہے۔ مولوی سید احمد علی بجنوری نے (یہ بجنور غالباً لکھنؤ کے قریب ایک قصبہ ہے) حضرت شاہ صاحبؒ کے حالات ایک خط میں لکھے ہیں۔ الرحمٰن المسطور میں یہ خط درج ہے۔ میں اس خط کا ضروری حصہ یہاں نقل کرتا ہوں، کہیں کہیں مفہوم باقی رکھتے ہوئے الفاظ میں تغیر کر دیا گیا ہے۔۔

" ماہ رجب ۱۲۳۹ھ سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ چار دن کے بعد آدھ پاؤ بلکہ اس سے بھی کم غذا استعمال کرتے تھے۔ تمام رات بخار رہتا تھا اور اکثر سودا یہ چڑھتے تھے، آخر رمضان میں طبیعت پہلے سے زیادہ ناساز ہوئی، چنانچہ ۲۹ر رمضان کو شام کے وقت غشی طاری ہو گئی۔ ہاتھ پاؤں سرد ہو گئے۔ تمام گھر میں ایک عجیب قیامت برپا ہو گئی۔ اس کی صبح کو عید تھی اور پیر کا دن تھا، کچھ افاقہ ہو گیا موافق معمول کے پہر دن چڑھے نماز عید ادا کی گئی کہ مسجد اکبر آبادی میں پھر غشی طاری ہوئی۔ گھر آ گئے طبیعت بے مزہ رہی۔۔۔ منگل کا دن درس کا دن تھا۔ بحال بے طاقتی منبر پر کچھ دیر آرام کر کے آیۂ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ کی تفسیر پر اکتفا کیا، پھر کچھ دن باقی رہا تھا کہ فقیر کو طلب فرما کر وصیت نامہ لکھوایا جس میں فرش اور ذاتی کتب خاص کو مولانا محمد اسحٰقؒ کے نام ہبہ کیا۔ ان کے علاوہ اور بھی امور تھے۔۔۔ فقیر کی مہر اس پر ثبت کرائی اور مولانا رشید الدین خاں وغیرہ کو طلب کر کے ان کی مہریں بھی ثبت کرائیں۔ اس دن حال بہت متغیر تھا۔

مغرب سے پہلے پہلے اجازت نامۂ احادیث اپنی مہر خاص سے مزین فرما کر اس فقیر کو عنایت فرمایا ۔۔۔ ان طعام بالکلیہ موقوف ہوا۔ بدھ کا دن آیا اطباء نے مجھ کو ایک نسخہ تجویز کیا، اس کو

استعمال کیا۔ پہردن چڑھے نماز اشراق ادا کی۔ بعدہٗ اجابت ہوئی۔ دوا جیسے نکلی معلوم ہوا کہ قوت ماسکہ زائل ہوگئی ہے۔ بدھ کے دن شام کو بہت لوگ مرید ہوئے۔ جمعرات کے دن حالت اور متغیر ہوگئی، جمعہ کے دن چاہا کہ معمول کے مطابق مدرسہ میں آئیں نہ آسکے۔ درس موقوف ہوا مگر زیارت سب کو میسر ہوئی۔ شام کے وقت تفسیر مدارک اور تفسیر رحمانی سنی بعدہٗ کچھ نقدی برادرزادوں اور ذوی الارحام حاضر و غائب پر تقسیم فرمائی۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ شنبہ کے دن سکوت طاری ہوا اور نبض مختل ہوگئی، مگر نماز پنجگانہ اشارے سے پڑھتے تھے۔ دوپہر کو قرآن مجید طلب فرماکر مولانا محمد اسحٰق صاحبؒ سے سورۂ ق ایک رکوع تک سنی بعدہٗ فرمایا کہ قالت الاعرابُ اٰمنّا سے کہ ابتداء درس کی ہوگی۔ پڑھو۔ بعد مغرب غلام حسین نامی ایک صاحب مرید ہوئے۔ نماز عشاء کی پڑھی۔ چار گھڑی رات باقی رہی تھی کہ اضطراب لاحق ہوا۔ دو تکیے دائیں اور بائیں جلتے جارہے تھے۔ آرام کسی صورت نہ تھا۔ برخلاف عادت کے سوائے تہبند کے باقی تمام کپڑے بدن سے اتار ڈالے تھے۔ بعد نماز فجر، ۷ شوال کو اتوار کے دن داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور اس دار فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف انتقال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ تمام شہر دہلی پر ایک ایسی حالت واقع ہوئی کہ بیان میں نہیں آسکتی۔

کمالاتِ عزیزی میں بھی آپ کے آخری وقت کے کچھ حالات نواب مبارک علی خاں میرٹھی نبیرۂ نواب خیر اندیش خاں مرحوم نے لکھے ہیں، اس میں ہے کہ آخری وعظ کے دن آپ نے مشہور مصرع، ”من نیز حاضر میشوم تصویر جاناں در بغل“ کو تصرف کرکے یوں پڑھا۔ ”من نیز حاضر میشوم تفسیر قرآں در بغل“ —

آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرا کفن اسی کپڑے کا ہو جو میں پہنتا ہوں۔ آپ کا کرتہ ادھوتر کا اور پائجامہ گاڑھے کا ہوتا تھا — اور یہ بھی فرمایا کہ نماز جنازہ شہر کے باہر ہو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ کمالاتِ عزیزی میں ہے کہ آپ کے جنازے کی نماز پچپن مرتبہ ہوئی۔

مزار | اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے پہلو میں مہندیوں میں دفن ہوئے۔

تاریخ وفات | حضرت شاہ مؤمن احمد راقت مجددی رامپوریؒ نے حسب ذیل تاریخ کہی۔

شاہ عبدالعزیز فخر جہاں عالم علم آیت قرآں

صبح یک شنبہ ہفتمین شوال	از بدن گشتہ روح او پرّان
سن ہجری چو جستم از ہاتف	گفت اے نکتہ سنج قاعدہ دان
سالِ فوتش ز ہر عدد پیداست	از احد تا الوف زین عنوان
خواہی از ہر عدد کہ تاریخش	اوّلاً چار چند کن پس ازان
یک بیفزا او ضرب کن در دہ	پس بکن طرح بست بست اے جان
در عدد بست و چار ز باقی را	ضرب فرما تو اے فہیم زمان
پس بنقصانِ یک عدد دریاب عہ	فوت آن مغفرِ زمین و زمان

حکیم مومن خاں مومن دہلوی مرحوم نے حسب ذیل قطعۂ تاریخ لکھا۔

انتخاب نسخۂ دیں مولوی عبدالعزیز	بے عدیل و بے نظیر و بے مثال و بے مثل
جانبِ ملکِ عدم تشریف فرما کیوں ہوئے	آگیا تھا کیا کہیں فرد و کجی ایماں میں خلل؟
ہو ستم اے چرخ تو کس کو یہاں سے لے گیا	کیا کیا یہ ظلم تو نے بیکسوں پر اے اجل
جب اٹھائی نعش اک عالم تہ و بالا ہوا	لوٹتا تھا خاک پر ہر قدسیِ گردوں محل
کیا کسی دنیا کس پہ تھا صدمہ کیا جو وقتِ دفن	ڈالتا تھا خاک سر پر ہر عزیز و مبتذل
مجلسِ دردآفرینِ تعزیت میں میں بھی تھا	جب پڑھی تاریخ مومن نے یہ آکر بے بدل
دستِ بیدادِ اجل سے بے سر و پا ہو گئے	فخرِ دیں، فضل و ہنر، لطف و کرم، علم و عمل

ق	ی	ض	ن	ط	ر	ل	م
۱۰۰	۱۰	۸۰۰	۵۰	۹	۲۰۰	۳۰	۴۰

سنہ ۱۲۳۹ھ

تکملۃ الصنائع میں یہ قطعۂ تاریخ ہے۔

عہ یعنی ایک سے لے کر ہزار تک کسی عدد سے بھی اس طرح تاریخ نکالی جا سکتی ہے کہ لیے ہوئے عدد کو چار گنا کرو پھر ایک کا اضافہ کرو، پھر دس میں ضرب دو پھر بیس سے تقسیم کرو جو باقی رہے اس کو ۲۴ سے ضرب دو حاصل ضرب میں سے ایک کم کرو [illegible] ہو گا۔

جز اولیٰ ناطق وگویا	شاہ عبدالعزیز فخر زمن	روز شنبہ و ہفتم شوال	در میان بہشت شد مطمن
مہر نصف النہار در عرفان	مثل بدر منیر در ہمہ فن	از سر لطف و سلم تاریخش	رضی اللہ عنہ گفت حسن
		ل ح ۲۰+۶ ۲۸	۱۲۰۱ ۳۸ ۱۲۳۹ھ

کتب خانۂ دارالعلوم ندوہ لکھنؤ کے ایک قلمی نسخے سے حسب ذیل تاریخ ملی (یہاں چند اشعار کا انتخاب کیا گیا ہے۔ شاعر کا پتہ نہ چل سکا)

جناب اقدس عبدالعزیز والا قدر — کہ بود محو رضائے خدائے بے ہمتا
فقیہ بے بدل و عالم عدیم المثل — ولیٔ کامل و استاد و مرشد دانا
مدبرے کہ باقلیم دانش و حکمت — جز او نبود کسے داخل ز سرتا پا
امام جملہ دبیران نکتہ سنج و فصیح — قوام جملہ ادیبان و موجد انشا
معین اہل ورع مقتدائے دینداران — ظہیر شرع پسندان صاحب تقویٰ
مطاع و مرشد و شاہ جہاں و اولادش — ملاذ و مرجع میر و وزیر و شاہ و گدا
بجستم از خرد خردہ کار تاریخش — ہزار نالہ کشید و بسر زد و گفتا

پس از دعا و طہارت نویس ایں مصرع
نہفت زیر زمیں مہر دین و ماہ ہدیٰ

۱۲۳۹ھ

(باقی)

اسلامی صحافت میں ایک خوشگوار اضافہ — دارالعلوم کراچی کا دینی، علمی اور اصلاحی ماہنامہ

البلاغ کراچی

سرپرست: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مفتی اعظم، کراچی

• مفید اور اصلاحی مضامین • تحقیقی مقالے • عالم اسلام کے حالات • علمی لطائف
• دلچسپ معلومات • پرمغز اداریے

ہر مسلمان گھرانے کے لیے ایک دلکش پیغام

فی پرچہ ۵۰ پیسے، سالانہ چھ روپے، ضخامت ۶۴ صفحات، سائز ۲۰×۳۰/۸

پتہ:- ماہنامہ البلاغ، دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

(نوٹ) ہندوستانی خریدار مولانا ظہور الحسن صاحب، خانقاہ امدادیہ، تھانہ بھون ضلع مظفر نگر سے رجوع کریں۔

یک دو ساعت صحبتے با اہلِ دل

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

[بزرگوں کے ملفوظات، اور ان کی مجالس کے قلم بند کرنے کا سلسلہ ہندوستان میں بہت قدیم ہے، یہ ایک بڑا مبارک، اور نہایت دانشمندانہ، تصنیفی اقدام تھا، ان ملفوظات و مجالس میں جو زندگی و بے ساختگی پائی جاتی ہے، وہ قدرتی طور پر علمی تصنیفات، اور عام تحریرات میں نہیں ملتی، پھر زندگی کے مختلف حالات و مسائل میں مختلف المزاج لوگوں کو ان سے جو رہنمائی حاصل ہوتی ہے، اس کی توقع بھی بگے بندھے ہوئے طریقے پر لکھی ہوئی کتابوں سے نہیں کیجا سکتی، سادگی و بے تکلفی، شفقت و رعایت، نباضی و مزاج شناسی، عمومی بیماریوں و کمزوریوں سے گہری واقفیت اور ان کا صحیح علاج ہمیشہ سے بزرگانِ دین، اور صوفیائے کرام کا شیوہ رہا ہے۔ اور اس کا بہترین نمونہ ان کے ملفوظات و مجالس میں ملتا ہے، بڑے بڑے پیچیدہ علمی و فنی مسئلہ کو چند سیدھے سادے لفظوں میں سمجھا دینا، اور مثالوں اور قصوں سے بڑے بڑے علمی حقائق، اور فنی دقائق کو ذہن نشین کر دینا، ان کا معمول رہا ہے، ہم میں سے اکثر لوگوں کو ان اہل دل، اور اہل یقین کی مجالس میں شرکت کا شرف حاصل ہوا ہے، اور اکثر ان حضرات کے ارشادات و تحقیقات کو دوستوں کو سنایا، تو بڑا نفع محسوس ہوا، یہ زبانی سلسلہ کچھ زیادہ اعتماد کے قابل نہیں، حافظہ پر اعتماد، اور لکھنے میں کوتاہی کی وجہ سے اس دولت کا بہت بڑا حصہ ضائع ہو گیا ہے، اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات کو مستثنیٰ کر کے اکثر معاصر بزرگوں کے ملفوظات، اور انکی نادر تحقیقات تلف ہو گئیں،

ناچیز راقم الحروف کو ایک عرصے سے حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی (رضا اللہ مجددیہ، بھوپال) کی خدمت میں نیاز حاصل ہے، اور وقتاً فوقتاً ان کی مجالس میں شرکت کی

سعادت حاصل کرتا رہا ہے۔ کتنی باتیں ایسی سنیں جن کا مضمون، اور برسوں دل میں مزہ لیتا رہا، اور انکو ایک سوغات، اور نادر علمی تحفہ کے طور پر ہند وعرب کے دوستوں کے سامنے پیش کرتا رہا۔ اس مرتبہ اوائل ذی الحجہ میں جب بھوپال میں چند روز قیام رہا، تو دل نے یہ فیصلہ کیا، اور چند مخلص، اور صاحب ذوق دوستوں نے اس کی پرزور تائید کی، کہ ان مجالس کو اپنی صلاحیت، اور امکانی حد تک قلمبند کر لیا جائے، حضرت کے مزاج و مذاق کے خلاف سمجھ کر دو، ان مجلس میں تو کچھ بطور اشارات کے بھی نوٹ کرنے کی جرأت نہ ہوئی، اپنی قیام گاہ (دولت خانہ، موسوم بہ غریب خانہ محب محترم مولانا محمد عمران خاں صاحب ندوی) پر آ کر لکھوانے کا سلسلہ شروع کیا، دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک نہایت مفید اور قیمتی سلسلہ بن گیا، رفیق محترم جناب مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نے جو خود بھی ان مجالس کے بڑے قدرداں، و شائق ہیں، سنا تو اسکو "الفرقان" میں شائع کرنے کا خیال ظاہر کیا، میں نے حضرت کی اجازت پر اس کو موقوف رکھا، مولانا نے خود ہی اجازت طلب کی، تو اس پر جو گرامی نامہ صادر ہوا، وہ خود ایک عارفانہ، اور تحقیقی شان رکھتا ہے، اس کو پڑھ کر اندازہ ہوا کہ یہ نشر و اشاعت حضرت کے طبع مبارک پر گراں ہے، اور طبیعت کا کم سے کم تقاضہ یہ ہے کہ نام کا اظہار نہ کیا جائے لیکن اپنے دینی بھائیوں، اور "الفرقان" کے ناظرین کے فائدے کے لئے اسکی عبارت کی جا رہی ہے کہ "الفرقان" میں یہ سلسلہ شروع کیا جائے، صاحب مجالس، حضرت شاہ رؤف احمد صاحب مجددی کے خانوادۂ عالی کے چشم و چراغ ہیں[1]، جنھوں نے اب سے قریباً ڈیڑھ سو سال پہلے حضرت شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات، اور مجالس کا زندہ جاوید مجموعہ "درالمعارف" کے نام سے مرتب فرمایا، اور ایک احسان عظیم کیا، کہ ان معارف و حقائق کو سینہ سے سفینہ میں منتقل کیا، بڑی کم ہمتی اور ظلم ہوگا اگر ان مضامین کو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندہ کی زبان سے جاری فرماتے ہیں، اہل ذوق تک نہ پہونچایا جائے، (ح)

---

[1] مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب [illegible] خلیفہ پیر ابو احمد صاحب مجددی بن حضرت شاہ [illegible] حضرت شاہ رؤف احمد صاحب (خلیفہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ) بن حضرت شاہ [illegible] صاحب نبیرۂ حضرت امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی کے خانوادۂ عالی سے تعلق رکھتے ہیں۔

امید ہست کہ بیگانگیٔ عرفیؔ را	بہ دوستی سخن ہائے آشنا بخشند

ابوالحسن علی

نوٹ:۔ عام ناظرین کے لئے آیات واحادیث کے ترجمے حاشیہ میں ادارۂ الفرقان کی طرف سے لکھے گئے ہیں۔

بسم اللہ

[۲ ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۵ مارچ ۱۹۶۷ء بروز چہارشنبہ خانقاہ مجددیہ بھوپال وقت ۱۰ بجے دن۔ مخصوص حاضرین مجلس نواب مولوی عبیدالرحمان خانصاحب شروانی۔ مولانا حافظ محمد عمران خانصاحب ندوی، مولوی نعمان خانصاحب ندوی، ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین صاحب قریشی۔ مولوی معین اللہ صاحب ندوی، مولوی نثارالحق ندوی، منشی حلیم الدین، محمد فراہیم صاحب وغیرہ]

فرمایا ـــــ: جب دوا اور مرض کا احساس نہ ہو تو کوئی کتنے ہی خلوص کے ساتھ عمدہ سے عمدہ نسخہ اور بنی بنائی دوا پیش کرے، لوگ قدر نہیں کرتے ہیں، میں اجوائن اور نمک پیش کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ پیٹ کے درد کے لئے نہایت مفید ہے، یہ اجوائن بہت عمدہ قسم کی اور لاہوری نمک نہایت اعلیٰ ہے، لوگ توجہ نہیں کرتے، اور کہتے ہیں کہ ہم کو پیٹ کی کوئی شکایت نہیں، مجھے تو کئی بار خیال ہوا کہ لکھنؤ آجاؤں۔ اور یہ دوا آپ کے حوالہ کردوں کہ اس میں کھور کھری وغیرہ کا اضافہ کر کے ان لوگوں کی خدمت کریں جن کو مرض کا احساس اور درد کی تکلیف ہے۔"

میرے دریافت کرنے پر فرمایا کہ ـــــ" جوانی میں جب میں حیدرآباد میں تھا تو مشائخ کے یہاں تصوف کی کتابیں پڑھی پڑھائی جاتی تھیں۔ خاص طور پر فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم کا بڑا اور رہتا تھا، اور مثنوی مولانا روم کا تو دن رات ورد تھا، وحدۃ الوجود کے نکتے بیان ہوتے ہوتے تھے، اور توحید وجودی کے بارے میں موشگافیاں ہوتی تھیں، لیکن میری آنکھیں قرآن کی تفسیر اور حدیث کا درس ڈھونڈھتی تھیں، اور کان ان کے سننے کے لئے بیتاب تھے، جی چاہتا تھا کہ کم سے کم ایک ہی آیت کی تفسیر، اور ایک ہی حدیث کی تشریح ہوتی، لیکن ان مجالس میں ان کا کوئی ذکر نہ تھا، ذوق وشوق، وجد وحال، نعرہ وآہ کی کمی نہ تھی، مگر قرآن وحدیث کا سیدھا سادہ بیان مفقود تھا، وجہ یہ ہے کہ قرآن پیری و مشیخت کو توڑتا ہے، اور سب کو بندگی اور انسانیت کی سطح پر لاتا ہے

اور سارے استثناوات و امتیازات کو ختم کر دیتا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ عرب کا جو مجلس نبوی میں آتا ہے تو کسی قسم کے امتیاز و تشخص کا نشان نہ ہونے کی وجہ سے اس کو پوچھنا پڑتا ہے کہ آپ میں سے خدا کا رسول کون ہے؟

مجھے روزمرہ کے واقعات میں قرآن کی تفسیر اور قرآنی حقائق نظر آتے ہیں، ایک مرتبہ [illegible] سے موٹر پر آرہا تھا، موٹر بگڑ گئی، دیر تک اس کو درست کرتے رہے، درست نہیں ہوتی تھی، جب ایک دوسری موٹر گذری تو اس سے بعض اوزار لے کر اسکو درست کیا گیا، میں نے پوچھا کہ کیا خرابی تھی؟ کہا گیا! کہ ایک بہت باریک سوراخ ہے جس سے پٹرول آتا ہے، اس میں کچھ کچرا آگیا تھا، اس کی وجہ سے سارے موٹر کی مشنری، اور اس کا ساز و سامان بیکار ہوگیا، نہ سیٹیں کچھ کام آتی تھیں نہ ان کی گدیاں نہ آئینے، نہ انجن کام کرتا تھا، نہ پہیئے حرکت کرتے تھے، ایک چھوٹی سی اندرونی خرابی سے ساری موٹر دھری کی دھری رہ گئی۔ میری آنکھوں کے سامنے سے پردہ ہٹ گیا اور "قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا"[1] کی تفسیر روشن ہو گئی، یہی انسان کے پورے نظام زندگی اور پورے معاشرہ اور تمدن کا حال ہے کہ اندر کی کثافت اور ابتری سے سارا نظام مختل اور معطل ہو جاتا ہے اور پھر خارجی ساز و سامان کچھ کام نہیں آتا، "أَلَا إِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ"[2] آج زندگی کا سارا فساد، اور سارا انتشار، اسی اندرونی کثافت اور ظلمت کا نتیجہ ہے، اور اس کی طرف کسی کو توجہ نہیں، پورا جہاز جس پر سینکڑوں مسافر ہوتے ہیں، ایک چھوٹے سے پرزہ کے سہارے چلتا ہے، اگر وہ پرزہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو پھر وہ پورا جہاز بیکار ہو جاتا ہے، کپتان کے سامنے جو گھڑی ہوتی ہے اس میں سوئی اگر بال کے برابر سرک جائے تو جہاز کی سمت میں سینکڑوں میل کا فرق پڑ جاتا ہے۔"

۱؎ وہی بندہ کامیاب و بامراد ہوا جس نے اپنے نفس کی اصلاح کی اور اس کو سدھارا اور وہ نامراد رہا جس نے اس کو خاک آلود کیا۔

۲؎ معلوم ہونا چاہیئے کہ جسم انسانی میں ایک مضغۂ گوشت وہ ہے کہ جب وہ ٹھیک ہو تو سارا جسم ٹھیک رہتا ہے اور جب اس میں بگاڑ آجائے تو پورے جسمانی وجود میں بگاڑ آجاتا ہے اور وہ قلب ہے۔

فرمایا ـــــ "بمبئی میں مجھے ایک نوجوان ملے، سوٹ بوٹ میں ملبوس، داڑھی صاف، کہنے لگے مجھے پہچانا، میں نے کہا نہیں، کہا میرا نام یہ ہے، حافظ قاری ہوں، اکثر لوگ مجھے اس لباس میں نہیں پہچانتے، پھر کہنے لگے مجھے آپ سے ایک بات پوچھنی ہے، کہنے لگے میرا نماز میں جی نہیں لگتا، میں نے کہا بالکل قدرتی بات ہے ایسے ہی ہونا چاہیئے۔ چمڑے کے کارخانہ میں کام کرنے والے کا عطر کی دکان میں دم گھٹنے لگتا ہے، اور عطر کے کارخانہ میں کام کرنے والا جب سریش کے کارخانہ میں جاتا ہے تو اسکی جان پر بنجاتی ہے"،

فرمایا ـــــ "ایک زمانہ میں اس آیت پر بہت غور کرتا رہا "مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً"[1] میری عادت ہے کہ جب کوئی چیز ذہن میں آجاتی ہے تو چلتے پھرتے ہر وقت اسی کا خیال رہتا ہے، میں نے بہت سوچا کہ حیات طیبہ کیا ہے؟ خیال میں آیا کہ دنیا کا مٹ کر زندگی ہی میں آخرت کا نظر آجانا، حیات طیبہ ہے، اگر کوئی پوچھے کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آپ کہیں ٹھہرے ہوں اور وہاں غلطی سے دس ہزار کے نوٹ چھوڑ کر آگئے ہوں، اور کسی مجلس میں شریک ہو گئے ہوں۔ اور اس کمرہ کا دروازہ کھلا رہ گیا ہو تو آپ کا دل اس میں لگا رہے گا۔ اور آپ کو نوٹ کے سوا نہ کچھ نظر آئے گا، نہ کچھ سنائی دے گا، اگر بعد میں آپ سے کوئی کہے گا، کہ اس مجلس میں فلاں فلاں باتیں ہوئیں۔ فلاں فلاں آدمی آئے اور گئے، تو آپ کہیں گے کہ مجھے کچھ خبر نہیں، میرا دل تو فلاں چیز میں لگا ہوا تھا، یہی حیاۃ طیبہ کا حال ہے کہ مومن کا بدن یہاں اور دل وہاں رہتا ہے"۔

"آخرت اور جنت مقصود اور نتیجہ ہے، اور بڑھاپا اور موت اس کا ذریعہ اور پل ہے اس لئے مجھے تعجب ہوتا ہے جب کوئی بڑھاپے کی شکایت کرتا ہے اور بڑے درد و حسرت سے کہتا ہو کہ اب مرنا ہی باقی ہے، اور موت تو آگئی ہے، وہ لڑکوں اور جوانوں کو رشک اور حسرت سے دیکھتا ہے کہ کبھی میں بھی ایسا تھا، اس کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے کوئی کسان خوشی خوشی کھیتی کرے، جب غلہ کاٹنے اور غلہ اٹھانے کا وقت آئے تو رنجیدہ اور مایوس ہو، حالانکہ یہ ساری محنت و

---

[1] جو بندہ یا بندی اچھے اعمال کرے اس حال میں کہ وہ مومن بھی ہو تو ہم اس کو "حیاۃ طیبہ" کی نعمت سے نوازیں گے۔

مشقت اسی دن کے لئے تھی اب اس کا افسوس کیوں؟ اب تو غلہ اٹھانے، اور گھر لے جانے کا وقت آیا۔
حدیث میں آتا ہے کہ جو اللہ کی ملاقات کا شائق ہو اللہ بھی اس کی ملاقات کا مشتاق ہوتا ہے،
"مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰہِ اَحَبَّ اللّٰہُ لِقَائَہٗ" حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بندے کے لئے خدا کی
طرف سے سلام و پیام آتا ہے۔ قرآن شریف میں ہے۔ "[1] اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا
تَتَنَزَّلُ عَلَیْہِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ
اَوْلِیَآؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ"

میں کلکتہ میں جہاں ٹھہرا ہوا تھا وہاں ایک انگریز کا مکان تھا اس کے یہاں ایک مینا پلی ہوئی
تھی، کلکتہ میں مکانوں کی دیواریں چھوٹی ہوتی ہیں، اس لئے اکثر پاس پڑوس والوں کو دوسرے
گھروں کا حال معلوم ہوتا رہتا ہے۔ میناؤں کا ایک جھنڈ گزرا، اور انھوں نے آواز دی، تو یہ مینا
جو پنجرے میں تھی بیقرار ہو گئی اور بہت پھڑپھڑائی۔ بالکل یہی حالت روح کی ہے کہ جب وہ اوپر
کی آوازیں سنتی ہے اور وہاں سے اس کے کان میں صدا آتی ہے کہ "[2] یٰٓاَیَّتُہَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْٓ
اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ" تو وہ بھی پھڑپھڑاتی ہے اور
اس کا بھی دل چاہتا ہے کہ پنجرے کی تیلیاں توڑ کر وہ بھی اپنے آشیانے کی طرف پرواز کرے اور
اپنے ہم جنسوں میں جا ملے، لیکن وہ پنجرے سے مجبور ہوتی ہے، بڑھاپے میں جسم ضعیف ہو جاتا ہے
"[3] وَمَنْ نُّعَمِّرْہُ نُنَکِّسْہُ فِی الْخَلْقِ" گویا قفس کی تیلیاں تیلی اور کمزور ہو جاتی ہیں اور روح کو

---

[1] جنھوں نے اقرار کیا اور مان لیا کہ ہمارا رب بس اللہ ہے اور ہم اسی کے بندے اور پرستار ہیں، پھر وہ اس قول و قرار پر مستقیم رہے (یعنی اللہ کی مرضیات کے تابع رہ کر زندگی اس طرح گذاری جس طرح اللہ کو رب ماننے کے بعد گزرنی چاہیئے) تو ان اہل استقامت پر فرشتے آتے ہیں اور ان کو پیام دیتے ہیں کہ کسی طرح کا خوف و غم نہ کرو، تمہیں اس جنت کی بشارت ہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، ہم تمہارے رفیق ہیں حیات دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

[2] اے نفس آرام یافتہ! اے روح اپنے مالک و مولا کی یاد سے چین و اطمینان حاصل کرنے والی! پھر چل اپنے مالک اور رب کی طرف، تو اس سے راضی وہ تجھ سے خوش، اور شامل ہو جا میرے خاص بندوں کے زمرہ میں اور آجا میرے مقام رضا جنت میں [3] اور جسکو ہم بوڑھا کرتے ہیں اسکو لوٹا دیتے ہیں جسمانی بناوٹ میں، یعنی وہ بچپن کی طرح پھر کمزور و ناتواں ہو جاتا ہے

آزاد ہونے میں آسانی ہوتی ہے۔ اس لئے بڑھاپا موجب شکر و مسرت ہے، نہ کہ موجب شکایت و حسرت،

بڑھاپے میں اُس عالم کی تیاری، اور اس کا اشتیاق زیادہ ہونا چاہیئے، لیکن میں نے مٹک شاہ کی مسجد کے قریب ایک ضعیف العمر بزرگ کو دیکھا کہ مغرب کی اذان ہو رہی ہے اور وہ ایک چائے خانہ میں بیٹھے ہوئے اخبار کے مطالعہ میں محو ہیں، موذن پکار رہا ہے، حیّ علی الصلوٰۃ حیّ علی الفلاح اور وہ اپنی صلاح و فلاح بھولے ہوئے دوسروں کے قصوں اور جھگڑوں میں جن میں وہ کچھ بنا بگاڑ نہیں سکتے مستغرق ہیں۔

بُلبل نے آشیانہ چمن سے اٹھا لیا
اپنی بلا سے بوم رہے یا ہما رہے

ایسے آدمی کے لئے جو دنیا کی رفتار پر کچھ بھی مؤثر نہیں ہو سکتا اخبار بینی کا انہماک اضاعت وقت نہیں تو اور کیا ہے؟ البتہ جو لوگ مؤثر ہو سکتے ہیں، اور جو کسی اصلاح، اور مقصد کے لئے اخبار دیکھتے ہیں ان کے لئے اخبار بینی موجب ترقی اور باعث ثواب ہو سکتی ہے، مجھ سے اعزاز الدین خاں صاحب نے بیان کیا تھا کہ تھانہ بھون میں اخبار کا داخلہ ممنوع تھا[1] میں بہت خوش ہوا، جب مجھے اپنے کسی صاحب فن اور محقق سے تائید مل جاتی ہے تو بڑی خوشی ہوتی ہے۔"

فرمایا ——— "حدیث میں آتا ہے کہ نماز کا انتظار کرنے والا، نماز ہی کے حکم میں ہوتا ہے، اس لئے جو شخص نماز پڑھنے جائے، یا نماز کے انتظار میں بیٹھے، اس کو نماز کے آداب اور نماز کی عظمت کا خیال رہنا چاہیئے، مجھے ایک صاحب پر بڑا رشک آتا تھا کہ وہ بہت دور کے محلہ سے جامع مسجد

---

[1] خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں عام سالکین و طالبین کو اخبار بینی کی ممانعت تھی، لیکن خود حکیم الامت قدس سرہٗ ایک نظر ڈال لیتے تھے اور کوئی چیز پڑھنا ضروری یا مفید سمجھتے تو پڑھ لیتے تھے۔ حضرت ممدوح کا ایک رسالہ بھی اسی موضوع پر ہے جس کا نام ہی "اخبار بینی" ہے۔ اس کا خلاصہ یہی ہے کہ اخبار صرف وہ لوگ پڑھیں جو اس سے کام لیں اور اس کے اہل ہوں، دوسرے لوگوں کے لئے لایعنی اور موجب مضرت ہے۔

میں فجر کی نماز پڑھنے کے لئے آتے تھے، میں سوچتا تھا کہ ان کو کس قدر ثواب ملتا ہوگا اس لئے کہ ان کو بہت قدم اٹھانے پڑتے تھے اور مسجد کے لئے جتنے قدم اٹھانے پڑیں اتنا ہی ثواب زیادہ ہے، لیکن ایک دن میری یہ سب خوشی خاک میں مل گئی جب میں نے دیکھا کہ وہ بیڑی پیتے ہوئے جامع مسجد آرہے ہیں، میں نے کہا کہ ان کو تو یہ خیال چاہیئے تھا کہ میں نماز کے لئے مسجد جارہا ہوں، نماز ہی میں ہوں، انہوں نے اپنے اس چلنے کی قدر نہ کی اور اسکے آداب کا خیال نہ رکھا۔

فرمایا ـــــ بعض لوگ کسی چیز کی مجموعی شکل، یا اس کے نام سے چڑتے ہیں لیکن اس کے علٰحدہ علٰحدہ اجزا ان کو مانوس و مرغوب ہوتے ہیں اور اُن کو ان سے ذرا وحشت نہیں ہوتی مثلاً بعض لوگ گلاب جامن سے چڑتے ہیں، لیکن کھویا، شکر، گھی سب ان کو علٰحدہ علٰحدہ مرغوب ہوتا ہے، اور وہ اُن کو بڑے شوق سے استعمال کرتے ہیں، لیکن جب ان سب کو باہم جمع کر کے پیش کیا جائے اور اس کا نام گلاب جامن بتایا جائے تو وہ بھاگتے ہیں اور مارنے دوڑتے ہیں، ایک بڑے میاں تھے ان کو اس سے چڑ تھی کہ کوئی ان سے کہے کہ دادا خیریت ہے؟ بچے انکو چڑاتے رہتے تھے اور وہ ڈنڈا لے کر اُن کے پیچھے دوڑتے تھے، اگر اُن سے کوئی کہتا کہ بڑے میاں پیٹ میں درد تو نہیں ہے؟ کان میں درد تو نہیں ہے؟ سر میں درد تو نہیں ہے؟ بخار تو نہیں ہے؟ یا ضمہ خراب تو نہیں ہے؟ تو جواب دیتے کہ نہیں، یعنی ہر طرح سے اچھا ہوں، لیکن جب کوئی کہتا کہ خیریت ہے تو آگ بگولہ ہو جاتے۔ ایک دن مولوی عبدالرحمان صاحب نے ان کو پکڑا اور اسی طرح کے سوالات کئے اور جب انہوں نے ہر درد و تکلیف کا انکار کیا تو انہوں نے کہا کہ اسی کا نام خیریت ہے، تم اس سے کیوں چڑتے ہو، بس خیریت کا نام آتے ہی وہ چڑ گئے اور کہنے لگے کہ پھر تم نے اسی کا نام لیا۔

یہی حال بعض پڑھے لکھوں کا ہے، کہ ان کو تصوف کے تمام اجزاء کا علٰحدہ علٰحدہ اقرار ہے، لیکن مجموعۂ تصوف سے وحشت ہوتی ہے اور اس کے نام سے چڑتے ہیں، یہی حال دوسرے مذاہب کا بھی ہے کہ اُن کو بہت سے اجزاء کا اقرار ہے اور وہ اجزاء ان ادیان اور انکی تعلیمات میں منتشر ہیں، ان کے مجموعہ کا نام اسلام ہے، اس مجموعہ سے ان کو وحشت ہے، اگر ایک ایک جزو کو

علیحدہ علیحدہ پیش کیجئے، مثلاً توحید، رسالت، معاد، اعمال صالحہ، اخلاق حسنہ وغیرہ، اگر کہا جائے کہ ان سب کے مجموعہ کا نام اسلام ہے تو تیوری چڑھ جائے گی، قرآن شریف میں آتا ہے
"اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرَاۃِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھٰھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ"[1]
اب ان معروفات و منکرات، طیبات و محرمات کا نام الگ الگ لیجئے، ہر معروف کی تعریف کریں گے، ہر منکر کی مذمت، ہر پاک صاف چیز کو قابل قبول بتائیں گے اور ہر حرام اور گندی چیز کو ناپسند کریں گے، لیکن اس کے مجموعہ (اسلام) سے ان کو وحشت اور ان تعلیمات کے داعی و جامع نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو انکار ہے، میں دوسرے مذاہب کے پیروؤں کو سمجھانے کے لئے یہی طریقہ اختیار کرتا ہوں کہ اجزاء کو الگ الگ ان کے سامنے پیش کرتا ہوں اور ان سے اقرار لیتا ہوں کہ یہ سب اجزاء صحیح اور قابل قبول ہیں، پھر ان کے مجموعہ سے وحشت کیوں ہے؟ میرے پاس ایک ہندو صاحب آتے تھے وہ ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں، دوسرے صاحب آتے ہیں وہ رکوع میں رہتے ہیں، تیسرے صاحب ڈنڈوت کرتے ہیں اور دیر تک سر جھکائے رہتے ہیں، مجھے ان کے اس فعل سے گرانی ہوتی ہے، یہ سب افعال نماز کے ہیں، جب سب الگ الگ غیر اللہ کے لئے ان کے نزدیک جائز ہے تو پھر مجموعی طور پر اللہ کے لئے کیوں جائز نہیں؟ انھیں کے مجموعہ کا نام نماز ہے، بندگی انسان کی فطرت میں ہے اور یہی پیدائش کا مقصود ہے" وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ" (انسانوں اور جنات کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ خالق کی بندگی اور عبادت کریں) پرزوں کو صحیح جگہ پر استعمال کرنا یہی عبادت اور توحید ہے، ان سب افعال کو اللہ کے لئے مخصوص کرنا بس یہی اسلام کی تعلیم ہے۔"

فرمایا ـــ معالج کو مریض کی قوت کا لحاظ کرنا چاہیئے، نہ کہ اپنی قوت کا، یہی طب نبوی ہے، دیکھئے حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کو فرعون کے پاس بھیجا جا رہا ہے اور کہا جا رہا ہے "اِذْھَبَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّہٗ طَغٰی"

---

[1] اللہ کی خاص رحمت کے مستحق وہ بندے ہیں جن میں ایمان، تقویٰ اور تزکیہ کی صفات ہیں، جو پیروی کرتے ہیں اس رسول نبی امی کی جسے وہ لکھا ہوا پاتے ہیں اپنے یہاں تورات اور انجیل میں، جو انھیں نیکی کا حکم دیتا ہے اور بری باتوں سے روکتا ہے اور طاہر پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال کرتا ہے اور خبیث و گندی چیزوں کو ان پر حرام قرار دیتا ہے۔

(تم فرعون کے پاس جاؤ اس نے سرکشی کا رویہ اختیار کیا ہے) لیکن ہدایت کیجا رہی ہے کہ اسکے قوت ہضم کا لحاظ رکھا جائے اور ایسی خوراک نہ دیجائے جسکو وہ برداشت نہ کر سکے، فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝ (اس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ سوچے یا اسکے دل میں خوف پیدا ہو)

جب حجاز مقدس میں شکری پاشا کے زمانہ میں جنگ ہونے اور رسد و غلہ نہ آسکنے کی وجہ سے اہل مدینہ کو مدینہ سے شام چلے جانے کا حکم ہوا تو اس وقت مدینہ کی آبادی بہت مختصر رہ گئی تھی، ۵۰-۶۰ آدمی مسجد نبوی میں نماز کے وقت ہوتے تھے، انھیں لوگوں میں ہمارے خاندان کے بھی ایک بزرگ تھے، الحمد ان مسلسل فاقہ کی وجہ سے وہ جاں بلب ہو گئے اور نقاہت سے بیہوش ہو گئے، ڈاکٹر آیا تو اس نے کہا کہ ان کو ہرگز غذا نہ دیجائے ورنہ مر جائینگے اس نے کپڑا تر کر کے اُنکے منہ میں پانی کے چند قطرے ٹپکائے، پھر پھل کا تھوڑا سا رس دیا، اسی طرح تدریجاً غذا پہنچائی، یہی حال روحانی اور اعتقادی مریض کا ہوتا ہے کہ اسکو تدریجی طور پر دینی خوراک دی جاتی ہے، مناظرہ میں ان باتوں کا لحاظ نہیں ہوتا، اسلئے اُن سے ہدایت نہیں ہوتی، مجھے مناظرہ سے بالکل مناسبت نہیں، بعض لوگ فخر یہ کہتے ہیں کہ حریف کو دنداں شکن جواب دیا، ایک صاحب نے ایسے ہی کہا تو میں نے کہا کہ پھر وہ بیچارہ گنا کیسے کھائے گا، آپ نے تو دانت توڑ ڈالے،

غیر مسلموں کو بھی اسلام کی دعوت دینے میں قرآن ایسے ہی اسلوب اختیار کرتا ہے کہ سلیم الطبع اور منصف مزاج غیر مسلم بھی اس سے انکار نہیں کر سکتے، مثلاً یہود و نصاریٰ کو خطاب کر کے کہا گیا ہے، [1] يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاۗءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْــــًٔـا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اب اس میں کون سا جزو ہے جس کا کوئی عقلمند اور حق پسند انکار کر سکے۔

ایک مرتبہ حیدرآباد میں ایک آریہ سماجی بڑے زور کی تقریر کر رہا تھا، لوگوں نے کہا کہ یہ توحید کا قائل ہے، اور رسالت کا منکر، وہ کہتا ہے کہ رسالت کی بالکل ضرورت نہیں۔

---

[1] اے اہل کتاب آجاؤ ایک ایسی بات پر جو برابر ہے ہم میں اور تم میں (یعنی اصولی طور پر وہ مسلمات میں سے ہے) یعنی یہ کہ اللہ کے سوا ہم کسی کی بندگی نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا رب نہ بنائے سوائے اللہ کے۔

بندے اور خدا کے درمیان کسی کو حائل ہونے کا حق نہیں، میں نے اپنے ایک ساتھی کو تیار کیا، انھوں نے تقریر شروع کی اور کہا کہ پنڈت جی بالکل صحیح کہتے ہیں، واقعی بندے اور خدا کے درمیان کسی کو حائل ہونے کا حق نہیں، بندہ جانے اور خدا جانے، اس پر مسلمان سامعین ذرا متعجب ہوئے اور گھبرائے، لیکن انھوں نے اس کے بعد کہا کہ پنڈت جی تو صحیح کہتے ہیں لیکن ایک مصیبت یہ ہے کہ ہزاروں لاکھوں آدمی رسالت و نبوت کی ضرورت کے قائل ہیں، اور اس کے پکے معتقد ہیں، اب خدا خود ہی آ کے اور ان کو سمجھائے، خدا ہی ان کا اطمینان کرائے تو ان کو اطمینان ہو، کسی کو بیچ میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے، اس پر پنڈت جی بھی خاموش ہو گئے اور سناٹا چھا گیا۔

فرمایا — فرائض دینی کو عادت کے طور پر نہیں، عبادت کے طور پر کرنا چاہیے عادت کے طور پر کیا، تو روزمرہ کی غذا، اور طبیعت کا تقاضا بن گیا، اس پر حاجی (ملا حسن علی) نے کہا کہ میں تو نماز عادت کے طور پر پڑھتا ہوں، اس کو عبادت کیسے بناؤں؟ میں نے کہا عبادت جب بنے گی جب اس کا (آخری) فائدہ اور نقصان سامنے ہو، آپ دوپہر کو میٹھی نیند سو رہے ہوں نیند کا غلبہ ہو، اور باہر کوئی آواز دے کہ بھئی آرڈر لے لیجئے، آپ کو معلوم ہے کہ اگر آپ نہ اٹھے تو آرڈر چلا جائے گا اور مثلاً آرڈر واپس ہو جائے گا یا کل ملے گا، آپ نیند قربان کرکے اٹھتے ہیں اور منی آرڈر وصول کر لیتے ہیں، یہی حال نماز کا ہے کہ کیسی ہی میٹھی نیند سو رہے ہوں، سردی میں لحاف اوڑھے ہوئے ہوں، منہ نکالنے کو جی نہ چاہتا ہو، لیکن فجر کی اذان ہو، نماز کے فائدے پر یقین اور نہ پڑھنے پر جو سزا ہے اس پر اعتقاد ہے، آپ نیند قربان کرتے ہیں اور سردی میں وضو کرتے ہیں، بس یہی عبادت کی روح ہے۔

رمضان کی آمد ہوئی تو میری فرمائش و درخواست پر مولانا عبدالرشید صاحب نکین نے میرے گھر میں رمضان کے فضائل پر دلچسپ وعظ فرمایا، جب وہ فارغ ہوئے تو میں نے کہا کہ رمضان کا حق صرف عبادت میں ادا نہیں ہوتا بلکہ اس سے پہلے اس کا استقبال اور اس کا ذوق و شوق اور اس کی تیاری بھی ضروری ہے، مکان کی تعمیر کا سلسلہ بنیاد سے شروع ہوتا ہے، جتنا بڑا اور اونچا مکان بنانا ہو اتنی ہی گہری نیو کھودی جاتی ہے، اگر کوئی کسی مکان کی نیو کھدوا رہا ہو اور اس کو مضبوط بنا رہا ہو اور کوئی کہے کہ مکان کو تو سطح زمین پر کھڑا ہونا ہے، یہ زمین کے اندر کیا کارروائی کی جا رہی ہے؟ تو کیا اعتراض صحیح ہوگا؟

اس طرح رمضان کی تیاری رمضان سے پہلے شروع ہونی چاہیئے۔ رمضان شروع ہونے کے بعد اسکے دن گننا اور اسکے روزوں کا حساب لگانا کہ اب کتنے رہ گئے ہیں بڑی ناقدری ہے، میں حیدرآباد میں تھا تو لوگ رمضان شروع ہونے کے بعد سے حساب شروع کر دیتے تھے، کہتے تھے کہ "دہ رواں، دہ دواں، دہ پران" یہ رمضان کی قدر نہ ہوئی۔

بعض لوگ کبھی کسی شیخ اور بزرگ کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انھوں نے فلاں کی نسبت سلب کر لی، فلاں کو تباہ کر دیا، میں کہتا ہوں کہ یہ تو کوئی اچھی بات نہ ہوئی وہ بیچارہ کلمہ پڑھتا تھا، اللہ کا نام لیتا تھا، اس سے بھی گیا۔ بزرگوں کا کام کسی کی عاقبت کو خراب کرنا، اور کسی کو تباہ کرنا تو نہیں ہے، وہ تو عاقبت درست کرتے اور تباہ حال لوگوں کو سنبھال لیتے ہیں"۔

فرمایا۔ آدمی کی تعریف نہیں، جہاں سے علوم و مضامین آتے ہیں اس کی تعریف ہے۔ کوئی ٹونٹی کی تعریف کرے اور اس کا فیضان بتائے، ٹونٹی کہے گی کہ اس وقت آتا جب پانی بند ہو جاتا ہے پھر میرے فیضان کی حقیقت معلوم ہوگی۔ اس وقت اگر اس سے کوئی پانی لینے گیا تو وہ کہے گی کہ میں خود جلی جا رہی ہوں، چلّو بھر پانی مجھ پر ڈال دو، یہی انسان کا حال ہے کہ وہ ہر وقت ایک حال میں نہیں رہتا اور نہ وہ فیضان کا مالک ہوتا ہے، ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ پانی کے حوض پر بیٹھے وضو کر رہے تھے، اچانک پانی میں گر گئے اور غوطہ کھانے لگے، بڑی مشکل سے مریدین نے نکالا اور جان بچی، ایک مرید نے ادب سے عرض کیا کہ حضرت فلاں موقع پر دریائے مغرب پر سے گذر گئے، اور پاؤں بھی تر نہ ہوا، آج چھوٹے سے حوض میں گر گئے اور ہوش نہ رہا، فرمایا یکساں حال نہیں رہتا، شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

یکے پرسید ازاں گم کردہ فرزند	کہ اے روشن گہر پیر خردمند
ز مصرش بوئے پیراہن شنیدی	چرا در چاہ کنعانش ندیدی
بگفت احوال ما برق جہان است	دمے پیدا و دیگر دم نہان است
گہے بر طارم اعلیٰ نشینم	گہے بر پشت پائے خود نہ بینم
اگر درویش بر حالے بماندے	سر دست از دو عالم بر فشاندے

نظمِ قرآن

(از مولانا امین احسن اصلاحی)

[مولانائے محترم اس دور کے ان چند گنے چنے علماء میں سے ہیں جن کو قرآن پاک سے خصوصی مناسبت ہے۔ مولانا نے اپنی تفسیر "تدبر قرآن" کی پہلی جلد کے لئے جو مقدمہ تحریر فرمایا ہے اسمیں قرآن فہمی کے مسائل پر شرح و بسط سے کلام کیا ہے۔ "نظم قرآن" کا مسئلہ ان مسائل میں ایک خاص مسئلہ ہے۔ ہم مقدمہ کا یہ حصہ ماہنامہ میثاق لاہور کے شکریہ کے ساتھ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ ادارہ]

نظم کلام کسی کلام کا ایسا جزء لاینفک ہوتا ہے کہ اس کے بغیر کسی عمدہ کلام کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا لیکن یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ قرآن، جس کو فصاحت و بلاغت کا معجزہ قرار دیا جاتا ہے اور جو فی الواقع معجزہ ہے بھی، ایک بہت بڑے گروہ کے نزدیک نظم سے بالکل خالی کتاب ہے، ان کے نزدیک نہ ایک سورہ کا دوسرے سورہ سے کوئی ربط و تعلق ہے، نہ ایک سورہ کی مختلف آیات ہی میں باہم کوئی مناسبت و موافقت ہے بس مختلف آیات، مختلف سورتوں میں بغیر کسی مناسبت کے جمع کر دی گئیں ہیں، حیرت ہوتی ہے کہ ایسا فضول خیال ایک ایسی عظیم کتاب کے متعلق لوگوں کے اندر کس طرح جاگزیں ہو گیا ہے جس کے متعلق دوست دشمن دونوں ہی کو اعتراف ہے کہ اس نے دنیا میں ہلچل پیدا کر دی۔ اذہان و قلوب بدل ڈالے فکر و عمل کی نئی بنیادیں استوار کیں اور انسانیت کو ایک نیا جلوہ دیا۔

اگر فی الواقع قرآن میں کوئی نظم و ترتیب نہیں تھی تو پھر تو بہتر یہ ترتیب تبدیلی ہوتی۔

جس ترتیب سے آیتیں نازل ہوئی تھیں اسی ترتیب کے ساتھ مصحف میں جمع کردی جاتیں لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ مصحف کی ترتیب نزولی نہیں ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص ہدایات کے تحت خاص خاص آیات کے لئے خاص خاص مواقع معین کئے گئے ہیں۔ دوسری مناسب ترتیب مقداری ہوسکتی تھی یعنی آیتیں برابر برابر کی مقدار میں مختلف سورتوں میں جمع کردی جاتیں لیکن ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ یہ صورت بھی نہیں ہے بلکہ سورتیں چھوٹی بھی ہیں اور بڑی بھی ، اور کتنی چھوٹی سورتیں ہیں جو اپنی سے بڑی سورتوں پر مقدم ہیں۔ یہ سورتوں کی حدبندی بھی کچھ غیر ضروری سی ہو کے رہ جاتی ہے اس لئے کہ حفاظ کی سہولت کے لئے تو یہ پاروں کی حدبندی کافی تھی لیکن ہر صاحب علم کو معلوم ہے کہ سورتوں کی حدبندی اور انکی ترتیب تمام تر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے تحت عمل میں آئی ہے۔ درآنحالیکہ پاروں کی تقسیم بہت بعد کی چیز ہے۔

اس خیال کی انہی کمزوریوں کی وجہ سے شروع ہی سے ہمارے ہاں علماء کا ایک ایسا گروہ بھی رہا ہے جو قرآن میں نظم کا بڑی شدت سے قائل رہا ہے اور اس گروہ کے بعض اکابر نے اس موضوع پر کتابیں بھی لکھی ہیں۔ علامہ سیوطی "اتقان" میں لکھتے ہیں:۔

> علامہ ابو جعفر بن زبیر، شیخ ابو حیان نے نظم قرآن پر ایک خاص کتاب لکھی اور اس کا نام "البرہان فی مناسبۃ ترتیب سور القرآن" رکھا، اور ہمارے ہم عصروں میں سے شیخ برہان الدین بقاعی کی تفسیر "نظم الدرر فی تناسب الآی والسور" بھی اسی اصول پر لکھی گئی ہے۔"

علامہ سیوطیؒ نے خود اپنی ایک کتاب کا بھی حوالہ دیا ہے جس میں انہوں نے نظم قرآن کے علاوہ قرآن کے معجزہ ہونے کے پہلو بھی واضح کئے ہیں۔ اسی سلسلے میں نظم قرآن کی اہمیت کا اعتراف ان لفظوں میں کرتے ہیں:

> "ترتیب اور نظم کا علم ایک نہایت اعلیٰ علم ہے لیکن اس کے مشکل ہونے کے سبب سے مفسرین نے اس کی طرف بہت کم توجہ کی ہے۔ امام فخر الدین کو اس چیز کا سب سے زیادہ اہتمام رہا ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ حکمت قرآن کا اصلی خزانہ اس کے نظم و ترتیب میں چھپا ہوا ہے۔"

امام رازیؒ اپنی تفسیر میں آیت ولو جعلناہ قرآنا اعجمیا لقالوا (الآیۃ حم السجدہ) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت ان لوگوں کے جواب میں اتری ہے جو از راہ شرارت یہ کہتے تھے کہ اگر قرآن مجید کسی عجمی زبان میں اتارا جاتا تو بہتر ہوتا۔ لیکن اس طرح کی باتیں کہنا میرے نزدیک کتاب الٰہی پر سخت ظلم ہے۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ قرآن کی آیتوں میں باہم کوئی ربط و تعلق ہی نہیں ہے۔ حالانکہ یہ کہنا قرآن حکیم پر بہت بڑا اعتراض کرنا ہے۔ ایسی صورت میں قرآن کو معجز ماننا تو الگ رہا اس کو ایک مرتب کتاب کہنا بھی مشکل ہے۔ میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ سورہ شروع سے لے کر آخر تک ایک مربوط کلام ہے (اس کے بعد تقریباً اٹھارہ سطروں میں سورہ کی اجمالی تفسیر اور اس کا نظم بیان کرکے فرماتے ہیں کہ) ہر منصف جو حق پسند ہے تسلیم کرے گا کہ اگر سورہ کی تفسیر اس طرح کی جائے جس طرح ہم نے کی ہے تو پوری سورۃ ایک ہی مضمون کا حامل نظر آئے گی اور اس کی تمام آیتیں ایک ہی حقیقت کی طرف اشارہ کریں گی۔"

اسی سلسلہ کی ایک نہایت اہم شخصیت علامہ مخدوم مہائمیؒ بھی ہیں۔ جن کی تفسیر "تبصیر الرحمان و تیسیر المنان" تفسیر مہائمی کے نام سے نہایت مشہور ہے۔ اس میں انہوں نے اپنے ذوق کے مطابق آیات کا نظم بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

اسی مسلک کے علم بردار ایک عالم علامہ ولی الدین ملویؒ ہیں۔ نظم قرآن سے متعلق ان کا ارشاد یہ ہے:۔

"جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ قرآن مجید کا نزول چونکہ حالات کے تقاضوں کے تحت تھوڑا تھوڑا کرکے ہوا ہے اس وجہ سے اس میں نظم نہیں تلاش کرنا چاہئے، ان کو دھوکا ہوا ہے۔ قرآن مجید کا نزول بلاشبہ حسب حالات جستہ جستہ ہوا ہے لیکن اس کی ترتیب میں نہایت گہری حکمت ملحوظ ہے۔"

اس تفصیل سے یہ امر واضح ہے کہ نظم قرآن سے متعلق ایک گروہ میں اگر غلط خیال موجود رہا تو شروع ہی سے ایک گروہ بھی موجود ہے جس کا نظریہ بالکل صحیح ہے اور ان لوگوں نے اپنے

نظریے کے مطابق کتاب الٰہی کی خدمت کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ پھر یہ بات بھی ذہن میں رکھنے کی ہے کہ جو لوگ نظم کے منکر ہوئے ہیں وہ اس وجہ سے نہیں منکر ہوئے ہیں کہ ان کے پاس انکارِ نظم کی کوئی دلیل موجود تھی یا وہ بے نظمی ہی کو کلام کا کوئی ہنر سمجھتے تھے بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انھیں قرآن مجید میں جگہ جگہ بے نظمی محسوس ہوئی اور وہ اس کا کوئی حل نہ پا سکے تو جو کمزور سے کمزور آڑ بھی انھیں ... ملی اسی آڑ میں انھوں نے پناہ لے لی۔

اگرچہ ان کے لئے صحیح روش تو یہ تھی کہ یہ قرآن کو متہم کرنے کے بجائے سارا الزام اپنی کوتاہی بصیرت پر لیتے، لیکن انصاف کیجئے تو دو باتیں ان کے حق میں بھی جاتی ہیں جن کے سبب سے ان کو معذور قرار دینا پڑتا ہے۔ ایک تو یہ کہ نظم قرآن کی تلاش ہے ہی ایسا کام کہ ہر شخص اس کوہ کنی کے لئے اپنی زندگی وقف نہیں کر سکتا۔ دوسری یہ کہ جن لوگوں نے قرآن میں نظم کا دعویٰ کیا، ان کی خدمات کے اعتراف کے باوجود یہ کہنا پڑتا ہے کہ وہ کوئی ایسی چیز نہیں پیش کر سکے جو اس راہ میں قسمت آزمائی کرنے والوں کا حوصلہ بڑھاتی۔ اور جن بزرگ مصنفوں کے اقوال و ارشادات نقل ہوئے ہیں انہیں سے تین بزرگوں کی کتابوں سے استفادے کا موقع مجھے نصیب ہوا ہے۔ میں بلا کسی ارادۂ تحقیر کے عرض کرتا ہوں کہ ان میں سے کسی کی کتاب سے بھی مجھے کسی مشکل کے حل کرنے میں کوئی مدد نہیں ملی۔ مہائمیؒ اور رازیؒ کی تفسیریں عرصے تک میرے مطالعے میں رہی ہیں۔ بلکہ رازیؒ کی تفسیر تو اب بھی پیش نظر رہتی ہے۔ یہ حضرات جس قسم کا نظم بیان کرتے ہیں اس کے متعلق یہ کہنا شاید بیجا نہ ہو کہ اس قسم کا نظم ہر دو غیر متعلق چیزوں میں جوڑا جا سکتا ہے۔

اصل ضرورت اس چیز کی تھی کہ لوگوں کے سامنے کوئی ایسی چیز آتی جو قرآن کے نظم کو اس طرح واضح کر دیتی کہ ہر صاحب ذہن قاری کو وہ اپنے دل کی آواز معلوم ہونے لگتی، لیکن اس طرح کی کوئی چیز نہ صرف یہ کہ لوگوں کے سامنے آئی نہیں بلکہ جو چیزیں آئیں وہ جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے مایوس کن ثابت ہوئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے نظم کی تلاش کو، کوہ کندن و کاہ برآوردن کا مصداق سمجھ لیا۔

اس راہ میں سب سے پہلی کامیاب کوشش کی سعادت میرے استاذ مولانا حمید الدین فراہیؒ کو حاصل ہوئی۔ مولانا نے بیشک اس کے حق میں نہایت مؤثر و دل نشیں انداز میں دلائل بھی دیئے

اور متعدد سورتوں کی تفسیر بھی انہوں نے لکھی جن کا مطالعہ کیجیے تو معلوم ہو گا کہ ہر سورہ نہایت حسین نظم کا نہایت دل آویز پیکر ہے۔ نظم کے دلائل پر مولانا کا جو رسالہ "دلائل النظام" کے نام سے موسوم ہے وہ ابھی تک شائع نہیں ہو سکا ہے لیکن مولانا کی تفسیر کے کچھ اجزا اور تفسیر کا مقدمہ عربی اور اردو دونوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ جو ذہین اور منصف مزاج بھی ان کا مطالعہ کرے گا وہ دو باتوں کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایک تو اس بات کا کہ قرآن مجید کے اندر نظم کا انکار قرآن پر بہت بڑا ظلم ہے۔ دوسری اس بات کا کہ قرآن کے معارف و حکم کا اصل خزانہ درحقیقت اس کے نظم ہی کے اندر پوشیدہ ہے۔

اگر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے اتنی مہلت دی ہوتی کہ وہ اپنے اصولوں کے مطابق پوری تفسیر مکمل کر پاتے تو یہ چیز ہر مخالف کے اوپر حجت ہوتی لیکن یہ ہماری محرومی ہے کہ ان کی تفسیر کا بہت تھوڑا حصہ لکھا جا سکا۔ خاص طور پر بڑی سورتوں میں سے تو کسی ایک سورہ کی تفسیر بھی وہ مکمل نہ کر سکے۔

دو سوال اور ان کے جواب | بعض لوگ جو نظم کی قدر و قیمت سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں وہ عموماً اس مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے دو سوال اٹھاتے ہیں۔ ایک یہ کہ نظم اگر ہے بھی تو اس کی حیثیت نکات اور لطائف کی ہے، اس کے اوپر قرآن کے سمجھنے اور نہ سمجھنے کا انحصار نہیں ہے، پھر اتنی پر اس شدومد سے زور دینے کی کیا ضرورت ہے؟ دوسرا یہ کہ اگر قرآن میں نظم ہے تو آخر اس قدر مخفی قسم کا کیوں ہے کہ صرف خال خال لوگ ہی اس کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو سکے اور وہ بھی برسوں کی جانکاہی اور دماغ سوزی کے بعد۔ یہاں مختصر طور پر ہم ان دونوں سوالوں کے جواب بھی عرض کر دینا چاہتے ہیں۔

نظم کی قدر و قیمت | نظم کے متعلق یہ خیال بالکل غلط ہے کہ وہ محض علمی لطائف کے قسم کی ایک چیز ہے جس کی قرآن کے اصل مقصد کے نقطۂ نظر سے کوئی خاص قدر و قیمت نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک اس کی اصلی قدر و قیمت یہی ہے کہ قرآن کے علوم اور اس کی حکمت تک رسائی اگر ہو سکتی ہے تو اسی کے واسطے ہو سکتی ہے۔ جو شخص نظم کی رہنمائی کے بغیر قرآن کو پڑھے گا وہ زیادہ سے زیادہ جو حاصل کر سکے گا وہ کچھ منفرد احکام اور منفرد قسم کی ہدایات ہیں۔ اگرچہ ایک اعلیٰ کتاب کے منفرد احکام اور منفرد ہدایات کی بھی بڑی قدر و قیمت ہے لیکن آسمان و زمین کا فرق ہے اس بات میں کہ آپ

کسی کتاب المفردات سے چند جڑی بوٹیوں کے کچھ اثرات و خواص معلوم کریں اور اس بات میں کہ ایک حاذق طبیب ان اجزاء سے کوئی کیمیا اثر نسخہ ترتیب دیدے۔

جس طرح خاندانوں کے شجرے ہوتے ہیں اسی طرح نیکیوں اور بدیوں کے بھی شجرے ہیں بعض اوقات ایک نیکی کو ہم معمولی نیکی سمجھتے ہیں حالانکہ اس نیکی کا تعلق نیکیوں کے اس خاندان سے ہوتا ہے جس سے تمام بڑی نیکیوں کی شاخیں پھوٹتی ہیں۔ اسی طرح بسا اوقات ایک برائی کو ہم معمولی برائی سمجھتے ہیں لیکن وہ برائیوں کے اس کنبے سے تعلق رکھنے والی ہوتی ہے جو تمام مہلک بیماریوں کو جنم دینے والا کنبہ ہے۔ جو شخص دین کی حکمت سمجھنا چاہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خیر و شر کے ان تمام مراحل و مراتب سے اچھی طرح واقف ہو ورنہ اندیشہ ہے کہ وہ دق کا پتہ دینے والی بیماری کو نزلے کا پیش خیمہ سمجھ بیٹھے اور نزلے کی آمد آمد کو دق کا مقدمۃ الجیش قرار دے دے۔

قرآن کی یہ حکمت اجزائے کلام سے نہیں بلکہ تمام تر نظم کلام سے واضح ہوتی ہے۔ اگر ایک شخص ایک سورہ کی الگ الگ آیتوں سے تو واقف ہو لیکن سورہ کے اندر ان آیتوں کے باہمی حکیمانہ نظم سے واقف نہ ہو تو اس حکمت سے وہ کبھی آشنا نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح قرآن نے مختلف سورتوں میں مختلف اصولی باتوں پر آفاقی و انفسی یا تاریخی دلائل بیان کئے ہیں۔ یہ دلائل نہایت حکیمانہ ترتیب کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ جس شخص پر یہ ترتیب واضح ہو وہ جب اس سورہ کی تدبر کے ساتھ تلاوت کرتا ہے تو وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ زیر بحث موضوع پر اس نے ایک نہایت جامع، مدلل اور شرح صدر بخشنے والا خطبہ پڑھا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص اس ترتیب سے بے خبر ہو وہ اجزاء سے اگرچہ واقف ہوتا ہے لیکن اس حکمت سے وہ بالکل ہی محروم رہتا ہے جو [illegible] بیان ہوئی ہوتی ہے۔

یہ تو اس مسئلے کا علمی و نظری پہلو ہوا۔ اس کا سیاسی و اجتماعی پہلو بھی نہایت اہم ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اس ملت مسلمہ کی شیرازہ بندی قرآن مجید کی حبل اللہ المتین ہی کے ذریعہ سے ہوئی ہے اور تمام مسلمانوں کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ سب مل کر اسی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہیں اور متفرق نہ ہوں۔ اس ہدایت کا یہ فطری تقاضا ہے کہ ہمارے درمیان جتنے بھی اختلاف پیدا ہوں ہم ان کے فیصلے کے لئے رجوع قرآن کی طرف کریں۔ لیکن یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ خود قرآن کے [illegible]

میں ہماری رائیں متفق نہیں ہیں۔ ایک ایک آیت کی تاویل میں نہ جانے کتنے اقوال ہیں اور ان اقوال میں سے اکثر ایک دوسرے سے متناقض ہیں لیکن کوئی چیز ہمارے پاس ایسی نہیں ہے جو یہ فیصلہ کر سکے کہ ان میں سے کون سا قول حق ہے۔ کسی کلام کی تاویل میں اختلاف واقع ہو تو اس اختلاف کو رفع کرنے کے لیے سب سے زیادہ اطمینان بخش چیز اس کا سیاق و سباق اور نظام ہی ہو سکتے ہیں۔ لیکن قرآن کے معاملے میں یہ مصیبت ہے کہ لوگ اس کے اندر کسی نظام کے قائل ہی نہیں۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے ہاں جو اختلاف بھی پیدا ہوا، اس نے اپنا مستقل علم گاڑ دیا۔ ہماری فقہ کے بہت سے اختلافات صرف بات کو اس کے سیاق اور نظم میں نہ دیکھنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر سیاق و نظم کو ملحوظ رکھا جائے تو بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں ایک قول کے سوا کسی دوسرے قول کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں نکل سکتی۔

فقہی اختلافات سے زیادہ سنگین معاملہ گمراہ فرقوں کی ضلالتوں کا ہے۔ ہمارے اندر جتنے بھی گمراہ فرقے پیدا ہوئے ہیں ان میں سے اکثر نے قرآنی آیات ہی کا سہارا لیا ہے۔ ایک آیت کو اس کے سیاق و سباق سے کاٹا اور پھر جو جی میں آیا، اس کے اندر معنی پہنا دیے۔ ظاہر ہے کہ ایک کلام کو اسکے نظم اور سیاق و سباق سے الگ کر کے اس کے اندر آپ معنی پہنانا چاہیں تو بہت سے معنی پہنا سکتے ہیں جن میں سے بعض ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن کا تصور اس قول کا کہنے والا کبھی نہیں کر سکتا۔ اگر طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں یہاں بہت سی ایسی آیتوں کا حوالہ دے سکتا ہوں جو تحریروں اور تقریروں میں نہایت غلط اور گمراہ کن معنوں میں استعمال ہو رہی ہیں لیکن کسی کو بھی یہ توفیق نہیں ہوتی کہ ذرا تکلیف کر کے یہ دیکھ لے کہ آیت کس موقع و محل اور کس سیاق و سباق کی ہے۔ کیونکہ قرآن کے معاملے میں جیسا کہ میں نے عرض کیا، ان کے نزدیک نظم اور موقع و محل کا کوئی سوال ہی سرے سے نہیں ہے۔

نظم کا اخفا اب آئیے اس سوال پر غور کیجئے کہ جب قرآن کے سمجھنے کے لئے نظم کی اہمیت یہ ہے تو آخر اس کو اتنا مخفی کیوں کر دیا گیا ہے کہ امام رازیؒ جیسے ذہین آدمی کی کوششیں بھی اسکو کھولنے میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکیں۔

اس سوال کے جواب کے کئی پہلو ہیں۔

پہلی چیز تو یہ ہے کہ قرآن کا یہ اشکال جو ہے یہ درحقیقت قرآن کا اشکال نہیں ہے بلکہ یہ

ہمارا اپنا اشکال ہے قرآن نے اول اول جن لوگوں کو مخاطب کیا ان کو اس کے نظم کے بارے میں کوئی اشکال پیش نہیں آیا۔ زبان ان کی تھی، گرد وپیش ان کا تھا، حالات ومسائل اور اعتراضات سوالات انکے تھے جو پارٹیاں قرآن کی مخاطب تھیں وہ سامنے موجود تھیں اور جس قسم کے نظریات وعقائد وہ رکھتی تھیں وہ سب معلوم ومعروف تھے۔ اس وجہ سے قرآن مجید کے لطیف سے لطیف اشارات اور مخفی سے مخفی کنایات بھی سمجھ لینے میں انہیں کوئی زحمت پیش نہیں آتی تھی۔ جہاں آیات اتریں، بے تکلف ان کے ذہن ہر اشارے وکنایہ کے محل ومصداق تک پہونچ گئے اور انہوں نے کلام کے پورے مالہ وماعلیہ کو اچھی طرح سمجھ لیا۔ کم از کم ان لوگوں کے لئے تو اس کے سمجھ لینے میں کسی زحمت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا جو سارے حالات سے خود متعلق بھی تھے اور ذہین بھی تھے۔ ظاہر ہے کہ ہمارا حال مذکورہ تمام اعتبارات سے ان سے بالکل مختلف ہے۔ نہ زبان ہماری ہے نہ حالات ومسائل ہمارے ہیں۔ زمانے میں بھی صدیوں اور قرنوں کا فرق ہے۔ ایسی صورت میں قرآن کے سمجھنے میں ہمیں جو مشکلات پیش آتی ہیں وہ بالکل فطری ہیں بقدر ضرورت عملی واخلاقی تعلیمات وہدایات کو سمجھ لینے کی تو اور بات ہے لیکن اگر کوئی شخص ربط ونظام کی باریکیوں اور کلام کے منطقی تسلسل اور اس کے اسرار وحقائق کو سمجھنا چاہتا ہے تو ظاہر ہے کہ اسے نہ صرف زبان کی اجنبیت کو دور کرنا پڑے گا بلکہ ذہنی وفکری صعود کے ذریعے اس بعدِ زمانی پر بھی غالب آنا پڑے گا جو اس کے اور قرآن کے زمانۂ نزول کے درمیان حائل ہے اور یہ چیز ظاہر ہے کہ ایک عظیم فکری وعلمی جہاد کے بعد ہی ممکن ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کسی چیز کے اجزا اور اس کی ترکیب میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اجزا کا علم بہت آسان ہوتا ہے لیکن ترکیب کے علم کے لئے بڑی ریاضت کرنی پڑتی ہے۔ نظم کا علم درحقیقت ترکیب کا علم ہے۔ یہ صرف یہ نہیں بتاتا کہ فلاں آیت سے فلاں آیت کا کیا جوڑ ہے بلکہ اس کا اصلی مقصد دین واخلاق کے اجزا کے باہمی ربط کو واضح کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مقصد ایک نہایت اعلیٰ مقصد ہے۔ اسی چیز کو حکمت کہتے ہیں۔ حکمت بہرحال ایک مخفی خزانہ ہے جس کے حاصل کرنے کے لیے بڑی ریاضت کرنی پڑتی ہے۔ اگر کوئی شخص صرف یہ جاننا چاہے کہ قرآن نے عملی زندگی کے لئے کیا احکام دیئے ہیں تو اس کے لئے اسے کسی بڑی کاوش کی ضرورت نہیں ہے، لیکن اگر کوئی شخص دین کی حکمت معلوم کرنا چاہے تو اسے بہرحال قرآن کے اندر معتکف ہونا اور اس کے لئے ساری زندگی

کو قربان کرنا پڑے گا۔

تیسری چیز یہ ہے کہ عربی زبان کی (بالخصوص اس زبان کی جس میں قرآن ہے) کچھ خصوصیات ہیں جو صرف اسی زبان کے ساتھ خاص ہیں۔ بلیغ عربی زبان میں تعبیر مدعا کے لئے الفاظ کا سہارا اسی حد تک لیا جاتا ہے جس حد تک ناگزیر ہے۔ اگر کوئی شخص اس حد سے آگے بڑھ جائے تو یہ کلام کا عیب ہے جس کو قائل کے عجز کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔ عرب کے لوگ نہایت ذہین تھے۔ اسوجہ سے وہ کلام کے اندر سے ان تمام اجزا کو حذف کر دیتے تھے جن کو ایک ذہین سامع خود سمجھ لیتا ہے یا اسے سمجھ لینا چاہیئے۔ زمانۂ نزول قرآن کے ادب اور قرآن کے مطالعے سے اس حذف و ایجاز کے بہت سے اصول سامنے آتے ہیں جو ایک فنی ترتیب کے ساتھ میرے استاذ مولانا فراہیؒ نے اپنی ایک کتاب، ــــ کتاب الاسالیب ــــ میں جمع کر دیے ہیں۔ میرے لئے ان تمام اصولوں کو یہاں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ صرف ایک بات محض بطور مثال عرض کرتا ہوں جس سے اس بات کا اندازہ ہو سکے گا جس کی طرف میں یہاں اشارہ کرنا چاہتا ہوں، ہمارے اور اہل عرب کے درمیان ایک نمایاں فرق یہ یہ ہے کہ ہم ایک بات کے بعد جب دوسری بات اس کی دلیل یا اس کی مثال یا اس کے نتیجہ یا اسکی تکمیل یا اس پر استدراک یا کسی اور پہلو سے کہیں گے تو اس رابطہ کو لازماً ظاہر کر دیں گے جو دونوں کے تعلق کی نوعیت کو واضح کر دے۔ اس مدعا کے لئے ہماری زبان میں بہت سے الفاظ اور اسلوب ہیں جن کا سہارا لیے بغیر ہم ایک قدم بھی نہیں چل سکتے۔ اہل عرب کا طریقہ اس معاملے میں ہمارے طریقے سے بالکل مختلف ہے وہ اس طرح کے مواقع میں زیادہ اعتماد سامع کی ذہانت پر کرتے ہیں اور رابطے کو حذف کر دیتے ہیں کہ سامع کا ذہن خود اس خلا کو بھر لے گا۔ اہل عرب اس حذف و ایجاز کو کلام کا حسن اور اسکی بلاغت قرار دیتے ہیں لیکن یہی چیز ہمارے لئے نظم کی مشکلات پیدا کر دیتی ہے۔ ہم کلام کی مخفی کڑیوں سے بے خبر ہونے کی وجہ سے ہر بات کو الگ الگ سمجھ بیٹھتے ہیں۔

چوتھی چیز یہ ہے کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ اس میں تمام علم اولین و آخرین ہے۔ اسے رہتی دنیا تک باقی رہنا اور خلق کی رہنمائی کرنا ہے۔ اس کے عجائب کبھی ختم ہونے والے نہیں ہیں۔ یہ جس طرح آج سے کم و بیش چودہ سو سال پہلے دنیا کی رہنمائی کے لیے تمام صفات اور صلاحیتوں سے بھرپور تھی اسی طرح آج بھی ہے اور اسی طرح قیامت تک رہے گی۔ قوموں کے بعد قومیں اٹھیں گی اور انھیں

ہے جو اس کی طرف رجوع کریں گی وہ سب اپنے اپنے ظرف کے بقدر اس میں سے حصہ پائیں گی، لیکن سب کے حصہ پالینے کے بعد بھی اس کے ذخیرۂ علم و حکمت میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ سمندر سے ایک سوئی کی نوک پانی کی جتنی مقدار اٹھا سکتی ہے، قیامت تک سب مل کر بھی اس سے زیادہ اسکے ذخیرۂ علم کو کم نہیں کر سکتے۔ یہ سارا خزانۂ علم اس کتاب کے اتارنے والے نے اس کے الفاظ اور اسکے نظام کے اندر ودیعت کر دیا ہے۔ اس وجہ سے اسکی نوعیت کسی سپاٹ کتاب کی نہیں ہے کہ آپ اس کو دو چار مرتبہ پڑھ لیں اور اس کے اندر جو کچھ ہے اسکو اخذ کر لیں بلکہ اسکی حیثیت ایک معدن کی سی ہے جس کے اندر جتنی ہی گہری کھدائی کی جائے اتنے ہی اس سے خزانے پر خزانے نکلتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو صرف ایک دو بار پڑھ لینے کی ہدایت نہیں ہوئی بلکہ بار بار مختلف شکلوں اور مختلف مقداروں میں تلاوت کرتے رہنے اور اس پر برابر تدبر کرتے رہنے کی ہدایت ہوئی۔

قرآن کا نظام بحیثیت مجموعی اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کا تعلق ہر سورہ کے اندرونی نظم سے ہے۔ یعنی ہر سورہ ایک مستقل وحدت ہے، اس کا ایک علیحدہ عنوان و موضوع (عمود) ہے اور اس سورہ کے تمام اجزائے کلام اس عنوان و موضوع سے نہایت گہری وابستگی رکھتے ہیں۔ اب ایک قدم آگے بڑھ کر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن میں بحیثیت مجموعی بھی ایک نظام ہے جس کا ایک پہلو تو بالکل ظاہر ہے جو ہر شخص کو نظر آسکتا ہے۔ لیکن ایک پہلو مخفی ہے جو غور و تدبر سے سامنے آتا ہے۔ میں ان دونوں پہلوؤں پر بالاجمال روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔ پہلے اس کے ظاہری پہلو پر نظر ڈالیے۔

قرآن کے مجموعی نظام کا ظاہری پہلو اگر آپ سورتوں کی اس ترتیب پر ایک نظر ڈالیں جس ترتیب سے وہ مصحف میں ہیں تو ایک چیز آپ کو بالکل صاف نظر آئے گی۔ کہ قرآن میں مکی اور مدنی سورتوں کے ملے جلے سات گروپ بن گئے ہیں۔ جن میں سے ہر گروپ ایک یا ایک سے زیادہ مکی سورتوں سے شروع ہوتا ہے اور ایک یا ایک سے زیادہ مدنی سورتوں پر تمام ہوتا ہے۔ ہر گروپ میں پہلے مکی سورتیں ہیں، ان کے بعد مدنی سورتیں ہیں۔ پہلا گروپ فاتحہ سے شروع ہوتا ہے، مائدہ پر ختم ہوتا ہے۔ اس گروپ میں فاتحہ مکی ہے، باقی چار مدنی ہیں۔ دوسرا گروپ انعام اور اعراف دو مکی سورتوں سے شروع ہوتا ہے اور انفال و توبہ دو مدنی سورتوں پر ختم ہوتا ہے۔

تیسرے گروپ میں پہلا سہا سورتیں یونس تا مومنون مکی ہیں۔ آخر میں سورۂ نور ہے

جو مدنی ہے۔ اس گروپ کی دو سورتوں رعد اور حج کو بعض لوگوں نے مدنیات میں شمار کیا ہے لیکن یہ خیال غلط ہے۔ اس مسئلے پر ہم اپنی تفسیر میں مذکورہ سورتوں کی تفسیر میں بحث کریں گے۔

چوتھا گروپ فرقان سے شروع ہوتا ہے، احزاب پر ختم ہوتا ہے۔ اسمیں ۸ سورتیں مکی ہیں آخر میں ایک احزاب مدنی ہے۔

پانچواں گروپ سبا سے شروع ہوتا ہے، حجرات پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں ۱۳ مکی ہیں اور آخری تین مدنی ہیں۔

چھٹا گروپ ق سے شروع ہو کر تحریم پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں پہلی سات مکی ہیں، اس کے بعد دس مدنی۔ اس گروپ میں بعض لوگوں نے سورۂ رحمان کو مدنی قرار دیا ہے لیکن ہم سورہ کی تفسیر میں واضح کریں گے کہ یہ خیال بے بنیاد ہے۔

ساتواں گروپ ملک سے شروع ہو کر الناس پر ختم ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک اس میں بھی مکیات اور مدنیات کی ترتیب اسی طرح ہے جس طرح دوسرے گروپوں میں ہے۔ لیکن اس کی سورۂ دہر اور آخری بعض سورتوں کے بارے میں چونکہ اختلافات ہیں اس وجہ سے ان پر بھی ہم ان سورتوں کی تفسیر ہی میں بحث کریں گے۔

سورتوں کی یہ ترتیب ہر صاحب علم جانتا ہے کہ اتفاقی نہیں بلکہ توقیفی ہے۔ یہ وہ ترتیب ہے جس ترتیب پر قرآن لوحِ محفوظ میں ہے۔ یہی ترتیب ہے جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبریل امین، جیسا کہ حدیثوں سے ثابت ہے، ہر رمضان میں قرآن مجید کا مذاکرہ فرماتے تھے۔ اسی ترتیب کے مطابق صحابہ رضی اللہ عنہم بھی رمضان میں قرآن شریف سنتے سناتے تھے اور اسی ترتیب کے مطابق سیدنا عثمان غنی نے مصحف کی نقلیں تمام ممالک اسلامیہ میں بھجوائیں۔ اس وجہ سے یہ ترتیب حکمت سے خالی نہیں ہو سکتی۔

قرآن کے مجموعی نظام کا معنوی پہلو

مذکورہ ساتوں گروپوں کی تلاوت اگر بار بار غور و تدبر کے ساتھ کی جائے تو اس ترتیب کی بہت سی حکمتیں واضح ہوتی ہیں جن میں سے بعض کی طرف ہم یہاں اشارہ کریں گے۔

(۱) جس طرح ہر سورہ کا ایک خاص عمود ہوتا ہے جس سے سورہ کے تمام اجزائے کلام وابستہ

ہوتے ہیں۔ اس طرح ہر گروپ کا بھی ایک جامع عمود ہوتا ہے اور اس گروپ کی تمام سورتیں اس جامع عمود کے کسی خاص پہلو کی حامل ہوتی ہیں۔ مطالب اگرچہ ہر گروپ میں مشترک ہوتے لیکن اس اشتراک کے ساتھ ساتھ جامع عمود کی چھاپ ہر گروپ پر نمایاں ہوتی ہے۔ الگ الگ ہر گروپ کے موضوع پر بحث کے لئے موزوں جگہ یہاں نہیں ہے بلکہ تفسیر میں ہر گروپ کی تمہید میں ہے۔ یہاں مثال کے طور پر اتنی بات ذہن میں رکھئے کہ کسی گروپ میں قانون و شریعت کا رنگ غالب ہے، کسی میں ملت ابراہیمؑ کی تاریخ اور اس کے اصول و فروع کا کسی میں کشمکش حق و باطل اور اس کے بارے میں سنت الٰہیہ کے بیان کا حصہ نمایاں ہے، کسی میں نبوت و رسالت اور اس کے خصائص و امتیازات کا کسی میں توحید اور اس کے لوازم و مقتضیات ابھرے ہوئے نظر آئیں گے، کسی میں بعث اور حشر و نشر اور ان کے متعلقات۔ آخری گروپ منذرات کا ہے جو بیشتر ان مکی سورتوں پر مشتمل ہے جو جھنجھوڑنے اور جگانے والی ہیں اور جنھوں نے پورے عرب میں ہلچل برپا کر دی۔

۲۔ ہر گروپ میں جو مدنی سورتیں شامل ہیں وہ اپنے گروپ کے مجموعی مزاج سے بالکل ہم آہنگ و ہم رنگ ہیں۔ وہ اپنے گروپ کی مکی سورتوں سے وہی مناسبت رکھتی ہیں جو مناسبت کسی درخت کی جڑ اور اس کی شاخوں میں ہوتی ہے۔

۳۔ ہر سورہ زوج زوج ہے۔ یعنی ہر سورہ اپنا ایک جوڑا اور مثنیٰ بھی رکھتی ہے اور ان دونوں میں اسی طرح کی مناسبت ہوتی ہے جس طرح کی مناسبت زوجین میں ہوتی ہے۔ یعنی ایک میں جو خلا ہوتا ہے، دوسری اس خلا کو بھرتی ہے۔ ایک میں جو پہلو مخفی ہوتا ہے، دوسری اس کو اجاگر کرتی ہے اور اس طرح دونوں مل کر چاند اور سورج کی شکل میں نمایاں ہوتی ہیں۔ بڑی سورتوں میں اس کو بقرہ اور آل عمران کی مثال سے اور چھوٹی سورتوں میں معوذتین کی مثال سے سمجھئے۔ قرآن میں یہ نظام بالکل کائنات کے نظام کے مشابہ ہے۔ اس کائنات میں بھی ہر چیز جوڑا جوڑا ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازوں میں بالعموم سورتوں کی تلاوت میں اس نسبت کو ملحوظ رکھتے تھے۔ سورہ قیامہ اور دہر، سورہ صف اور سورہ جمعہ، اعلیٰ اور غاشیہ عموماً آپ نمازوں میں

ساتھ ساتھ پڑھتے تھے۔

۴۔ صرف سورہ فاتحہ اس کلیہ سے مستثنیٰ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سورہ درحقیقت پورے قرآن کیلئے بمنزلہ دیباچہ ہے۔ اس سورہ کی تفسیر میں ہم نے واضح کیا ہے کہ اس نے اپنے اندر پورے قرآن کے بنیادی حقائق جمع کر لئے ہیں۔ یہ اپنے گروپ کے لئے بھی دیباچہ کی حیثیت رکھتی ہے اور پورے قرآن کے لئے بھی۔ اس کے مختلف ناموں میں سے ایک نام کافیہ بھی ہے۔ اس سے بھی یہ اشارہ نکلتا ہے کہ یہ خود مکتفی سورت ہے۔ یہ اپنے ساتھ کسی دوسری سورت کے ملنے کی محتاج نہیں ہے۔

۵۔ بعض سورتیں ایسی بھی ہیں جن کی حیثیت ضمنی سورہ کی ہے۔ یعنی وہ کسی سورہ کے مستقل مثنیٰ کی حیثیت نہیں رکھتی ہیں بلکہ اپنی ماسبق سورۃ کے کسی ایک اہم پہلو کی وضاحت کے طور پر نازل ہوئی ہیں۔ اس کی ایک مثال سورہ حجرات ہے۔ جو اپنی سابق سورہ کی ایک آیت کی توضیح کی حیثیت رکھتی ہے۔ تفسیر میں اسکی وضاحت آئے گی۔

۶۔ ہر گروپ پر الگ الگ تدبر کرنے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ ہر ایک کے اندر اسلامی دعوت کے تمام ادوار ابتدا سے لے کر انتہا تک نمایاں ہوتے ہیں البتہ نمایاں ہونے کا پہلو ہر ایک کے اندر مختلف ہوتا ہے نیز ایجاز اور تفصیل کے اعتبار سے انداز الگ الگ ہوتے ہیں۔

۷۔ یہ بات بھی نظر آتی ہے کہ اس ترتیب میں قانون و شریعت کے گروپ کو تمام دوسرے گروپوں پر مقدم کر دیا گیا ہے اور منذرات کے گروپ کو آخر میں کر دیا گیا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انذار سے مقصود درحقیقت لوگوں کو غلط راہ سے موڑ کر صحیح راہ پر لگانا ہے اور صحیح راہ شریعت کی راہ ہے۔ اس وجہ سے جو چیز غایت و مقصود کی حیثیت رکھتی ہے اس پر سب سے پہلے نگاہ پڑنی چاہیئے۔ اُمت کو بحیثیت اُمتِ مسلمہ جو دولت عطا ہوئی ہے وہ درحقیقت شریعت ہی ہے جو اہل کتاب سے اس امت کو منتقل ہوئی۔ اس وجہ سے پہلے گروپ میں اہل کتاب کی معزولی بھی بیان ہوئی اور شریعت اسلامی کی تفصیل بھی۔ غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ قرآن کے پہلے گروپ اور اس کے آخری گروپ میں وہی نسبت ہے جو نسبت ایک عمارت اور اس کی بنیاد میں ہوتی ہے۔ جہاں تک تعمیر کا تعلق ہے تعمیر پہلے بنیاد ہوتی ہے لیکن عمارت

بن چکنے کے بعد سامنے جو چیز آتی ہے وہ عمارت ہوتی ہے۔ بنیاد نیچے ہو جاتی ہے۔
جب میرے سامنے قرآن عظیم کے یہ ساتوں گروپ آتے ہیں اور ساتھ ہی سورتوں کے جوڑے جوڑے ہونے پر نظر پڑتی ہے تو بیساختہ میرا ذہن "ولقد اٰتیناک سبعاً من المثانی والقرآن العظیم" (۸۷۔ حجر) کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، لیکن اس آیت سے متعلق چونکہ بہت سی باتیں بحث طلب ہیں۔ اس وجہ سے اس پر مفصل گفتگو اپنے مقام پر ہی موزوں رہے گی۔

مضمون نگاری کا انعامی مقابلہ

انجمن اسلام بمبئی نے جو ریاست کا سب سے قدیم ادارہ ہے، طے کیا ہے کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ سے اردو میں انعامی مضامین لکھوائے جائیں یہ مضامین زیادہ سے زیادہ پانچ ہزار الفاظ پر مشتمل ہوں۔

اس سلسلے میں تین انعامات دیے جائیں گے:۔

۱۔ پہلا انعام دو سو روپے، ۲۔ دوسرا انعام ایک سو روپے، ۳۔ تیسرا انعام ڈیڑھ سو روپے۔

یہ مضامین فلسکیپ سائز کے کاغذ پر خوشخط لکھے جائیں اور مضمون نگار اپنا نام اور پتہ ایک الگ کاغذ پر لکھ کر مضمون کے ساتھ منسلک کریں۔

عنوانات برائے مضمون نگاری حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ اردو کا سائنسی ادب، ۲۔ اردو زبان کا مذہبی ورثہ، ۳۔ ہندوستانی تہذیب کے عناصر، ۴۔ ہندوستانی معاشرہ کی اصلاح میں اردو کا حصہ۔

مضامین کی وصول یابی کی آخری تاریخ یکم ستمبر ۱۹۶۷ء ہے۔

مضامین مندرجہ ذیل پتہ پر بھیجے جائیں:۔

ڈائرکٹر، انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

۹۲، دادا بھائی نوروجی روڈ، بمبئی ۱

JEWISH CONSPIRACY
and the
MUSLIM WORLD

Edited by

MISBAHUL ISLAM FARUQI

* * *

With complete text of the

PROTOCOLS OF THE LEARNED ELDERS OF ZION

* * *

Also includes:

JEWS IN HISTORICAL PERSPECTIVE

By

MAULANA ABDUL AZIZ

JEWISH CONSPIRACY

By

MAULANA ZAFAR AHMAD ANSARI

Edited, Translated, Enlarged

By

M. T. FARUQI

EXHAUSTIVE EXPLANATORY NOTES

By

M. I. FARUQI

Pages 254 — Rs. 6.50

Obtainable from

Post Box No. 2189, Karachi-18

تذکرۂ مجدد الف ثانیؒ
مجدد الف ثانی نمبر الفرقان کا تازہ کتابی ایڈیشن
الفرقان کے مجدد الف ثانی نمبر میں پہلی بار یہ حقیقت سامنے آئی تھی کہ امام ربانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ کا وہ کون سا امتیازی کارنامہ ہے جسکی وجہ سے آپکو کسی ایک صدی کا نہیں بلکہ الف ثانی یعنی پورے دوسرے ہزارے (از ۱۰۰۱ تا ۲۰۰۰) کا مجدد امت نے مان لیا ہے۔ الفرقان کے اس نمبر کی اشاعت پر اکیس برس گزر چکے ہیں، اس عرصہ میں خاصکر اسلامی دنیا کے حالات میں بہت کچھ تبدیلیاں ہوئی ہیں ان تبدیلیوں کو اور انکے دینی تقاضوں کو دیکھ کر یہ یقین بڑھ جاتا ہے کہ واقعۃً حضرت موصوف پورے "الف ثانی" کے مجدد ہیں اور ہمارے اس دور کیلئے بھی انکے تجدیدی کام میں پوری رہنمائی موجود ہے۔
یہ حقیقت آپ پر اس کتاب کے مطالعہ سے کھلے گی جس میں
مجدد الف ثانیؒ کے ذاتی حالات بھی ہیں اور انکے تجدیدی
کام کی تفصیلات بھی، نیز آپکے تمام مشہور خلفاء کا تذکرہ بھی۔
صفحات ۳۵۲ ، سائز متوسط ، قیمت ۴/-
کتب خانہ الفرقان لکھنؤ

Monthly 'ALFURQAN' Lucknow

Vol. 35 No. 1 MAY 1967 Regd. No. L-353

DR. ZAKIR HUSAIN LIBRARY JAMIA NAGAR NEW DELHI-110025

Only cover printed at PRINTERS & PRINTERS Lucknow-3

سالانہ چندہ
ہندوستان سے ۔ ۔ ۔ ۔ ۷/-
پاکستان سے ۔ ۔ ۔ ۔ ۷/-
ششماہی
ہندوستان سے ۔ ۔ ۔ ۔ ۴/-
پاکستان سے ۔ ۔ ۔ ۔ ۴/-

فی کاپی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۶۵ پیسے

جلد ۳۵ | بابت ماہ صفر ۱۳۸۷ھ مطابق جون ۱۹۶۷ء | شمارہ (۲)

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے، تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے، براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں، یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۱۰ جون تک آ جانے، ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ وی پی ارسال ہوگا۔

پاکستان کے خریدار:۔ اپنا چندہ ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور ڈاکخانہ کی پہلی رسید کے ساتھ ہمیں براہ راست اطلاع دے دیں۔

نمبر خریداری:۔ براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کے کوپن پر اپنا نمبر خریداری ضرور لکھ دیا کیجیے۔

تاریخ اشاعت:۔ الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے، اگر ۱۵ تاریخ تک کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع کریں، اس کی اطلاع ۲۰ تاریخ تک آ جانی چاہیے، اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر، ایڈیٹر و پروپرائٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ، لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

محمد منظور نعمانی

الفرقان کے ناظرین راقم سطور کی کتاب "اسلام کیا ہے" سے ضرور واقف ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس کو غیر معمولی قبولیت بخشی ہے۔ جس کے نتیجہ میں پچاس ہزار سے زیادہ وہ کتب خانہ الفرقان سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے، اور انگریزی، ہندی، گجراتی، کنڑی اور بنگالی وغیرہ مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے بھی ہو چکے ہیں ——— اسکے بارے میں کئی برس سے یہ بات سننے میں آرہی ہے کہ بعض پست سطح کے تاجران کتب معمولی سستی کتابت کرا کے اور گھٹیا کاغذ پر چھاپ کے اور قانونی کاروائی کے خوف سے کتب خانہ الفرقان کا نام ڈال کے اس کو بازار میں چلا رہے ہیں۔

اگرچہ ان کی اس مجرمانہ حرکت کی وجہ سے کتب خانہ الفرقان کو بہت بڑا مالی نقصان بھی پہونچ رہا ہے لیکن اس سے کہیں بڑھ کر روحانی اذیت اس احساس سے ہوتی ہے کہ کتابت اور کاغذ کے گھٹیا پن سے خود کتاب پر ظلم ہو رہا ہے، اور چونکہ اسکو کتب خانہ الفرقان کی مطبوعہ ظاہر کر کے اسی کے نام سے بازار میں چلایا جا رہا ہے اسلئے ادارہ الفرقان کی ساکھ کو بھی اس سے شدید نقصان پہونچ رہا ہے اور بیچارے خریدار جو حقیقت حال سے واقف نہیں ہیں ادارہ الفرقان ہی کو ناجائز نفع خوری کا مجرم سمجھنے میں معذور ہیں۔

کئی برس سے یہ سب برداشت کیا جا رہا ہے، اگرچہ ازروئے قانون یہ سنگین اور سخت سزا کے قابل جرم ہے، اور قانون داں دوستوں نے قانونی کاروائی کا مشورہ بھی دیا لیکن اپنے خاص مزاج کی وجہ سے ابھی تک اسکا فیصلہ نہیں کیا جا سکا۔ یہ جو کچھ ہوا بعض بازاری تاجران کتب کی طرف سے ہوا اور ہو رہا ہے اور ان بیچاروں کی یہی سطح ہے۔ لیکن حال میں بجنور کے ایک مولوی صاحب نے اس ناچیز پر اس سے بھی بڑا کرم کیا ہے۔ انھوں نے ایک کتاب شائع فرمائی ہے "جماعت اسلامی سے مجلس شاورت تک" اور اس پر بحیثیت مصنف میرا نام ڈالا ہے اور اسی طرح اخبارات میں اس کا اشتہار شائع کیا جا رہا ہے۔

اور اللہ کے بہت سے بندے جو اس ناچیز کے ساتھ نیک گمان اور اچھا تعلق رکھتے ہیں وہ اسی فریب کا شکار ہوکر اسکو خرید رہے ہیں اور جس کا ذکر کیا گیا وہ بعض پست سطح تاجران کتب کا خالص بازاری کردار تھا اور یہ ایک خادم دین اور صاحب قلم مولوی صاحب کی جودت طبع کا شاہکار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس طبقہ کو توفیق دے کہ وہ اپنے مقام کو پہچانے۔

اس کتاب کے بارے میں میں نے ایک بیان شروع مئی میں لکھا تھا جو بعض اخبارات میں شائع ہو چکا ہے، کسی قدر اختصار اور تلخیص کے ساتھ وہ ہی ناظرین الفرقان کی خدمت میں پیش ہے۔

"دو تین ہفتہ پہلے کی بات ہے فیروز آباد کے ایک صاحب مجھے ملے اور کہا کہ مجھے دو نسخے آپ کی نئی کتاب "جماعت اسلامی سے مجلس مشاورت تک" کے چاہئیں۔ میں نے ان سے کہا کہ اس نام کی میری کوئی کتاب نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے تو ابھی حال ہی میں اخبار "الجمعیۃ" میں اس کا اشتہار دیکھا ہے۔ میں نے اُن سے کہا آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی وہ کتاب کسی اور نے لکھی ہوگی۔ انھوں نے زور دار طریقہ پر کہا 'نہیں'، اشتہار میں مصنف کی حیثیت سے آپ ہی کا نام "مولانا محمد منظور نعمانی" لکھا ہوا ہے۔ میں نے ان سے کہا تو شاید کوئی صاحب میرے ہم نام ہوں، بہرحال میری کوئی کتاب اس نام کی نہیں ہے۔ چند دنوں کے بعد پھر ایک صاحب نے مجھ سے اسی طرح کی بات کی، اسکے بعد میں نے "الجمعیۃ" میں اشتہار دیکھنے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ بات اسی طرح ہے۔ پھر وہ کتاب بھی مجھے مل گئی۔ اسکے ٹائیٹل پیج پر مصنف کی حیثیت سے میرا ہی نام لکھا گیا ہے۔

کتاب کی ورق گردانی سے معلوم ہوا کہ اس میں میرا ایک مضمون اب سے تقریباً دس سال پہلے کا جس میں میں نے جماعت اسلامی کے بارے میں اپنی رائے اور رویہ کی تاریخ بیان کی تھی اور وہ اسی زمانہ میں الفرقان میں شائع ہوا تھا اس کتاب میں لے لیا گیا ہے اور شروع میں مقدمہ کے زیر عنوان گویا اس پر تبصرہ کیا گیا ہے اور میرے بارے میں دکھایا گیا ہے کہ اس شخص نے بار بار اپنی رائے بدلی ہے اس لیے اس کی رائے اور رویہ کا کوئی اعتبار نہیں۔

اگر بات صرف اتنی ہی ہوتی تو میں اپنی عادت کے مطابق اس کا کوئی نوٹس نہ لیتا۔ مجھے اعتراف ہے بلکہ میں تو اس پر اپنے رب کریم کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں بارہا ایسا ہوا ہے کہ میں نے غور و فکر کے بعد صحیح سمجھ کر ایک رائے قائم کی، اور ایک فیصلہ کیا۔ بعد میں محسوس کیا کہ میں نے غلطی کی ہے تو اپنا فیصلہ میں نے بدل دیا ــــ کسی بات کو خواہ وہ کسی کی طرف سے کہی گئی ہو صحیح سمجھ کر قبول کر لینے اور پھر اس کی غلطی معلوم ہو جانے پر اس کو چھوڑ دینے سے الحمد للہ میرے لیے کوئی گروہی عصبیت اور نفس کی انانیت مانع نہیں ہوئی۔ الفرقان کے پینتیس۳۵ سالہ فائلوں میں اس کی پچاسوں مثالیں مل سکتی ہیں۔ اور میں تو کتاب و سنت کی روشنی میں اپنے اس رویہ پر اپنے مالک سے بڑے اجر کا امیدوار ہوں۔

بہرحال میں ایک ایسا انسان ہوں جس کی رائے اور فکر نے بارہا غلطیاں کی ہیں اور

احساس ہو جانے پر اللہ تعالیٰ نے ان سے رجوع کرنے کی توفیق دی ہے ...... لیکن اس کتاب میں دو باتیں انتہائی غلط اور دل آزار لکھی گئی ہیں۔ اور چونکہ اس کا اشتہار اور اس کا ٹائٹل دیکھ کر ہر شخص یہی سمجھے گا کہ یہ کتاب کم از کم میری اجازت اور رضامندی سے شائع ہوئی ہو (کیونکہ اس کتاب کا بغیر میری اجازت کے اس شکل میں شائع ہونا از روئے قانون جرم ہو) اسلئے میں ان دو باتوں کی تردید اور ان سے براءۃ کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں۔

(۱) پہلی بات یہ ہو کہ اس کتاب کے مقدمہ کے حصہ میں ناظرین کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہو کہ میں ایک زمانہ میں تبلیغی جماعت کے کام میں بڑی سرگرمی سے شریک تھا اور اب اس سے کنارہ کش ہو کر میں نے مسلم مجلس مشاورت کو اپنا لیا ہو۔

اصل واقعہ یہ ہو کہ مسلمانوں کے تمام اجتماعی کاموں میں تبلیغی جماعت والے کام کو اپنے علم و فہم کی حد تک میں سب سے مبارک اور مقبول ترین کام سمجھتا رہا ہوں اور اب بھی سمجھتا ہوں، بلکہ اس بارے میں یقین الحمد للہ اب پہلے سے بھی بڑھا ہوا ہو..... لیکن اس کے باوجود میں نے ان خوش نصیب بندوں کی صف میں شامل ہونے کا فیصلہ کبھی نہیں کیا، جنھوں نے صرف اسی کام کو اپنی زندگی کا واحد مصرف بنا لیا ہو بلکہ ہمیشہ دوسرے دینی اور ملی کاموں سے بھی میرا تعلق رہا۔ مجلس مشاورت کو تو وجود میں آئے پورے تین سال بھی ابھی نہیں ہوئے! اب سے قریباً آٹھ سال پہلے کی بات ہے جب دینی تعلیمی کونسل کا کام شروع ہوا تو تبلیغی اکابرین سے پوری تفصیل سے مشورہ کرنے کے بعد طے کر لیا تھا کہ اب تبلیغی کام میں پہلے کی طرح زیادہ وقت نہیں دیا جا سکے گا اور خود تبلیغی کام کی مصلحتوں کا تقاضہ بھی یہی تھا۔ بہرحال اس وقت سے اسی کے مطابق عمل ہو رہا ہے اور تبلیغی کام کے بزرگوں سے عرض کر دیا ہے کہ جس وقت اور جہاں کہیں میرا جانا مناسب اور مفید سمجھیں بلا تکلف حکم دیں، دوسرے سب کاموں کو مؤخر کر کے ان شاء اللہ تعمیل کی جائے گی اور ابھی تک بھی اسی پر عمل ہے۔

(۲) دوسری تکلیف دہ اور دل آزار بات اس کتاب میں یہ ہے کہ ڈاکٹر فریدی اور ڈاکٹر سید محمود کو خدا کے بندے نے نام لے کر فاسق لکھا ہے۔ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں جن کے ذریعہ اس حرکت کی مذمت اور اس سے بیزاری کا اظہار کیا جا سکے۔ سیاسی اختلافات کی بنا پر کم از کم میرے مطالعہ میں خوش تمیزی کی یہ پہلی مثال ہے۔ فالی اللہ المشتکی۔

آخر میں پھر عرض کرتا ہوں کہ میں نے یہ سطریں لکھنا اسلئے ضروری سمجھا کہ کتاب پر بحیثیت مصنف میرا نام دیکھ کر بیچارے ناظرین مجھے ان باتوں کا ذمہ دار نہ سمجھیں۔

۲۰ مئی سے پہلے مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی ایڈیٹر الفرقان کی طبیعت ناساز ہو گئی تھی جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے، اسی وجہ سے یہ شمارہ ۱۰ دن کی تاخیر سے شائع ہو رہا ہے۔　　(منیجر)

کتاب الاذکار والدعوات

مَعَارِفُ الحَدِیث

(مُسَلسَل)

کسی مجلس سے اُٹھنے کے وقت کی دُعا:-

جب آدمی کسی مجلس میں بیٹھتا ہے تو بااوقات اس میں ایسی باتیں کہتا یا سنتا ہے جو ایک مومن کے لیے مناسب نہیں ہوتیں اور ان پر مواخذہ ہو سکتا ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ جب مجلس سے اٹھو تو اللہ کی حمد و تسبیح، شہادتِ توحید اور توبہ و استغفار کا کلمہ پڑھو، یہ مجلس کی بے احتیاطیوں کا کفارہ ہو جائے گا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَلَسَ مَجْلِساً کَثُرَ فِیْهِ لَغَطُهٗ فَقَالَ قَبْلَ اَنْ یَقُوْمَ مِنْ مَجْلِسِهٖ ذَالِكَ سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَیْكَ اِلَّا غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا کَانَ فِیْ مَجْلِسِهٖ ذَالِكَ۔ ——————— رواہ الترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مجلس میں بیٹھا جس میں اُس سے بہت سی قابلِ مواخذہ فضول ولایعنی باتیں سرزد ہوئیں، مگر اس نے اس مجلس سے اُٹھتے وقت کہا "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَیْكَ" اے اللہ میں تیری حمد کے ساتھ تیری پاکی بیان کرتا ہوں، گواہی دیتا ہوں کہ صرف

تو ہی معبود برحق ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں اپنے گناہوں کی تجھ سے بخشش چاہتا ہوں اور تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں) تو اللہ تعالیٰ اس کی اُن سب لغزشوں کو معاف کردے گا جو اس مجلس میں اس سے سرزد ہوئیں ____ (جامع ترمذی)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَاتٌ لَا يَتَكَلَّمُ بِهِنَّ اَحَدٌ فِيْ مَجْلِسِهٖ عِنْدَ قِيَامِهٖ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ اِلَّا كُفِّرَ بِهِنَّ عَنْهُ وَلَا يَقُوْلُهُنَّ فِيْ مَجْلِسِ خَيْرٍ وَمَجْلِسِ ذِكْرٍ اِلَّا خُتِمَ لَهٗ بِهِنَّ عَلَيْهِ كَمَا يُخْتَمُ بِالْخَاتَمِ عَلَى الصَّحِيْفَةِ "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ" ____ رواہ ابوداؤد

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چند مختصر سے کلمے ہیں اگر کوئی بندہ کسی مجلس سے اُٹھتے وقت اخلاص سے کہہ لے تو وہ اس کی مجلس کی ساری لغزشوں کا کفارہ ہو جائیں گے۔ اور اگر یہی کلمے خیر اور ذکر اللہ کی کسی مجلس کے خاتمہ پر کہے جائیں تو اس مجلس کی روداد کے نوشتہ پر ان کلموں کی مہر لگادی جائے گی، جس طرح اہم کاغذات اور دستاویزوں پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ وہ کلمے یہ ہیں: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ ____ رواہ ابوداؤد

(تشریح) یہ بڑا ہی مختصر اور جامع کلمہ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و حمد بھی ہے، اسکی توحید کی شہادت بھی ہے اور اپنے گناہوں سے توبہ و استغفار بھی ہے ____ اللہ کے بعض مقبول بندوں کو دیکھا کہ ہر تھوڑی دیر کے بعد اور خاصکر ہر سلسلۂ کلام کے ختم پر دل کی ایسی گہرائی سے جو اسوقت ان کے چہرہ پر اور ان کی آواز میں بھی محسوس کی جاتی تھی یہی کلمے کہتے تھے جس سے سننے والوں کے دل بھی متاثر ہوتے تھے۔

بلاشبہ یہ کلمہ اپنی معنویت اور خاص ترتیب کے لحاظ سے ایسا ہی ہو کہ جب اخلاص کے ساتھ بندہ اللہ کے حضور میں یہ عرض کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت اس کی طرف ضرور بالضرور متوجہ ہوگی ____ یہ کلمہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا فرمائے ہوئے خاص تحفوں میں سے ہے

اللہ تعالیٰ اس کی قدر اور استفادہ کی توفیق دے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَلَّمَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُومُ مِنْ مَجْلِسٍ حَتَّى يَدْعُوَ بِهٰؤُلَاءِ الدَّعَوَاتِ لِأَصْحَابِهِ اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُولُ بِهِ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعْصِيَتِكَ، وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهِ جَنَّتَكَ وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهِ عَلَيْنَا مُصِيْبَاتِ الدُّنْيَا، وَمَتِّعْنَا بِأَسْمَاعِنَا وَأَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا أَحْيَيْتَنَا، وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا، وَاجْعَلْ ثَأْرَنَا عَلَى مَنْ ظَلَمَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى مَنْ عَادَانَا، وَلَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِي دِيْنِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَا يَرْحَمُنَا —————— رواه الترمذی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں، بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مجلس سے اُٹھیں اور اپنے ساتھ اپنے اصحاب کے لیے بھی یہ دُعا نہ فرمائیں۔

"اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ ..... تا ..... وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَا يَرْحَمُنَا"

اے اللہ ہمیں اپنے خوف اور خشیت سے اتنا حصہ دے جو ہمارے درمیان اور تیری نافرمانیوں کے درمیان حائل ہو جائے (یعنی تیرے اس خوف کی وجہ سے ہمارے قدم تیری نافرمانیوں کے لیے نہ اٹھ سکیں)

اور اپنی طاعت وعبادت سے اتنا حصہ عطا فرما جس سے تو ہمیں اپنی جنت میں پہونچا دے (یعنی جو ہمارے لئے دخلۂ جنت کا وسیلہ بن جائے)

اور (قضا و قدر) کے یقین سے اتنا حصہ دے جو ہمارے لیے دنیاوی مصائب کو ہلکا کر دے اور جب تک تو ہمیں زندہ رکھے اس لائق رکھ کر اپنے کانوں اور اپنی آنکھوں اور اپنی دوسری قوتوں سے کام لیتے رہیں (یعنی مرتے دم تک ہم آنکھ کان وغیرہ تیری بخشی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے رہیں) اور ان کو ہمارے مرنے کے بعد بھی باقی رکھ (یعنی ان سے ہم ایسے کام کر جائیں جو ہمارے مرنے کے بعد بھی کام آئیں)

اور اے ہمارے مالک و مولیٰ جو کوئی ہم پر (یعنی تیرے ایمان والے بندوں پر) ظلم ڈھائے تو تو اُس سے ہمارا بدلہ لے اور جو کوئی ہماری دشمنی پر کمربستہ ہو تو تو اس کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما اور ہمیں اس کے مقابلہ میں غالب اور منصور فرما۔

اور ہم پر ہمارے دین میں کوئی مصیبت نہ آئے (یعنی دینی مصائب اور فتنوں سے خاص طور پر ہماری حفاظت فرما)

اور اے اللہ ایسا نہ ہو کہ دنیا ہمارا مقصد اعظم اور ہمارے علم و نظر کا منتہا بن جائے۔

اور اے اللہ ہم پر کبھی بے رحم دشمنوں کو مسلط نہ فرما۔ (جامع ترمذی)

تشریح) یہ دعا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت جامع و بلیغ خاص معجزانہ دعاؤں میں سے ہے ـــــ حق یہ ہے کہ اپنے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں جن کے ذریعہ ان دعاؤں کی قدر و قیمت ظاہر کی جا سکے۔

اللہ تعالیٰ اُن صحابہ کرام اور زمانۂ مابعد کے ان سب بزرگوں کی قبروں کو منور فرمائے جنھوں نے اہتمام سے ان دعاؤں کو محفوظ رکھا اور اُمت کو پہونچایا۔ اور ہمیں قدر و استفادہ کی توفیق دے۔

بازار جانے کی دُعا:-

انسان اپنی ضروریات اور خرید و فروخت کے لیے بازار بھی جاتا ہے جہاں اس کے لیے نفع اور نقصان دونوں کے امکانات ہیں اور ہر دوسری جگہ سے زیادہ خدا سے غافل کرنے والی چیزیں ہیں اور اسی واسطے اس کو "شَرُّ الْبِقَاع" (بدترین جگہ) قرار دیا گیا ہے۔ اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ضرورت سے بازار تشریف لے جاتے تو اللہ کے ذکر اور اس سے دعا کا خاص اہتمام فرماتے۔

عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ السُّوقَ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ السُّوقِ وَخَيْرَ مَا فِيهَا وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ

اَنْ اُصِیْبَ فِیْھَا صَفْقَۃً خَاسِرَۃً ——— (رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ بازار جاتے تو کہتے۔ "بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ ... تا ... بِصَفْقَۃٍ خَاسِرَۃٍ" (میں اللہ کا نام لے کر بازار یا آیا ہوں، اے اللہ اس بازار میں اور اس کی چیزوں میں جو خیر اور بھلائی ہو اس کا میں تجھ سے سائل ہوں اور اس میں اور اس کی چیزوں میں جو شر ہو میں اس سے تیری پناہ مانگتا ہوں، اور اس بات سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں کہ میں اس بازار میں کوئی گھاٹے کا سودا کروں"۔ (دعوات کبیر للبیہقی)

بازار کی ظلمانی فضاؤں میں اللہ کے ذکر کا غیر معمولی ثواب :-

عَنْ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ دَخَلَ السُّوْقَ فَقَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ اَلْفَ اَلْفِ حَسَنَۃٍ وَمَحَا عَنْہُ اَلْفَ اَلْفِ سَیِّئَۃٍ وَرَفَعَ لَہٗ اَلْفَ اَلْفِ دَرَجَۃٍ وَبَنَا لَہٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ ——— رواہ الترمذی وابن ماجہ

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ بازار گیا اور اس نے (بازار کی غفلت اور شور و شر سے بھرپور فضا میں دل کے اخلاص سے) کہا "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ... تا ... وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ" تو اللہ کی طرف سے اس کے لیے ہزاروں ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی اور ہزاروں ہزار گناہ محو کر دیے جائیں گے اور ہزاروں ہزار درجے اس کے بلند کر دیے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے جنت میں ایک شاندار محل تیار ہوگا۔

(جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(**تشریح**) بازار بلاشبہ غفلت اور معصیات کے مراکز اور شیاطین کے اڈے ہیں، پس اللہ کا جو باتوفیق بندہ وہاں کی ظلمانی اور شیطانی فضاؤں میں ایسے طریقہ پر اور ایسے کلمات کے ساتھ

اللہ کا ذکر کرے جن کے ذریعہ وہاں کی ظلمتوں کا پورا توڑ ہوتا ہو، وہ بلاشبہ اس کا مستحق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس پر بے حد و حساب عنایت ہو۔ اس کے لیے ہزاروں ہزار نیکیوں کا لکھا جانا، ہزاروں ہزار گناہوں کا محو کیا جانا اور ہزاروں ہزار درجے بلند ہونا اور جنت میں ایک شاندار محل عطا ہونا، اسی عنایت الٰہی کی تفصیلی تعبیر ہے۔

بازار میں آدمی کی نگاہ کے سامنے طرح طرح کی وہ چیزیں آتی ہیں جن کو دیکھ کر وہ خدا کو اور اپنے اور ساری دنیا کے فانی ہونے کو بھول جاتا ہے، یہ چیزیں اس کے دل کو اپنی طرف کھینچنے لگتی ہیں، کسی چیز کو وہ سمجھتا ہے کہ یہ بڑی دلکش اور بڑی حسین ہے، کسی کو سمجھتا ہے کہ یہ بڑی نفع بخش ہے، کسی بڑے کامیاب تاجر یا صاحب دولت و حکومت کو دیکھ کر دل سوچنے لگتا ہے کہ اگر اس سے تعلق قائم کر لیا جائے تو سارے کام بن جائیں گے۔ بازار کی فضاؤں میں یہی وہ خیالات اور وساوس ہوتے ہیں جو دلوں اور نگاہوں کو گمراہ کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے علاج اور تحفظ کے لیے ہدایت فرمائی کہ بازار جاؤ تو یہ کلمۂ توحید تمہاری زبانوں پر ہو۔

لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو حیٌّ لایموت بیدہ الخیر وھو علی کل شیءٍ قدیر۔	اللہ کے سوا کوئی قابل پرستش نہیں، اکیلا وہی معبود برحق ہے، کوئی اس کا شریک اور ساجھی نہیں، صرف اسی کا راج اور اسی کی فرمانروائی ہے، وہی حمد و ستائش کے لائق ہو، سب کی زندگی اور موت اسی کے قبضہ میں ہے اور وہ زندۂ جاوید ہے اسے کبھی فنا نہیں، ساری خیر اور بھلائی اسی کے ہاتھ میں ہے اور سب کچھ اسی کی قدرت میں ہے۔

یہ کلمہ ان گمراہانہ خیالات اور ان شیطانی وسوسوں پر براہ راست ضرب لگاتا ہے جو بازار میں انسان کے دل و دماغ کو متاثر کرتے ہیں۔ اس کلمہ میں ان حقائق پر یقین کو تازہ کیا جاتا ہے:۔

(۱) الٰہ حق جو اس کا مستحق ہے کہ اس کو دل و جان سے چاہا جائے، اس کی عبادت کی جائے

اور اپنا مطلوب و مقصود حقیقی بنایا جائے صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس استحقاق میں کوئی چیز اور کوئی ہستی اس کی شریک نہیں۔

(۲) ساری کائنات میں صرف اُن کی فرمانروائی ہے، بلاشرکت غیرے اسی کا حکم چلتا ہے وہی ساری کائنات کا مالک اور حاکم حقیقی ہے۔

(۳) حمد و ستائش کے لائق بھی صرف وہی ہے اس کے علاوہ اس کی مخلوق میں جو چیزیں دل یا نگاہ کو اچھی اور قابل تعریف نظر آتی ہیں وہ اس کی مخلوقات اور مصنوعات ہیں، ان کا حسن و جمال اسی کا عطیہ ہے۔

(۴) اس کی اور صرف اسی کی شان "حیٌّ لا یموت" ہے اس کے علاوہ ہر چیز فانی ہے اور ہر ایک کی موت و حیات اور فنا و بقا اسی کے ہاتھ میں ہے۔

(۵) ہر چیز اور بھلائی اُسی کے ہاتھ میں ہے، اس کے سوا کسی کے اختیار اور قبضہ میں کچھ نہیں۔

(۶) وہ اور صرف وہی قادر مطلق ہے، ہر چیز اور ہر تبدیلی اسی کی قدرت میں ہے۔

بازار کی فضاؤں میں جو بندہ اللہ کو اس طرح یاد کرتا ہے وہ گویا شیاطین کی سرزمین میں اللہ کے نام کا علم بلند کرتا ہے اور گمراہی کی گھٹا ٹوپ اندھیریوں میں ہدایت کی شمع جلا تا ہے۔ اس لیے بلاشبہ وہ اس غیر معمولی عنایت اور رحمت کا مستحق ہے جس کا اس حدیث پاک میں ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث کے لفظ "الف الف" کا ترجمہ ہم نے بجائے دس لاکھ کے "ہزاروں ہزار" کیا ہے۔ ہمارے نزدیک ان شارحین کی رائے زیادہ قرین قیاس ہے جنہوں نے کہا ہے کہ یہاں یہ لفظ معین عدد کے لیے استعمال نہیں کیا گیا ہے بلکہ غیر معمولی کثرت کے لیے کنایہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

کسی کو مصیبت میں مبتلا دیکھنے کے وقت کی دُعا:-

بسا اوقات ہماری نگاہ اللہ کے ایسے بندوں پر پڑتی ہے جو بیچارے کسی دُکھ اور مصیبت میں مبتلا اور بُرے حال میں ہوتے ہیں، رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے وقت کے لیے

ہدایت فرمائی کہ بندہ ایسا کوئی منظر دیکھے تو اس بات پر اللہ کی حمد اور اس کا شکر کرے کہ اس نے مجھے اس مصیبت میں مبتلا نہیں کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس حمد و شکر کی برکت سے وہ اس مصیبت سے محفوظ رکھا جائے گا۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ رَجُلٍ رَاٰی مُبْتَلًی فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَ فَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا اِلَّا لَمْ یُصِبْهُ ذٰلِكَ الْبَلَاءُ كَائِنًا مَا كَانَ۔

رواہ الترمذی ورواہ ابن ماجہ عن ابن عمر

امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی کی نظر کسی مبتلائے مصیبت اور دکھی پر پڑے اور وہ کہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ ۔۔۔ تا ۔۔۔ تَفْضِیْلًا" (حمد اس اللہ کے لیے جس نے مجھے عافیت دی اور محفوظ رکھا اس بلا اور مصیبت سے جس میں تجھ کو مبتلا کیا گیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر اس نے مجھے فضیلت بخشی) تو وہ اس بلا اور مصیبت سے محفوظ رہے گا خواہ کوئی بھی مصیبت ہو۔ (جامع ترمذی)

[اور سنن ابن ماجہ میں یہی حدیث حضرت ابن عمر سے روایت کی گئی ہے]

تشریح امام ترمذی نے اس حدیث کے ساتھ ہی گویا اس کی تشریح کے طور پر امام زین العابدین کے صاحبزادہ امام باقر سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جب بندہ کسی مبتلائے مصیبت کو دیکھے تو پہلے اس مصیبت سے اللہ کی پناہ چاہے اس کے بعد یہ دعا اس طرح آہستہ پڑھے کہ وہ بیچارہ مبتلائے مصیبت سن نہ سکے ظاہر ہے کہ اگر سن لے گا تو اس سے اس کا دل دکھے گا۔

حضرت شیخ شبلی علیہ الرحمہ سے نقل کیا گیا ہے کہ جب وہ کسی ایسے آدمی کو دیکھتے جو خدا سے غافل اور آخرت سے بے فکر ہو کر دنیا میں پھنسا ہو تو یہی دعا پڑھتے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَ فَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا۔

کھانے پینے کے وقت کی دُعا:-

کھانا پینا انسان کے لوازم میں سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کچھ کھانے یا پینے کو میسر ہوتا تو آپ اس کو اللہ کی طرف سے اور اس کا عطیہ یقین کرتے ہوئے اس کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتے اور دوسروں کو بھی اس کی ہدایت فرماتے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَکَلَ اَوْ شَرِبَ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔

(رواہ ابوداؤد والترمذی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کچھ کھاتے پیتے تو کہتے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ" (حمد و شکر اس اللہ کے لیے جس نے ہمیں کھانے اور پینے کو دیا اور (اس سے بھی بڑا کرم یہ فرمایا کہ) ہمیں اپنے مسلم بندوں میں سے بنایا) (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

عَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَکَلَ طَعَامًا ثُمَّ قَالَ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ ھٰذَا الطَّعَامَ وَرَزَقَنِیْہِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّۃٍ غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ"

(رواہ الترمذی)

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ کھانا کھائے اور پھر کہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ ھٰذَا الطَّعَامَ وَرَزَقَنِیْہِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّۃٍ" (ساری حمد اس اللہ کے لیے جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور میری اپنی سعی و تدبیر اور قوت و طاقت کے بغیر محض اپنے فضل سے مجھے یہ عطا فرمایا) تو اس حمد و شکر کی برکت سے اس کے پہلے سارے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) بعض اعمال بظاہر بڑے چھوٹے سے ہوتے ہیں لیکن اللہ کی نگاہ میں وہ بہت بڑے

اور اس کے میزان میں بہت بھاری ہوتے ہیں اور ان کا نتیجہ بڑا غیر معمولی نکلتا ہے۔ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جو بندہ ... نے کے بعد ... دل سے یہ اعتراف کرے کہ یہ کھانا مجھے میرے پروردگار اور پالنہار نے عطا فرمایا، میرے کسی ہنر اور کسی صلاحیت و استحقاق کو اس میں کوئی دخل نہیں تھا، جو کچھ عطا فرمایا وہ اس نے صرف اپنے کرم سے عطا فرمایا اور ساری حمد و ستائش کا مستحق وہی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی اس حمد کی اتنی قدر فرمائے گا کہ اس کے سارے پہلے گناہ اس کی برکت سے بخش دے گا ——— اور سنن ابی داؤد کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ جس بندہ نے کپڑا پہنا اور پھر اس طرح اللہ کی حمد کی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ ھٰذَا وَرَزَقَنِیْہِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّۃٍ غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ وَمَا تَأَخَّرَ۔	ساری حمد و ستائش اس اللہ کے لیے جس نے مجھے یہ کپڑا پہنایا اور بغیر میری سعی و تدبیر اور قوت و طاقت کے مجھے یہ عطا فرمایا، تو اس کے پہلے اور پچھلے سب گناہ بخش دیے جائیں گے۔

در اصل بندہ کا یہ اعتراف و احساس کہ اس کے پاس جو کچھ ہے اس کے رب کا عطیہ ہے وہ خود کسی لائق بھی نہیں ہے، عبدیت کا جوہر ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی قدر و قیمت رکھتا ہے اور اُن اعمال میں سے ہے جن کے صدقے میں عمر بھر کی خطائیں معاف کر دی جائیں۔ اللہ تعالیٰ ان حقائق کا فہم اور ان پہ یقین نصیب فرمائے اور عمل کی توفیق دے۔

کسی کے یہاں کھانا کھا کر کھلانے والے کے لیے دُعا:-

عَنْ جَابِرٍ قَالَ صَنَعَ اَبُوالْھَیْثَمِ التَّیِّھَانُ طَعَامًا فَدَعَا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابَہٗ فَلَمَّا فَرَغُوْا قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَثِیْبُوْا اَخَاکُمْ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا اِثَابَتُہٗ؟ قَالَ اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا دُخِلَ بَیْتُہٗ وَاُکِلَ طَعَامُہٗ وَشُرِبَ شَرَابُہٗ فَدَعَوْا لَہٗ فَذٰلِکَ اِثَابَتُہٗ ——— رواہ ابو داؤد

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابو الہیثم بن التیہان نے اپنے ہاں کھانا تیار کرایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی دعوت کی۔ جب سب کھانا کھا کے فارغ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی کو بدلہ دو، عرض کیا گیا کہ حضور ان کو کیا بدلہ دیا جا سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا جب کسی بھائی کے گھر جائیں اور وہاں کھائیں پئیں اور پھر اس کے لیے خیر و برکت کی دعا کریں تو بس یہی بندوں کی طرف سے اس کا بدلہ ہے۔ (سنن ابی داؤد)

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ اِلٰى سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ فَجَاءَهُ بِخُبْزٍ وَزَيْتٍ فَاَكَلَ ثُمَّ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُوْنَ، وَاَكَلَ طَعَامَكُمُ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلٰئِكَةُ" ——— رواہ ابوداؤد

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ کے ہاں تشریف لائے انھوں نے آپ کی خدمت میں پکی ہوئی روٹی اور روغن زیتون پیش کیا۔ آپ نے اس کو تناول فرمایا اور پھر ان کے لیے اس طرح دعا فرمائی۔

اَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُوْنَ وَاَكَلَ طَعَامَكُمُ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلٰئِكَةُ	اللہ کے روزہ دار بندے تمھارے ہاں افطار کیا کریں اور ابرار و صالحین تمھارے ہاں کھانا کھایا کریں اور اللہ کے فرشتے تمھارے لیے دعائے خیر کیا کریں۔ (سنن ابی داؤد)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ نَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَبِيْ فَقَرَّبْنَا اِلَيْهِ طَعَامًا وَّوَطْبَةً فَاَكَلَ مِنْهَا ثُمَّ اُتِيَ بِتَمْرٍ فَكَانَ يَاْكُلُهُ وَيُلْقِي النَّوٰى بَيْنَ اِصْبَعَيْهِ وَيَجْمَعُ السَّبَّابَةَ وَالْوُسْطٰى ثُمَّ اُتِيَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَهُ فَقَالَ اَبِيْ وَاَخَذَ بِلِجَامِ دَابَّتِهِ اُدْعُ اللّٰهَ لَنَا فَقَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ۔

——— رواہ مسلم

عبداللہ بن بسر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے والد بسر اسلمی کے مہمان ہوئے تو میرے والد نے آپ کی خدمت میں کھانا اور وَطْبَہ (ایک قسم کا مالیدہ) پیش کیا۔ آپ نے اس میں سے تناول فرمایا، پھر آپ کی خدمت میں کھجوریں پیش کی گئیں، آپ اُن کو کھاتے تھے اور کلمہ والی انگلی اور درمیانی انگلی دونوں کو ملا کر کھجور کی گٹھلیاں ان میں لے کر پھینکتے تھے۔ پھر آپ کی خدمت میں پینے کے لیے کچھ پیش کیا گیا تو آپ نے اس کو بھی نوش فرمایا، پھر آپ تشریف لے جانے لگے تو میرے والد نے آپ کی سواری کی لگام تھام کے عرض کیا کہ ہمارے لیے دعا فرما دیجئے تو آپ نے دُعا کی۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ۔

اے اللہ تو نے ان کو روزی کا جو سامان عطا فرمایا ہے اس میں ان کیلئے برکت دے اور ان کو اپنی مغفرت اور رحمت سے نواز۔ (صحیح مسلم)

تشریح) ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جس طرح کھانے پینے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اسی طرح جب اللہ کا کوئی بندہ کھلائے پلائے تو اُس کے لیے بھی دُعا کرنی چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے یہاں کھانا کھانے کے بعد ان کے لیے جو دُعا فرمائی جس کا حضرت انس کی اوپر والی حدیث میں ذکر ہے، یعنی "اَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُوْنَ" الخ اور بُسر اسلمی کے ہاں کھانے کے بعد ان کے لیے آپ نے جو دُعا فرمائی جس کا عبداللہ بن بُسر والی اس حدیث میں ذکر ہے یعنی "اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيمَا رَزَقْتَهُمْ الخ" ان دُعاؤں کے مضمونوں میں فرق غالباً حضرت سعد بن عبادہ اور بُسر اسلمی کے دینی مقام اور درجہ کے لحاظ سے ہے۔ حضرت سعد بن عبادہ آپ کے خاص فیض یافتہ اور صفِ اول کے اصحاب کرام میں سے تھے اُن کو آپ نے دُعا دی کہ اللہ تعالیٰ ایسا کرے کہ ہمیشہ تمہارے ہاں اللہ کے روزہ دار بندے افطار کیا کریں، اور اس کے صالح اور متقی بندے کھانا کھایا کریں اور فرشتے تمہارے لیے دعائے خیر کریں۔ حضرت سعد بن عبادہ کے دینی مقام کے لیے ایسی ہی دُعا زیادہ مناسب تھی، اور بُسر اسلمی جو اس درجہ کے نہیں تھے اُن کے لیے خیر و برکت اور مغفرت و رحمت کی وہی دُعا زیادہ مناسب تھی جو آپ نے ان کو دی۔ واللہ اعلم۔

(مرتبہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

(۲)

۵ ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۶ مارچ ۱۹۶۷ء بروز پنجشنبہ مابین ۱۰½ بجے، ۱۱¾ بجے۔

مخصوص حاضرین مجلس :۔ مولوی عبید الرحمن خاں صاحب شیروانی، مولانا محمد عمران خاں صاحب ندوی، صوبہ دار عبد الجلیل صاحب، محمد ابراہیم صاحب، مولوی نثار الحق ندوی، وغیرہ وغیرہ۔

صوبہ دار عبد الجلیل صاحب جو ایک ناگہانی حادثہ کا شکار ہو کر مفلوج و معذور ہو چکے ہیں، اور کسی ہمراہی کے سہارے بمشکل چلتے ہیں، لیکن اس معذوری کے باوجود بڑے صابر و شاکر ہیں، مجلس میں آئے اور ایک طرف بیٹھ گئے، حضرت کی اچانک ان پر نظر پڑی، بڑی محبت کے ساتھ ان کو اپنے پاس بلا کر بالکل قریب بٹھایا، اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کوئی مصیبت ڈالتا ہے تو اس سے پہلے صبر و شکر کی قوت، اور یقین کی نعمت عطا فرماتا ہے، ورنہ مصیبت کا تحمل مشکل ہو، اسی طرح سے دعاؤں کے جو مضامین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائے ان سے پہلے قبولیت کا فیصلہ فرما لیا، جس طرح کوئی حاکم جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو امیدوار کو خود ہی عرضی کا مضمون لکھوا دیتا ہے، یہ حضرت کی دعیہ ماثورہ کی خصوصیت ہے، بزرگوں سے جو دعائیں منقول ہیں وہ اس مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتیں، بزرگوں کی دعاؤں کی مثال پہنہ کی سی ہے جو خود لکھا ہو،

اور قرآن مجید او ماثورہ دُعاؤں کی مثال ہوائی جہاز کی سی ہے جو سیکڑوں کو لے کر اڑتا ہے، اسی لیے سورۂ فاتحہ میں جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ " اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ" (تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں، دکھا ہم کو سیدھا راستہ) مجھے حزب البحر وغیرہ سے کچھ مناسبت نہیں، مثلاً اس میں دُعا آتی ہے کہ اللّٰھمّ سخّر لی کلّ شیئ، اب اگر سب مخلوق میرے لیے مسخر ہو جائے تو میں ان کو کھلاؤں گا کہاں سے؟ اس کے بجائے میری دُعا یہ ہے اللّٰھمّ سخّرنی لک (اے اللہ مجھے اپنا مطیع و فرمانبردار بنا لے) آپ کو وہ واقعہ یاد ہوگا کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہ کے یہاں سے اس رقم کے آنے میں دیر ہوئی جو وہ حضرت امام حسنؓ کو نذر کرتے تھے، امام حسنؓ کو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی آپ نے ان کو اس دُعا کی تلقین فرمائی اَللّٰھُمَّ اَقْذِفْ فِیْ قَلْبِیْ رَجَاءَكَ وَاقْطَعْ رَجَائِیْ عَمَّنْ سِوَاكَ حَتّٰی لَا اَرْجُوْا اَحَدًا غَیْرَكَ" (اے اللہ میرے دل میں اپنی امید بھر دے اور میری امید ماسوا سے قطع فرما دے یہاں تک کہ تیرے سوا مجھے کسی سے امید باقی نہ رہے) یہ دعا کتنی جامع اور مکمل ہے، یہ حقیقت میں ایک سیف قاطع ہے، جو ماسوا کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے، ایک صاحب میرے پاس آئے اور انھوں نے دُعا سریانی شیخ کی فرمائش کی، میں نے کہا میں نہیں جانتا، میں تم کو عربی دُعا سکھاتا ہوں،

فرمایا، لوگ کسی اسم کے ورد اور کسی دُعا کو ہزاروں لاکھوں بار پڑھنے کو مؤثر سمجھتے ہیں، اور وہ صلاحیت، اور صفت پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے جس سے ایک مرتبہ کی دعا بھی قبول ہو جاتی ہے، میں کسی کو سوالاکھ کا وظیفہ، یا ختم نہیں بتاتا، البتہ دو رکعت نماز پڑھنے کو کہہ دیتا ہوں، میں ایک مرتبہ کراچی میں ایک درزی کی دُکان پر بیٹھا ہوا تھا، ایک پنجابی بڑے میاں میرے پاس آئے اور کہا کہ میں آپ سے کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں، میں نے کہا میں کوئی عالم نہیں ہوں، تم مسئلہ پوچھو گے اور میں جواب نہ دے سکوں گا، تو تم کو مایوسی ہوگی، انھوں نے کہا دریافت کرنے میں کیا حرج ہے، میں نے کہا پوچھو، کہا کہ یہ وظیفے جو پڑھے جاتے ہیں ان میں بھی کوئی اثر ہوتا ہے؟ میں نے کہا کہ دیکھو وہ سامنے جو کانسٹبل کھڑا ہوا ہے تم اس کے پاس جا کر ...امرتبہ کہو کہ میں نے تم کو برطرف کیا، میں نے تم کو برطرف کیا، تم جانتے ہو اس کا

کیا نتیجہ ہوگا؟ اس نے کہا کہ اس پر کوئی اثر نہ ہوگا اور وہ اس کو ایک مذاق سمجھے گا، میں نے کہا وہ انشاء اللہ تمہاری گردن ناپے گا اور کہے گا کہ تم میرے برطرف کرنے والے کون؟ انھوں نے کہا صحیح بات ہو، میں نے کہا کہ اگر قائد اعظم (اس وقت محمد علی جناح مرحوم زندہ تھے) ایک سپاہی سے ایک مرتبہ کہیں کہ میں نے تم کو برطرف کیا؟ اس نے کہا کہ وہ اپنے کو برطرف سمجھے گا، اور ان کا ایک مرتبہ کا کہنا کافی ہے، میں نے کہا پھر وہ بات پیدا کرو جس سے زبان میں اثر ہو اور ایک مرتبہ کا کہنا کافی ہو جائے۔

فرمایا: کہ لوگ دعا میں اپنے مقصود پر اور اُن لوگوں پر نظر رکھتے ہیں جن سے وہ مقصود حاصل ہو سکتا ہے، اور نہیں ہوتا، میرے یہاں ایک کاریگر دن بھر بجلی کی وائرنگ اور فٹنگ کرتا رہا، اُس نے بڑی محنت اور خلوص سے کام کیا، میں نے اس کو انعام دینا چاہا، کسی طرح قبول نہ کیا، مجھے اس کے جذبہ کی بڑی قدر ہوئی، ایک دن میں صحن میں بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا کہ وہ آیا اور زار و قطار رونے لگا، میں سمجھا کہ اس کے کسی عزیز کا انتقال ہو گیا، میرے بہت پوچھنے پر اس نے کہا کہ میں بہت دن سے روزگار کی تلاش میں ہوں لیکن کوئی پوچھتا بھی نہیں، جہاں جاتا ہوں ناکام واپس آتا ہوں، میں نے کہا کہ میں تم کو خوشخبری دیتا ہوں کہ تم یوں ہی ناکام رہو گے اور کوئی تمہاری بات بھی نہیں پوچھے گا۔ وہ گھبرایا اور اُس نے کہا کہ کیوں؟ میں نے کہا کہ نوکری نہ ڈھونڈھو، خدا کو ڈھونڈھو، تمہاری نظر مخلوق پر ہے، خدا پر نہیں ہے، تم اس کو منانے کی کوشش کرو، کام خود تمہارے پاس آئے گا۔

فرمایا کہ وہ شخص اگرچہ جاہل تھا لیکن یہ بات فوراً اس کی سمجھ میں آگئی، اگر پڑھا لکھا اور مولوی ہوتا تو اتنی جلدی نہ سمجھتا، علم بڑا حجاب ہے، چند دن کے بعد وہ بڑا خوش خوش آیا، اور کہا کہ مجھے کام مل گیا، کارخانہ والے خود میرے گھر آئے اور مجھے لے گئے، تنخواہ بھی کی اور سواری کے لیے سائیکل بھی دی، وہ میرا شکریہ ادا کرنے لگا، میں نے کہا کہ یہ شرک ہے، اُس کا شکر ادا کرو جس نے نوکری دی ہے، اسی طرح سے چند آدمی میرے پاس آئے، انھوں نے کہا کہ ہماری زمین نپتی (سرکاری پیمائش) میں آگئی ہے اور ہم کو اس کی وہ قیمت دی جارہی ہے جو پہلے کبھی تھی، میں نے کہا کہ اس پر نظر رکھو (اور اس کو راضی کرو) جو ان لوگوں کو گٹھی کی طرح میں کر سڑک پر بچھا سکتا ہے، تیسرے دن وہ آیا اور کہا کہ اسکیم بدل گئی اور زمین بچ گئی۔

CENTRAL LIB

حضرت نے ڈاکٹر اشتیاق صاحب کو پوچھا جو کاتب الحروف کے ساتھ تھے، اور اسی دن صبح کو لکھنؤ روانہ ہوگئے تھے۔ عرض کیا گیا کہ ان کی چھٹی ختم ہوگئی تھی وہ کل صبح چلے گئے، حضرت نہ ملنے پر افسوس فرمانے لگے، میں نے عرض کیا، ان کو حضرت سے بڑی محبت ہے۔

فرمایا: محبت بڑی چیز ہے، محبت پٹرول کی طرح ہے، جس سے ہر چیز چل سکتی ہے۔ فرمایا کہ آپ کو یاد ہوگا کہ ایک صحابی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ قیامت کب ہوگی؟ فرمایا کہ تم نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے (کہ تم کو اس کا اس قدر اشتیاق ہے) کہا کہ میرے پاس اس کے لیے کچھ زیادہ عبادات نہیں البتہ مجھے اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے۔ فرمایا "المرء مع من احب" (انسان (آخرت میں) اسی کے ساتھ ہوگا جس سے (اس کو) دنیا میں محبت تھی) فرمایا حضرات چشتیہ کی نظر اسی پٹرول (دردِ محبت) پر زیادہ ہے، اور اسی سے ان کی یہ ترقی اور علوئے شان ہے۔

حضرت شاہ احمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "انہار اربعہ" میں چاروں سلسلوں کی جداگانہ نسبتوں اور ان کے جداجدا رنگ کو جنت کی ان چار نہروں سے تشبیہ دی ہے جن کے قرآن مجید میں الگ الگ اوصاف بیان کیے گئے ہیں، "فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى"۔ (جنت میں کچھ نہریں ایسے پانی کی ہیں جو سڑتا بگڑتا نہیں، اور کچھ نہریں ایسے دودھ کی ہیں جن کا ذائقہ تبدیل نہیں ہوتا اور کچھ نہریں ایسی شراب کی ہیں جس میں پینے والوں کے لیے لذت و سرور ہے، اور کچھ نہریں شہد خالص اور حسل صافی کی ہیں) انھوں نے فرمایا کہ نہ بگڑنے والا پانی یہ نسبت سہروردیہ ہے، یکساں ذائقے کے دودھ کی نہر جس میں استقرار و تمکّن ہے، نسبت نقشبندیہ ہے، اور شراب کی نہر جس میں لذت و سرور، اور کیف و نشاط ہے، نسبت چشتیہ ہے، شہد صافی کی نہر، نسبت قادریہ ہے۔ اس محاکمہ میں جو جامعیت اور توازن ہے، وہ مجھے بہت اچھا معلوم ہوتا ہے، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت نظام الدین اولیاؒ سے ہدایت و تاثیر کے جو واقعات منقول ہیں اور جو واقعات و خوارق ان کی طرف منسوب ہیں، وہ ان حضرات کے اخلاص، دردو محبت اور اسی نسبت کا کرشمہ ہیں۔

فرمایا: تزکیہ اور نظر بندی میں بڑا فرق ہے، تزکیہ میں جڑوں کا کام اصلاح کر دیا جاتا ہے

اور اس سوراخ کو کھول دیا جاتا ہے جس سے پٹرول انجن میں آئے اور مشین چلنے لگے، نظر بندی میں اس کا عکس ہے، اس میں کچرا صاف کرنے کے بجائے اُلٹا پٹرول میں کچرا ڈال دیا جاتا ہے، مسمریزم والے اور شعبدہ باز محض نظر بندی کرتے ہیں، وہ قوت متخیلہ پر ایسا اثر ڈالتے ہیں کہ چیزوں کی حقیقت کچھ ہوتی ہے اور نظر کچھ آنے لگتی ہے، اسی حقیقت کو قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ "يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ" (ساحرین فرعون کے سحر سے حضرت موسیٰ کو محسوس ہوتا تھا کہ ان کی رسیاں سانپوں کی طرح دوڑ رہی ہیں) کلکتہ میں ایک مرتبہ بازیگروں نے ایک بڑا تماشہ دکھانے کا اعلان کیا دس بجے کا اعلان تھا، تماشائی پہلے پہونچ گئے اور ہال کھچا کھچ بھر گیا، لیکن کئی گھنٹے ہو گئے اور تماشے والے نہیں آئے، لوگوں میں مایوسی اور غصہ پیدا ہوا۔ بارہ بجے وہ لوگ آئے تو مجمع نے غصہ اور تعجب کا اظہار کیا، انھوں نے کہا کہ ہم ٹھیک وقت پر آئے آپ اپنی گھڑیاں تو دیکھئے، دیکھا تو سب کی گھڑیوں میں ٹھیک دس بجے تھے، انھوں نے دن بھر تماشہ دکھانے کا اعلان کیا تھا، لیکن وہ تھوڑی ہی دیر میں بغیر کچھ دکھائے جانے لگے، اب لوگ پھر چیں بہ جبیں ہوئے کہ یہ کیا مذاق ہے، نہ کوئی تماشہ دکھایا نہ کرتب دکھایا، انھوں نے کہا کہ آپ اپنی گھڑیاں تو دیکھئے کیا بج گیا ہے، دیکھا تو چار بجے تھے، سب لوگ خفیف ہوئے، اور تماشہ ختم ہو گیا بس یہی نظر بندی کا کمال ہے۔

فرمایا: عالم آخرت سے اُنس و آشنائی کی ضرورت ہے، اور اس کے لیے پہلے سے تیاری کرنی پڑتی ہے، جو لوگ اس سے غفلت کرتے ہیں اُن کے اندر اُنس و شوق کی کیفیت نہیں ہوتی، اور وہ دُنیا سے رہائی نہیں پاتے، بعض بعض ذکر کرنے والے اور اہلِ علم کو دیکھا کہ وہ اس عالم سے بیگانہ ہیں، انتقال کا وقت ہوا تو کہا کہ والدہ کو بلاؤ، خالہ کو بلاؤ، پھوپھی کو بلاؤ، بیوی اور بچوں کو پاس لاؤ، بھلا یہ وقت ان کی طرف متوجہ ہونے کا تھا، اوپر سے فرشتے اُتر رہے ہیں اور پیام لا رہے ہیں اس وقت تو عالم بالا کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے، مولانا رومؒ نے مومن و عارف کے دم واپسیں کا نقشہ خوب کھینچا ہے، فرماتے ہیں ؎

موت جسر موصل آمد سوئے یار

مرگ را آمادہ باش اے ہوشیار

اے چہ خوش باشد کہ سوئے شہ روم

داخلِ درگاہ آں بے چوں شوم

وقت آمد کز جہان بیکسی

پائے کوباں سوئے بام اوربی

ذکر و علم کی فضیلت اور فائدے سے انکار نہیں، اس سے درجات بلند ہوتے ہیں، آخرت میں اس کا فائدہ نظر آئے گا، گر افسوس کہ عالمِ آخرت سے بیگانہ کے بیگانہ رہے، ضرورت اس کی تھی کہ اس عالمِ فانی، یہاں کے تعلقات اور اس جسمِ خاکی کو الوداع کہنے کی تیاری کی جاتی۔ شاعر نے صحیح کہا ہے ؎

لے کف و دست و ساعد و بازو ہمہ تو دیع یکدیگر بکنید

حیدرآباد میں ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت کے یہاں یہ طے پایا کہ دیوانی سرکشن پرشاد کے یہاں سے سالار جنگ کے فرزند یوسف علی خاں کے یہاں منتقل کر دی جائے، خاص خاص لوگوں کو اس کا علم ہو گیا کہ دیوانی کشن پرشاد کے یہاں سے سالار جنگ کے یہاں منتقل ہو رہی ہے، انھوں نے اسی وقت سے اپنی آمد و رفت اور تعلقات کشن پرشاد کے یہاں سے ختم کر کے سالار جنگ کے یہاں قائم کرنے شروع کر دیئے، یہی ہر ہوشیار اور عاقبت شناس آدمی کو کرنا چاہیئے۔ کہ جب اس عالمِ فانی سے منتقل ہونا ہے اور اس پیراہنِ خاکی کو چھوڑنا ہے تو اس سے رشتہ توڑ کر اس سے جوڑیں جس سے واسطہ پڑنے والا ہے، اور اسی سے آشنائی اور راہ و رسم پیدا کی جائے، اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ "وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ أَفَلَا يَعْقِلُونَ" (اور ہم جسکو زیادہ عمر دیتے ہیں اسکو جسمانی قوت کے لحاظ سے پیچھے لوٹا دیتے ہیں، کیا یہ لوگ سمجھتے نہیں) یہی بہت سوچنے کی بات ہے اگر ایسی کھلی ہوئی بات یعنی بڑھاپے میں جسمانی انحطاط کے متعلق جس کا ہر ایک مشاہدہ کر رہا ہے "أَفَلَا يَعْقِلُونَ" کہہ کر کیوں دعوتِ تفکر و تدبر دی گئی ہے اور ایسے بدیہی واقعہ کے متعلق کیوں ایسے اہم الفاظ فرمائے گئے ہیں، لیکن معلوم ہوا کہ اس سے اسی حقیقت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ بڑا سیانا پن اور دانشمندی ہے کہ ساتھ چھوڑنے والے کے بجائے، اب آنے والے اور ہمیشہ رہنے والے کی فکر کی جائے، جو لوگ اس حقیقت سے واقف نہیں اُن کو موت پر حسرت اور اپنے عزیز اور دوست کی مفارقت پر قلق اور صدمہ ہوتا ہے، یہ ہماری کوتاہ نظری اور بے خبری ہے، یہ محض پیراہن کی تبدیلی ہے، دیکھئے میں اپنے گھر میں میلے کپڑے پہنے ہوئے کام کاج کرتا ہوں، اس پر داغ دھبے پڑ جاتے ہیں، کہیں

باہر جاتا ہوں تو لباس تبدیل کرتا ہوں، کیا یہ تبدیلی رنج کی بات ہے؟ کسی کا بیٹا کسی عہدہ یا ترقی پر پردیس جاتا ہے، یا ولایت سے کسی کا بلاوا آتا ہے اور لوگ اُس کو رخصت کرنے جاتے ہیں تو کیا یہ ماں باپ کی عقلمندی ہوگی کہ اس سے لپٹ لپٹ کر رو دیں، وہ تو خود اس کی کوشش کرتے ہیں اور خدا سے چاہتے ہیں، پھر رنج و صدمہ کیوں؟ یہاں ایک سکھ بھائی آتے ہیں، ان کا ایک لڑکا ریلوے میں ملازم تھا، اس کے بہنوئی ولایت پہونچ گئے انھوں نے اس کی وہاں ملازمت کی کوشش کی اور تقرر ہو گیا، ماں باپ اور وہ سب بہت خوش ہوئے، لیکن ریلوے والے اس کو آزاد (ریلیز) نہیں کرتے تھے، وہ کہتے تھے کہ ابھی اس کی ملازمت کی مدت باقی ہے، اس کے والدین کئی مرتبہ میرے پاس آئے اور دُعا کی درخواست کی، میں نے خدا کے بھروسہ پر جزم و وثوق کے ساتھ کہہ دیا کہ ان کو آزاد کرنا پڑے گا، وہ کئی مرتبہ آئے، میں ہر مرتبہ یہی کہتا رہا، بالآخر اس کو آزادی ملی اور وہ گیا، والدین بڑے شکر گزار ہوئے، لڑکے نے وہاں سے پہلی تنخواہ بھیجی کہ پیر صاحب کی خدمت میں پیش کی جائے، میں نے کہا کہ میرے یہاں لینا دینا نہیں ہے، اس قصہ سے مقصود یہ ہے کہ دیکھئے انھوں نے اس کے جانے کی کتنی کوشش کی اور ان کے دل سے کیسی لگی ہوئی تھی کہ وہ چلا جائے، وہ اس پر خوش ہوئے یا رنج کیا؟ اسی طرح سے مومن کی موت پر اہلِ ایمان کو رنج کرنے کی ضرورت نہیں ہے، میں تو جب کسی بندۂ خدا کے متعلق سنتا ہوں کہ وہ کلمہ پڑھتے ہوئے ایمان کے ساتھ دُنیا سے گیا تو میرا مبارکباد دینے کو جی چاہتا ہے، اور کبھی خیال آتا ہے کہ اس کے گھر مٹھائی بھیجوں، اسی لیے میری پرانی عادت ہے کہ میں تعزیت کے خطوں میں رنج و قلق کا اظہار نہیں کرتا، مولانا عبدالشکور صاحب کے والد کا انتقال ہوا میری نوجوانی تھی، حضرت صاحب (والد بزرگوار حضرت پیر ابو احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ) نے مجھ سے فرمایا کہ قاضی صاحب سے لکھ کر تعزیت کے خط کا مسودہ بنا دیں، میں نے خود ایک مسودہ تیار کیا، وہ بھی اسی انداز کا تھا۔

فرمایا: ایک دوست اپنے افغانی دوست کو میرے پاس لے کر آئے اور کہا کہ یہ میرے دوست ہیں، ذاکر شاغل ہیں، اپنے ملک میں کسی شیخ سے بیعت تھے، ذکر و شغل کرتے تھے، ان کا انتقال ہو گیا، اب ان پر عرصہ سے شدید قبض طاری ہے، اس سے یہ بہت دلگیر اور ملول رہتے ہیں، میں نے کہا کہ ان کی یہ حالت تو بہت بڑی نعمت ہے، اس وقت تو ان کی دُعا خاص طور پر

مقبول ہوگی، ان کو اس کی قدر کرنا چاہئے۔ میں نے کہا کہ کسی کو کسی امیر کے یہاں سے تنخواہ اور کھانا کپڑا ملتا تھا، اور اسکی بہت عنایات تھیں، اسوقت اگر وہ اسکی تعریف کرتا ہے اور حقِ نمک ادا کرتا ہے تو کیا بڑی بات ہے، سبھی اپنے محسن کا دم بھرتے ہیں، لیکن اگر اس امیر کے یہاں سے تنخواہ بند ہو جائے اور اسکی طرف سے ظاہری طور پر وہ عنایات نہ ہوں، اور وہ شخص اب بھی اس کے گن گائے اور اسکے دل میں شکایت نہ آئے تو یہ بڑی شرافت اور مردانگی کی بات ہوگی اور اس امیر کے دل میں بڑی قدر پیدا ہوگی، یہ سن کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دئے اور ان کو بڑی تسلی ہوئی۔

فرمایا: مجھے اس لفظ پر بہت تعجب ہوتا ہے جب کوئی صاحب کسی صاحب کے متعلق کہتے ہیں کہ ان کا سلوک تمام ہوگیا، کیا سلوک بھی کبھی تمام ہو سکتا ہے؟ یہ تو ایک دریائے ناپیدا کنار ہے، یہ تو خود اپنی کم ہمتی اور خامی کی دلیل ہے، جس نے سمجھا کہ سلوک تمام ہوگیا اس کی ترقی رک گئی اور وہ ایک منزل پر رہ گیا، اسی طرح یہ کہنا بھی مجھے بہت محسوس ہوتا ہے کہ قرآن ختم کر لیا، حدیث کا دورہ مکمل ہوگیا، بھلا قرآن و حدیث کا بھی کہیں اختتام ہے، یوں کہنا چاہئے کہ میں نے اپنی عمر تمام کر دی۔ عارف نے تو فرمایا ہے:

اے برتر از قیاس و خیال و گمان و وہم — وز ہر چہ گفتہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم
منزل تمام گشت و بپایاں رسید عمر — ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

مجھے جالندھر کے ایک بزرگ کی بات بہت پسند آئی، میری نو عمری تھی، انھوں نے دریافت فرمایا کہ کیا پڑھا ہے؟ میں نے انکسار میں کہا کہ میں نے کچھ ایسے علوم دینیہ نہیں پڑھے ہیں، تھوڑا سا قرآن شریف یاد کیا ہے، فرمایا اپنے لفظوں کو تبدیل کرو، تم نے سب علوم پڑھ لیے جب قرآن شریف پڑھ لیا تو سب کچھ پڑھ لیا، سب علوم اسی سے نکلے ہیں۔

یہاں بھوپال میں ایک بڑے عہدہ دار تھے، وہ تھوڑا تھوڑا قرآن شریف بھی یاد کرتے تھے، ایک دن کہنے لگے کہ حضرت قرآن شریف یاد کرنے کی بڑی تمنا ہے، لیکن وقت بہت کم ملتا ہے اور بہت تھوڑا یاد ہوتا ہے، میں نے کہا کہ میں آپ کو ایسی توجہ دوں کہ سارا قرآن شریف ابھی یاد ہو جائے؟ میں نے کہا کہ قرآن شریف یاد کرنے کی نیت کر لیجئے، تھوڑا سا بھی اگر یاد ہوگیا اور موت آگئی تو قرآن شریف کے حافظ میں لکھے جائیں گے اور حفظ قرآن کا ثواب ملے گا۔

[آیات کے ترجمے کی ذمہ داری ادارہ الفرقان پر ہے]

سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

ملفوظات

(از ——— مولانا نسیم احمد فریدی امروہی)

(۲)

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے ملفوظات کا ایک مجموعہ ۱۳۱۴ھ میں قاضی بشیرالدین صاحب صدیقی میرٹھی مرحوم نے مطبع مجتبائی میرٹھ سے طبع کرایا تھا۔ اس کا پہلا ترجمہ مولوی عظمت الٰہی میرٹھی نے کیا جو مطبع ہاشمی میں طبع ہوا۔ اس ترجمہ کے مطالعہ کا موقع مجھے نہیں ملا۔ قاضی صاحب نے ملفوظات کے شروع میں بطور پیش لفظ اس نسخے کے متعلق جو کچھ فارسی زبان میں ارتسام فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

کمترین بشیرالدین صدیقی ناظرین کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ مجھ کو طالب علمی کے زمانے سے حصول ملفوظات اولیاء کرام کا شوق تھا۔ خصوصاً حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور دیگر ان اکابر ملت کی تصانیف جمع کرنے اور پڑھنے کا ذوق تھا جن سے اس قلیل البضاعت کو ادراس کے بزرگوں کو ارادت و تلمذ کا تعلق ہے۔ میں اسی جستجو میں رہتا تھا کہ جس طرح ہو سکے ان تصانیف کو حاصل کروں، جہاں کہیں پتہ چلتا تھا سعیٔ کثیر اور بصرفِ زرِ خطیر ان بے بہا موتیوں کو دستیاب کرتا تھا۔ اس طرح میں نے اس سلسلے کی بہت سی کتابیں اور رسائل جمع کر لیے جن کو حسب ضرورت وقتاً فوقتاً شائع کرنے کا قصد ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ مدتِ مدیدہ سے دل کی یہ آرزو بھی تھی کہ اگر

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے کسی مرید یا شاگرد نے ملفوظات جمع کیے ہوں تو وہ بھی حاصل ہو جائیں۔
الحمد للہ کہ جوئندہ یابندہ کے بموجب آرزوئے دل بر آئی، یعنی نسخۂ ملفوظات طیبات بہم پہونچ گیا۔
مگر افسوس صد افسوس کہ کتاب کی بوسیدگی اور کرم خوردگی کے باعث جامع ملفوظات کا نام دریافت نہ ہو سکا، البتہ بعد مطالعہ اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ ان ملفوظات کا جامع، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی بہت ہی خاص مرید ہے۔ اپنی طبیعت کے تقاضے اور بعض اخوان و احباب کے اصرار کی بنا پر میں نے اس گوہر بے بہا کو مخفی رکھنا مناسب نہ سمجھا اور اس کو طبع کرانے کے لیے کمر ہمت باندھی۔ مجھے اس کتاب کی طباعت میں کافی محنت کرنا پڑی ہے۔ دریدگی اور بوسیدگی کی وجہ سے اصل کتاب میں جو کلمات پڑھے نہ جا سکے اور جن میں اپنی سمجھ اور رائے سے جوڑ لگانا نامناسب تھا ان مقامات کو مجبوراً اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا ہے، علاوہ بریں کچھ اغلاط کارکنان مطبع کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہیں اُن کو آخر کتاب میں غلط نامہ کے عنوان سے لگا دیا گیا ہے[ؔ]۔"

میں نے اب سے تقریباً تیس سال پہلے قاضی صاحب مرحوم سے میرٹھ جا کر معلوم کیا تھا کہ ان کو اصل نسخہ کہاں سے دستیاب ہوا؟ ۔ یاد پڑتا ہے کہ انھوں نے فرمایا تھا کہ متھرا سے مجھے یہ نسخہ ملا تھا۔ معلوم نہیں کہ ان کے صاحبزادے مکرمی قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی کے پاس اب بھی وہ اصل نسخہ محفوظ ہے یا نہیں؟۔

جواہر میوزیم اٹاوہ میں (جو ڈاکٹر بشیر الدین احمد مرحوم کا جمع کردہ ذخیرۂ کتب ہے اور اب کچھ عرصے سے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی آزاد لائبریری میں شامل ہو گیا ہے) ملفوظات شاہ عبدالعزیزؒ کا ایک قلمی نسخہ ہے۔ مولانا ابرار حسین فاروقی گوپاموی ایم اے علیگ نے اس نسخے پر تبصرہ کرتے ہوئے جواہر زواہر میں تحریر کیا ہے۔

"یہ ملفوظات سوال وجواب کی شکل میں ہیں جن میں مسائل تصوف و سلوک مسائل فقہ تفسیر و حدیث اور بعض واقعات تاریخی کا پُر از معلومات درس ہے، کتاب قابل مطالعہ ہے۔ کتابت بخط معمولی نستعلیق ہے۔ لیکن کاتب کا نہ صرف خط نسخ بہت معمولی ہے جس سے عربی عبارتیں غلط

ؔ راقم کے پاس جو مطبوعہ نسخہ ہے اس کے آخر میں غلط نامہ نہیں ہے۔

ہو گئی ہیں بلکہ ...... کافی خراب ہے۔ جس کی وجہ سے بعض الفاظ مشکل سے پڑھے جاتے ہیں۔" (ص ۹۶)

مجھے علی گڑھ میں اس نسخے کو مطالعہ کرنے کا کئی مرتبہ اتفاق ہوا ہے۔ ۱۹ر جمادی الثانیہ ۱۲۹۴ھ میں بدست محمد عطا علی یہ مخطوطہ تیار ہوا ہے۔ میں نے ایک مرتبہ مطبوعہ نسخے کا اس قلمی نسخے سے مقابلہ بھی کیا۔ دو تین دن کئی گھنٹے صرف کرکے، چوتھائی کتاب کا مقابلہ کر چکا ہوں۔ اتنے ہی حصے میں درجنوں غلطیاں مطبوعہ نسخے میں نکلیں۔ بعض جگہ مطبوعہ نسخے میں الفاظ صحیح ہیں مخطوطہ میں غلط ہیں۔ اس سے اندازہ ہوا کہ قاضی بشیر الدین صدیقی میرٹھی مرحوم کا نسخہ اس نسخے کی نقل نہیں ہے۔

ملفوظات کا دوسرا ترجمہ ڈاکٹر معین الحق ایم اے پی ایچ ڈی کی تحریک سے کراچی میں شائع ہوا دو فاضل مترجموں نے اس کام کو انجام دیا، ڈاکٹر صاحب نے اس کا پیش لفظ لکھا جس میں میرٹھ والے ترجمے کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ اس میں ترجمے کی بےشمار غلطیاں ہیں اور اکثر عبارتیں کی عبارتیں ترجمے سے چھوٹ گئی ہیں۔"

اس میں شبہ نہیں کہ یہ دوسرا ترجمہ، کتابت، طباعت اور کاغذ کے لحاظ سے دیدہ زیب ہے۔ مقدمہ بھی مبسوط و مفصل لکھا گیا ہے ــــ مگر اس میں بھی ترجمے کے اغلاط کثرت سے موجود ہیں۔ میرے سامنے اگر پہلا ترجمہ بھی ہوتا تو مجھے اس امر کا پتہ چلانا آسان ہوتا کہ دوسرے ترجمے میں کن کن غلطیوں کا ازالہ اور کن کن غلطیوں کا اضافہ ہوا ہے۔ کراچی والے ترجمے میں بہت سی ایسی اغلاط ہیں کہ بے اختیار ہنسی آنے لگتی ہے، مطبوعہ فارسی نسخے میں یقیناً بہت سی غلطیاں ہیں، لیکن جو عبارت پڑھی جا سکتی ہے اور غور کرنے سے جس کا مطلب نکل سکتا ہے اس کا سرسری طور پر بغیر سوچے سمجھے ایک گول مول ژولیدگی آمیز ترجمہ کر دینا شانِ ترجمانی کے مناسب نہیں۔ نسخہ ملفوظات اور اس کے ترجمے پر مستقل طور پر ایک مضمون لکھنے کا ارادہ ہے۔ فی الحال دو نمونے مشتے نمونہ از خروارے پیش کیے جاتے ہیں۔

ملفوظات مطبوعہ میں ہے ــــــ خسر بندہ کہ شاگرد و خلیفۂ والدم بودند الخ ــــ اس عبارت کا ترجمہ سیدھا سادہ یہ ہے کہ بندے کے یعنی میرے خسر جو کہ میرے والد کے شاگرد و خلیفہ تھے الخ ــــ اب ذرا کراچی والے ترجمہ کو ملاحظہ فرمائیے، ایک شخص خیز ندہ؟ (سوالیہ علامت ترجمے میں لگی ہوئی ہے) کہ میرے والد کا خلیفہ اور شاگرد تھا الخ۔ دوسری جگہ اس سے بھی زیادہ

دلچسپ ترجمہ ہے۔

ملفوظات میں ہے ــــ ارشاد شد کہ مثل والد صاحب حافظہ ندیدہ ام مگر شنیدہ (ام) چنانچہ شعبی کہ ذکر او در بخاری جا بجا آمدہ ــــ ظاہر ہے کہ اس کا ترجمہ یہ ہوا کہ ــــ میں نے والد صاحب کی مثل کسی کا حافظہ نہیں دیکھا، مگر ہاں سُنا ہے چنانچہ شعبیؒ کا حافظہ جن کا ذکر بخاری میں جا بجا آتا ہے۔ الخ ــــ

اب کراچی کے ترجمے کو پڑھیے ــــ میں نے اپنے والد ماجد کے برابر کسی کا حافظہ نہیں دیکھا مگر ایک شیعہ[عـ۵] کا حال سُنا ہے بخاری میں اس کا ذکر جا بجا مذکور ہے" ــــ

کتنا مزیدار ترجمہ ہے، دھوکا کہاں سے لگا؟ شعبی کو شیعی پڑھنے اور سمجھنے سے ــــ اتفاق سے مطبوعہ نسخے میں اس لفظ پر شوشے اور نقطے بھی اس انداز سے لگ گئے ہیں کہ سرسری ترجمہ کرنے والے کا امتحان ہو جائے ــــ میں کہتا ہوں کہ یہ کیا ضرور تھا کہ تمام ملفوظات کا ترجمہ کر دیا جائے۔ ملفوظات کی تلخیص کر کے سمجھ میں آنے والی عبارات کا ترجمہ کر دیا جاتا۔ کافی تھا۔

اصل ملفوظات کے متعلق اتنا لکھنا ضروری ہے کہ اس کے جامع نے جن کا نام اور جن کی علمی حیثیت معلوم نہیں جو ایسی باتیں بھی ملفوظات کے مجموعے میں شامل کر دی ہیں جن کو شاہ صاحبؒ نے اپنے بے تکلف احباب کے سامنے بعض مجالس میں بیان فرمایا تھا۔ ان کو جامع صاحب شامل مجموعہ نہ کرتے تو اچھا تھا، یہ کیا ضروری ہے کہ ایک بزرگ کی زبان سے نکلی ہوئی ہر بات کو نقل کر دیا جائے، بزرگوں کے بعض ملفوظات میں تفرد کی شان بھی ہوتی ہے۔ اس نسخے میں بھی بعض ملفوظات تفرد کی شان لیے ہوئے ہیں۔ بعض ارشادات محققانہ ہیں مگر ہر ایک کے سمجھنے کے نہیں، کم علمی اور کم فہمی کی بنا پر بعض اشخاص اس سے الجھن میں پڑ سکتے ہیں۔ بعض باتیں ایسی ہیں کہ جن کی حیثیت فتوے کی نہیں ہے بر سبیل تذکرہ یوں ہی بیان فرما دی گئی ہیں، پھر زمانے اور

عـ۵ قاضی بشیر الدین میرٹھی مرحوم نے حالات شاہ عبد العزیزؒ میں ایک رسالہ لکھا ہے جس میں ملفوظات کا بھی کچھ حصہ شامل کیا گیا ہے۔ اس ملفوظ کا بیان بھی یہی ترجمہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرٹھ والے ترجمہ سے منتقل ہو کر یہ غلطی کراچی پہونچی اور وہاں کے فاضل مترجموں نے بھی اپنی ذمہ داری محسوس نہیں کی۔

ماحول کے محرکات و موثرات کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ جذبۂ اصلاح کے باوجود بعض بزرگ خود بھی غیر محسوس طریقے پر کچھ نہ کچھ ان محرکات سے متاثر ہو سکتے ہیں۔ بعض باتوں کو معلوم ہوتا ہے کہ جامع صاحب خود نہیں سمجھے۔ یا بعد کو ملفوظ لکھا ہے۔ پوری بات یاد نہیں رہی یا پوری بات یاد ہے لیکن فی الحال اپنے مسودے میں اشارہ کر دیا ہے اور ارادہ یہ ہے کہ اس بات کو بعد میں وضاحت سے لکھوں گا۔ بعض جگہ پڑھنے والے کو شبہ ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے بات اس طرح شک کے ساتھ فرمائی ہوگی، مگر وہ شک جامع کا ہے شاہ صاحب کا نہیں، مثلاً حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تاریخ وفات حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے ۲۹ محرم الحرام بیان فرمائی، جامع صاحب نے اس تاریخ کو بعد میں لکھا اور ۲۹ محرم لکھنے کے بعد یہ بھی لکھ دیا کہ یا ۱۲ محرم کو۔ یعنی حضرت شاہ ولی اللہؒ کی وفات ۲۹ کو ہوئی یا ۱۲ کو ظاہر ہے کہ اپنے والد ماجد کی تاریخ وفات حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا حافظہ کیسے فراموش کر دیتا۔ یہ ایک عظیم جاں گداز سانحہ تھا اس کی تاریخ اس طرح شک کے ساتھ شاہ صاحبؒ بیان نہیں کر سکتے تھے۔ لامحالہ جامع صاحب کو شک ہوا کہ یہ تاریخ فرمائی تھی یا یہ، اور بعد کو معلوم کیا نہیں غرضکہ کچھ جامع نے کچھ کاتب نے کچھ مترجمین نے مل ملا کر ایسی کیفیت پیدا کر دی کہ بعض اہل علم حضرات کو ملفوظات شاہ عبدالعزیزؒ کے کُل یا جُز کے الحاقی یا مصنوعی ہونے کا شبہ ہونے لگا۔ میں نے ان ملفوظات پر کافی غور کیا ہے، میں اس کے تمام مندرجات کو صحیح سمجھتا ہوں بس بات یہی ہے کہ جامع سے لے کر مترجم تک کے تصرفات سے بعض ملفوظات کا نقشہ تبدیل ہو گیا ہے جس سے ایک ذہین و ذکی ناظر سخت الجھن محسوس کرتا ہے۔

مجموعی حیثیت سے یہ ملفوظات بہت دلچسپ اور بہت سی معلومات کے حامل ہیں۔ جامع نے اپنا نام اگرچہ نہیں بتایا لیکن کچھ محنت کرنے کے بعد ان کے دیباچے کی روشنی میں اتنا معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ کس جگہ کے یا کم از کم کس علاقے اور خاندان کے شخص تھے۔

جامع ملفوظات نے شروع میں لکھا ہے کہ میں بتاریخ ۲ رجب ۱۲۳۳ھ بروز شنبہ دوسری مرتبہ حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ احباب و اعزا کا سلام پہونچایا، حضرتؒ نے "بعد استفسار خیر و عافیت جسمانی و روحانی و اہلی و مالی" میرے مشاغل کو معلوم فرمایا۔ اسی دن میں نے ملفوظات لکھنے کی اجازت حاصل کی، پھر عارضی سکونت کے لیے ایک مکان (غالباً کرائے پر)

پہنچایا۔ بعدہٗ ۱؍رجب ۱۲۳۲ھ (یوم الجمعہ) سے ملفوظات کا سلسلہ شروع کر دیا۔

داخلی قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ شوال ۱۲۳۳ھ تک یہ کام جاری رہا اور تقریباً تین ماہ کے ملفوظات جمع کر لیے گئے ہیں۔ اس لیے کہ ۶ شوال ۱۲۳۳ھ کو حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ کا وصال ہوا ہے۔ اس مجموعۂ ملفوظات کے آخر میں ان کے مرض اور وفات سے متعلق بھی چند واقعات ہیں، اور پھر چند ورق کے بعد ملفوظات ختم ہو جاتے ہیں۔

ان ملفوظات میں علاوہ مجلس خاص کے چہل قدمی کے وقت کی گفتگو بھی کہیں کہیں قلم بند ہوئی ہے۔ ان میں حدیث و تفسیر کے کچھ پہلو، مسائل فقہ، رموز طریقت، ادبی نکات، اپنی اور اپنے والد ماجد نیز دیگر بعض مشاہیر کی غزلیں، موقع و محل کی ابیات اور معلومات عامہ کا ذخیرہ اپنے حافظہ کی مدد سے پیش فرمایا گیا ہے۔ سنجیدگی کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں ایسی ظرافت بھی جھلک رہی ہے کہ گلستان سعدی کے باب پنجم و ششم کا مزہ آجائے۔ ان ملفوظات کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ۷۰ سال کی عمر میں جبکہ گوناگوں امراض لاحق ہیں، بصارت کبھی کی جا چکی ہے، ضعف بڑھ رہا ہے لیکن حافظہ شباب پر ہے، طبیعت جوان ہے اور دل زندہ ہے۔ وہ شاہ عبدالعزیزؒ، جن کا دل مدت سے مسلمانوں کے انتشار، مسلم حکومت کے زوال نیز غلط طاقتوں کے غلبہ و اقتدار کی وجہ سے غمگین ہے اور جو عالم شباب میں اپنے چچا کو خطوط تحریر فرماتے تھے تو صفحۂ قرطاس پر ان کا سوز دروں نمایاں ہو جاتا تھا، عالم پیری میں ان کا ضبط غم کمال کو پہونچ گیا ہے اور وہ اپنی مجلس کے اندر "خندہ برلب" اور "آتش پارۂ دل" نظر آتے ہیں ——— بہرحال اب میں ملفوظات کی تلخیص پیش کرتا ہوں

فرمایا ـــ کہ باعتبار سورۃ، آخری سورۃ اِذَا جَاءَ ہے جس کو سورۂ نصر اور سورۂ فتح بھی کہتے ہیں۔ اس سورۃ میں معناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر ہے۔ یعنی جب ہر طرح کی نصرت ہماری طرف سے آپ کو پہونچ گئی اور مقصد بعثت انجام پا گیا تو اب ہمارے پاس آجائیے۔

فرمایا ـــــ کہ مقصد چشتیاں، قوت عشق کا بروئے کار لانا اور ابھارنا ہے، اس کے لیے جو امور ممد و معاون ہوں اُن کو اختیار کرتے ہیں جیسے ذکر جہر وغیرہ۔ اور اس کے لیے جو چیزیں مضر ہیں اُن سے اجتناب کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب عشق حاصل ہوگا تو حضور و انکسار

وغیرہ سب کچھ حاصل ہو جائے گا ــــــ مقصود نقشبندیاں ــــــ احضارِ نقشِ دلدار اور تصحیح خیال ہے، لہذا جو چیزیں اس کے لیے معاون ہیں اُن کو اختیار کرتے ہیں اور جو مضر ہیں اُن سے پرہیز کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ "استقرارِ حضور" سے فنا و بقا اور عشق سب کچھ حاصل ہو جائے گا ــ مقصود قادریاں ــــ تصقیل (صیقل کرنا)، اور انکسارِ نفس ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب دل صاف ہو گیا تو اُس کے مقابل میں جو کچھ ہے وہ جلوہ گر ہو جائے گا۔

سید احمد (شہید رائے بریلوی) جو کہ بزرگ زادہ سادات قطبی ہیں اور حضرت شاہ صاحبؒ کے مرید و خلیفہ ہیں، جن کے بارے میں حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت سید آدم بنوریؒ کی نسبت "استقرار تام" ــ اللہ تعالیٰ نے ــــ ان کو عطا فرمائی ہے اور بہت سے لوگ دہلی میں انکی روحانیت سے مستفیض ہوئے ہیں ــ انھوں نے حضرت شاہ صاحب سے دریافت کیا کہ لفظ اللہ کیا معنی رکھتا ہے؟ جواباً ارشاد فرمایا کہ منگل کے دن میں نے قل ھو اللہ کی تفسیر میں کہا تھا کہ اللہ ایسی ذات کا نام ہے جو جامع جمیع صفاتِ کمالیہ ہے اور وہ حضرت حق جل مجدہ کی ذات ہے ــ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ سے منقول ہے کہ یہی اسم اعظم ہے۔ بشرطیکہ اس نام کے پڑھنے والے کے دل میں ماسوا کا دخل نہ ہو ــــ پھر اُنھوں نے (سید احمد قطبی شہید نے) عرض کیا کہ مجھے تمام اسماء الہٰی میں اسی اسم (اللہ) سے اطمینان و سکون زیادہ حاصل ہوتا ہے ــــ ارشاد فرمایا کہ شیخ ابو النجیب سہروردیؒ جو کہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے چچا اور پیر و مرشد ہیں ــ ان کا معمول تھا کہ جب کوئی مُرید شغلِ باطن کی درخواست کرتا تھا تو اس کو اپنے سامنے بٹھا کر اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام تلاوت کرتے تھے۔ معانی کے ساتھ اور اُن معانی کی تشریح کے ساتھ ــ ــ اور جس نام سے مرید زیادہ لذت یاب اور مانوس محسوس ہوتا تھا اس کو وہی نام تلقین کرتے تھے، پھر رفتہ رفتہ اسم اللہ تک پہونچاتے تھے ورنہ فرما دیتے تھے کہ (علاوہ فرائض کے) تم تسبیح و تلاوت نفل اور خدمت فقراء میں مشغول رہو ــــ

پھر فرمایا کہ تمام اسماء اسی اسم میں داخل ہیں ــــ پھر یہ آیت پڑھی اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (آگاہ باش کہ اللہ کے ذکر سے دل اطمینان پذیر ہوتے ہیں)

ایک مرید نے عرض کیا حضرت، اطمینان کے کیا معنیٰ ہیں ــ فرمایا دل کا چین اور خطرات

پریشان سے دل کا یکسو ہوجانا یعنی خاطر جمعی ۔

ایک مریدنے (چہل قدمی) کے وقت آپ کے راستے سے اینٹ پتھر کے ٹکڑے (جن سے ٹھوکر لگنے کا خوف تھا) دور کرتا جاتا تھا، فرمایا میاں تکلیف نہ اٹھاؤ، پھر فرمایا حدیث میں اس عمل کو شعبۂ ایمان اور موجبِ ثواب فرمایا گیا ہے ۔

رات کے وقت چہل قدمی فرما رہے تھے۔ ایک جوان اس وقت ملاقی ہوا، شفقت کے ساتھ اس کی طرف ملتفت ہوئے اور چند لطائف بیان فرمائے، منجملہ ان کے ایک لطیفہ بیان فرمایا کہ عبداللہ نامی ایک (سنی) امیر نواب شجاع الدولہ کا رفیق و مصاحب تھا۔ ایک دن نواب صاحب نواحِ جون پور میں شکار کھیلنے گئے ایک خرگوش کے پیچھے ایک شکاری کتا چھوڑ دیا گیا، کتے نے خرگوش کو پکڑ لیا اور چونکہ وہ کتا سکھایا ہوا تھا، اس لیے اس نے خرگوش کو خود نہیں کھایا فقط سونگھا۔ نواب شجاع الدولہ نے (خرگوش کے بارے میں اپنے مسلک یعنی حرمت کو پیش نظر رکھ کر بطور طعن) کہا عبداللہ! دیکھو خرگوش کو کتا بھی نہیں کھاتا، عبداللہ نے برجستہ جواب دیا، جی ہاں میں نے دیکھ لیا بیشک خرگوش کو کتا نہیں کھاتا۔

فرمایا ـــــ اولیاء چار قسم کے پائے جاتے ہیں۔

(۱) مستغرق۔ جیسے شیخ عبدالحق ردولوی ؒ اور شیخ عبدالقدوس گنگوہی ؒ۔

(۲) اہلِ خدمات جیسے اقطاب ۔

(۳) اہلِ تجرید و تفرید

(۴) عرفاء جو کہ ہر مظہر میں حق کا مشاہدہ اور تحقیقِ اشیاء کرتے ہیں۔ جیسے شیخ اکبر ؒ اور حضرت مجدد ؒ ـــــ

ایک مرید نے عرض کیا کہ بعض اعمال برائے رفعِ حاجات دینی و دنیوی جو احادیث میں آئے ہیں۔ (مثلاً نمازِ حاجت) یا دعائیں وہ اعمال اس زمانے میں (فوراً) اپنی تاثیر کیوں نہیں دکھاتے ـــ ارشاد فرمایا کہ علماء نے اس کا جواب تین طریقے سے دیا ہے۔

(۱) شرائط قبولیت مفقود ہیں۔ جب شرط نہ پائی گئی تو مشروط بھی فوت ہوا۔

(۲) ان احادیث میں یہ آیا ہے کہ اس دعا کا یہ خاصہ ہے یہ نہیں ہے کہ خواہ مخواہ لیا ہی

ہوجائے گا۔ (کبھی کبھی مصلحت کے ماتحت اس دعا کو قبول نہیں بھی فرماتے) اگر سائل کی مرضی کے مطابق ہر دعا قبول کرلی جائے ایک محذورِ عظیم لازم آئے گا۔ مثلاً ایک شخص دعا کرکے اب بارش چاہتا ہے دوسرا اپنی کسی وقتی مصلحت کی وجہ سے بارش نہ ہونا چاہتا ہے۔ اسی پر اور باتوں کو قیاس کرلو۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے اور یہی تحقیقی جواب ہے کہ کثرتِ ظلماتِ گناہ کے سبب سے نورانیتِ دعا اپنا کھلا ہوا نتیجہ اور فائدہ برآمد نہیں کررہی ہے۔

دیکھو موسم برسات میں اگر اندر خشک جگہ میں بھی سامان رکھا ہو تو اس میں (کچھ نہ کچھ) نمی اور تری کا اثر آجاتا ہے، رطوبت چنداں اپنا کام نہیں کرتی اور موسم گرما میں اس کے برعکس ہے۔ اسی طرح جب فضا ظلماتِ معاصی سے پُر ہوتی ہے تو استجابتِ دعا کم ہوتی ہے، یا ہوتی ہے مگر معلوم نہیں ہوتی یا کبھی اللہ تعالیٰ قدرتِ دعا قبول کرلیتا ہے۔

میر احمد علی شاہ نے عرض کیا کہ حضرتِ والا نے بعد ختمِ قرآن متصلاً پھر قرآن شروع فرمایا اس کی اصل کیا ہے؟ ارشاد فرمایا حدیث میں آیا ہے۔ بہترین عمل (منزل پر) اُترنا اور پھر سفر کے لیے کمر کس لینا ہے، یعنی جب قرآن شریف ختم کرے تو پھر شروع کردے (اذکار نووی میں یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس حدیث کے آخر میں ہے کہ بعض صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اُترنے اور سفر کرنے سے کیا مُراد ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قرآن کا ختم کرنا اور پھر شروع کرنا) اسی دوران میں فرمایا کہ مجھ کو قرآن مجید کے اندر جو معنی (نئے عجیب و غریب بہم پہونچتے ہیں اور اُن کی جسقدر آمد ہوتی ہے حدیث میں اتنے معانی کی آمد نہیں ہوتی، حدیث شریف کا مطلب و مفہوم (زیادہ تر) موافق کتب (شارحینِ حدیث) بیان کرتا ہوں۔

ایک مُرید نے عرض کیا، تین دن ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے خواب کے اندر آپ کی شکل میں دیکھا ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر توجہ مبذول فرما رہے ہیں، میں بہت ہی لذت یاب اور مسرور ہوا اور قلب اس وقت سے سبک اور ہلکا ہوگیا ہو —— (ابھی اس خواب کے متعلق حضرت شاہ صاحب کچھ فرمانے نہ پائے تھے کہ) ایک دوسرے

مرید نے خواب ہی کے بارے میں ایک اور بات دریافت کرلی، حضرتؒ نے اس کا جواب دیا۔ پھر پہلے شخص نے جس نے اپنی خواب بیان کی تھی، عرض کیا حضرت میرے خواب کی تعبیر کیا ہوئی، فرمایا، بھائی میں تو سگ کوئے آنحضرتؐ ہوں، (یعنی فی نفسہ تمھاری خواب صحیح ہے، لیکن میری شکل میں جو تم نے زیارت کی میں اس قابل کہاں تھا۔ یہ تمھارے اُس حُسنِ ظن کی بات ہو جو میرے ساتھ رکھتے ہو اور خواب کا اتنا حصّہ حُسنِ ظن کا اثر ہے)

مجلس میں ایک شخص نے سوال کیا۔ عقیقہ فرض ہے؟ ارشاد فرمایا، نزد ابوحنیفہؒ وشافعیؒ ومالکؒ سنّت ہے اور نزد احمدؒ فرض ہے۔

فرمایا ـــــ کچھ عرصہ ہوا ایک شیعی درگاہِ سلطان المشائخ میں وارد ہوا، شہر کے فضلاء، علماءؒ فقراء اور عوام و خواص درگاہ میں حاضر ہوتے ہی ہیں، اس نے شہر کے بعض فضلاء سے سوال کیا کہ ایک نومسلم ہے وہ بعد قبولِ اسلام آخر کس مذہب و مسلک کو اختیار کرے اور وہ کیسے جانے کہ کون سا مذہب حق ہے؟ اگر طلب علم کرے تو ایک مدت درکار ہے اور انجام کے لحاظ سے خطرات ہیں، بعض نے اس کا جواب کچھ دیا، بعض نے کچھ۔ ایک جواب یہ دیا گیا کہ فریقین کی متفق علیہ اور مختار باتوں کو اختیار کرکے تحصیل علم کرتا رہے اور تحصیلِ علم کے بعد جس کے راستے کو اچھا جانے اس پر چلے ـــ آخر یہ مسئلہ بندے کے سپرد کیا گیا۔ جب لوگ میرے پاس آئے تو اُس (نووارد) شخص کو بھی اپنے ہمراہ لائے ـــ میں نے کہا کہ وہ نومسلم چھ باتوں سے جان لے کہ (مسلمانوں میں) مذہبِ حق کون سا ہے۔ اوّل یہ دیکھے کہ مکہ جہاں خانۂ خدا ہے وہاں کون سا طریقہ جاری ہے اور کون سا طریقہ ناپید ہے، دوسرے مدینہ میں کون سا مسلک و مذہب ہو؟ تیسرے قرآن کس کو محفوظ ہوتا ہے اور کس کو نہیں، چوتھے بعد نبوت، ولایت کس فرقے میں جاری ہے۔ پانچویں عید وجمعہ (کا اہتمام کہاں ہے۔ چھٹے ہندوستان میں جہاد فی سبیل اللہ کس نے رائج کیا اور یہ سلطان محمود غزنویؒ اور شہاب الدین غوری کون تھے؟۔

ارشاد فرمایا کہ غازی الدین خاں جو اچھے شاعر تھے کہا کرتے تھے کہ جس شعر میں معنیٰ نہ ہوں (مہمل ہو) اس کو (خواہ مخواہ کھینچ تان کرکے) تصوف میں لے جاؤ معنیٰ پیدا کرے گا۔

ایک مرید نے عرض کیا کہ بعد عصر سورۂ عم یتساءلون کی تلاوت کو بزرگوں نے مورث و موجب محبتِ الٰہی بتایا ہے۔ کیا حدیث میں بھی یہ بات آئی ہے یا فقط بزرگوں کا تجربہ ہے؟ فرمایا کہ یہ بات حدیث میں نہیں ہے۔

سید احمد (شہید) کے بارے میں جو کہ حضرت کے بڑے خلفاء میں سے ہیں اور جن کا ذکرِ خیر اس سے پہلے بھی آچکا ہے۔ بعض حاضرینِ مجلس نے عرض کیا کہ ان کو جو حضرت والا کے ساتھ نہایت عشق ہے اس کی وجہ سے ہم کو بھی ان سے بہت محبت پیدا ہوگئی ہے ——— ارشاد فرمایا کہ ہاں وہ بندے سے خالص محبت رکھتے ہیں ——— اللہ تعالیٰ اُن کو جزائے خیر دے ——— یہ خالص محبت ہونا اختیاری بات نہیں ہے۔ چنانچہ ایک شاعر نے کہا ہے۔ ؎

یا دل بکہ باید داد، یا دل زکہ باید برد

دل دادن و دل بردن ایں امر خداداد است

(یعنی کس کو دل دینا چاہیئے اور کس سے دل لے لینا چاہیئے، یہ دونوں باتیں خداداد ہیں بندے کے اختیار میں نہیں ہے۔)

ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی بندے کو علم کی دولت یا کوئی اور نعمت عطا فرمائے تو اس کو چاہیئے کہ اس نعمت کی ترویج و اشاعت کا اہتمام کرکے اس نعمت کو مزید کرلے۔ مولوی امام الدین؏ جو کہ روسا کٹرہ مانک پور سے تھے اپنے بھائی مولوی نظام الدین کی تلاش میں آئے تھے۔ انھوں نے فراقِ پسر میں اپنی والدہ کی بیقراری کا تذکرہ کیا تو فرمایا کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والدِ ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام سے جدا ہوئے تو صرف اس جدائی کا قلق اتنی کشش نہیں رکھتا تھا کہ بیٹے کو کھینچ لیتے اور پا لیتے، پھر جب دوسرے بیٹے کی جدائی کا قلق بھی شاملِ حال ہوگیا تو پھر اتنی قوت پیدا ہوگئی کہ دونوں سے ملاقات ہوگئی ——— (مطلب یہ کہ تمھارے فراق کا اثر بھی تمھاری والدہ پر ہوا ہوگا اس سے امید ہے کہ نظام الدین تمھارے ہمراہ والدہ کے پاس پہونچ جائیں)

؏ ترجمۂ کراچی میں اس نام پر فٹ نوٹ دے کر ظاہر کیا ہے کہ یہ مولانا قاری امام الدین بخشی امروہی ہیں۔ کہاں کٹرہ مانک پور کہاں امروہہ کوئی تُک بھی ہو۔

فرمایا کہ ـــــ مثل والد ماجد صاحب (حضرت شاہ ولی اللہ رح) کے میں نے کسی کا حافظہ نہیں دیکھا، ہاں سُنا ضرور ہے، چنانچہ شعبی کے حافظے کے واقعات جن کی روایت بخاری میں پائی جاتی ہے ـــــ عبدالملک ابن مروان حاکم وقت نے ایک مرتبہ ان کے حافظے کا امتحان اس طرح لیا کہ ان کو اپنے پاس بلوایا اور ملکِ عراق کے چار صوبوں کے دیہات و پرگنات کا حساب جمع و خرچ کاغذ سے ان کے سامنے پڑھا اور چند دن کے بعد ان کو طلب کر کے اس جمع و خرچ کی تفصیل زبانی دریافت کی، مطابق رجسٹر کے ان کے حافظے میں تفصیل جو تھی سب سُنا دی ـــــ اس کے بعد امام ترمذی رح کے حافظے کا واقعہ سنایا ـــــ اسی ضمن میں کسی نے مولوی راشد بنگالی کا ذکر کیا کہ وہ اس قدر ملکہ رکھتے تھے کہ سبق بھی پڑھاتے جاتے ہیں اور مسودہ بھی لکھتے جاتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ بات کثرتِ مزاولت اور مشق سے تعلق رکھتی ہے، اگرچہ حافظہ اور ذہن بھی شرط ہے۔ پھر اسی ضمن میں ایک حیرت انگیز واقعہ اپنے بچپن کا سنایا۔ پھر فرمایا کہ شاہ محمد عاشق (پھلتی) جو کہ والد ماجد کے شاگرد اور خلیفۂ اعظم تھے اور سبیل الرشاد وغیرہ کتب کے مصنّف بھی تھے۔ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ ایک شاگرد کو بڑی محنت سے پڑھا رہے ہیں اور عین مشغولیت درس میں ان کی نسبتِ باطنی انتہائی جوش پر ہے۔

(باقی)

محدثین عظام کا عظیم الشان کارنامہ

فن اسماء الرجال

(از مولانا تقی الدین ندوی مظاہری)

پوری علمی دنیا کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلمانوں نے اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ بلکہ ہر اس چیز اور ہر اس شخص کے حالات کی جس کا ادنیٰ سا تعلق بھی آپ کی ذات مبارک سے تھا جس طرح حفاظت کی وہ انسانی تاریخ کا ایک اعجوبہ ہے۔

رواۃ حدیث:۔ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور احوال کو روایت کیا انھیں رواۃ حدیث یا راویان حدیث کہا جاتا ہے، جن میں صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین اور بعد کے چوتھی ہجری تک کے راویان احادیث و آثار داخل ہیں ـــ ان کے مجموعۂ احوال کا نام فن اسماء الرجال ہے ـــــ جب حدیث و سنت کے سرمایہ کی تدوین ہو چکی تو ان رواۃ حدیث کے حالات بھی قلمبند کئے گئے، ہر راوی کا نام اس کی کنیت، اس کا لقب، کہاں کے رہنے والے تھے، ان کے آباؤ اجداد کون تھے، کس مزاج و طبیعت کے تھے، حافظہ کیسا تھا، تقویٰ اور دیانت کے لحاظ سے کیا حال تھا، عقائد کیا تھے، انسانی اخلاق و آداب کے لحاظ سے کیا درجہ اور معیار تھا، کن اساتذہ اور شیوخ سے علم حاصل کیا، طلب علم کے سلسلے میں کہاں کہاں کی خاک چھانی، کن لوگوں نے اُن سے علم حاصل کیا۔ غرض ان ہزار ہا ہزار راویان حدیث کے بارے میں تحقیق و تفتیش کا اتنا زبردست ریکارڈ جمع کیا گیا کہ دنیائے قدیم و جدید کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں۔

ڈاکٹر اسپنگر نے جس کی اسلام دشمنی مشہور ہے " الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ " کے انگریزی مقدمہ میں لکھا ہے۔

" کوئی قوم نہ دنیا میں ایسی گزری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال جیسا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصیتوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے[1]۔"

صرف طبقۂ اوّل کے راویان حدیث یعنی صحابہ کرام کی تعداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دور حیات میں ایک لاکھ سے زائد تھی اگرچہ ان کتابوں میں جو صحابہ کرام کے تذکرہ میں لکھی گئیں اور محفوظ ہیں تقریباً صرف دس ہزار کا تذکرہ ملتا ہے جیسا کہ حافظ سیوطی نے لکھا ہے[2]۔ یہ وہ لوگ ہیں جن میں سے ہر ایک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور واقعات کا کچھ نہ کچھ حصہ دوسروں تک پہنچایا یعنی انھوں نے روایت حدیث کی خدمت انجام دی۔

سلسلۂ اسناد:۔۔۔ حدیث کے دو جزو ہوتے ہیں ایک متنِ حدیث، یعنی حدیث کا اصل مضمون جن الفاظ میں بھی راوی نے بیان کیا ہو ۔۔۔ اور دوسرا جزو اسناد یعنی بالترتیب ان لوگوں کے اسماء جنھوں نے اس حدیث کو روایت کیا ہو۔

سلسلۂ اسناد اس امت کا امتیاز ہے۔ ابن حزم فرماتے ہیں کہ ثقہ راوی کا اپنے اوپر والے ثقہ راوی سے حدیث نبوی کو اس طرح روایت کرنا کہ کڑی سے کڑی جڑی ہو (درمیان میں انقطاع نہ ہو) یہ وہ نعمت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ ہی کو نوازا ہے[3]۔

تاریخ کو چھوڑیئے، دنیا میں قرآن کے علاوہ جو الہامی کتابیں مشہور و معروف ہیں انہی کی سند کا حال دیکھ لیا جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تورات آج موجود ہے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مصنفین کے

---

[1] خطبات مدارس بحوالہ مقدمہ اصابہ

[2] تدریب الراوی ص ۳۰۰ (طبع جدید)

[3] تدریب الراوی ص ۱۸۳ (طبع قدیم)

بیان کے مطابق وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صدہا سال کے بعد اس کتابی شکل میں مدون ہوئی ہو۔
عیسائی دنیا کا بڑا حصہ آج صرف چار انجیلوں کو تسلیم کرتا ہے، ان چار انجیلوں میں سے ایک کے لکھنے والے نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خود نہیں دیکھا ہے بلکہ انھوں نے کسی سے سُن کر حالات کا یہ مجموعہ لکھا ہے۔ بلکہ اب تو یہ بھی مشکوک سمجھا جا رہا ہے کہ جن چار آدمیوں کی طرف ان کی نسبت کی جاتی ہے (یعنی متی، مرقس، یوحنا، لوقا) ان کی طرف یہ نسبت صحیح بھی ہے یا نہیں اسکے لئے جس درجہ کا علمی ثبوت چاہیئے واقعہ یہ ہے کہ موجود نہیں ہے۔[1]

یہ حال دوسروں کے الہامی نوشتوں کا ہے اور ہمارے ہاں ضعیف حدیثوں تک کی سند موجود ہے اور اس سند کے ضعف وعدم ضعف پر دلائل قائم ہیں بلکہ جیسا کہ اوپر بتایا گیا اسناد کو حدیث کا جزو بنا دیا گیا ہے اور بلا اسناد کے حدیث کو قابل قبول ہی نہیں سمجھا گیا ـــــ امت کے جلیل القدر امام عبداللہ بن المبارک کا ارشاد ہے۔

الاسناد من الدین لولا الاسناد　　اسناد جزو دین ہے اگر اسناد کی پابندی
لقال من شاء ما شاء[2]　　نہ ہو تو جس کے جو جی میں آئے کہہ دے۔

سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ ایک دن امام زہری نے ایک حدیث بیان کی، میں نے عرض کیا اس کو بغیر سند کے بھی بیان فرما دیجئے، انھوں نے فرمایا "تم بغیر زینے کے کوٹھے پر چڑھنا چاہتے ہو۔" اسی طرح سفیان ثوری نے اسناد کو مومن کا سلاح (ہتھیار) قرار دیا ہے۔[3]

اسناد عالی کی اہمیت:۔ محدثین نے علو اسناد کو ایک قابل فخر چیز سمجھا ہے کیونکہ روایت میں جس قدر واسطے کم ہوں گے اسی قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب زیادہ ہوگا، نیز راویوں کی کمی کی وجہ سے ان کی چھان بین بھی نسبتاً کم کرنی پڑے گی اور خطا و نسیان کا احتمال بھی کم ہوگا، اس لئے آئمہ فن کے ہاں اس کا بہت زیادہ اہتمام ہے اور ان کے تذکروں میں علو اسناد کا ذکر

---

[1] خطبات مدراس ص۲۶
[2] اخرجہ مسلم فی مقدمۃ
[3] تدریب الراوی ص۳۰۱ (طبع قدیم)

خصوصیت سے کیا جاتا ہے، بلکہ خاص خاص آئمہ کی عالی سندوں کو تو علماء نے مستقل اجزاء میں علٰحدہ مدون کیا ہے اور یہ فن کا ایک مخصوص شعبہ بن گیا ہے۔

امام احمد بن حنبل سے کسی نے پوچھا کہ اسناد عالی کے طلب کے بارہ میں آپکی کیا رائے ہے؟ فرمایا اسناد عالی طلب کرنا سلف کی سنت ہے کیونکہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کے تلامذہ (آپ سے علم حاصل کرنے اور حدیثیں سن لینے کے باوجود) مدینہ منورہ کا سفر کرتے تھے اور وہاں جاکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے علم سیکھتے اور حدیثیں لکھتے تھے[1]

کثیر بن قیس کہتے ہیں" میں دمشق میں ابو الدرداء کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا دفعتًہ ایک شخص نے اُن سے آکر عرض کیا ابو الدرداء! میں مدینۃ الرسول سے چل کر تمہارے پاس آیا ہوں اور کسی دینوی حاجت اور ضرورت سے نہیں آیا صرف ایک حدیث کے لئے آیا ہوں جس کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ آپ اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرماتے ہیں ـــــ حضرت ابو الدرداء نے جب یہ سنا تو فضیلت علم کے بارے میں وہ حدیث اس شخص کو سنائی[2]۔

خطیب بغدادی نے عبید اللہ بن عدی سے جو کبار تابعین میں سے ہیں نقل کیا ہے کہ مجھے ایک حدیث کے متعلق پتہ چلا کہ اسکو حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں ساتھ ہی دل میں خدشہ آیا کہ کہیں خدانخواستہ ان کا انتقال ہو گیا تو پھر براہ اُن سے میں وہ حدیث نہ سُن سکوں گا، بس فوراً سفر شروع کر دیا اور انکی خدمت میں عراق پہونچ کر دم لیا[3]۔

دارمی نے ابو العالیہ تابعی سے نقل کیا ہے کہ ہم بصرہ میں بعض صحابہ کرام کی روایات (بالواسطہ) سنتے مگر جب تک مدینہ جاکر خود ان کی زبان سے نہ سن لیتے ہمیں چین نہ آتا[4]۔ حفاظ حدیث کے تذکروں میں جہاں ان کی علمی رحلتوں کا تذکرہ ہے وہاں اس کی بکثرت مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں۔

---

[1] مناقب الامام احمد از ابن جوزی صـ۲۰۳

[2] جامع ترمذی صـ۹۳ ج۲

[3] فتح الباری صـ۱۵۱ ج۱

[4] سنن دارمی صـ۷۹

راویان حدیث کی پہلی صف یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث و سنت کے اولین رواۃ یعنی صحابہ کرام جو واقعات کے چشم دید گواہ ہیں، انکی راست گفتاری اور صدق مقال پر انکی زندگی کا ایک ایک حرف گواہ ہے اور ان کی عقل، رزانت و متانت پر ان کے کارنامے شاہد عدل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رؤس الاشہاد بار بار اعلان فرمایا کہ "جو شخص میری طرف کسی جھوٹی بات کو منسوب کرے اس کا ٹھکانا جہنم ہے"[1] صحابہ کرام کا یہ حال تھا کہ کسی بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے بیان کرتے وقت کانپ جاتے تھے[2]۔ بعض صحابہ کا معمول تھا کہ جس وقت حدیث بیان کرنے کے لئے بیٹھتے تو کوئی حدیث بیان کرنے سے پہلے "من کذب علی متعمداً" والی حدیث ضرور پڑھ لیا کرتے، امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں راوی ہیں کہ خصوصیت کے ساتھ ذخیرۂ حدیث کے سب سے بڑے راوی ابو ہریرہؓ کا دوامی دستور تھا کہ:۔

یبتدء أحدیثہ قال رسول اللہ	جب وہ حدیث بیان کرنی شروع کرتے
الصادق المصدوق ابو القاسم	تو پہلے فرماتے کہ اللہ کے رسول صادق مصدوق
صلی اللہ علیہ وسلم من کذب علی	ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ
متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار	جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ باندھا وہ اپنا
	ٹھکانا دوزخ میں تیار کرے۔

قرآن و حدیث میں ان حضرات صحابہ کے عادل ہونے کی شہادت دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا" دوسری جگہ فرمایا۔ "كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" ان آیات کے اولین مخاطب صحابہ کرام ہیں حضور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے: خیر الناس قرنی[3]۔ اسی لئے علامہ نووی نے امت کا اجماع نقل کیا ہے: کلھم عدول متاولون

---

[1] صحیح البخاری باب اثم من کذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[2] تذکرۃ الحفاظ فی ترجمۃ ابن مسعود

[3] اخرجہ الشیخان

فی حروبھم وغیرھا ولم یخرج شئی من ذالک احد انھم من العدالۃ لانھم مجتھدون اختلفوا فی مسائل من محل الاجتھاد کما یختلف المجتھدون[1] (یعنی صحابہ کرام سب کے سب عادل ہیں آپس کی لڑائیوں وغیرہ میں تاویل کرنے والے تھے، اور ان میں سے کوئی چیز انہیں سے کسی کو عدالت سے خارج نہیں کرسکتی، کیونکہ وہ مجتہد تھے اجتہاد کے مواقع پر ان حضرات کا اختلاف ہوا ہے جیسے ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہوتا ہے)

امام الحرمین فرماتے ہیں کہ ان حضرات صحابہؓ کی عدالت میں غور و فکر نہ کرنے کا سبب یہی ہے کہ یہی حضرات دراصل شریعت کے حامل ہیں، پس اگر انکی روایت میں بھی توقف کیا جائے تو شریعت آپؐ ہی کے عہد کے ساتھ منحصر ہوکر رہ جائے گی اور آپ کے وصال کے بعد دین و شریعت کی بنیاد باقی نہیں رہے گی[2] یہی وجہ ہے کہ علماء امت نے بعد کے رواۃ حدیث کی طرح صحابہ کرام پر جرح و تنقید کو ناجائز قرار دیا ہے، کیونکہ یہ پوری جماعت عادل و ثقہ ہے ؎

لگایا تھا مالی نے ایک باغ ایسا　　　نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا

بہرحال صحابہ کرام کی پوری جماعت پوری امت میں ممتاز و افضل ہے، مگر ان کے آپس میں مختلف درجات تھے، تاہم اس پر اتفاق ہے کہ نبی کے سوا کوئی بشر معصوم نہیں پیدا کیا گیا، بشریت کے تقاضے سے بعض باتوں کا ان سے صدور ہوا جیسے حضرت ماعزؓ اسلمی، نعمانؓ بن عمرو انصاری، مغیرہؓ بن شعبہ اور وحشیؓ، حضرت عمروؓ بن العاص و امیر معاویہؓ وغیرہم رضی اللہ عنہم، تاریخ و حدیث کی کتابوں میں واقعی ان سے بعض بڑی بڑی لغزشوں کا تذکرہ ملتا ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا، مگر ان صحابہؓ کرام کی طرف کسی زمانے میں اس جرم کے انتساب کی جرأت نہیں کی گئی کہ جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی صحابیؓ نے کوئی غلط بات منسوب کردی تھی، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم لوگ (یعنی صحابہؓ کرام) باہم ایک دوسرے کو متہم نہیں کرتے تھے[3]

---

[1] شرح مسلم امام نووی باب فضائل الصحابہؓ

[2] تدریب صفحہ ۲۰۰ (طبع قدیم)

[3] طبقات ابن سعد ج ۱۳/۲

یعنی ہم میں سے کوئی دوسرے کے بارہ میں یہ بدگمانی نہیں کرتا تھا کہ وہ دانستہ غلط بیانی کر رہا ہے[1]، حالانکہ ہمیں بکثرت ایسی مثالیں حدیث کی کتابوں میں ملتی ہیں کہ اس اعتراض کے سوا دوسری قسم کی تنقیدوں کا ان میں آپس میں رواج تھا۔ حضرت ابوھریرہؓ نے جب یہ حدیث سنائی " توضئوا مما غیرت النار " (آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کر لیا کرو) تو حضرت ابن عباسؓ نے اس پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا گرم پانی استعمال کرنے سے بھی وضو کروں[1] الخ " حضرت ابن عباس کا مطلب یہ تھا کہ ابو ہریرۃ کو اس بارے میں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ اسی طرح ان المیت یعذب ببکاء اھلہ علیہ " (گھر والوں کے رونے سے مُردے پر عذاب ہوتا ہے) اس حدیث کو حضرت عمرؓ اور ان کے صاحبزادے ابن عمرؓ بیان کرتے تھے، حضرت ام المومنین عائشہؓ صدیقہ نے سنا تو اس پر آپ نے اعتراض کیا مگر کن الفاظ میں، فرمایا " رحم اللہ عمر و ابن عمر ما ھما بکاذبین ولا مکذبین ولا متزیدین[2] (رحم کرے اللہ عمرؓ اور ابن عمرؓ پر نہ تو یہ دونوں غلط بیانی سے کام لینے والے ہیں اور نہ جھوٹ منسوب کرنے والے ہیں اور نہ بڑھا کر بات بنانے والے ہیں، بلکہ ان کو غلط فہمی ہوئی ہے[3]۔

ان احادیث میں اختلاف کا منشا کیا ہے اسکی تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہوں شروح حدیث فتح الباری وعمدۃ القاری وغیرہ یہاں تو صرف یہ دکھانا ہے کہ صحابہ کرام کا باہم مرادِ معنیٰ کی تعیین میں اختلاف بھی ہوا ہے مگر کسی صحابیؓ نے دوسرے صحابیؓ پر کذب علی النبیؐ کا الزام نہیں لگایا۔

جب فاطمہؓ بنت قیس کی طلاق والی حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کی گئی تو فاروق اعظمؓ نے اس کو قرآن اور سنت نبوی کے خلاف سمجھتے ہوئے بھی بھول چوک اور نسیان سے آگے کی کوئی بات انکی روایت کے متعلق نہیں کہی بلکہ فرمایا " لا نترک کتاب اللہ و سنۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم بقول امرأۃ لا ندری احفظت او نسیت[4] " اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت کو

---

[1] رواہ ابن ماجہ باب الوضوء مما غیرت النار [2] مسند امام احمد ج ۲ ص ۲۸۱

[3] اس پر ایک لطیف تقریر حضرۃ الاستاد مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث کی ہے ملاحظہ ہو الاعتدال فی مراتب الرجال ص ۲۲۵

[3] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو عین الاصابہ فیما استدرکتہ عائشہؓ علی الصحابہؓ۔

[4] جامع ترمذی ص ۱۶۱

کسی ایک عورت کے بیان کی وجہ سے ہم نہیں چھوڑیں گے جس کے متعلق ہم نہیں جانتے کہ اسے بات ٹھیک ٹھیک یاد رہی یا بھول گئی۔

اسی لئے علماء امت کا اتفاق ہے کہ اگر ایک صحابیؓ دوسرے صحابیؓ کے لئے "کذب فلانٌ" کہے تو اس سے جھوٹ کے معروف معنیٰ مراد نہیں ہوتے بلکہ اس کے معنی خطاء اجتہادی کے ہیں، ابن حبان کتاب الثقات میں تحریر فرماتے ہیں "اھل الحجاز یطلقون کذب فی موضع اخطاء" اہل حجاز کا محاورہ ہے وہ اخطاء کی جگہ پر بھی کَذَب بولتے ہیں۔[1]

خطیب بغدادی صحابہ کرامؓ کے مناقب و فضائل لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:۔

"علی انہ لولم یرد من اللہ عز وجل ورسولہ فیھم شیئی مما ذکرنا لاوجبت الحال التی کانوا علیھا من الجھاد والھجرۃ والنصرۃ وبذل المھج والاموال وقتل الاٰباء والاولاد والمناصحۃ فی الدین وقوۃ الایمان والیقین"[2] (یعنی صحابہ کرام کے متعلق اگر اللہ اور رسول کے وہ ارشادات وارد بھی نہ ہوئے ہوتے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اور جن میں ان کی مدح اور تعریف و توثیق کی گئی ہے تب بھی ان کے جو حالات تھے یعنی راہ خدا میں جہاد، ہجرت، نصرت، جان و مال کی قربانی، اللہ کی رضا کے لئے اپنے آباء و اجداد اور اولاد و اقارب کے قتل پر بھی آمادہ ہو جانا اور دین کی خیر خواہی اور اللہ و رسول کی وفاداری اور ایمان و یقین کی قوت تو جو شخص بھی ان کے ان حالات کو پیش نظر رکھے گا وہ قطعی طور سے یہی فیصلہ کرے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وہ غلط بات کا انتساب نہیں کر سکتے تھے۔)

تاریخ شاہد ہے کہ حضرات صحابہؓ اپنے ماں، باپ، بیوی، بچوں بلکہ اپنی جانوں سے بھی زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی زندگی کو عزیز رکھتے تھے، اس لئے انھوں نے حدیث و سنت کے سرمایہ کی تعامل و توارث اور حفظ و کتابت کی راہ سے پاسبانی کی اور ان حضرات نے دین کی اس امانت کو اپنے شاگردوں یعنی تابعین تک بے کم و کاست پہونچایا۔

(باقی)

---

[1] مقدمہ فتح الباری ص ۴۲۶

[2] الکفایہ فی فنون الروایہ ص ۴۹

عہدِ عباسی میں

قبرص کے متعلق ایک استفتاء

(مولانا عبد الرحمٰن طاہر سورتی)

[حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں امیر معاویہؓ والیِ شام کو جزیرۂ قبرص پر حملہ کرنے کی اجازت مل گئی۔ ۲۸ھ میں وہ ایک عظیم بحری بیڑہ لے کر قبرص پہونچے۔ وہاں کے باشندوں سے صلح ہو گئی۔ اور اسلامی حکومت نے انھیں بیک وقت اپنا اور رومی حکومت کا باجگذار تسلیم کر لیا۔ انھوں نے اسلامی حکومت کو سالانہ سات ہزار دو سو دینار ادا کرنا منظور کر لیا، اتنی ہی رقم وہ رومی حکومت کو ادا کرتے تھے۔ صلح کی شرائط میں اہلِ قبرص نے مسلمانوں سے خیر خواہی کرنا، مسلمان افواج کی دشمن کے مقابلہ کے لیے جانے میں مزاحمت نہ کرنا اور اگر رومی مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کریں تو مسلمانوں کو اس کی اطلاع دینا منظور کر لیا۔

بعد ازاں مختلف زمانوں میں اہلِ قبرص سے کبھی کبھی عہد شکنیاں ہوتیں اور اسلامی حکومت کی طرف سے ان کی مناسب سرکوبی کر دی جاتی۔ لیکن صلح کا وہ معاہدہ جو امیر معاویہؓ نے ان سے کیا تھا، وہ بحال رکھا گیا۔ ہارون الرشید کے دور میں قبرص کی بد عہدی پر حمید بن معیوف نے قبرص پر حملہ کیا اور تقریباً سولہ ہزار قبرصیوں کو گرفتار کیا گیا۔

الغرض قبرص کا مسئلہ اسلامی حکومت کے لیے دردِ سر بنا رہا۔ خلیفہ ہارون الرشید کے جانشین امین نے شام و جزیرہ اور سرحدی علاقوں (ثغور) کا والی عبد الملک بن صالح کو بنایا، جو

ایک نامور سپہ سالار تھا، اس نے قبرص پر بڑے پیمانے پر فیصلہ کن حملہ کرنا چاہا۔ ایک ایسا علاقہ جس کے باشندوں سے پہلے سے مسلمانوں کا معاہدہ چلا آرہا ہے، لیکن وہ مسلمانوں کو برابر پریشان کرتے رہتے ہیں، کیا اس پر حملہ کیا جا سکتا ہے، اس مسئلہ میں دینی رہنمائی حاصل کرنے کے لیے عبد الملک بن صالح نے اپنے زمانے کے معروف و مستند فقہاء کی طرف رجوع کیا، والیٔ موصوف کے اس طرزِ عمل سے اس زمانے کی اسلامی حکومت کے طریق کار پر روشنی پڑتی ہے۔

عبد الملک بن صالح کی فقہاء سے یہ خط و کتابت امام ابو عبیدؒ نے "کتاب الاموال" میں نقل کی ہے۔ ابو عبیدؒ ہی سے ان کے شاگرد ابو الحسن احمد بن یحییٰ بلاذری نے یہ تفصیلات اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "فتوح البلدان" میں درج کی ہیں، ذیل میں کتاب الاموال سے اس مراسلت کی تفصیلات دی جاتی ہیں ——— [

قبرص بحیرۂ روم کا ایک جزیرہ ہے جو اسلامی حکومت اور رومی حکومت کے درمیان واقع ہے، امیر معاویہؓ نے یہاں کے باشندوں سے صلح کی تھی اور معاہدہ میں یہ شرط رکھی تھی کہ وہ مسلمانوں کے باجگذار رہیں گے، اس کے ساتھ ہی وہ رومی حکومت کے بھی باجگذار تھے۔ اس طرح وہ دونوں حکومتوں کے ذمی تھے۔ یہ لوگ اسی حالت میں چلے آرہے تھے تاآنکہ سرحد پر عبد الملک بن صالح[۱] کا تعین ہوا۔ اس زمانے میں وہاں کے لوگوں نے یا بعض لوگوں نے کوئی (غیر معمولی) شورش بپا کی، جسے عبد الملک نے ان کی عہد شکنی پر محمول کیا۔ یہ وہ دور تھا جب علماء و فقہاء بکثرت تھے۔ چنانچہ عبد الملک نے ان سے جنگ کرنے کے جواز کے بارے میں مشورہ کے لیے چند فقہاء کو سوال نامہ بھیجا جن میں سے چند فقہاء یہ ہیں: ——— لیث بن سعد[۲]، مالک بن انس[۳]، سفیان بن عیینہ[۴]، موسیٰ بن اعین[۵]، اسمٰعیل بن عیاش[۶]، یحییٰ بن حمزہ[۷]، ابو اسحٰق فزاری اور مخلد بن حسین[۸]۔ ان سب نے انھیں جوابات لکھ بھیجے۔

---

[۱] یہ خلیفہ رشید و امین کے زمانہ میں بڑا سپہ سالار تھا، ۱۹۶ھ میں وفات پائی، [۲] لیث بن سعد (متوفی ۱۷۵ھ) آپ مصر کے قاضی اور مفتی تھے، [۳] مالک بن انس (متوفی ۱۷۹ھ) آپ امام دار الہجرہ (مدینہ) تھے، [۴] سفیان بن عیینہ مکہ کے بڑے فقیہہ تھے، [۵] موسیٰ بن اعین (متوفی ۱۷۷ھ) آپ عراق کے فقہاء میں سے تھے، [۶] اسمٰعیل بن عیاش مفتی شام تھے، [۷] یحییٰ بن حمزہ قاضی دمشق تھے، [۸] ابو اسحٰق فزاری اور مخلد بن حسین دونوں فقہاء سرحدی علاقوں میں قیام پذیر تھے۔

ابو عبیدہ ان حضرات کے عبدالملک کے نام یہ خطوط اس کے دفتر سے برآمد ہوئے اور مجھے ملے۔
میں اس موضوع سے متعلق ان کی آرا کا مفہوم مختصراً پیش کروں گا، ان تمام فقہا نے عبدالملک کے
نتیجۂ فکر سے اختلاف کیا ہے۔

البتہ ان میں ایسے فقہا کی اکثریت تھی جنھوں نے اہل قبرص کے کچھ لوگوں کی غداری و
عہد شکنی کے باوجود ان سے مجموعی طور پر جنگ نہ کرنے اور کیے ہوئے عہد نامے کو نباہنے کا مشورہ دیا
تھا اور ایسے علما کم تھے جنھوں نے ان سے جنگ کا مشورہ دیا۔ لیث بن سعد نے عبدالملک ابن
صالح کے سوالنامے کا جواب یہ دیا :-

لیث بن سعد کا جواب | ہمارے ہاں روایات چلی آ رہی ہیں کہ ہم قبرص والوں پر مسلمانوں کے ساتھ غداری و بدعہدی
کا اور رومیوں کے ساتھ دوستی و خیر خواہی کرنے کا الزام لگاتے رہتے ہیں۔ اس بارے
میں اللہ تعالیٰ کا فرمان یہ ہے :

وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً — اور اگر تمھیں کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو
فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ — تو انھیں معاہدہ ختم کر دینے کی اطلاع دے کر
(الانفال: ۵۸) — برابری کی حالت میں آجاؤ۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: انھیں معاہدہ ختم کر دینے کی اطلاع نہ دینا تاوقتیکہ ان کی
خیانت کھل کر ظاہر ہو جائے۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ انھیں معاہدہ ختم کر دینے کی اطلاع بہم پہونچا دیں۔
پھر انھیں ایک سال کی مہلت دی جائے جس میں وہ باہم مشورہ کرلیں، اور جو اُن میں سے اسلامی
مملکت میں رہنا پسند کرے، اس شرط پر کہ خراج ادا کرتا رہے تو اسے یہ موقع ملنا چاہیئے، اور اُسے
اس کی اجازت ہونا چاہیئے، اور جو قبرص میں رہ کر جنگ کرنے پر تیار ہو وہ وہاں رہے پھر ان لوگوں سے
مسلمان اسی طرح جنگ کریں جیسے وہ اپنے دشمنوں سے جنگ کرتے ہیں۔ ایک سال کی مہلت دینے سے
ایک طرف تو ان پر اتمام حجت ہو جائے گا اور دوسری طرف ان سے جو عہد کیا گیا تھا اس کی بھی
رعایت ہو جائے گی۔

سفیان بن عیینہ کا جواب | سفیان بن عیینہ نے اس سوالنامے کا جواب یہ لکھا :
"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کسی قوم سے معاہدہ کیا اور پھر اس قوم نے عہد شکنی کی

تو آپؐ نے ہمیشہ اُن کا خون روا ٹھہرایا۔ اس باب میں ہمیں صرف اہلِ مکہ کا استثنا ملتا ہے کہ انھیں حضورؐ نے احسان فرماتے ہوئے آزاد کر دیا۔ اہلِ مکہ کی عہد شکنی جس پر ان سے جنگ روا سمجھی گئی یہ تھی کہ جب ان کے حلیف بنی بکر نے رسول اللہؐ کے حلیف قبیلۂ خزاعہ سے جنگ کی تو اہلِ مکہ نے رسول اللہؐ کے حلیف قبیلہ کے مقابلہ میں بنی بکر کی مدد کی، اس جرم کی پاداش میں ان سے جنگ حلال ہو گئی۔ قرآن مجید میں ان عہد شکنوں کے متعلق مندرجۂ ذیل آیات نازل ہوئیں:

الا تقاتلون قوما نكثوا ايمانهم	کیا تم ان لوگوں سے جنگ نہیں کرو گے
وهمّوا باخراج الرّسول وهم	جنھوں نے اپنے معاہدوں کو توڑ ڈالا اور
بدءُ وكم أوّل مرّة اتخشونهم	رسول اللہؐ کو نکالنے کا ارادہ کیا اور انھوں
فالله احقّ ان تخشوه إن كنتم	نے ہی پہلی بار تمھارے خلاف ابتدا کی۔ کیا تم
مؤمنين ٥ قاتلوهم يعذّبهم	ان سے ڈرتے ہو، حالانکہ اگر تم مومن ہو تو
الله بايديكم ويخزهم وينصركم	اللہ زیادہ حق دار ہو کہ تم اس سے ڈرو۔
عليهم ويشف صدور قوم	ان سے جنگ کرو۔ اللہ تمھارے ہاتھوں انھیں
مومنين (التوبہ: ۱۳-۱۴)	عذاب پہنچائے گا۔ اور انھیں رسوا کرے گا۔
	اور ان کے مقابلہ میں تمھاری مدد کرے گا اور
	مومنین کے دلوں کو اطمینان و سکون بخشے گا۔

انہی لوگوں کے بارے میں یہ آیات بھی نازل ہوئیں:۔

إنّ شرّ الدّوابّ عند الله	بے شک اللہ کے نزدیک زمین پر چلنے والوں
الّذين كفروا فهم لا يؤمنون ٥	میں بدترین مخلوق وہ لوگ ہیں جو کفر کرتے
الّذين عاهدتّ منهم ثمّ	ہیں اور ایمان نہیں لاتے، یہ وہی لوگ
ينقضون عهدهم في كلّ مرّةٍ	ہیں جن سے آپؐ نے معاہدہ کیا پھر وہ اپنا
وّهم لا يتّقون ٥ فإمّا تثقفنّهم	معاہدہ ہر بار توڑ دیتے ہیں اور وہ بے باک
في الحرب فشرّد بهم من خلفهم	ہیں۔ تو اگر آپؐ ان لوگوں کو جنگ میں پائیں
لعلّهم يذّكّرون۔ (الانفال: ۵۵تا۵۷)	تو انھیں ایسی عبرت ناک سزا دیں جو ان کے

تیچھے رہ جانے والوں میں ابتری پیدا کردے
تاکہ یہ نصیحت حاصل کریں۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران سے صلح کرتے وقت یہ شرط بھی رکھی تھی کہ جس نے بھی ان میں سے پہلے کا سود کھایا تو ہماری ذمہ داری اس سے ختم ہو جائے گی لہ الغرض اس باب میں ہم تک جو معلومات پہونچی ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے: "جس نے بھی اپنے معاہدہ کی شرائط سے بدعہدی کی پھر تمام قوم اس بدعہدی پر متفق ہو گئی تو ایسے لوگوں سے کوئی عہد باقی نہیں رہتا اور نہ ان کی ذمہ داری لی جائے گی۔"

مالک بن انس کا جواب | مالک بن انس نے اس والی نامہ کا جواب دیتے ہوئے لکھا:

اہل قبرص کو جو امان دی گئی ہے اس کا سلسلہ قدیم زمانہ سے تمام والیوں کی طرف سے برابر چلا آرہا ہے اور ان سب کا خیال یہی رہا کہ ان کو امان دے دینا اور انھیں ان کی حالت پر چھوڑ دینا ہی ان کی محکومی اور ماتحتی اور مسلمانوں کے غلبہ واقتدار کے مترادف ہے۔ اس لیے کہ ایک طرف تو مسلمانوں کو ان سے جزیہ ملتا ہے اور دوسری طرف ان کے ذریعہ مسلمان اپنے دشمنوں کو نقصان پہونچانے کا موقع پاتے ہیں۔ مجھے تاریخ میں کوئی ایسا والی نہیں ملتا جس نے ان سے صلح ختم کی یا انھیں ان کے وطن سے نکالا ہو۔ میرا بھی یہی خیال ہے کہ آپ ان سے معاہدہ ختم کرنے اور اعلان جنگ کرنے میں جلدی نہ کریں تا آنکہ ان پر اتمام حجت نہ ہو جائے اور ان پر جرم ثابت نہ ہو جائے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ (التوبۃ: ۴) — تم ان سے کیے ہوئے معاہدہ کو ان کی مدت تک پورا کرو۔

اگر اس مدت کے بعد وہ راہ راست پر نہ آئیں اور دھوکا دہی نہ چھوڑیں اور آپ دیکھیں کہ انکی طرف سے بدعہدی و غداری ہو رہی ہے تو اس وقت آپ ان پر حملہ کر دیں اور حملہ سے قبل ان کے سامنے اپنے عذرات و دلائل پیش کر دیں۔ اس طرح آپ کو ان کے خلاف زیادہ قوت حاصل ہوگی۔

لہ چنانچہ جب انھوں نے عہد شکنی کرتے ہوئے سودی کاروبار شروع کر دیا تو حضرت عمرؓ نے انھیں جلاوطن کر دیا۔

آپ غلبہ و مدد سے زیادہ قریب ہو جائیں گے اور وہ ذلت و خواری سے۔ ان شاء اللہ۔

موسیٰ بن اعین کا جواب | موسیٰ بن اعین کے جواب میں تھا۔

"اس قسم کے واقعات ماضی میں بھی ہوتے رہتے تھے اور حکام ان کے متعلق غور و فکر کرتے رہتے تھے۔ لیکن مجھے نہیں معلوم کہ ماضی میں کسی والی نے اہل قبرص سے معاہدہ توڑا ہو یا اس میں کوئی تبدیلی کی ہو۔ بہت ممکن ہے کہ وہاں کے خواص جو زیادتیاں کرتے ہیں انھیں وہاں کے عوام کی تائید حاصل نہ ہو۔ میرا خیال یہ ہے کہ آپ معاہدہ پر قائم رہیں اور اس کی شرائط پوری کرتے رہیں، خواہ انکی طرف سے اس قسم کے واقعات ہوا کریں۔

میں نے اوزاعی سے ایسے لوگوں کے بارے میں جن سے مسلمانوں کا معاہدہ ہوا اور پھر وہ مشرکین کو مسلمانوں کی کمزوریوں سے مطلع بھی کرتے رہیں، یہ کہتے سنا ہے کہ اگر وہ ذمی نہ ہو بلکہ صرف ان لوگوں میں سے ہو جن سے صلح کی گئی ہے تو والی معاہدہ ختم کرکے طرفین کو برابر کی آزادی حاصل ہونے کا اعلان کردے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اسمٰعیل بن عیاش کا جواب | اور اسمٰعیل بن عیاش کے جواب میں یہ تھا:

اہل قبرص مغلوب و مقہور ہیں اور رومی اُن کی جانوں اور ان کی عورتوں کو اپنے قبضہ میں لے لیتے ہیں، ہمارا فریضہ ہے کہ ہم ان کی حمایت و مدافعت کریں۔ حبیب بن مسلمہ نے جب اہل ارمینیا والوں[1] کے ساتھ معاہدہ کیا تھا اور انھیں امان دی تھی تو معاہدہ میں لکھا تھا "اگر مسلمانوں کو اپنی معروفیت کی وجہ سے تمہاری دیکھ بھال کا موقع نہ ملا اور تمہارے دشمن تم کو زیر کرلیں تو اس پر تمہاری گرفت نہیں کی جائے گی اور نہ اس کی وجہ سے تمہارا معاہدہ ٹوٹے گا جبکہ تم مسلمانوں کے ساتھ وفاداری کا دم بھرتے رہو گے۔"

میرا خیال ہے کہ ان (اہل قبرص) کو ان کے عہد و ذمہ پر بحال رکھو۔ ایک مرتبہ ان لوگوں کو یزید بن عبدالملک نے جلا وطن کرکے شام بھیج دیا تھا تو مسلمان فقہاء نے اس عمل کو نہایت نازیبا حرکت اور بڑی زیادتی قرار دیا تھا۔ چنانچہ جب یزید بن ولید برسر اقتدار آیا تو اس نے ان

---

[1] بیان فتوح البلدان میں اہل تفلیس ہے۔ ۱۹۱

لوگوں کو پھر قبرص واپس بھیج دیا۔ مسلمانوں نے اس کے اس عمل کو سراہا اور اسے عدل سے تعبیر کیا۔

یحییٰ بن حمزہ کا جواب | یحییٰ بن حمزہ نے اپنے جواب میں لکھا:

"قبرص کا مسئلہ عربسوس[1] کے مسئلہ سے ملتا جلتا ہے اور اس مسئلہ کے لیے وہ بہترین مثال اور لائق تقلید نمونہ ہو۔ اگر قبرص، عربسوس کی طرح مسلمانوں کے دشمنوں سے جا ملے تو بھی اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا اور وہاں کے حالات پر صبر کرنا ہی بہتر ہے، کیونکہ اس طرح مسلمانوں کو اس علاقہ کا جزیہ نیز وہاں سے اپنی ضروریات کی اشیا ملتی رہیں گی۔ اس علاقہ کو امان بخشنے اور بحال چھوڑنے کا سبب یہی ہے۔ مسلمانوں اور اسلام دشمن قوتوں کے درمیان جو مقام ان قبرص والوں کو حاصل ہے وہ جس معاہد قوم کو بھی حاصل ہوگا، خواہ زمانۂ قدیم ہو یا جدید اس سے احتیاط برتی جائے گی اور چوکنا رہا جائے گا۔ اور جتنے بھی ایسے معاہد لوگ ہیں جن کی مدافعت میں مسلمان جنگ نہیں کرتے اور جن میں مسلمانوں کے احکام جاری نہیں ہوتے انھیں اہل ذمہ (ذمی) نہیں کہا جائے گا بلکہ وہ اہل فدیہ کہلائیں گے، وہ جب تک ہم سے تعرض نہیں کریں گے ہم بھی ان سے رکے رہیں گے، اور جب تک وہ وفاداری کا دم بھرتے رہیں گے، ہم بھی ان سے وفا کرتے رہیں گے۔ اور جو کچھ بھی وہ بطیب خاطر ادا کرتے رہیں گے، ان سے قبول کیا جائے گا۔ اور جائز نہیں کہ ایسی (اہل ذمہ والی) حالت مسلمانوں کی ہو کہ وہ کچھ دے کر کفار سے معاملہ کریں۔ الا یہ کہ انھیں کفار سے کوئی بڑا خطرہ لاحق ہو، یا وہ کمزوری کے باعث ان سے لڑنے کی تاب نہ رکھتے ہوں یا انھیں کسی دوسرے محاذ پر ایسی مصروفیت ہو کہ وہ اس دشمن

---

[1] عربسوس کے بارے میں عمیر بن سعد نے حضرت عمرؓ کو بتایا تھا کہ ہمارے اور رومیوں کے درمیان عربسوس نامی علاقہ حائل ہے۔ یہاں کے باشندے ہمارے دشمنوں کو ہمارے راز سے باخبر کر دیتے ہیں لیکن ہمیں ہمارے دشمنوں کے راز نہیں بتلاتے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ان سے کہا تھا: "جب تم ان کے پاس جاؤ تو (ان پر جزیہ دگنا کر دو یعنی ان) سے ایک بکری کی جگہ دو بکریاں، ایک گائے کی جگہ دو گائیں، اور ہر ایک چیز کی جگہ دو دو لو۔ اور ساتھ ہی انھیں ایک معین زمانہ کی مہلت دو اس کے بعد اس بستی کو تاخت و تاراج کر دو۔ اگر وہ دگنا جزیہ دینے پر رضا مند نہ ہوں تو ان سے معاہدہ ختم کرنے کا اعلان کر دو اور اس کے بعد ان کی بستی کو تاخت و تاراج کر دو۔" چنانچہ عربسوس والوں نے دگنا جزیہ دینا منظور نہ کیا اور دشمنوں نے ایک سال کی مہلت دے کر اس بستی کو ویران کر دیا۔ (فتوح البلدان: ۱۶۱)

کی طرف متوجہ نہ ہوسکیں۔ حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کا کسی مقررہ رقم کے عوض دشمن سے صلح کرنا مکروہ قرار دیا۔ الا یہ کہ مسلمان ان سے صلح کرنے پر مجبور ہوجائیں۔ اس لیے کہ کسے معلوم کہ وہ اس صلح سے آسودہ و غالب ہوجائیں۔ اور ان کو کسی ذلت و محکومیت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔"

ابو اسحٰق اور مخلد بن حسین کا جواب | ابو اسحٰق اور مخلد بن حسین نے یہ لکھا تھا:

"ہماری نظروں میں مسئلہ قبرص اور اس کے فیصلہ سے سب سے زیادہ ملتا جلتا مسئلہ عربسوس کا مسئلہ اور اس کا حضرت عمرؓ بن الخطاب والا فیصلہ ہے، (بعد ازاں انھوں نے ہماری مذکورۂ بالا پوری روایت درج کی) اوزاعی بیان کرتے تھے کہ مسلمانوں نے قبرص فتح کیا، پھر وہاں کے باشندوں کو ان کی حالت پر چھوڑ دیا گیا۔ ان سے معاہدہ میں چودہ ہزار دینار ادا کرتے رہنے کی شرط طے ہوئی، جن میں سات ہزار مسلمانوں کو، اور سات ہزار رومی حکومت کو ادا کیا جائے گا۔ معاہدہ میں یہ شرط بھی تھی کہ وہ (اہل قبرص) مسلمانوں سے ان کے دشمنوں کا کوئی معاملہ پوشیدہ نہ رکھیں گے، نہ رومی حکومت سے مسلمانوں کا معاملہ چھپائیں گے"۔ اوزاعی یہ بھی کہا کرتے تھے: "اہل قبرص نے کبھی بھی ہم سے وفا نہیں کی، بایں ہمہ ہمارا خیال یہی ہے کہ ان لوگوں سے عہد (بیان کیا گیا ہے ان سے جو معاہدۂ صلح ہوا ہے اس میں بعض شرائط ان کے حق میں اور بعض شرائط ان کے مفاد کے خلاف ہیں۔ لیکن اس معاہدہ کو توڑ ڈالنا درست نہیں ہوگا۔ تا وقتیکہ ان کی طرف سے کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے ان کی غداری و عہد شکنی کا ثبوت مل جائے۔

ابو عبید: میرا خیال ہے کہ ان فقہاء کی اکثریت پابندئ عہد کی تاکید اور ان لوگوں سے جنگ کرنے کی ممانعت کر رہی ہے تا وقتیکہ مجموعی طور پر پوری قوم عہد شکنی کی مرتکب نہ ہوجائے، اور دونوں اقوال میں یہی قول زیادہ قابل اتباع ہے۔ نیز یہ اصول کہ خواص کے جرم پر عوام کی گرفت نہیں کی جائے گی۔ ہاں اگر یہ معلوم ہوجائے کہ خواص کے اقدام کو عوام کی تائید و خوشنودی حاصل ہے تو ایسی صورت میں عوام کا خون روا ہوجائے گا۔

(فکر و نظر، راولپنڈی)

کمپالا (مشرقی افریقہ) کا ایک خط

[ایک بڑے سعادتمند عزیز مولوی سراج الرحمٰن اندوری ندوی جامعہ اسلامیہ (مدینہ منورہ) کا چہار سالہ تکمیلی نصاب پورا کرنے کے بعد سعودی حکومت کی طرف سے یوگنڈا (مشرقی افریقہ) کے دار السلطنت کمپالا کے ایک مدرسہ میں استاذ حدیث کی حیثیت سے بھیجے گئے ہیں۔ ذیل میں ان کا خط درج کیا جا رہا ہے جو مختلف قسم کے معلومات پر مشتمل ہے ــــ یہ خط اب سے دو مہینے پہلے موصول ہوا تھا]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

...... ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ بعافیت ہوں۔

تقریباً پانچ سال محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب شہر میں گزارے اور نیت کی تھی کہ اب کبھی اس شہر سے جدا نہیں ہوں گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مصلحتوں کی بندوں کو کیا خبر۔ آخر ۱۹ر فروری کا وہ دن آ ہی گیا کہ ظہر کی نماز کے فوراً بعد صلوٰۃ وسلام عرض کر کے (اپنے خیال میں) تقریباً چھ ماہ کے لئے۔ روضہ اقدس، مسجد نبوی شریف، اور مدینہ منورہ سے جدا ہو گیا۔

......۲۴ر فروری بروز جمعہ۔ نماز سے قبل PIA کے بوئنگ سے جدہ سے روانہ ہو کے اور تین گھنٹے کے بعد نیروبی پہونچے۔ دو دن نیروبی میں قیام کیا اور ۲۶ر فروری بروز اتوار نیروبی سے روانہ ہو کر ۴۵ منٹ میں انٹبے ENTEBBE پہونچے۔

انٹبے ایر پورٹ پر شیخ عبدہ جبیرہ اور وزیر مال سید حماد موجود تھے۔ یہ شیخ عبدہ جبیرہ "الجمعیۃ الوطنیہ لتقدم المسلمین" کے نائب الرئیس العام ہیں اور سید حماد صاحب وزیر المال والاقتصاد ہیں

ہیں۔ ان لوگوں کو پہلے نیروبی سے بذریعہ ٹیلیفون ہمارے پہونچنے کی اطلاع دیدی گئی تھی ایرپورٹ سے ہم لوگ وزیر الصحۃ ڈاکٹر سید شعبان کے یہاں آئے۔ یہاں تقریباً دو گھنٹہ تک رہے۔ پھر کپالا آئے۔

یوگنڈہ دنیا کے ان پانچ ملکوں میں سے ایک ہے جو اپنی سرسبزی و شادابی میں مشہور ہیں موسم ہمیشہ معتدل رہتا ہے حقیقت یہ ہے کہ یہاں کے لوگ گرمی اور سردی کو جانتے ہی نہیں ....

...... بارش ہمیشہ ہوتی رہتی ہے کسی بھی کھیت یا باغ کو پانی دینے کی ضرورت نہیں۔ کیلے اور انناس کے باغات ہمیشہ ہرے بھرے رہتے ہیں۔ کوئی زمین خشک نظر نہیں آتی۔ پہاڑ بھی ہرے بھرے ہیں اور ایسے درخت کثرت سے ہیں جو بالکل سیدھے ہوتے ہیں پرندے بہت ہیں اس لئے کہ کوئی شکار کرنے والا نہیں۔ بندوق کا لائسنس شاذونادر کسی کو ملتا ہے۔ میں نے جب پرندوں کی اتنی کثرت دیکھی تو سوچا کہ ڈائنا بندوق خرید لوں جو چھرّے سے چلتی ہے اور کبوتر بطخ وغیرہ کا آسانی سے شکار ہو سکتا ہے۔ اس سے قبل سعودی عرب سے میں گھر لے گیا تھا اور خوب شکار کیا۔ میں نے بندوق کے لئے شیخ عبدالرزاق صاحب (مدیر مدرسہ ندوۃ العلماء کپالا) سے کہا انہوں نے کہا کہ چھرّے کی اس بندوق کے لئے بھی لائسنس کی ضرورت ہے اور وہ تم کسی طرح بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ آجتک ہم نے کسی کے پاس بندوق نہیں دیکھی۔ مدرسہ ندوۃ العلماء کپالا کا سب سے بڑا مدرسہ ہے جس میں تقریباً ۲۵۰ طالب علم تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ جس میں سے صرف ۱۱۰ تو بورڈنگ میں رہتے ہیں بورڈنگ میں رہنے والے طلبہ کے لئے کھانے اور ناشتہ کا انتظام مدرسہ کی طرف سے فری ہے بورڈنگ بھی فری ہے ....

.... روزانہ سات گھنٹے پڑھائی ہوتی ہے چار گھنٹے کے بعد انٹرول ہوتا ہے، انٹرول ۳۰ منٹ کا ہوتا ہے۔ انٹرول میں طلبہ و اساتذہ کو چائے اور ایک توس مکھن لگا ہوا ملتا ہے۔ طلبہ مطبخ کے پاس کے برآمدہ میں چلے جاتے ہیں اور اساتذہ مدرسہ ہی میں رہتے ہیں۔ انکے لئے وہیں چائے لائی جاتی ہے کبھی چائے کبھی کافی۔ اصلی دودھ کی ہوتی ہے۔ الحمدللہ گائیں بہت ہیں اسلئے دودھ مکھن اور گھی۔ خالص اور بہت سستے ملتے ہیں۔ گوشت اور سبزیاں بھی بہت سستی ہیں، پھل ہر قسم کے ہیں اور بہت سستے خصوصاً کیلا تو یہاں کی خاص غذا ہے کچا اور پکا ہر طرح کھایا جاتا ہے، کچے کیلے کا سالن گھر گھر میں عام ہے۔ پکا کیلا ایک شلنگ میں پانچ درجن چھ درجن با آسانی مل جاتا ہے۔ بڑا انناس ایک شلنگ میں اور بہت بڑا ۲ شلنگ اور روپیہ کی قیمت تقریباً برابر ہے بنک کے حساب سے ۵ شلنگ کے ۱۰۰ اروپیہ ہوتے ہیں۔

میں، محمد یوسف کاظم اور عبدالرحمن حکواتی سوڈی ہم تینوں ہی اسوقت مدرسہ ندوۃ العلماء میں مدرس ہیں۔ میرے ذمہ حدیث شریف، سیرت نبوی اور املاء وخط کے دروس ہیں عبدالرحمن حکواتی صاحب توحید و تفسیر پڑھاتے ہیں۔ محمد یوسف صاحب فقہ، اصول فقہ اور اصول حدیث کے مدرس ہیں، یہ درجات ثانوی و اعدادی کے دروس کے ہیں۔ یہ سب طلبہ عربی آسانی سے سمجھتے ہیں ہم انہیں عربی ہی میں درس دیتے ہیں، ابتدائی میں جو طلبہ ہیں وہ چونکہ عربی نہیں سمجھتے اس لئے انہیں یوگنڈ کے لوگ ہی پڑھا سکتے ہیں۔ شیخ عبدالرزاق صاحب اصل یوگنڈہ کمپالا کے ہی ہیں لیکن اعلیٰ تعلیم کراچی میں مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کے یہاں حاصل کی ہے ۵ سال تک پاکستان رہے پھر ہندوستان کے مدارس کا دورہ کیا خاص دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ۱۵ دن رہے یہ ۱۹۶۳ء کی بات ہے اسوقت آپ اور مولانا علی میاں صاحب حج کے لئے حجاز مقدس آئے ہوئے تھے یہ تین سال قبل کی بات ہے اسکے بعد جب شیخ عبدالرزاق کمپالا واپس آئے تو مدرسہ قائم کیا اور نام ندوۃ العلماء رکھا اللہ تعالیٰ برکت دے۔ بہت ہی کام کرنے والے مخلص اور نشیط ہیں انشاءاللہ خوب کام کرینگے جماعت تبلیغی اکثر یہاں کام کرتی ہے۔ شیخ عبدالرزاق ہی ترجمان ہوتے ہیں۔ ہم لوگ جب بھی تقریر کرتے ہیں تقریر عربی میں ہوتی ہے پھر شیخ عبدالرزاق یوگنڈاوی زبان میں ترجمہ کرتے ہیں۔ یہاں جتنے بھی دیندار لوگ ہیں سب جماعت تبلیغی ہی سے بنے ہیں، الحمدللہ جماعت کا ہفتہ واری اجتماع بھی جمعرات کے دن ہوتا ہے .... والسلام

تفسیر حقانی

اردو زبان میں اپنی نوعیت کی واحد تفسیر

قرآن پاک کی تفسیروں میں اپنی شان کی ایک ہی تفسیر جو علماء سے عوام تک سب کے لئے یکساں مفید ہے۔ علمی نکات کے علاوہ اسلام پر اعتراضات کے خاموش کر دینے والے جوابات، ہندو دھرم، عیسائی مذہب اور دیگر مذاہب کی پوری تشریح اور اسلام سے موازنہ، زبان انتہائی ستھری، طرز بیان عارفانہ اور اثر انگیز ۲۰×۳۰ کے سائز کے تقریباً تین ہزار صفحات پر مشتمل، مکمل سیٹ کی قیمت ساٹھ روپیہ ہے لیکن اشاعت تفسیر کے مقدس جذبہ کے تحت ہم نے تفسیر کو بارہ حصوں میں تقسیم کر دیا ہے اور ہر ماہ پانچ روپیہ کی وی پی ان حضرات کو بھیج کرتے ہیں جو اپنا مکمل پتہ ہمارے یہاں مکمل تفسیر کے لئے درج کرا دیں۔ امید ہے تفسیر قرآن کی وسیع اشاعت کے لئے آپ اپنا پتہ درج کرا کے ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں گے۔ (فہرست کتب مفت طلب کیجئے)۔

ناشر:- منیجر کتب خانہ نعیمیہ دیوبند (یوپی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ______ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

علماء کرام، شائقین عظام، مدرسین محترم وطلبائے علوم عربیہ اسلامیہ کو مژدۂ عظیم

ہمارے مکتبہ کی دوسری جلیل القدر علمی پیشکش

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح

تالیف: رأس المفسرین امام المحدثین علامۃ علی سلطان محمد القاری رحمہ اللہ الباری

وبہامشہ

مشکوٰۃ المصابیح المذکور

للعلامہ الخطیب التبریزی رحمہ اللہ الباری

پوری کتاب ۵ جلدوں میں کامل ہوگی ❊ پانچوں جلدیں علیحدہ علیحدہ مجلد ہوں گی

قبل طباعت کامل کتاب کا ہدیہ مبلغ ۱۲۵ روپے مقرر کیا گیا ہو(مکمل ہو جانے پر ۱۷۵ روپے)

شائقین کی سہولت خریداری کی خاطر ایک ایک جلد الگ الگ بذریعہ وی. پی روانہ کی جائے گی۔ مبلغ دس روپے ۱۰ پیشگی بذریعہ منی آرڈر روانہ کرکے اپنا اسم گرامی اور پتہ خریداروں کے دفتر میں درج کرالیں۔ یہ دس روپے آخری جلد (پانچویں جلد) میں وضع کر دیے جائیں گے۔ یعنی آخری جلد بجائے ۲۵ روپے کے ۱۵ روپے پر روانہ ہوگی۔ اس طرح پوری کتاب مبلغ ۱۲۵ روپے میں خریداروں کو مل جائے گی (علاوہ محصولڈاک وغیرہ) ہر جلد مجلد روانہ کی جائے گی۔

______ آج ہی ایک کارڈ لکھ کر ______

نمونے کے ۸ صفحات طلب فرماکر کتاب کی حسن طباعت اور کاغذ کا صحیح اندازہ اور مفصل معلومات حاصل کریں۔

معیاری طباعت، اعلیٰ درجہ کے کاغذ اور حسین وجمیل جلدوں کے لیے ہماری شائع کردہ مطبوعات حرف آخر کا درجہ رکھتی ہیں۔

یہ جلیل القدر علمی پیشکش عنقریب جلوہ گر ہو رہی ہے!!

خط وکتابت وترسیل منی آرڈر کا پتہ

ابناء مولوی محمد بن غلام رسول السورتی، تجار الکتب ۱۳۲-۱۳۴

جاملی محلۃ، بمبئی نمبر ۳

MOLVI MOHAMMED BIN GULAM RASUL SURTI & SONS BOOK SELLERS & PUBLISHERS

132-134, JAMLI MOHALLA, BOMBAY, 3.

Regd. No. L-353
Monthly 'ALFURQAN' Lucknow
. 35 No. 2
JUNE 1

پکوان کے
عمدہ تیلوں میں
آپ کی خاص پسند۔

پوسٹ مین برانڈ
صاف کیا ہوا مونگ پھلی کا تیل
۱، ۲، ۴ اور ۵ر۱۵ کیلو

عمدہ وناسپتی
۱، ۲، ۴ اور ۵ر۱۶ کیلو

سٹلولا، سیتل کا تیل
۲، ۴ اور ۵ر۱۵ کیلو

اُو علانڈ خالص ناریل کا تیل
۲، ۴ اور ۱۶ کیلو

کوکوجار
صاف کیا ہوا ناریل کا تیل
۲، ۴ اور ۵ر۱۵ کیلو

امی سلاڈ تیل
۲، ۴ اور ۵ر۱۵ کیلو

احمد میلز بمبئی ۸

AHM. 2079 URD

Only cover printed at PRINTERS & PRINTERS Lucknow-3

CENTRAL ... NEW ...

الفرقان لکھنؤ

سنہ آغاز
۱۹۳۳
۶

35(3)

مسئول
محمد منظور نعمانی

مرتب
عتیق الرحمٰن سنبھلی

قیمت فی پرچہ 65/

حیاۃ الصحابہ رض عکسی اردو
چہارم پنجم ششم ہفتم
تالیف: حضرت مولانا محمد یوسف صاحب دامت برکاتہم
ترجمہ
حضرت مولانا محمد عثمان خاں صاحب فیض آبادی مدظلہ
شاگردِ رشید شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رح قدس سرہ
مؤلف مدظلہ کی شہرہ آفاق کتاب حَیَاۃُ الصَّحَابَہ رض عربی جو ہند، و پاک کے علاوہ
ممالکِ اسلامیہ میں بھی قبولیتِ عامہ حاصل کر چکی ہے۔ اس کی جلدِ اول کے ترجمہ کے تینوں حصوں
کی اشاعت کا عالم یہ ہے کہ ایک ہی سال کے اندر دوسرا ایڈیشن بھی ہاتھوں ہاتھ نکل
رہا ہے اب عربی کی جلد دوم کے اردو ترجمہ کو چار برابر حصوں میں شائع کیا جا رہا ہے
اردو ترجمہ کی خصوصیت
اس میں بھی مترجم موصوف نے اصل عربی الفاظ کو ترجمہ میں اس طرح سمویا ہے
کہ مطلب واضح بھی ہو جائے اور ترجمہ بامحاورہ سلیس اور دلکش بھی بن جائے اور حضرات علمائے
اہلِ حق کی نظر میں ترجمہ کی خوبی و پسندیدگی نے تو کتاب کا معیار کافی بلند کر دیا ہے۔
کتاب خریدتے وقت
فاضل مترجم حضرت مولانا محمد عثمان خاں صاحب کا اسمِ گرامی ضرور دیکھ لیں کیونکہ
کتاب کے پہلے تینوں حصوں کا ترجمہ بھی موصوف ہی کا ہے۔
کاغذ سفید، کتابت واضح، طباعت عکسی، ٹائٹل حسین و رنگین، ہر حصہ میں تقریباً دو سو دس صفحات
حصہ اول، دوم، سوم
یکجا مجلد ریگزین ۱۰/-
حصہ چہارم، پنجم، ششم، ہفتم
یکجا مجلد ریگزین

جلد ۳۵	بابت ماہ جولائی ۱۹۶۷ء مطابق ربیع الاول ۱۳۸۷ھ	شمارہ ۳

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے، تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے، براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں، یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۲۰ جولائی تک آ جائے ورنہ اگلا شمارہ بصیغہ وی پی ارسال ہوگا۔

پاکستان کے خریدار: اپنا چندہ ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور ڈاک خانہ کی پہلی رسید کے ساتھ ہمیں براہ راست اطلاع دے دیں۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کے کوپن پر اپنا نمبر خریداری ضرور لکھ دیا کیجیے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر ۲۰ تاریخ تک کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع کریں۔ ان کی اطلاع ۲۰ تاریخ تک آ جانی چاہیے۔ اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر، ایڈیٹر و پروپرائٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

از ——— عتیق الرحمٰن سنبھلی

کثرت پر قلت کا غالب آجانا کوئی ایسی بات نہیں جس سے دُنیا آشنا نہ ہو، تاریخ اس کی مثالوں سے بھری ہوئی ہے، اور ہر دور کے انسان نے اس کا تجربہ کیا ہے۔ لیکن پھر بھی تیرہ عرب ریاستوں پر اسرائیل کی ایک ذرا سی ریاست نے جو تین طرف سے کئی عرب ریاستوں سے گھری ہوئی بھی ہے، جس طرح چشم زدن میں غلبہ حاصل کیا ہے اور چار دن کے اندر اندر انھیں جس بے بسی کے عالم میں سر جھکانے پر مجبور کر دیا ہے اس پر دُنیا کا کوئی متنفس نہیں جو حیران نہ ہو اور عالمِ اسباب میں اس مغلوبیت کی کوئی ایسی معقول وجہ اس کی سمجھ میں آرہی ہو جو اسے حیرت و استعجاب کی اس گرفت سے آزاد کر سکے!

عربوں کی بے بسی کی آخری حد یہ ہے کہ اسرائیل نے جن علاقوں پر قبضہ کر لیا ہے وہاں کے عرب باشندوں اور ہتھیار ڈال دینے والی عرب فوجوں کو ایسے دردناک مظالم کا نشانہ بنایا جارہا ہے جس پر غیروں کو بھی رحم آتا ہے، مگر عربوں کے پاس اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ اقوامِ متحدہ کے سکریٹری جنرل کو فریادی تار اور مراسلے بھیج دیں اور پھر تقدیر پر صبر کریں۔

مصریوں کو اس حیرت ناک شکست کے عالم میں جنگ بندی کا فیصلہ کرنے کے بعد عربی محاذ کے قائد صدر ناصر نے اس فیصلہ کے جو اسباب قوم کے نام ایک نشریہ میں بتائے ہیں اُن میں ٹھوس اور بنیادی سبب صرف ایک ملتا ہے کہ اسرائیل نے حملے میں پہل کر کے مصر کی ہوائی طاقت کو جس طرح تباہ کر دیا (جس پر تمام عرب ریاستوں کا انحصار تھا) اس کے بعد لڑائی کو جاری رکھنے کی کوئی صورت نہیں تھی! ــــ لیکن مصری ہوائیہ

کی چشم زدن میں یہ عدیم المثال تباہی کیسے دو ترح میں آگئی اور اسرائیل کے لیے یہ مہم کیونکر اتنی آسان ہو گئی جیسے کوئی کھیل ہو؟ اس کا بھی ایک ہی ٹھوس جواب اس نشریہ میں ملتا ہے کہ اسرائیل کے ہوائی حملے مصر کی مغربی سمت سے ہوئے جبکہ اندازہ یہ تھا کہ شمال یا مشرق سے ہوں گے، یعنی مغربی سمت میں تحفظ کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا تھا

لیکن اس توجیہ پر بھی وہ آدمی حیرت میں پڑے بغیر کیسے رہ سکتا ہے جسے یہ یاد ہو کہ یہ جنگ بظاہر مصر کے جس اقدام پر چھڑی ہے یعنی خلیج عقبہ کی ناکہ بندی اس پر اسرائیل سے زیادہ برافروختگی کا اظہار کرنے والے اور طاقت کے استعمال کی دھمکی دینے والے امریکہ اور برطانیہ تھے۔ اور صدر ناصر نے بھی اس مسئلہ پر جنگ تک کے لیے آمادگی کا اظہار اسرائیل کو مخاطب کر کے نہیں کیا تھا بلکہ امریکہ اور برطانیہ ہی کا نام لے کر کہا تھا کہ وہ اگر ہمارے حقوق کا احترام کرنا نہیں جانتے تو ہم انھیں یہ احترام سکھا دیں گے۔ جس شخص کو جنگ سے ذرا ہی پہلے کی یہ باتیں یاد ہوں وہ کیونکر مصر کے حفاظتی انتظامات کے اس نقص پر حیرت کا اظہار کیے بغیر رہ سکتا ہے کہ مغربی سمت کو کھلا چھوڑ دیا گیا، جبکہ اس سمت سے اسرائیل کا حملہ بعید ہو تو ہو امریکہ اور برطانیہ کا حملہ ہرگز بعید نہیں ہو سکتا تھا!

پھر اس سے بھی زیادہ ناقابلِ فہم اور حیرت انگیز بات وہ ہے جس کا انکشاف اخباری نامہ نگاروں نے کیا ہے اور اسی سے دراصل یہ عقدہ حل ہوتا ہے کہ اسرائیلی ہوائیہ کو ایک ہی دن کے حملوں میں یہ عدیم المثال کامیابی کیسے حاصل ہو گئی کہ ۲۰-۲۵ ہوائی اڈوں پر منقسم مصر کا اچھا خاصا طاقتور ہوائی بیڑہ مٹی کے کھلونوں کی طرح ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ اس انکشاف میں کہا گیا ہے کہ اسرائیل کا ہوائی حملہ ایسی حالت میں ہوا کہ مصر کے ہوائی جہاز .... بجائے اس کے کہ سرحد پہ ڈٹے ہوئے جنگ کے خطرے کے مطابق ایک اشارہ پر حرکت میں آ جانے کی پوزیشن میں کھڑے ہوتے اس طرح کھڑے ہوئے تھے جیسے حالتِ امن میں پبلک کے لیے آلاتِ حرب کی نمائش سجائی گئی ہو ۔۔۔ کیا کوئی اس لاپروائی کا تصور بھی کسی فوجی قیادت سے کر سکتا ہے؟

بہر حال جو کچھ ہوا وہ خود حیرت انگیز اور جو اسباب سے ہوا وہ اس سے بڑھ کر حیرت انگیز چنانچہ اجمالی توجیہ پر انحصار کیجیے تو ایک عقدے کے دس عقدے بنتے ہیں اور ایک گرہ کھولیے تو دس گرہیں پڑ جاتی

ہیں۔ ہاں جو لوگ عالم اسباب و عادات سے بالاتر کسی ایسی مخفی قوت کے قائل ہیں جو کسی وقت خارق عادت واقعات و اسباب کو بھی وجود میں لے آتی ہے اور جس کے فیصلے سے جب اسباب ظاہرہ و سامان کی کمی کو پورا کرنے والے انتظامات غیب سے ظہور میں آ جاتے ہیں، وہاں سارے ساز و سامان ایک ذرا دیر کے لیے کبھی عقل کا امداد کبھی ہمت کا فیضان روک لینے سے بس عبرت و حسرت کا سامان بن کر رہ جاتے ہیں، ان کے لیے اس میں کوئی عقدہ نہیں، یفعل اللہ ما یشاءُ و یحکم ما یرید کا ایک کرشمہ ہے۔

کیا عربوں کے ساتھ یہی ہوا؟ بات بڑی سخت ہے کہ جن عربوں کے آبا و اجداد کے ڈنکے اور جن کے پیچھے تائید غیبی کے لشکر چلنے پر ہمارا ایمان ہے اور جنھیں ہم اسی تعلق سے آج تک محترم مانتے ہیں اور اسی تعلق کی بنا پر ان کی ہزیمت و ذلت کو ہم نے بالکل اسی طرح اپنی ہزیمت و ذلت محسوس کیا ہے جیسے ہم خود ہی میدان جنگ میں تھے۔ اُن کے متعلق ہم یہ بات تصور میں لائیں کہ انھیں اسرائیل کے مقابلے میں ایسی ذلت سے دوچار کرنے والا ہاتھ خود خدا کا ہاتھ تھا۔ کیونکہ اس تصور کے ساتھ لانا یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یہ عرب خدا کے اس سخت ترین فیصلے کے مستحق بھی ہو گئے تھے، اس لیے کہ خدا عادل و رحیم ہے اور اپنی اسی شان کے مطابق اس کا بہت صریح اعلان ہے کہ

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ۔

خدا کسی بھی قوم کے اچھے حال کو برے حال سے اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود کسی تبدیلی سے اپنے آپ کو اس کا مستحق نہ بنا لے[1]

اور ظاہر بات ہے کہ اپنی ملت کے جس حصہ سے بھی ایک خاص جذباتی لگاؤ ہو اور جسے دُنیا بھی ملت اسلامی کا

---

[1] اس آیت کو عام طور پر اس مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے کہ خدا کسی قوم کے برے حال کو اچھے حال سے اس وقت تک نہیں بدلتا ...... الخ یہ بات اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے۔ لیکن آیت کا اصل مطلب یہ نہیں ہے، اسی بنا پر لفظی ترجمہ کے بجائے اصل مطلب کو ظاہر کرنے والا ترجمہ کیا گیا ہے۔ آیت جس سیاق میں وارد ہوئی ہے اس میں اس کا مطلب وہی ہے جو ترجمہ میں لکھا گیا ہے۔ اور اس مطلب میں صاف و صریح دوسری آیت یہ ہے۔ "ذالک بان اللہ لم یک مغیراً نعمۃً انعمہا علی قوم حتّٰی یغیروا ما بانفسہم"۔

صدر نشین سمجھتی ہو اس کی کسی ذلت و نکبت کی یہ توجیہ کہ وہ خدا کے غضب کی مستحق ہو گئی تھی، بڑا ہی تلخ گھونٹ ہے، لیکن جذبات سے حقائق نہیں بدل سکتے، یہی بنی اسرائیل جن کے ہاتھوں عربوں پر ذلت کا عذاب نازل ہوا ہے، اُن کی تاریخ جو خود قرآن بیان کرتا ہے وہ اس بات کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ خدا کی کسی نسل و قوم سے رشتہ داری نہیں وہ اپنے قانونِ استحقاق کی بنیاد پر جن قوموں اور نسلوں کو سیکڑوں اور ہزاروں برس دُنیا کی پیشوائی اور اپنی محبوبیت کے مقام پر رکھتا ہے اُنھیں کو اس استحقاق کا حق بھول جانے پر اس حد تک غضب کا نشانہ بھی بنا دیتا ہے کہ اس کی وسیع و عریض زمین پر عافیت سے رہنے کی جگہ بھی نہ پا سکیں۔ قرآن نے بنی اسرائیل کی تاریخ کا یہ اُلٹ پھیر خاص طور سے مسلمانوں ہی کو سُنایا بھی ہے اور اسی لیے سُنایا ہے کہ ان کے کان کھُلے رہیں اور آخری اُمت ہونے کا مطلب یہ نہ سمجھ لیں کہ یہ کسی نسل کے نام عمر پٹہ ہے، خود عربوں کو مخاطب کر کے کہا ہے کہ

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ	اگر تم روگردانی کروگے تو وہ تمھاری جگہ کسی دوسری قوم کو لے آئے گا۔

بہرحال ہمارا لگاؤ اور ہماری رشتہ داری اپنی جگہ پر ہے، مگر خدا کی ذات ان علائق سے بے نیاز ہے اور اس کے بے نیاز قانون کی روشنی میں دل پر جبر کر کے اس پر ہمیں سوچنا بہرحال چاہیے کہ خدانخواستہ عرب اس عام بے عملی اور بدعملی سے گزر کر جس میں ساری ہی اُمت کم و بیش گرفتار ہے، کسی ایسی جگہ تو نہیں پہونچ گئے ہیں جہاں خدا کے کرم اور مہلت و چشم پوشی کی حدیں ختم ہو جاتی ہیں۔

یہ بات کوئی راز نہیں ہے کہ خدا کے کچھ بندے دینی نقطۂ نظر سے عربوں میں ایک ایسے اطلاعت کی لہر کے خلاف برسوں سے آگاہی دے رہے ہیں جس کے نتیجے میں انھیں گویا نظر آرہا ہو کہ یہ لہر اگر نہیں رُکی تو خدا کے غضب کی لہر کو روکنے والا پھر کوئی نہیں ہے۔ مگر اس لہر کا ایک رُخ ایسا ہے جو کیا عرب اور کیا عجم ہر جگہ کے اچھے اچھے اہلِ دین کے لیے ایک حجاب بن گیا ہے اور اس آگاہی پر کہیں ویسی توجہ نہیں ہو پائی جو اس کا حق تھا ۔ یہ آگاہی اس "عرب قومیت" کے نعرے کے خلاف تھی جس کا مقصد یہ بتایا جاتا ہے کہ پورا عرب امریکا اور برطانیہ کی سامراجیت کے خلاف متحد ہو جائے۔ اس سامراجیت کے ہاتھوں چونکہ عالمِ اسلام نے بڑے زخم کھائے ہیں اور اہلِ دین کا ایک طبقہ ہمیشہ اور ہر جگہ ان ظالم طاقتوں

کے خلاف سینہ سپر رہا ہے، اس لیے قدرتی طور پر اس نعرہ سے ان کو ہمدردی ہوتی ہے اور اسکی مخالفت انھیں ایک جرم نظر آتی ہے۔ اس لیے کوئی ایسی بات قابلِ توجہ ہی نہیں ہوتی جو اس کی مخالفت کا تقاضہ کرے۔ لیکن اس نعرے کا دوسرا رُخ واقعۃً ایسا ہی ہے کہ خیر و شر کی دینی قدروں کو اپنی جذباتی قدروں سے بالاتر رکھنے والا انسان اگر اس کو پوری طرح دیکھ لے تو اس کے ہوش اُڑنے لگیں اور عربوں کا مستقبل اسے ایک ایسے آتش فشاں پر رکھا ہوا نظر آنے لگے کہ پتہ نہیں وہ کس لمحہ پھٹے اور یہ عظیم قوم ایک سامانِ عبرت بن کر رہ جائے۔

ایک عجیب اتفاق ہمارے دور کے ایک جلیل القدر عالم دین حضرت مولانا محمد یوسف بنوری (حال متوطن کراچی) اُن بزرگوں میں ہیں جو "عرب قومیت" کے نعرے کی مخالفت پسند نہیں فرماتے تھے جس کا اظہار ان کی سرپرستی میں نکلنے والے ماہنامہ (البیّنات) سے ہوتا رہتا تھا بلکہ اس سے بھی آگے وہ مثبت طور پر ان لوگوں کی تائید و تقویت کا ذریعہ بننا اپنے لیے پسند فرماتے تھے جو اس تحریک کے علمبردار ہیں۔ چنانچہ پاکستان کے اُن علماء کے ساتھ جو اپنی سامراج دشمنی کے تحت عرب قومیت کے پر جوش حامی ہیں وہ اس تحریک کے مرکز قاہرہ میں حکومت مصر کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والی اُن کانفرنسوں میں بھی چند سال سے شرکت فرماتے آ رہے ہیں جن سے عالم اسلام کو یہ تاثر ملتا ہے کہ عرب قومیت کے علمبردار اسلام سے بھی پوری وابستگی رکھتے ہیں۔ لیکن امسال جب مولانا نے قاہرہ سے واپس آ کر اپنے ماہنامے میں اس کانفرنس کا تذکرہ کیا تو ضمناً عرب قومیت کی تحریک کے متعلق دینی نقطۂ نظر سے ایک گہری تشویش کا اظہار بھی فرمایا۔ اس کے فوراً ہی بعد مولانا کا سفرِ حج ہوا اور وہاں سے فراغت کے بعد علمی اور دینی مقاصد سے بعض دوسرے عرب ممالک کا بھی ایک مختصر دورہ فرمایا۔ اپنے اس تازہ سفر کی مختصر سی روداد مولانا نے البیّنات میں اس وقت قلمبند فرمائی ہے جب مشرقِ وسطیٰ پر جنگ کے بادل گھر رہے تھے اور قبل اس کے کہ یہ شمارہ ہم تک پہونچے یہ ڈرامائی جنگ اپنے المناک انجام پر ختم ہو چکی تھی۔

اس سفر میں مولانا نے "عرب قومیت" کی تحریک کا وہ رُخ بہت ہی عریاں رنگ میں دیکھا جسے محسوس کر کے وہ ابھی چند ماہ قبل فکر و تشویش کا اظہار فرما چکے تھے، اور پھر اس پس منظر میں کہ عرب اسرائیل جنگ کے خطرات رونما ہونے لگے تھے، ان کی ایمانی فراست نے گویا اس عرب قومیت کی تحریک کے

بدترین نتائج کا عکس اُن کے تصورات پر ڈال دیا، مولانا لکھتے ہیں کہ

"...... ان عرب ممالک کو دیکھ کر میرے اس سابقہ یقین میں مزید اضافہ اور استحکام پیدا ہوا کہ عرب قوم دو شدید قسم کے امراض میں مبتلا ہے جو بقیہ تمام بیماریوں کے لیے اُم الامراض کا درجہ رکھتے ہیں، یعنی (۱) عرب قومیت پرستی (۲) مغربی تہذیب و تمدن کا تسلط۔ یہ ضرور ہے کہ مصر کی جدید حکومت اس کی نمایاں طور پر علمبردار ہے لیکن یہ مرض اب سارے عرب کا مشترک روگ ہے جو اس کے جسم میں خون کی طرح سرایت کر گیا ہے۔

"قومیت" عربی ہو یا عجمی، مشرقی ہو یا مغربی، دین اسلام کی نظر میں وہ بہرحال ایک لعنت ہے، وہ ایک "بُت" ہے جس کی پرستش کو اسلام "شعارِ جاہلیت" قرار دیتا ہے۔ قومیت اور اُس کی بنیاد پر اُبھرنے والے تمام فلسفوں اور نظریوں کو کچل ڈالنے کی دعوت دیتا ہے۔ لیکن یا للأسف! آج قوم عرب جو اسلام کی دعوت الی اللہ کی اولین حامل تھی، اس لعنت کا بری طرح شکار ہے، قومیت کے طاغوت نے عرب ممالک میں "اسلامی اُخوت" کو پارہ پارہ کر ڈالا ہے۔ آپ کو یہ سن کر دکھ ہوگا کہ اسرائیل اور عربوں کی جو خلفشار ان دنوں جاری ہے اس سلسلے میں عرب راہنماؤں کے جو بیانات، خطبات اور لیکچر ریڈیو پر نشر کیے جاتے ہیں اُن میں خدا اور رسول اور دینِ اسلام کا نام تک نہیں آنے پاتا، عرب قومیت عرب وطنیت، عرب افواج اور ملکی وسائل و ثمرات ہی کا وظیفہ بار بار پڑھا جاتا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ایک خطبے کا افتتاحی جملہ بسم اللہ کے بجائے "باسم القومیة العربیة" اور "باسم الکرامة العربیة" تھا۔ انا للہ۔ جب معاملہ یہاں تک پہونچ جائے تو خیر و اصلاح کی توقع بہت ہی کم باقی رہ جاتی ہے۔"

"..... آج قومیت، وطنیت، رنگ و نسل کی ان لعنتوں نے عربوں کو اتنا کمزور کر ڈالا ہے کہ ۱۲ کروڑ عرب ممالک اسرائیل سے جو ان کے قلب کا ناسور اور عرب ممالک کے عین وسط میں واقع ہے، ہراساں، اس کے علاج سے عاجز اور ارض مقدس کی تطہیر سے درماندہ ہیں، اور اسرائیل کا حوصلہ کتنا بڑھ گیا ہے؟ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ عرب سربراہوں کی تقریریں سننے کے بعد اسرائیلی ریڈیو نے کہا۔

"تم لکچر دیتے رہو اور افسانے اڑاتے رہو، جب وقت آئے گا تو تمہیں معلوم ہوگا کہ اسرائیل کون ہے، یہ عمل کا وقت ہے قول کا نہیں۔ نرے دعووں سے کچھ نہیں ہوتا۔"

(البیّنات۔ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا واقعات و تأثرات نہیں قلمبند فرما رہے تھے عربوں کی تقدیر لکھ رہے تھے۔ اور یہی فراست مومن ہے، جس پر عالم بالا کے فیصلے منکشف ہو جاتے ہیں!

ذرا سوچنا چاہئے کہ جب "عرب قومیت" کو یہ درجہ حاصل ہو جائے کہ وہ اللہ کے نام کی جگہ لینے لگے۔ اور جس عزت و کرامت کو خدا نے شعوب و قبائل کی نسبتوں کے بجائے "تقوے" کی صفت میں منحصر کیا تھا وہ "عربیت" میں پیوست مانی جانے لگے تو اس کا انجام اس کے سوا کیا ہوگا جس سے حضرت عمر فاروقؓ نے اس سے بہت ہلکے درجے کے تصورات پر عربوں کو ڈرایا تھا اور اتفاق ہے کہ عمر فاروقؓ کی یہ آگاہی اسی بیت المقدس کی فتح کے موقع پر آپ کی زبان مبارک پر آئی تھی جسے آج عرب مٹھی بھر اسرائیلیوں کے ہاتھوں ہار بیٹھے ہیں۔ اسلامی لشکر ابو عبیدہؓ کی کمان میں بیت المقدس کا محاصرہ کیے ہوئے تھا۔ عیسائیوں نے صلح کی درخواست کی اور یہ شرط رکھی کہ خلیفۃ المسلمین عمر فاروق خود اس معاہدۂ صلح کے لیے مدینہ سے تشریف لادیں۔ چنانچہ آپ نے مشاورت کے بعد یہ سفر طے کیا۔ اور علامہ شبلی کے الفاظ میں

"جب بیت المقدس قریب آیا تو حضرت ابو عبیدہ اور سرداران فوج استقبال کو آئے حضرت عمر کا لباس اور سروسامان جس معمولی حیثیت کا تھا اس کو دیکھ کر مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اپنے دل میں کیا کہیں گے۔ چنانچہ لوگوں نے ترکی گھوڑا اور عمدہ قیمتی پوشاک حاضر کی۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لیے یہی بس ہے۔"

(الفاروق۔ فتح بیت المقدس)

ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد ذرا زیادہ تفصیل اور صریح آگاہی

نکل میں نقل کیا ہے اور اس کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے:-

"تم لوگ دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل، سب سے زیادہ حقیر اور سب سے کم تھے۔ اللہ نے تم کو اسلام کے ذریعہ عزت دی، اب اگر تم اسلام کے علاوہ کسی اور چیز سے عزت حاصل کرنا چاہوگے (تو بتائے دیتا ہوں کہ) اللہ تمھیں ذلیل کر دے گا۔"

(البدایہ والنہایہ ج ۷، ص ۶۰)

کتنی معمولی سی بات ہے جس پر عمر فاروقؓ یہ آگاہی دے رہے ہیں اور کس کو؟ اصحاب نبی کو، جن کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ اسلام کی دولت کے علاوہ کسی اور چیز میں واقعی عزت ہے! — اور معلوم ہو کہ حضرت عمر کی زبان وہ تھی جس پر اللہ کے رسول کی شہادت ہے اور اصحاب نبی کا اجماع ہے کہ، حق بولتا ہے! امام احمد اور ترمذی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کیا ہے کہ

إِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِهٖ　　اللہ نے عمر کی زبان اور قلب میں حق رکھ دیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفا میں نقل کیا ہے۔

کنا نقول ونحن متوافرون انّ السکینۃ ینطق علی لسان عمر۔　　ہم سب (سابقین اولین) اپنے درمیان عمر کے اس امتیاز پر متفق تھے کہ ان کی زبان پر "سکینہ" بولتا ہے۔

پس اگر آج یہ باتیں ہمارے لیے بے معنی نہیں ہو گئی ہیں اور زیر نظر سوال میں عمر فاروقؓ کی یہ آگاہی قابل غور ہو سکتی ہے تو بات سوچنے کی ہے کہ یہ جو کچھ اپنا نقطۂ نظر سے ہمیں ایک معمہ نظر آرہا ہو، کہیں یہ عربوں کی تقدیر کا وہ ورق تو نہیں ہے جو عمر فاروقؓ کی زبان ان پر کھول گئی تھی۔ اور اتفاق سے اس وقت کھول گئی تھی جب حضرت عمرؓ کے (تحت) بیت المقدس پر عرب کا اسلامی پرچم لہرانے جا رہے تھے۔ یہ اتفاق نہیں اسے خبر غیبی کہیے، کیونکہ عربوں کی عزت آج تیرہ سو برس بعد اسی فلسطین کے محاذ پر ذلت کے آخری درجے دوچار ہوئی ہے جہاں انھیں یہ آگاہی دی گئی تھی!۔

ا "سکینۃ" فرشتوں کا وہ گروہ جو فیضان حق کا ذریعہ ہے۔

کِتَابُ الاَذْکَارِ وَالدَّعْوَاتِ

مَعَارِفُ الحَدِیث

(مُسَلسَل)

نیا لباس پہننے کے وقت کی دُعا:-

لباس بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اور کھانے پینے ہی کی طرح انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو نیا کپڑا نصیب فرمائے اور وہ اس کو زیبِ تن کرے تو اللہ تعالیٰ کے احسان کے استحضار کے ساتھ اس کی حمد اور اس کا شکر ادا کرے۔ اور جو پہنا ہوا کپڑا اس نے پُرانا کرکے اُتارا ہے اُس کو صدقہ کردے، آپ نے بشارت دی کہ ایسا کرنے والے بندے کو زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور پردہ داری نصیب رہے گی۔

عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ لَبِسَ ثَوْباً جَدِیْداً فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ مَا اُوَارِیْ بِہٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِہٖ فِیْ حَیَاتِیْ ثُمَّ عَمَدَ اِلَی الثَّوْبِ الَّذِیْ اَخْلَقَ فَتَصَدَّقَ بِہٖ کَانَ فِیْ کَنَفِ اللّٰہِ وَفِیْ حِفْظِ اللّٰہِ وَفِیْ سِتْرِ اللّٰہِ حَیّاً وَّمَیِّتاً۔

——— رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ نیا کپڑا پہنے اور کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ مَا اُوَارِیْ بِہٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِہٖ فِیْ حَیَاتِیْ (حمد و شکر اُس اللہ کے لیے جس نے مجھے وہ لباس عطا فرمایا جس سے میں اپنی

پردہ داری گناہوں اور زندگی میں وہ میرے لیے سامانِ زینت بنتا ہے) پھر وہ بندہ اپنا وہ لباس جو اُس نے پرانا کر کے اتار دیا ہے صدقہ کر دے، تو وہ زندگی میں اور مرنے کے بعد اللہ کی حفاظت و نگہبانی میں رہے گا اور اللہ تعالیٰ اس کی پردہ داری فرمائے گا۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

آئینہ دیکھنے کے وقت کی دُعا:۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نَظَرَ فِي الْمِرْاٰةِ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ سَوّٰى خَلْقِيْ وَ اَحْسَنَ صُوْرَتِيْ وَ زَانَ مِنِّيْ مَا شَانَ مِنْ غَيْرِيْ ——— رواہ البزار

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ آئینہ دیکھتے تو کہتے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ ...... تا ..... مِنْ غَيْرِيْ" (حمد و شکر اس اللہ کے لیے جس نے میرے جسم کو برابر موزوں بنایا اور مجھے اچھی شکل و صورت عطا فرمائی، اور مجھے اس خوشنمائی سے نوازا جس سے دوسرے بہت سے بندوں کو نہیں نوازا گیا)

——— (مسند بزار)

تشریح) دوسری اکثر دُعاؤں کی طرح اس دُعا کی رُوح بھی یہی ہے کہ بندہ اپنے اندر جو حُسن و خوبی اور جو جمال و کمال محسوس کرے وہ اس کو اللہ کی دین یقین کرتے ہوئے اس کی حمد اور اس کا شکر کرے، اس طرزِ عمل سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی محبت اور جذبۂ عبودیت میں برابر ترقی ہوتی رہے گی اور وہ خود پسندی اور کبرِ نفس جیسے مہلک امراض سے محفوظ رہے گا۔

نکاح اور شادی سے متعلق دُعائیں:۔

نکاح اور شادی بھی انسانی زندگی کے لوازم میں سے ہے اور بظاہر اس کا تعلق انسان کے صرف ایک بہیمی اور نفسانی تقاضے سے ہے اور اس وقت خدا فراموشی کا بڑا امکان ہے، لیکن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو ہدایت فرمائی کہ اس موقع پر بھی تمہاری نگاہ خدا پر رہے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اس سلسلے کا خیر و شر بھی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، اس سے دعا کیا کرو، اس طرح آپ نے زندگی کے اس شعبہ کو بھی خدا پرستی کے رنگ میں رنگ دیا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا تَزَوَّجَ أَحَدُكُمْ امْرَأَةً أَوِ اشْتَرَى خَادِمًا فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ ———— رواہ ابوداؤد وابن ماجة

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو اپنے نکاح میں لائے اور بیوی بنائے یا خدمت کے لیے غلام یا باندی خریدے تو یہ دُعا کرے۔ "اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ ... تا ...... وَشَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ" (اے اللہ اس میں اور اس کی فطرت میں جو خیر اور بھلائی ہو میں تجھ سے اس کی استدعا کرتا ہوں، اور اس میں اور اس کی فطرت میں جو شر اور برائی ہو اس سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔) (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا رَفَّأَ الْإِنْسَانَ إِذَا تَزَوَّجَ قَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكُمَا وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِيْ خَيْرٍ ———— رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجة

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شادی کرنے والے آدمی کو ان الفاظ کے ساتھ دُعا اور مبارکباد دیا کرتے تھے۔ "بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكُمَا وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِيْ خَيْرٍ" (اللہ تعالیٰ تمہارے لیے مبارک کرے اور تم پر برکتیں نازل کرے اور تم دونوں (میاں اور بیوی) کو خیر اور بھلائی پر جوڑے رکھے (یعنی دُنیا اور آخرت کی ہر چیز اور بھلائی کے معاملہ میں تم دونوں کے درمیان باہم اتفاق اور تعاون رہے، اور شیطان کوئی فتنہ انگیزی نہ کر سکے۔)

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْاَنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّاْتِيَ اَهْلَهٗ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا فَاِنَّهٗ اِنْ يُّقَدَّرْ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِيْ ذَالِكَ لَمْ يَضُرَّهٗ شَيْطَانٌ اَبَدًا ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی بیوی کے پاس جاتے وقت اللہ کے حضور میں یہ عرض کرلیا کرے "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا" (بسم اللہ۔ اے اللہ تو شیطان کے شر سے ہم کو بچا اور ہم کو جو اولاد دے اس کو بھی بچا) تو اگر اس مباشرت کے نتیجہ میں ان کے لیے بچہ مقدر ہوگا تو شیطان اس کو کبھی نقصان نہ پہونچا سکے گا، اور وہ ہمیشہ شر شیطان سے محفوظ رہے گا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(تشریح) شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مباشرت کے وقت اللہ تعالیٰ سے اس طرح کی دعا نہ کی (اور خدا کی طرف سے بالکل غافل ہوکر بہائم کی طرح بس اپنے نفس کا تقاضہ پورا کرلیا)، تو ایسی مباشرت کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اولاد شر شیطان سے محفوظ نہیں رہے گی، ـــ اس کے بعد فرماتے ہیں۔

"از ینجاست فساد احوال اولاد وتباہکاری ایشاں"۔

یعنی اس زمانہ میں پیدا ہونے والی نسل کے احوال، اخلاق وعادات جو عام طور سے خراب وبرباد ہیں تو اس کی خاص بنیاد یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہدایات کی قدر شناسی اور ان سے فائدہ اٹھانے کی پوری توفیق دے۔

سفر پر جانے اور واپس آنے کے وقت کی دعائیں:۔

دیس سے پردیس جانے والے کے لیے بہت سے خطرات اور طرح طرح کے امکانات ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ سفر کے لیے روانہ ہوتے وقت اللہ سے کیا کیا مانگنا چاہیئے۔ نیز یہ کہ ہر سفر کے موقع پر یقینی پیش آنے والے آخرت کے سب سے اہم سفر کو بھی یاد کرنا چاہئے، اور اس کی

تیاری سے غافل نہ ہونا چاہیے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اسْتَوٰى عَلٰى بَعِيْرِهٖ خَارِجًا اِلَى السَّفَرِ كَبَّرَ ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ فِيْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاَطْوِلَنَا بُعْدَهٗ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ وَالْمَالِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَاٰبَةِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِي الْمَالِ وَالْاَهْلِ ـــ وَاِذَا رَجَعَ قَالَهُنَّ وَزَادَ فِيْهِنَّ اٰيِبُوْنَ، تَائِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ ـــــ رواہ مسلم

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا جب آپ سفر پر جاتے وقت اونٹ پر سوار ہوتے تو پہلے تین دفعہ "اللّٰہُ اَکْبَر" کہتے اس کے بعد کہتے "سُبْحَانَ الَّذِی..... تا...... فی المال والاھل" (پاک اور مقدس ہو وہ ذات جس نے ہماری سواری کے لیے اپنی اس مخلوق کو مسخر اور ہمارے قابو میں کر دیا ہے، اور خود ہم میں اس کی طاقت نہ تھی (کہ اپنی ذاتی تدبیر و طاقت سے اس طرح قابو یافتہ ہو جاتے بلکہ اللہ ہی نے اپنے فضل و کرم سے ایسا کر دیا ہے) اور ہم بالآخر اپنے اس مالک کے پاس لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ ہم استدعا کرتے ہیں تجھ سے اپنے اس سفر میں نیکوکاری اور پرہیزگاری کی اور ان اعمال کی جو تیری رضا کا باعث ہوں، اے اللہ اس سفر کو ہم پر آسان کر دے اور اس کی طوالت کو اپنی قدرت و رحمت سے مختصر کر دے، اے اللہ بس تو ہی ہمارا رفیق اور ساتھی ہے اس سفر میں (اور سب سے بڑا سہارا تیری ہی رفاقت کا ہے) اور ہمارے پیچھے تو ہی ہمارے اہل و عیال اور مال و جائداد کی دیکھ بھال اور نگرانی کرنے والا ہے (اس سلسلہ میں بھی ہمارا اعتماد اور بھروسہ بس تجھ ہی پر ہے) اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں سفر کی مشقت اور زحمت سے اور اس بات سے کہ اس سفر میں کوئی رنجیدہ بات دیکھوں، اور اس سے کہ سفر سے لوٹ کر اہل و عیال یا مال و جائداد میں کوئی بری بات پاؤں) ـــ اور جب آپ سفر سے واپس

ہوتے تب بھی اس کے حضور میں یہی دعا کرتے، اور آخر میں ان کلمات کا اضافہ کرتے
آیبون۔تایبون ، عابدون، لربنا حامدون" (ہم واپس لوٹنے والے ہیں، توبہ
کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں، اپنے پروردگار کی حمد وثنائش کرنے والے ہیں)
(صحیح مسلم)

(تشریح) اس دعا کا ایک ایک جز اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہے، پہلی بات اس حدیث میں یہ بتائی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر سوار ہونے کے بعد سب سے پہلے تین دفعہ "اللہ اکبر" کہتے تھے۔ اس زمانہ میں خاصکر اونٹ جیسی سواری پر سوار ہونے کے بعد خود سوار کو اپنی بلندی اور برتری کا جو احساس یا وسوسہ پیدا ہو سکتا تھا، اسی طرح دیکھنے والوں کے دلوں میں اس کی عظمت و بڑائی کا جو خیال آسکتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین دفعہ اللہ اکبر کہہ کے اس پر تین ضربیں لگاتے تھے، اور خود اپنے کو اور دوسروں کو جتاتے تھے کہ عظمت و کبریائی بس اللہ کے لیے ہے ۔۔۔ اس کے بعد آپ کہتے تھے۔ "سُبْحَانَ الَّذِی سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَاكُنَّا لَهُ مُقْرِنِيْنَ" (پاک اور مقدس ہے وہ ذات جس نے ہمارے لیے اس سواری کو مسخر کر دیا، اور نہ ہم میں وہ طاقت نہ تھی کہ ایسا کر سکتے) اس میں اس کا اعتراف اور اظہار ہے کہ اس سواری کو ہمارے لیے مسخر کر دینا اور ہم کو اس طرح اس کے استعمال کی قدرت دینا بھی اللہ ہی کا کرم ہے ہمارا کوئی کمال نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ فرماتے "وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ" یعنی جس طرح آج ہم یہ سفر کر رہے ہیں اسی طرح ایک دن اس دنیا سے سفر کر کے ہم اپنے خدا کی طرف جائیں گے جو اصل مقصود و مطلوب ہے، وہی سفر اصلی ہوگا اور اس کی فکر اور تیاری سے بندہ کو کبھی غافل نہ رہنا چاہیئے ۔۔۔ اس کے بعد سب سے پہلی دعا آپ یہ کرتے کہ "اے اللہ اس سفر میں مجھے نیکی اور پرہیزگاری کی اور ان اعمال کی توفیق دے جن سے تو راضی ہو"۔ بلاشبہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے بندوں کے لیے سب سے اہم مسئلہ یہی ہے۔ اس لیے ان کی اولین دعا یہی ہونی چاہیئے۔ اس کے بعد آپ سفر میں سہولت کی اور سفر جلدی پورا ہو جانے کی دعا کرتے ۔۔۔ اس کے بعد آپ اللہ کے حضور میں عرض کرتے "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ وَالْمَالِ" یعنی اے اللہ تو ہی سفر میں میرا حقیقی رفیق و ساتھی ہے اور تیری ہی رفاقت و مدد پر میرا اعتماد ہے اور گھر بار اور اہل و عیال جن کو میں چھوڑ کے

جارہا ہوں ان کا نگہبان اور نگراں بھی تو ہی ہے اور تیری ہی نگہبانی پر بھروسہ ہے ـــ ان مثبت دعاؤں کے بعد آپ سفر کی مشقت سے یا دوران سفر میں یا واپسی پر کسی تکلیف دہ حادثہ کے سامنے آنے سے پناہ مانگتے، جس کا حاصل یہی ہے کہ سفر میں بھی تیری رحمت سے عافیت وسہولت نصیب رہے اور واپس آکر بھی خیر وعافیت دیکھوں۔

حدیث کے آخر میں بیان کیا گیا ہے کہ جب واپسی کے لیے آپ سفر شروع فرماتے اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کے حضور میں آپ یہی سب کچھ عرض کرتے اور آخر میں یہ کلمات مزید کہتے "آئبون، تائبون، عابدون لربنا حامدون" یعنی اب ہم واپس ہو رہے ہیں، اپنے قصوروں اور لغزشوں سے توبہ کرتے ہیں، ہم اپنے پروردگار اور مالک ومولا کی عبادت اور حمد وثنا کرتے ہیں ـــ ذرا غور کیا جائے کہ جب سفر کے لیے سواری پر سوار ہوتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کی یہ واردات ہوتی تھیں جو ان کلمات کے قالب میں زبان مبارک پر جاری ہوتی تھیں تو خلوتوں کے خاص اوقات میں کیا حال ہوتا ہوگا۔

کیسی خوش نصیبی ہے اس امت کی جس کے پاس اس کے نبی کا چھوڑا ہوا ایسا خزانہ محفوظ ہے اور کیسی قابل عبرت بدنصیبی ہے اس امت کی جس کے ۹۹ فی صد افراد یا اس سے بھی زیادہ اس سے بے خبر اور اس لیے استفادہ سے محروم ہیں۔

عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهٖ يُرِيْدُ سَفَرًا اَوْ غَيْرَهٗ فَقَالَ حِيْنَ يَخْرُجُ "آمَنْتُ بِاللهِ، اِعْتَصَمْتُ بِاللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ . لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ اِلَّا رُزِقَ خَيْرَ ذَالِكَ الْمَخْرَجِ وَصُرِفَ عَنْهُ شَرُّ ذَالِكَ الْمَخْرَجِ ـــ رواہ احمد

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان اپنے گھر سے نکلے خواہ بارادۂ سفر یا بغیر ارادۂ سفر اور گھر سے روانگی کے وقت کہے آمَنْتُ بِاللهِ ..... تا ..... لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ (میں اللہ پر ایمان لایا، میں نے اللہ کو مضبوطی سے تھام لیا، میں نے اللہ پر بھروسہ کرلیا۔ اور میں یقین کرتا ہوں کہ کوئی سعی و حرکت اور کوئی قوت وطاقت کام نہیں کر سکتی اللہ کے حکم کے بغیر) تو اس مسلمان کو گھر سے

اس نکلنے کا خیر ضرور حاصل ہوگا اور اس کے شر سے وہ محفوظ رکھا جائے گا۔ (مسند احمد)

سفر میں کسی منزل پر اُترنے کے وقت کی دُعا:۔

عَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ حَكِيْمٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ نَزَلَ مَنْزِلاً فَقَالَ "اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ لَمْ يَضُرُّهُ شَيْئٌ حَتّٰى يَرْتَحِلَ مِنْ مَنْزِلِهٖ ——— رواہ مسلم

خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا آپ فرماتے تھے جو شخص اثنائے سفر میں کسی منزل پہ اُترے اور اس وقت یہ دُعا کرلے "اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ" (میں اللہ کے کلماتِ تامّہ کی پناہ لیتا ہوں اس کی ساری مخلوقات کے شر سے) تو جب تک وہ اس منزل سے روانہ نہ ہوجائے اس کو کوئی چیز ضرر نہ پہونچا سکے گی۔ (صحیح مسلم)

کسی بستی میں داخل ہونے کے وقت کی دُعا:۔

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا نُسَافِرُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا رَأَى قُرْيَةً يُرِيْدُ اَنْ يَدْخُلَهَا قَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا جَنَاهَا وَحَبِّبْنَا اِلٰى اَهْلِهَا وَحَبِّبْ صَالِحِيْ اَهْلِهَا اِلَيْنَا۔

——— رواہ الطبرانی فی الاوسط

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے؛ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کرتے تھے، آپ کا معمول تھا کہ جب وہ بستی دکھائی دیتی جس میں آپ جانے کا ارادہ رکھتے تو دُعا فرماتے "اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا جَنَاهَا ...... تا ...... وَحَبِّبْ صَالِحِيْ اَهْلِهَا اِلَيْنَا (اے اللہ اس بستی کی اچھی پیداوار کو ہمارا رزق بنا اور ہماری محبت اس بستی والوں کے دل میں ڈال دے اور اس میں جو تیرے صالح بندے ہوں ان کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا فرمادے) (معجم اوسط للطبرانی)

(تشریح) کسی نئی بستی میں جانے والے کے لیے سب سے اہم یہی تین باتیں ہو سکتی ہیں، سبحان اللہ کتنی مختصر، برمحل اور جامع دعا ہے۔

سفر پر جانے والے کو وصیت اور اس کے لیے دعا:-

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ إِنَّ رَجُلاً قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُسَافِرَ فَأَوْصِنِي قَالَ عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللهِ وَالتَّكْبِيرِ عَلَى كُلِّ شَرَفٍ فَلَمَّا وَلَّى الرَّجُلُ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَطْوِلَهُ الْبُعْدَ وَهَوِّنْ عَلَيْهِ السَّفَرَ ـــــ رواہ الترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میرا ارادہ سفر کا ہے حضور، مجھے کچھ وصیت اور نصیحت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا پہلی وصیت تو یہ ہے کہ اللہ کے خوف اور اس کی ناراضی سے بچنے کی فکر کو لازم پکڑ لو (اس بارہ میں ادنیٰ تساہل اور غفلت نہ ہو) اور دوسری بات یہ یاد رکھو کہ اثناء سفر میں جب کسی بلندی پر پہونچا تو "اللہ اکبر" کہو ــــ پھر جب وہ آدمی روانہ ہو گیا تو آپ نے دعا دی "اَللّٰهُمَّ اَطْوِلَهُ الْبُعْدَ وَهَوِّنْ عَلَيْهِ السَّفَرَ" (اے اللہ اس کے لیے طول مسافت کو سمیٹ کر مختصر کرے اور سفر کو اس کے واسطے آسان فرمادے۔) (جامع ترمذی)

عَنْ أَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي أُرِيدُ سَفَراً فَزَوِّدْنِي فَقَالَ زَوَّدَكَ اللهُ التَّقْوَى قَالَ زِدْنِي قَالَ وَغَفَرَ ذَنْبَكَ قَالَ زِدْنِي بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي قَالَ وَيَسَّرَ لَكَ الْخَيْرَ حَيْثُ مَا كُنْتَ ـــــ رواہ الترمذی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میرا ارادہ سفر کا ہے آپ مجھے "زادِ سفر" عنایت فرما دیجئے (یعنی ایسی دعائیں کر دیجئے جو سفر میں میرے کام آئیں) آپ نے فرمایا کہ اللہ تقوے کو تمہارا زادِ سفر بنائے (اور تمھیں پورے سفر میں یہ دولت نصیب رہے) اس شخص نے عرض کیا حضرت اس میں اور اضافہ فرمائیے! آپ نے فرمایا "اور تمہارے گناہوں کی اللہ

مغفرت فرمائے"۔ اس نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان اس میں اور اضافہ فرمائیے!
آپ نے فرمایا" اور جہاں بھی تم ہو کچھ اللہ خیر اور بھلائی تمہارے لیے میسر فرمائے!

(جامع ترمذی)

سخت خطرہ کے وقت کی دعا:۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیْ قَالَ قُلْنَا یَوْمَ الْخَنْدَقِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھَلْ مِنْ شَیْئٍ نَقُوْلُہٗ فَقَدْ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ قَالَ نَعَمْ اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَآمِنْ رَوْعَاتِنَا قَالَ فَضَرَبَ اللّٰہُ وُجُوْہَ اَعْدَائِہٖ بِالرِّیْحِ ھَزَمَ اللّٰہُ بِالرِّیْحِ ــــــــــــــ رواہ احمد

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگوں نے غزوۂ خندق کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، حضرت کیا اس نازک وقت کے لیے کوئی خاص دُعا ہے جو ہم اللہ کے حضور میں عرض کریں۔ حالت یہ ہے کہ ہمارے دل مارے دہشت کے اچھل اچھل کے گلوں میں آرہے ہیں، تو آپ نے فرمایا" ہاں اللہ کے حضور میں یوں عرض کرو "اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَآمِنْ رَوْعَاتِنَا" (اے اللہ ہماری پردہ داری فرما اور ہماری گھبراہٹ کو بے خوفی اور اطمینان سے بدل دے) ابو سعید کہتے ہیں کہ پھر اللہ نے آندھی بھیج کر دشمنوں کے منہ پھیر دیئے اور اس آندھی ہی سے اللہ نے ان کو شکست دی۔ (مسند احمد)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام پر جو سخت سے سخت دن گذرے ہیں ان میں غزوۂ خندق کے بعض ایام بھی تھے جن کا ذکر قرآن مجید میں بھی اس طرح کیا گیا ہے۔

اِذْ جَاءُوْکُمْ مِنْ فَوْقِکُمْ وَمِنْ	جب آگئے دشمنوں کے لشکر تمہارے اوپر کی
اَسْفَلَ مِنْکُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ	جانب سے اور نیچے کی طرف سے اور جب
وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ	آنکھیں پھر گئیں اور دل مارے دہشت کے
بِاللّٰہِ الظُّنُوْنَا ۝ ھُنَالِکَ ابْتُلِیَ	گلوں تک پہونچ گئے اور تم خدا کی نسبت
الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا ۝	طرح طرح کے گمان کرنے لگے اس وقت

(الاحزاب ع ۲) اہل ایمان بڑی آزمائش میں پڑے اور سخت طریقہ سے ہلا ڈالے گئے۔

انہی حالات میں ایک دن ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے حضورؐ سے وہ درخواست کی تھی جس کا حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مختصر دعا تلقین فرمائی تھی "اللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَآمِنْ رَوْعَاتِنَا" اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی سخت آندھی بھیجی گئی جس نے سارے لشکر کو تتر بتر کر دیا اور وہ بھاگنے پر مجبور ہوئے۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا خَافَ قَوْمًا قَالَ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُ بِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ۔

———— رواہ احمد و ابو داؤد

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی دشمن گروہ کے حملہ کا خطرہ ہوتا تھا تو آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے "اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُ بِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ" (اے اللہ ہم تجھے ان دشمنوں کے مقابلے میں کرتے ہیں، تو ان کو دفع فرما اور ان کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔)

(مسند احمد، سنن ابی داؤد)

فکر اور پریشانی کے وقت کی دعا:۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ عِنْدَ الْکَرْبِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْعَظِیْمُ الْحَلِیْمُ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ رَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ۔

———— رواہ البخاری و مسلم

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو زبان مبارک پر یہ کلمات جاری ہوتے "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْعَظِیْمُ الْحَلِیْمُ ..... تا ..... رَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ" (کوئی مالک و معبود نہیں اللہ کے

سوا وہ بڑی عظمت والا اور حلیم ہے، کوئی مالک و معبود نہیں اللہ کے سوا وہ رب العرش العظیم ہے، کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا وہ رب السموات والارض اور رب العرش الکریم ہے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَرَبَهُ اَمْرٌ يَقُوْلُ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ وَقَالَ اَلِظُّوْا بِيَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔

—————— رواہ الترمذی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی فکر اور پریشانی لاحق ہوتی تو آپ کی دعا یہ ہوتی تھی "یَا حَيُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ" (اے حیّ و قیوم بس تیری رحمت سے مدد چاہتا ہوں) اور آپ دوسروں سے) فرماتے "اَلِظُّوْا بِیَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ" (یا ذا الجلال والاکرام سے چپٹے رہو، یعنی اس کلمہ کے ذریعہ اللہ سے استغاثہ اور فریاد کرتے رہو) (جامع ترمذی)

عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُعَلِّمُكِ كَلِمَاتٍ تَقُوْلِيْنَهُنَّ عِنْدَ الْكَرْبِ؟ اَللّٰهُ اَللّٰهُ رَبِّيْ لَا اُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا

—————— رواہ ابوداؤد

حضرت اسماء بنت عُمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا، میں تمہیں ایسے کلمے بتا دوں جو پریشانی اور فکر کے وقت تم کہا کرو (انشاء اللہ وہ تمہارے لیے باعث سکون ہوں گے) "اَللّٰهُ اَللّٰهُ رَبِّيْ لَا اُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا" (اللہ، اللہ وہی میرا رب ہے، میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتی) (سنن ابی داؤد)

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَثُرَ هَمُّهُ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ وَفِيْ قَبْضَتِكَ، نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَاءُكَ اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِيْ كِتَابِكَ اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِيْ مَكْنُوْنِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ

رَبِیعَ قَلْبِی وَجِلَاءَ هَمِّی وَغَمِّی مَا قَالَهَا عَبْدٌ قَطُّ اِلَّا اَذْهَبَ اللّٰهُ هَمَّهٗ وَاَبْدَلَهٗ بِهٖ فَرَجًا ——————— (رواہ رزین)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی کو پریشانی اور فکر زیادہ ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ اللہ کے حضور میں اس طرح عرض کرے " اَللّٰهُمَّ اِنِّی عَبْدُكَ ... تا ... جِلَاءَ هَمِّی وَغَمِّی " (اے اللہ میں بندہ ہوں تیرا اور بیٹا ہوں تیرے ایک بندہ کا اور بیٹا ہوں تیری ایک بندی کا اور بالکل تیرے قبضہ میں ہوں اور ہمہ تن تیرے دست قدرت میں ہوں، نافذ ہے میرے بارہ میں تیرا حکم اور عین عدل ہے میرے بارہ میں تیرا ہر فیصلہ، میں تجھ سے تیرے ہر اس اسم کے واسطے سے جس سے تو نے اپنی مقدس ذات کو موسوم کیا ہے یا اپنی کسی کتاب میں اس کو نازل فرمایا ہے، یا اپنے خاص مخفی خزانۂ غیب ہی میں اس کو محفوظ رکھا ہے، استدعا کرتا ہوں کہ قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار بنادے اور میری فکروں اور میرے غموں کو اس کی برکت سے دور فرمادے) .... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ بھی ان کلمات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی فکروں اور پریشانیوں کو دور فرماکر ضرور بالضرور اس کو کشادگی عطا فرمادے گا۔ (رزین)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فرمودہ اس دعا کا ایک ایک کلمہ عبدیت کی کیفیت سے لبریز ہے، سب سے پہلے اپنی اور اپنے ماں باپ کی بندگی اور عبدیت کا اظہار و اعتراف کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں میرا باپ بھی تیرا بندہ اور میری ماں بھی تیری بندی تھی یعنی میں تیرا پشتینی بندہ ہوں، تو میرا مالک و رب ہے اور میرے ماں باپ کا بھی مالک و رب ہے۔ اور میں ہمہ تن تیرے قبضہ میں ہوں، میرے لیے جو بھی تیرا فیصلہ ہے وہ برحق ہے اور نافذ ہونے والا ہے مجھے اور کسی کو بھی چوں و چرا کی مجال نہیں ہے۔ اسکے بعد کہا گیا ہے کہ میرے پاس کوئی ایسا عمل اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی بنا پر تجھ سے کچھ مانگنے کا مجھے حق ہو اسلئے تیرے ہی ان اسماء پاک کے واسطے سے جن سے تو نے اپنی ذات پاک کو موسوم کیا ہے یا جو تیری کتابوں میں بتائے گئے ہیں یا جو صرف تیرے ہی علم میں ہیں اور جنھیں تیرے سوا کوئی نہیں جانتا، تجھ سے استدعا کرتا ہوں کہ اپنے قرآن پاک کو میرے دل کی بہار بنادے اور میری فکریں اور پریشانیاں اس کی برکت سے دور فرمادے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب بندہ اس طرح دعا کرے گا تو اس کی فکریں اور پریشانیاں ضرور بالضرور دور فرمادی جائیں گی۔

سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

(۲)

ملفوظات

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

ارشاد فرمایا کہ میں جس زمانے میں دہلی کہنہ میں رہتا تھا۔ کوچہ انبیاء میں ایک سید کے گھر ایک پوربی باندی رہتی تھی جو بالکل جاہلہ تھی اور نماز کی بھی پابند نہ تھی۔ چونکہ وہ عمر رسیدہ ہو گئی تھی اور گھر کے تمام صاحبزادوں پر اپنا حق رکھتی تھی اس لیے وہ لوگ اس کی بڑی خدمت اور دیکھ بھال کرتے تھے۔ جب اس کا آخری وقت ہوا تو وہ ایک آواز پوربی لہجے میں بلند کرتی تھی جس کا مطلب و مفہوم کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ حکماء، وصلحاء کو بلا کر دریافت کیا گیا، کچھ نہ معلوم ہوا آخر میرے چچا شاہ اہل اللہؒ کے بلانے کی نوبت آئی وہ تشریف لے گئے انھوں نے معلوم کر لیا کہ اس کی زبان سے لَاتَخَافِی، لَاتَحْزَنِی (اے عورت مت خوف کر مت غمگین ہو) نکل رہا ہے۔ چچا صاحب نے اس کے تیمارداروں سے فرمایا کہ اس سے دریافت کرو کہ یہ الفاظ کس وجہ سے کہہ رہی ہے۔ بڑی کوشش کے بعد اس نے جواب دیا کہ ایک جماعت (فرشتوں کی) آئی ہوئی ہے اس کی زبان سے یہ الفاظ نکل رہے ہیں (جو میری زبان پر آ گئے) پھر آپ نے دریافت کرایا کہ کیا تو ان الفاظ کا مطلب سمجھ رہی ہے؟ اس نے کہا مجھے تو بس اتنا محسوس ہو رہا ہے کہ یہ جماعت مجھے تسلی دے رہی ہے۔ پھر چچا صاحب نے فرمایا کہ اس سے دریافت کرو کس عمل کی وجہ سے یہ تسلی دی جا رہی ہے؟ اس نے کچھ دیر کے بعد کہا کہ یہ حضرات کہہ رہے ہیں کہ تیرے پاس اور اعمال خیر تو نہیں ہیں البتہ تو ایک دن

موسم سرما میں گھی لینے کے لیے بازار گئی تھی۔ جب تو نے گھی لاکر گھر میں جوش دیا تو اس میں سے ایک روپیہ نکلا، اوّل تو نے چاہا کہ اس روپے کو چپکے سے اپنے پاس رکھ لے اور اپنے کام میں لائے اس لیے کہ کسی کو اس راز کی خبر نہ تھی، پھر یہ خیال کر کے کہ حق تعالیٰ تو دیکھ رہا ہے تو نے وہ روپیہ دوکاندار کو لوٹا دیا تیرا یہ عمل اللہ کے یہاں پسند ہوا اسی کی وجہ سے ہم تجھ کو بشارت دے رہے ہیں۔

ارشاد فرمایا کہ اسی زمانے اور اسی محلے کی بات ہے کہ وہاں ایک بزرگ تھے جب ان کے انتقال کا وقت قریب آیا اور نزع کا عالم ہوا تو میں اپنے چچا صاحب کے ساتھ وہاں گیا۔ وہ بزرگ تسبیح گردانی کے طور پر انگلیوں کو حرکت دے رہے تھے اور سَو دانوں کے شمار کے بعد جس طرح شمارے کو ایک خاص انداز میں کھینچا جاتا ہے وہ تھوڑی دیر کے بعد انگلیوں کو ایک خاص حرکت دیتے تھے۔ جب چچا صاحب نے (تسبیح ہاتھ میں لے کر) غور کیا تو ٹھیک سَو دانوں کے شمار کے بعد انگلیوں کی وہ خاص حرکت ہو رہی تھی (حالانکہ نہ تو اس وقت ان بزرگ کے ہاتھ میں تسبیح تھی اور نہ شمار کا ہوش تھا) اس وقت چچا صاحب نے فرمایا کہ اچھے کام کا محاورہ بھی کام آتا ہے (یعنی اچھے کام کی عادت ڈال لینا بھی اچھی بات ہے) مشق ہو جانے کے بعد فعل، بلا ارادہ بھی وقوع میں آجاتا ہے۔

ایک مرید نے عرض کیا کہ اگرچہ حضرت والا کو گوناگوں امراض گھیرے ہوئے ہیں اور مجلس میں گفتگو بھی فرماتے رہتے ہیں اس کے باوجود اکثر اوقات حضرت کے برکاتِ قلبیہ ہم کو محسوس ہوتے ہیں، بعد انکساعنہ فرمایا کہ توجہ چار قسم کی ہوتی ہے۔

(۱) انعکاسی ــــ یہ تمام طرق میں ہے ــــ جب ایک قلب دوسرے قلب کے مقابل ہو تو اس کا اثر ہوتا ہی ہے۔ جیسا کہ آئینہ جب کسی چیز کے مقابل ہو تو وہ چیز بے ارادہ اس میں جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ اس توجہ انعکاسی کے لیے فقط مرید کی صفائی قلب درکار ہے

(۲) القائی ــــ جیسے ایک شیشے کی چیز دوسرے شیشے میں ' انڈیلیں ' اس میں قصد و ارادہ شرط ہے۔

(۳) جذبی ــــ اس میں قلب طالب کو کھینچ کر اپنے قلب کے نیچے رکھتے ہیں وہ اس ترکیب

تدبیر سے متاثر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ایک خشک کپڑا ایک تر کپڑے کے نیچے آجائے تو حسب دستور تر ہو جاتا ہے۔

(۴) اتحادی — کہ مرشد کے اوصاف بھی مرید میں سرایت کر جاتے ہیں، حتیٰ کہ یہ توجہ مرید کی صورت ظاہر پر بھی اثر انداز ہوتی ہے (یعنی مرید صورتاً بہت کچھ پیر و مرشد کے مشابہ ہو جاتا ہے)۔

فرمایا کہ بزرگ چار قسم کے ہیں۔

(۱) سالک مجذوب — کہ اول سلوک اختیار کیا بعد ازاں جذب کی نوبت آئی یہ بہترین قسم ہے۔

(۲) مجذوب سالک — کہ پہلے ایک قسم کے جذب سے سرفراز ہوئے بعد ازاں سلوک اختیار کیا۔

(۳) سالک محض — جو جذب سے مشرف نہیں ہوئے۔

(۴) مجذوب محض — جن کی عقل، غلبۂ تجلّیٔ حق کی بنا پر سلب ہو جاتی ہے —

ایک مرید نے عرض کیا کہ سلوک و جذب کے کیا معنی ہیں؟

فرمایا — سلوک تو اجتہاداتِ کسب (کوشش و جد و جہد) کا نام ہے اور جذب، عنایت خداوندی ہے جو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے چنانچہ ایک شاعر نے کہا ہے۔

تا کہ از جانبِ معشوق نباشد کششے — کوششِ عاشقِ بیچارہ بجائے نرسد

(یعنی جب تک محبوبِ حقیقی کی طرف سے کشش نہ ہو بیچارے عاشق کی کوشش ناکام رہتی ہے)

ایک مرید نے — دریافت کیا تمام افعال خلاف شرع، راہِ سلوک کو بند کرتے ہیں یا بعض، ارشاد فرمایا کہ کدورت تو خلاف شرع تمام اعمال سے پیدا ہو جاتا ہے لیکن بعض اعمال ایسے ہیں کہ نسبت مع اللہ کا بیج بھی نہیں چھوڑتے۔

جیسے مکر، فریب، نخوت، تکبر، خود نمائی، طلب دنیا، طلب جاہ وغیرہ — اور بعض کبائر ایسے ہیں کہ اگر وہ بطور ندرت کے کبھی کبھی سرزد ہو جائیں تو (بعد توبہ) نسبت کو ختم نہیں کرتے — بعض وہ اعمال ہیں جن سے نسبت کی نورانیت، قدرے ظلمت میں

تبدیل ہوجاتی ہے جیساکہ متاثر' بے قصد و ارادہ ——

ارشاد فرمایا کہ نیت کا بہت زیادہ اعتبار ہے۔ نیت کا دخل ہر امر میں ہے اور سلوک میں تو خاص طور پر نیت کو دخل ہے۔

ارشاد فرمایا کہ —— ایک بزرگ تھے ان کا نام عبدالقادر تھا وہ بہت کم کھاتے پیتے تھے (ان کی یہ خصوصیت تھی کہ) وہ جس کسی کو دیکھتے زبردستی اصرار کے ساتھ اپنا مرید کرتے تھے بلکہ ایک ایک دن میں ایک شخص کو دو دو مرتبہ مرید کرتے تھے۔ لوگ ان سے تنگ آگئے اور ان کو دیکھ کر بھاگنے لگے — کسی نے ان بزرگ سے اس شوق بیعت کا سبب دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر کے موقع پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ' سے فرمایا تھا کہ "اے علی! تمھارے ذریعے سے اگر ایک شخص بھی ہدایت پاجائے تو سرخ اونٹوں سے بہتر ہے" (اسی وجہ سے میں لوگوں کو مرید کرتا ہوں کہ کسی کے راہ راست پر آجانے سے مجھے اجر مل جائے) ——

فرمایا کہ برہان الدین ابوالخیر بلخی' بچپن کے زمانے میں اپنے باپ کے ساتھ کہیں جا رہے تھے راستے میں برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ کا گزر ہوا — صاحب ہدایہ نے برہان الدین بلخی کو خوب غور سے دیکھا اور فرمایا کہ میرا خدا مجھ سے کہلوا رہا ہے کہ یہ بچہ (بڑا ہوکر اپنے کمالات کے باعث) مرجع خلائق ہوگا' باپ نے جو ساتھ تھے آمین کہی (چنانچہ ایسا ہی ہوا — یہی برہان الدین بلخی ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

گر کرمت عام شد رفت زبرہاں عذاب ور بعمل کار شد وہ کہ چہا دید نیست

(یعنی اے اللہ اگر تیرا لطف و کرم شامل ہوگیا تو مجھ برہان الدین سے عذاب دور ہوجائے گا اور اگر میرے اعمال کے مطابق کارروائی ہوئی تو نہ معلوم مجھے کیا کیا مصیبتیں دیکھنی اور جھیلنی پڑ جائیں) ——

فرمایا کہ ہر دین و مذہب میں احوال خمسہ کی حفاظت و رعایت ضروری سمجھی گئی ہے۔ حفظ عقل' حفظ نفس' حفظ دین' حفظ نسب' حفظ مال ——

ایک سائل کے جواب میں فرمایا کہ اگر کوئی خواب میں ڈرتا ہے تو اس کو یا شدید۔ بہت

زیادہ پڑھنا چاہیئے۔

فرمایا کہ خانقاہ، خان گاہ کا معرّب ہے یعنی بادشاہوں کی جگہ۔

ایک شخص کے سوال کرنے پر فرمایا۔ ہر بھوکے محتاج کو کھانا کھلانا چاہیئے خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔

فرمایا کہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے عہد میں تین ضیاء تھے۔ ایک ضیا الدین سنامی جو حضرتؒ کے منکر و مخالف تھے، دوسرے ضیاء الدین نخشبی بدایونیؒ جو نہ معتقد تھے اور نہ منکر تھے، تیسرے ضیاء الدین برنیؒ (بلند شہری) صاحب تاریخ ہند، یہ حضرتؒ کے مرید تھے۔

ارشاد فرمایا کہ عزیز و اقارب، اکثر معتقد نہیں ہوتے ہیں اور بعض ہمعصر لوگ بھی خواہ مخواہ نفرت و عداوت کا اظہار کیا کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہر قسم کے رلوان ملوان اعمال اپنی نظروں سے دیکھتے رہتے ہیں اور ان سے ہر قسم کا معاملہ پڑتا رہتا ہے۔ بس وہ اسی بنا پر ناخوش ہو جایا کرتے ہیں۔ کہا گیا ہے المعاصرۃ اصل المنافرۃ یعنی ہمعصری منافرت کی جڑ ہے۔

ارشاد فرمایا کہ میرے نزدیک ایک حافظ اگر دو چار جگہ تراویح پڑھے تو سب جگہ ادائیگی سنت ہو جائے گی۔ چنانچہ میرا بچہ (نواسہ) میاں محمد یعقوب ایسا ہی کرتا ہے وہ ہر رات ایک پارہ، مدرسے میں تراویح کے اندر سُناتا ہے پھر گھر جا کر وہی ایک پارہ جماعت سے پڑھتا ہے اس طرح وہ رمضان میں دو قرآن ایک دو دن کے فرق سے ختم کر لیتا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ میں نے بارہ گھنٹے سے کچھ کھایا نہیں، دوسرے عیزہ لاحق ہے اور ضعف بہت ہے (یہ تو میرا حال ہے اور) بہت سی عورتیں (گھر میں) آئی ہوئی بیٹھی ہیں اب وہ مجھ سے ذکر سے متعلق نیز فقہی مسائل کی بابت بہت سے سوالات کریں گی۔

حاضرین مجلس میں سے ایک نے عرض کیا کہ حضرت! عورتیں بہت خوش عقیدہ اور با اخلاص ہوتی ہیں فرمایا ہاں۔ اسی بنا پر تو حضرت سفیان ثوریؒ کا قول ہے علیکم بدین العجائز۔ (تم بوڑھی عورتوں کے طریقے کو لازم پکڑو) یعنی جس طرح وہ اپنے معاملات میں پختہ ہوتی ہیں تم بھی اسی طرح اپنے اندر دینی پختگی پیدا کرو۔

ایک مرید نے عرض کیا کہ یہ جو ہوتا ہے کہ کبھی کسی سے طریقۂ چشتیہ میں مثلاً بیعت ہوتے ہیں پھر اسی بزرگ سے یا کسی دوسرے بزرگ سے قادریہ نقشبندیہ میں بیعت ہو جاتے ہیں جائز ہے یا نہیں ؟ فرمایا کہ اول جس طریقے میں بیعت ہو اس کا سلوک طے کرے چاہے اس میں کمی رہ جائے اور مکمل نہ ہوسکے — پھر بعد کو دوسری جگہ دوسرے طریقے میں اخذ فیض کرے تو مضائقہ نہیں ہے — طریقۂ اول کا سلوک طے کئے بغیر دوسری جگہ بیعت جائز تو ہے لیکن بیعت کو بازیچۂ اطفال نہ بنائے —

ایک شخص نے عرض کیا کہ میں ملک وطن سے اس غرض سے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کی زبانِ مبارک سے رہنمائی حاصل کروں اور مستفید ہوں۔

ارشاد فرمایا کہ بعد نمازِ صبح (لا الٰہ الا اللہ الملک الحق المبین) پڑھا کرو ظاہر باطن کا فائدہ محسوس کروگے —

فرمایا — تمام سلسلے اچھے ہیں اور ہر ایک سلسلے والا اپنے سلسلے پر ناز کرتا ہے اور سب نے ہی آداب و قواعدِ سلوک بیان کیے ہیں لیکن بزرگان نقشبند نے قواعدِ سلوکیہ کو خوب دُرست کیا ہے (تشبیہ کے طور پر) یوں سمجھو جیسے انگریزوں کی جنگ کہ وہ پوری تیاری اور بند و بست کے ساتھ میدان جنگ میں آتے ہیں — مولانا جامیؒ نے نقشبندیہ سلسلے کے ابتدائی دور میں جبکہ اس سلسلے پر اعتراضات ہوتے تھے ایک غزل کہی ہے (اس کا ایک شعر یہ ہے)

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار انند	که برند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ را

(ایک لطیفہ) ارشاد فرمایا کہ ایک شخص جو نقشبندی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے سماع سنتے تھے اور وجد کرتے تھے لوگوں نے ان سے کہا کہ تم تو نقشبندی ہو یہ وجد و سماع کہاں سے آگیا انھوں نے جواب دیا میری سسرال والے چشتی ہیں' وجد و سماع جہیز میں آیا ہے۔

فرمایا کہ فن طبابت بھی ہمارے خاندان کا معمول تھا۔ دادا صاحب (شاہ عبدالرحیمؒ) اور چچا صاحب (شاہ اہل اللہؒ) مطب کرتے تھے — والد ماجد (شاہ ولی اللہؒ) نے اس شغلے کو موقوف کر دیا۔ مگر میں کتب طب کو پڑھتا ہوں۔ پہلے ایسا ہوتا تھا کہ شرح داؤد انطاکی وغیرہ بعض کتب میں شہر دہلی کے اطبا کو اشکال پیدا ہوتا تھا تو وہ مجھ سے تحقیق کیا کرتے

تھے اب تو کتاب (دوائی) موقوف ہوگئی (اس لیے کوئی تحقیق کرنے نہیں آتا) اب اس امر سے بھی نجات مل گئی اور کتب طب کے مشکل مقامات حل کروں)۔

فرمایا۔ کہ ہنود سیکڑوں کی تعداد میں بندے کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے ہیں۔

ایک شخص نے سوال کیا کہ کیا ان قصبات و قریات کے (جاہل) لوگوں کا یعنی نام کے مسلمانوں کا جن کا کلمہ و کلام بھی درست نہیں۔ ذبیحہ درست اور جائز ہے۔ فرمایا کہ اگر وہ ضروریات دین کا انکار نہیں کرتے تو ان کا ذبیحہ جائز ہوگا۔

فرمایا پسر محمد علی خاں (فاروقی) ارکاٹی[1] نے ترجمہ تحفہ اثنا عشریہ عربی زبان میں مولوی اسلمی[2] (مدراسی) سے کرا کے ملک عرب میں بھیجا ہے میرے پاس بھی ایک نسخہ بھیجنے کا قصد تھا اگر وہ نہ بھیج سکے۔

فرمایا کہ تحفہ[3] اثنا عشریہ کی تاریخ تصنیف ایک شخص نے یوں کہی ہے۔

تحفہ را ایک فنہ مداں کہ دہر و   سوئے ہر معرفت سراغ آمد

---

[1] گوپامئو ضلع ہردوئی کے فاروقی خاندان نے مدراس میں اپنی حکومت قائم کی تھی محمد علی خاں غالباً اس حکومت کے بانی ہیں مولانا محمد ابرار حسین فاروقی گوپاموی ایم۔ اے علیگ جواہر زواہر میں تحریر فرماتے ہیں "تحفہ اثنا عشریہ" نے کافی شہرت حاصل کی جس کا عربی میں بھی ترجمہ ہوا تھا جس کو نواب والاجاہ اول والئے مدراس کے صاحبزادے اور جانشین نواب عمدۃ الامراء والاجاہ ثانی نے عرب ممالک کے لیے کرایا تھا یہ نہ معلوم ہو سکا کہ وہ ترجمہ طبع ہوا یا نہیں (ص ۹۶)

[2] مولوی اسلمی مدراسی کا نام محمد سعید ہے نہایت فاضل تھے۔ ملک العلماء مدراس کے ارشد تلامذہ میں سے تھے ۱۲۳۱ھ میں انتقال ہوا (ترجمہ تذکرہ علماء ہند مطبوعہ کراچی ص۱۱)

[3] ان تینوں شعروں کا مفہوم و مطلب یہ ہے۔ تحفہ اثنا عشریہ کو صرف ایک فن کی کتاب نہ سمجھو اس میں ہر علم و معرفت کی رہنمائی موجود ہے۔ اس کے الفاظ و معانی پر نگاہ کرو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کوزے میں دریا کو بند کر دیا گیا ہے۔ چونکہ یہ کتاب نور ہدایت و یقین ہے اس لیے اس کی تاریخ تصنیف لفظ چراغ سے نکلتی ہے۔

سوئے لفظ و معانیش بنگر　　　ہست دریا کہ در ایاغ آمد
بسکہ نورِ ہدایت است و یقیں　　　سالِ تصنیف ابچراغ آمد
　　　　　　　　　　　　　　　　۱۲۰۸ھ

بر سبیل تذکرہ فرمایا کہ ایک شاعر نے (بندے کے متعلق) یوں کہا ہے۔

جامع علم و عمل الشیخ الورا عبد العزیز[1]　　　آنکہ او اندر جوانی کارِ پیراں می کند
بسکہ استمداد دارد از سحابِ معنوی　　　بحرِ مواج است چوں تفسیرِ قرآں می کند

ایک شخص نے سوال کیا کہ قدم شریف کے نقش کی اصل، احادیث میں آئی ہے؟
جواباً ارشاد فرمایا کہ سوائے جلال الدین سیوطیؒ کے تمام محدثین اس کو صحیح نہیں جانتے میں نے بھی اس کی سند ہر چند تلاش کی نہیں پائی۔

فرمایا کہ زیارت قبر کے بارے میں بہت سی ایسی بدعات رائج ہو گئی ہیں جن کو فقہاء منع کرتے ہیں۔

فرمایا کہ — ہر جانور کا بچہ جلد دوڑنے لگتا ہے اور آدمی کا بچہ بعد دو سال کے چلتا ہے اور وہ بھی ضعف اور آہستگی کے ساتھ اس کا سبب یہ ہے کہ آدمی کا سر اس کے قد کے تناسب سے بڑا ہوتا ہے برخلاف دوسرے حیوانات کے کہ ان کا سر ان کے قد و قامت کے لحاظ سے چھوٹا ہوتا ہے آدمی کو یہ بڑا سر اس لیے دیا گیا ہو کہ اس میں قوت فکریہ زیادہ چاہیئے۔ تاکہ جمیع امورات کو انجام دے سکے۔

(اسی بات کے ساتھ یہ بھی فرمایا) ایک بات یہ بھی غور کرنے کی ہے کہ اگر کوئی چیز داہنے ہاتھ پر رکھی جائے تو بوجھل معلوم ہوتی ہے برخلاف بائیں ہاتھ کے کہ اسی وزن کی چیز اس پر ہلکی معلوم ہوتی ہے۔ آخر اس کا کیا سبب ہے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ داہنا ہاتھ بہت سے کام انجام دیتا ہے اس پر ایک چیز رکھ کر اس کو گویا مقید کر دیا گیا بایاں ہاتھ زیادہ تر بیکار

---

[1] (ترجمہ) جامع علم و عمل شاہ عبد العزیز وہ ہیں جو جوانی کے اندر عمر رسیدہ علماء کا کام انجام دے رہے ہیں۔ چونکہ وہ سحاب معنوی سے استمداد کرتے ہیں اس لیے تفسیر قرآن کرتے وقت ٹھاٹھیں مارنے والا سمندر معلوم ہوتے ہیں (اس قطعہ سے معلوم ہوا کہ آپ نے تفسیر فتح العزیز جوانی کے زمانے میں لکھی ہے)

مشغول رہتا ہے اسی وجہ سے وہ چیز اس کو گراں نہیں معلوم ہوتی ——

ارشاد فرمایا کہ بعض امور تجربے کے بعد معلوم ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ مطالعۂ کتب (عربیہ) وہ شخص اچھی طرح کر سکتا ہو جس کو علمِ نحو خوب یاد ہو اور مناظرے میں وہ غالب رہتا ہے جو اصول خوب یاد رکھتا ہے اور گھر میں تنہا بیٹھ کر فکر وہ اچھی کر سکتا ہے جو منطق میں ماہر ہو ——

فرمایا کہ —— پختہ عالم وہ ہے جس کی چار چیزیں پختہ ہوں —— مطالعہ، درس، تحریر و تقریر، مناظرہ ——

ارشاد فرمایا کہ ہر علم کے درس کا طریقہ ہمارے یہاں جداگانہ ہے اس کو تفصیل سے بیان کر کے فرمایا کہ درس تصوف میں میرا طریقہ یہ ہے کہ اول لوائح جامی بجائے میزان الصرف کے۔ بعدہٗ لمعات اور شرح لمعات اس کے بعد درۂ فاخرہ، تصنیف صدرالدین قونوی شاگرد محی الدین ابن عربی بعدہٗ نصوص پھر فتوح الغیب ——

ارشاد فرمایا کہ —— حدیث شریف میں آیا ہو کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں چار بری عادتیں اپنے اندر رکھتا ہوں اگر آپ فرمائیں تو ان میں سے ایک کو چھوڑ دوں چاروں کا چھوڑنا مشکل ہے۔ دریافت فرمایا وہ کون کون سی بری عادتیں ہیں عرض کیا۔ چوری، زنا، دروغ گوئی اور شراب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان کی (چوری وغیرہ کی) سزاؤں کا حال تجھ کو معلوم ہو اس نے عرض کیا جی ہاں معلوم ہے فرمایا کہ بس جھوٹ چھوڑ دے اس نے قبول کیا۔ پھر جب کسی حرکت کا ارادہ کرتا تھا وہ جھوٹ نہ بولنے کا اقرار اور فعل بد کی سزا کو یاد کرتا تھا، اور باز رہتا تھا، پھر اس نے کہا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہر چہار طرف سے مقید کر دیا۔

ایک مرید نے عرض کیا کہ کیا رسمی طور پر مرید ہونا بھی خالی از فائدہ نہیں ہے ؟

ارشاد فرمایا کہ ہاں تجربہ ہے کہ مرید رسمی بھی پیرانِ طریق کی توجہات کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہو۔

ایک بزرگ سمرقند کی جانب، سفر کرنے کا ارادہ رکھتے تھے ان سے فرمایا کہ سفر میں یا حفیظ نو سو اٹھانوے بار اور سورۂ لایلاف بے تعین کثرت سے پڑھتے رہنا۔

ایک مرید نے عرض کیا کہ انزالِ کتب اور ارسالِ انبیاء سے مقصود، بالذات و بالاصل وصول الی اللہ ہے یا احکام ظاہرہ کا بجالانا ۔ ارشاد فرمایا کہ تم نے میرے درس میں سنا ہوگا کہ اسلام، ایمان اور احسان کی حقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بیان فرمائی ہے (اس کے پیش نظر مقصود

اصلی یقیناً احسان ہے۔ جس طرح اسلام، بے ایمان معتبر نہیں، نزد امام غزالیؒ، ایمان، بے احسان معتبر نہیں ہے مگر اس نجات فقط ایمان سے بھی ہو جائے گی۔ پھر فرمایا کہ بے احسان کے عبادات، جسد بے روح کی طرح ہیں۔ پھر فرمایا کہ اسلام، ایمان اور احسان ان تینوں میں سے ہر ایک کا ایک خاصہ و نتیجہ ہے جو اسلام لایا یعنی انقیادِ ظاہر رکھتا ہے ــ اس کا مال اور اس کی حرمت سلطان اور طاعن سے محفوظ ہو گئی اور جو ایمان سے ملا ہوا اسلام رکھتا ہے نجات اس کے حصے میں آگئی اور جو مرتبہ احسان پر پہونچ گیا، قرب الٰہی اس کو حاصل ہو گیا گویا کہ احسان، کمالِ مرتبۂ ایمان ہے ــ ایک مرید نے عرض کیا کہ نوشتۂ غزالیؒ سب صحیح و درست ہے فرمایا ہاں۔

(صفحہ ۱۶ کا بقیہ)

ابن عباس کے اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ظہور فتنہ اور روایت میں تساہل کے بعد علماء صحابہ کرام نے روایات کے بیان کرنے اور دوسروں سے سننے میں حزم و احتیاط اور تحقیق کی روش اختیار کر لی تھی تاکہ کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فتنے کا پوری طرح سد باب ہو جائے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ صحابہؓ کرام کے تلامذہ یعنی تابعین جنھوں نے اپنے اساتذہ سے روایتیں کی ہیں، اسی اصول کی پابندی کرنے لگے، محمد بن سرین سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا "ھذا الحدیث دین فانظروا عمن تاخذون دینکم"۔ (یہ حدیث دین ہے پس خوب غور کر لو ان لوگوں کے بارے میں جن سے تم دین حاصل کر رہے ہو۔) (مقدمہ صحیح مسلم)　　(باقی)

معارف الحدیث جلد چہارم

ماہ محرم کے الفرقان میں اطلاع دی گئی تھی کہ "معارف الحدیث" کی چوتھی جلد کتابت کے مرحلے سے گزر کر طباعت کے لئے پریس جا چکی ہے اور ان شاء اللہ شروع جون میں تیار ہو جائے گی لیکن ہوا یہ کہ جس خاص کاغذ پر اسکو چھاپنے کا پروگرام تھا وہ اسوقت سے بازار میں ناپید رہا، اسی کی تلاش اور امید میں تاخیر ہوتی رہی، اب اسکی جگہ ایک دوسرا کاغذ لے لیا گیا ہے اور طباعت شروع ہو رہی ہے، اگر کوئی مانع پیش نہ آیا تو ان شاء اللہ جولائی کے آخر تک طباعت مکمل ہو جائیگی اور شروع اگست میں آرڈروں کی تقسیم شروع ہو جائے گی

قیمت مجلد آٹھ کلاتھ ٹوسٹ کور ساڑھے چھ روپے ــــــ غیر مجلد ...

یک دو ساعت صحبتے با اہلِ دل

مجلس حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی

(مرتبہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

(۱۳)

۶ ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۸ مارچ ۱۹۶۷ء بروز شنبہ بوقت ۱۱ بجے تا ۱۲ بجے۔

فرمایا: لوگوں نے مشائخ کے اتباع میں بہت غلو کر رکھا ہے، ان کی نقل و تقلید کو مقصود اور ان کی اطاعت کو اطاعتِ مطلق سمجھتے ہیں، حالانکہ اصل اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور ان کا اتباع ہے، مشائخ اس کا ذریعہ ہیں، کہنے والوں نے یہاں تک کہا ہے ؎

اُن کے کوچہ کی خاک لائیں گے　　　اپنا کعبہ الگ بنائیں گے

مشائخ و علماء کی نقل و تقلید اور اتباع و پیروی کی جو حقیقت ہے اور اس کے جو حدود ہیں، اس کا نمونہ نماز میں نظر آتا ہے کہ امام کی تکبیر پر قیام و رکوع کیا جاتا ہے اور ہر رکن اور جزء میں اسکی پیروی کی جاتی ہے۔ لیکن جب اس کو سہو ہو جاتا ہے تو مقتدی اللہ اکبر کہنے لگتے ہیں (یا سبحان اللہ کہنے کا حکم ہے) یہ اللہ اکبر، سبحان اللہ بھی ایک طرح کی مختصر نویسی یا شارٹ ہینڈ ہے جس میں بہت بڑی عبارت مضمر ہے، یعنی یہ کہ اب آپ سے سہو ہو گیا ہے، آپ اس کی اصلاح کیجئے، گویا مقتدی بجائے اس کی پیروی کرنے کے اس کی رہبری کرنے لگتے ہیں، اسی طرح مشائخ و علماء چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں، اس لیے ہم اُن کے قدم پر قدم رکھتے ہیں، گویا اصل پیروی رسولؐ کی ہے۔

شب میں مجلس مشاورت کے زیر اہتمام جلسہ ہوا تھا، راقم الحروف نے اپنی تقریر میں یرموک کے موقعہ پر میدان جنگ میں حضرت خالدؓ کی معزولی کا مشہور واقعہ بیان کیا تھا، اور حضرت خالدؓ کے اس ایثار قربانی و بے نفسی کی طرف اشارہ کیا تھا، جو اُن سے اس نازک موقعہ پر ظاہر ہوئی اور جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے، حضرت نے مولوی نعمان صاحب سے پوچھا کہ کل کی تقریر کا کیا موضوع تھا اور کیا کہا گیا؟ مولوی نعمان صاحب نے اس کے بعض مضامین کا ذکر کرتے ہوئے اس واقعہ کا بھی ذکر کیا، حضرت نے بہت پسند فرمایا، اور دیر تک گفتگو کا یہی موضوع بنا رہا، فرمایا کہ یہ للہیت اور ایثار و بے نفسی کی بے نظیر مثال ہے، اس کے مقابلہ میں اس زمانہ کے اہلِ علم و دین کی انانیت، نفسانیت، اور بات بات پر مشتعل اور مغلوب الغضب ہو جانے کے بہت سے واقعات سنائے، ایک جگہ شہر کے بہت سے مسلمانوں نے ایک نوجوان عالم اور عالی خاندان صاحبزادے سے جو جوان صالح، اور ذی علم نوجوان ہیں جمعۃ الوداع میں جامع مسجد میں نماز پڑھانے اور خطبہ دینے کی خواہش ظاہر کی، ان کے پیہم اصرار اور مسلسل تقاضوں سے انہوں نے منظور کر لیا، جامع مسجد کی کمیٹی ادارہ نے بھی اس کی اجازت دیدی، اور مسجد کے خطیب صاحب کو اس کی اطلاع بھی کر دی گئی کہ فلاں صاحب نماز پڑھائیں گے، وہ صاحب زادے آگئے، نمازی اور اہل شہر اس کے منتظر اور مشتاق تھے لیکن سوئی جیسے ہی ایک پر پہونچی، اور ٹن کی آواز آئی، خطیب صاحب بجلی کی طرح لپک کر منبر پر پہونچ گئے، اور خود خطبہ دیا، اور نماز پڑھائی، لوگوں کو بڑی مایوسی ہوئی، صاحبزادہ نے بڑی سلامت روی، اور ایثار سے کام لیا، اور کسی قسم کا نزاع اور فساد مسجد میں نہیں ہونے پایا، فرمایا، اگر وہ امام صاحب ان صاحبزادہ کو ایک مرتبہ نماز پڑھانے کا موقعہ دیدیتے تو ان کی حوصلہ افزائی ہوتی اور اُن کا کوئی حرج نہ ہوتا، اس کے بالمقابل ایک مرتبہ مولانا عبد الشکور صاحب نے میرے کہنے پر نماز پڑھائی آیت لھم اجرٌ غیر ممنون کے بجائے فلھم اجر غیر ممنون پڑھا سلام پھیرنے کے بعد فرمایا کہ شاید میں نے لھم اجر غیر ممنون کے بجائے فلھم اجر غیر ممنون پڑھا ہے؟ انہوں نے اتنا ہی فرمایا تھا کہ ایک صاحب جو مسائل سے بھی اچھی طرح واقف نہ تھے، اور بہت سادہ لوح، اور بھولے آدمی تھے، فوراً بولے کہ نماز دہرائی جائے، مولانا عبد الشکور صاحب نے بالکل بحث نہیں کی، اور نہ بُرا مانا، میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ کیا نماز دہرا لوں؟ میں نے کہا کہ آپ اس کا بالکل خیال نہ کریں یہ صاحب بہت سیدھے

اور بھولے آدمی ہیں، ایک مرتبہ میں نے اپنی مسجد میں دیکھا کہ ایک صاحب مسجد کے سقایہ سے پانی لیکر مسجد کے پتھر پر کپڑے دھو رہے ہیں، میں نے کہا کہ سقایہ میں پانی یوں ہی کم رہتا ہے، آپ کپڑے دھوئیں گے تو نمازیوں کو وضو کے وقت پانی نہ ملے گا، کہنے لگے کہ یوں ہی معمولی طور پر کپڑے کھنگال رہا ہوں، میں نے کہا کہ مسجد میں یہ مناسب نہیں ہے، بس یہ سننا تھا کہ طیش میں آگئے اور میرا گلا پکڑ لیا، مولانا عبدالشکور صاحب موجود تھے، وہ جھپٹ کر میرے سامنے آگئے کہ وہ اس حملہ کو اپنے اوپر لے لیں، میں نے کہا کہ آپ رہنے دیجئے اور اُن کو اپنا غصہ اتار لینے دیجئے، اگر میں صبر و تحمل سے کام نہ لوں اور سختی کا جواب سختی سے دوں، تو میں اس گدّی کے قابل نہیں، اور میں بھی ایک بازاری آدمی ہوں، مولانا نے فرمایا کہ ہم اسی لئے یہاں آتے ہیں،

اسی طرح سے حیدر آباد کا واقعہ ہے کہ رمضان کا زمانہ تھا، میں کسی ضرورت سے شہر میں کام کے لئے نکلا بارش ہونے لگی، مجھے بڑا قلق تھا کہ مکہ مسجد کی جماعت فوت ہو گئی، میں کہاں آکر پھنس گیا، ایک ڈیوڑھی قریب تھی میں اس بارش سے بچنے کے لئے کھڑا ہو گیا، نظر اٹھائی تو احاطہ میں ایک مسجد تھی بہت خوش ہوا، اذان ہو چکی تھی، میں اس میں چلا گیا، ایک افغانی صاحب مسجد کے صحن میں کھڑے ہوئے تھے، وہ نہایت ناراض ہوئے اور غصہ میں آکر بہت سخت سست کہا، میں نے کچھ عرض کیا تو اور مشتعل ہوئے اور فرمانے لگے کہ میں نے ایسے مقدس صورت کے لوگوں کو بہت سیندھی، شراب پیتے ہوئے دیکھا ہے، میں نے عرض کیا کہ ہاں میرے ہی بہت سے بھائی سیندھی، شراب پیتے ہیں، اور جب وہ پیتے ہیں، تو گویا میں ہی پیتا ہوں، غرض اُن کا غصہ کسی طرح دھیما نہ ہوتا تھا، جماعت کھڑی ہوئی اور وہ صاحب نماز میں شریک ہو گئے، نماز کے بعد وہاں مصافحہ کا رواج تھا گویا یہ بھی ایک سنت موکدہ ہے، جب انھوں نے مجھ سے مصافحہ کیا تو معذرت فرمانے لگے اور مجھ سے معافی مانگی، میں نے عرض کیا اگر دو چار ہاتھ بھی لگا دیتے تو میں بہت خوش ہوتا کہ میں نے اللہ کے راستہ میں کچھ مار کھائی۔

فرمایا کہ ہر موقع پر جواب دینے اور حساب بیباق کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بعض وقت طرح دینا اور نظر انداز کر دینا ہی مناسب ہوتا ہے، مسلمان بعض وقت جذبہ میں آکر کھیل بگاڑ دیتے ہیں اور اپنا ہی نقصان کرتے ہیں، ایک مرتبہ فسادیوں نے کلثوم بیا کی مسجد پر حملہ کیا، اسکو نقصان بھی پہونچایا،

پولیس نے موقعہ کا معائنہ کیا، مسلمانوں کی مظلومیت اور فسادیوں کی تعدی ثابت تھی، لیکن بعض لوگ جوش میں آکر جامع مسجد پہونچ گئے اور اشتعال پیدا کرادیا، پولیس نے عین رمضان میں جامع مسجد پر چھاپہ مارا، اور بڑی تعداد مسلمانوں کی گرفتار کرکے لے گئی، بہت سے معتکفین کو بھی مسجد سے اٹھاکر حراست میں لے لیا اور مقدمہ الٹ گیا، حیدرآباد میں ایک بنک کے قریب ایک ویران سی مسجد تھی، قریب ہی بنک کے انگریز منیجر کی کوٹھی تھی ایک درویش کہیں سے آئے، انھوں نے مسجد میں اذان دیدی، انگریز کے ملازمین اور عملہ والوں نے بہت سخت سست کہا اور نکال دیا وہ دوسرے وقت یا دوسرے دن پھر آئے اور پھر اذان دی لوگوں نے پھر انکو بہت ڈانٹا ڈپٹا وہ خاموشی سے چلے گئے، تیسرے دن پھر آئے اور اذان دی، اب لوگوں نے لات گھونسوں سے انکی تواضع کی، انھوں نے سب برداشت کیا، اس طرح سے وہ آتے رہے اور اذان دیتے رہے، آخر مسلمانوں کو اس کی خبر ہوئی اور انھوں نے نرغہ کیا اور مسجد کو آباد کرنے پر اصرار کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ انگریز نے ٹوپی ان کے قدموں پر رکھدی اور ان سے معافی مانگی، یہ صبر و تحمل کا نتیجہ ہے۔ فرمایا کہ "بندگی" اور اپنے کو مٹانا سب سے اونچا مقام ہے۔ بے نفسی، خود انکاری، اور اپنے کو خاک و خس و خاشاک سمجھ لینے سے بڑھ کر کوئی مرتبہ، اور کمال نہیں، امام ربانی فرماتے ہیں کہ جن لوگوں سے کرامات کا بہت ظہور ہوا ہے اُن کو قیامت میں تمنا ہوگی کہ کاش ایسا نہ ہوتا۔ کڑا مانک پور میں ایک بزرگ گزرے ہیں، حضرت خواجگی[1] رحمۃ اللہ علیہ انھوں نے وصیت فرمائی تھی کہ ان کے لوح مزار پر یہ دو شعر لکھ دیے جائیں ؎

برائے خدا اے عزیزان من نویسید بر گور من این سخن
کہ چوں خواجگی در تہ خاک شد نکو شد، ز غم کم جہاں پاک شد

فرمایا جس میں جسمانیت زیادہ ہوتی ہے، احساس کم ہوتا ہے، جس میں جسمانیت کم ہوتی ہے، احساس زیادہ ہوتا ہے، دیکھیے پاؤں میں جسمانیت زیادہ ہے اس میں احساس بہت کم ہے، اس کے نیچے مٹی، کچرا اور کتنے ہی بالوں کا گچھا آجائے اس کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی لیکن آنکھ باریک سے بال اور چھوٹے سے ذرہ کو بھی برداشت نہیں کرسکتی، اسی لئے روح (جس میں جسمانیت بالکل نہیں) بہت لطیف الاحساس اور ذکی الحس ہے، پس جس قدر روحانیت بڑھے گی لطافت و

[1] حضرت مولانا خواجگی رحمۃ اللہ علیہ دسویں صدی ہجری کے مشائخ کبار میں ہیں، آپ مصنف نزہۃ الخواطر مولانا سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کے اجداد مادری میں ہیں، تصنیفات میں "مرادِ مرید" یادگار ہے، اسکا قلمی نسخہ مولانا کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

قوت ترقی کرے گا۔

فرمایا، کہ طب کی کتابوں میں آتا ہے، کہ ہر عضو میں چار قوتیں ہوتی ہیں (۱) قوت جاذبہ (۲) قوت ماسکہ (۳) قوت ہاضمہ (۴) قوت دافعہ، قوت جاذبہ کا نتیجہ اشتہا، قبولیت کا مادہ، اور جو چیز پیش کی جائے، اس کا استقبال ہے، بعض لوگ اس قوت سے محروم ہوتے ہیں اور انکے اندر یہ صلاحیت مفقود ہوتی ہے، انھیں کے لئے قرآن مجید میں کہا گیا ہے "سواء علیھم أأنذرتھم ام لم تنذرھم لایومنون" (اُن کے حق میں برابر ہے کہ آپ انکو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں) بعض لوگوں میں قوت ماسکہ کا فقدان ہوتا ہے، یعنی وہ چیز تو قبول کر لیتے ہیں لیکن اس کی حفاظت نہیں کر سکتے ہیں، وعظ و نصیحت سے متاثر ہوتے ہیں لیکن جیسے ہی اس ماحول سے نکلے، معلوم ہوتا ہے کہ کچھ سنا ہی نہیں اور کوئی تاثر لیا ہی نہیں، میں نے ایک جلسہ وعظ میں ایک صاحب کو دیکھا کہ ان پر شدت سے گریہ طاری ہے، اور بیحد متاثر ہیں، مجھے انکی رقیق القلبی پر بہت رشک آیا، مجھے خیال ہوتا تھا کہ یہ اثر اب اُن سے کبھی زائل نہ ہوگا، لیکن جیسے ہی وعظ ختم ہوا، اور وہ باہر آئے، میں نے دیکھا کہ انھوں نے بیڑی نکالی اور اپنے دوست سے کہا کہ میاں ماچس ہے؟ میں اپنی ماچس لانا بھول گیا، معلوم ہوا کہ جیسے اُن پر کوئی اثر ہی نہیں ہوا تھا، اور یہ کبھی روئے ہی نہیں تھے۔ قوت ہاضمہ کا یہ فعل ہو کہ جو چیز قبول کرے اُس کو جزو بدن بنائے، جو کچھ سنے یا دوسروں سے کہے اس پر خود بھی عمل کرے، ایک محلہ کے موذن نے محلہ کے ایک بااثر آدمی سے شکایت کی کہ میاں میں اذان دیتا ہوں، کوئی نماز کو نہیں آتا، کہنے لگے ابھی لاتا ہوں، بااثر صاحب رسوخ آدمی تھے، محلہ میں گشت کیا اور لوگوں سے مسجد میں آنے کے لئے کہا، بہت سے لوگ مسجد میں آگئے، لوگوں کو مسجد میں پہونچا کر خود تشریف لے جانے لگے، مؤذن نے کہا کہ میاں آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ کہنے لگے کہ اتنے آدمیوں کو مسجد میں لے آیا ہوں، اب بھی مجھ سے کہتا ہے (گویا اب میری کیا ضرورت ہے)

قوت دافعہ کا یہ فائدہ ہے کہ عضو جب کسی چیز کو قبول کر لیتا ہے تو قوت دافعہ منافی اجزاء کو خارج کرتی ہے اور ان کے داخل ہونے سے انکار کرتی ہے، مثلاً طبیعت میں صلاحیت پیدا ہوئی، علم و ذکر نے اپنا اثر کیا، کچھ باطنی اصلاح ہوئی، تو اب اخلاق رذیلہ، غصہ، حسد، حرص، حب دنیا وغیرہ جیسے اخلاق دور ہوئے اور اُن سے انسان محفوظ ہو گیا۔ لیکن جن لوگوں میں قوت دافعہ

کا فقدان ہوتا ہے وہ ان منافی اور متضاد اثرات کو دفع نہیں کر سکتے، اور فوراً ان کا اثر قبول کر لیتے ہیں، اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مصاحب و درباری کسی بزرگ کے مرید تھے، وہ اپنے پیر کی ہمیشہ تعریف کیا کرتے تھے، اور انکی خدمت میں بادشاہ کے تشریف لے جانیکی درخواست کرتے، بادشاہ ٹال دیتے، ایک مرتبہ کچھ جی میں آگیا، فرمایا، تمھارے پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں گے، بادشاہ نے کوتوال شہر سے کچھ فرمادیا، الغرض پیر صاحب کی خدمت میں سلطان حاضر ہوئے، پیر صاحب اس وقت بڑے بڑے معارف و حقائق بیان فرما رہے تھے مضامین کا ورود تھا، اتنے میں کوتوال شہر حاضر ہوئے اور بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا، جہاں پناہ! بڑا غضب ہوگیا، فلاں افغانی نوربافوں (جولاہوں) کے محلہ میں گئے تھے، وہاں کسی بات پر تکرار ہوگئی، ان نوربافوں نے ان افغانی کو بہت زد و کوب کیا، اتفاق سے پیر صاحب بھی افغانی تھے، یہ سُن کر آپے سے باہر ہوگئے سب معارف و حقائق بھول گئے اور گالی دے کر کہا کہ وہ..... .... ہرگز افغانی نہ ہوگا اگر افغانی ہوتا تو جولاہے اُس کو پیٹ نہیں سکتے تھے، یہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ ان بزرگ میں قوت دافعہ نہیں تھی، وہ ایک ذراسی بات پر مشتعل ہو گئے، اور اس حملہ کی مدافعت نہ کر سکے۔

فرمایا، ایک مرتبہ کچھ ذکر و شغل کرنے والوں نے جو ایک شیخ سے تعلق رکھتے تھے شکایت کی کہ ہم عرصہ سے اللہ اللہ کر رہے ہیں لیکن ہمارے اندر کوئی کیفیت نہیں پیدا ہوئی اور نہ ہم کو اسکا کچھ احساس ہوتا ہے، فرمایا! ذکر کرتے وقت آپکو کچھ وساوس اور خیالات آتے ہیں، انھوں نے کہا بہت، فرمایا کہ شکر کیجئے کہ ذکر اپنا کام کر رہا ہے یہ اس کے اثر کی دلیل ہے، آپ کنواں کھودتے ہیں تو پہلے کیا نکلتا ہے؟ انھوں نے کہا کہ مٹی اور پتھر، فرمایا جو کچھ باطن میں ہوتا ہے، پہلے وہی نکلتا ہے، اس کے بعد پانی کی نوبت آتی ہے، یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اور صحابہ کرامؓ کی خصوصیت تھی کہ آپؐ نے ان کو بھرے ہوئے لبالب حوض پر لے جاکر کھڑا کر دیا، اور اُن کو مٹی اور پتھر نکالنے کی ضرورت پیش نہ آئی، گوہر مقصود اور نسبت باطنی ان کو یکدم سے حاصل ہوگئی،

فرمایا، کہ پہلی ضرورت اخلاق و معاملات کو درست کرنے، اور نفس کی اصلاح اور اس کو مغلوب کرنے کی ہے، جب تک نفس کا تسلط دور نہ ہوگا نہ اطاعت کا جذبہ پیدا ہوگا، نہ ایثار و قربانی

کا مادہ، جب ہم اپنے نفس پر اللہ کی حکومت قائم، اور اس کے حدود کو جاری نہیں کر سکتے' تو دوسروں پر کیا اللہ کی حکومت کو قائم اور اس کے حدود کو جاری کر سکیں گے، اخلاق و نفس کی اصلاح سے پہلے اگر ہم نے حدود شرعیہ کے جاری کرنے کا ارادہ کیا، تو فتنے پیدا ہوں گے اور بغاوت ہوگی' اس پر واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ ایک دوست کی خواہش و اصرار پر پاکستان کے قیام کے کچھ ہی دن بعد ہوائی جہاز سے کراچی گیا، وہاں کسی کو میرے آنے کی اطلاع نہ تھی، ٹنڈو سائیں داد میں میرے بہت سے اعزہ ہیں، میں نے کہا کہ اُن کو میرے آنے کی خبر بھی نہ ہوگی، میں ایک مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ پیر ہاشم جان نے مجھے دیکھ لیا، وہ لپٹ گئے اور فرمایا کہ آپ خوب آئے آج سجادہ نشینوں کا ایک اجتماع ہے آپ بھی اس میں شرکت کریں سب سے ملاقات ہو جائے گی، میں نے کہا کہ میں اجنبی آدمی ہوں اور مجھے جلسوں اور اجتماعات سے مناسبت نہیں، لیکن وہ نہ مانے اور مجھے لے گئے، دیکھا تو بڑے مشائخ جمع ہیں، وہاں یہ تجویز پیش کی گئی کہ حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا جائے کہ حدود شرعیہ کا نفاذ کرے اور مجرموں کو شرعی سزائیں دی جائیں، میں نے اس رائے سے اختلاف کیا، میں نے عرض کیا کہ اگر یہاں حدود جاری کی جائیں گی، چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اور زانی کو درّے لگائے جائیں گے تو مجھے اندیشہ ہے کہ بہت سی غیر تربیت یافتہ قومیں (جن کے اندر ایمان راسخ نہیں ہوا ہے) کہہ دیں گی کہ ہمارا ایسے اسلام کو سلام، اور ارتداد اختیار کرلیں گی، پہلے ایمانی تربیت اور اخلاق و معاملات کی اصلاح کی ضرورت ہے، پھر وہ پاکباز اور بے لاگ بندے کہاں ہیں؟ جو اپنی اولاد اور اعزہ پر بھی حدود جاری کر سکیں، اور اس کا نمونہ پیش کر سکیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی (معاذ اللہ) چوری کرے گی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دوں گا پہلے اپنی اخلاقی حالت کو دیکھئے اور امتحاناً کسی مسجد میں جوتا یا گھڑی چھوڑ دیجئے دیکھئے کیا حشر ہوتا ہوتا ہے، مسجدوں کے اندر کیا حال ہو رہا ہے؟ میرے ایک دوست کو نواب صاحب نے ایک قیمتی گھڑی عنایت کی تھی، وہ ایک دن میری مسجد میں نماز پڑھنے آئے اپنی گھڑی فصیل پر چھوڑ کر نماز شروع کر دی پھر وہیں بھول کر گھر چلے آئے، یاد آئی تو مسجد جا کر دیکھا تو غائب تھی، مسجد میں ایک نیک مرد مسجد کی بڑی خدمت کرتے تھے، مسجد کے باہر جانور بندھتے ہیں انکا گوبر لید وغیرہ صاف کرتے تھے، انکی اس خدمت کی بڑی قدر آتی تھی، میں نے کہا ہو نہ ہو یہی پیر مرشد لے گئے ہیں، اسی وقت

ہوٹل میں دکھلوایا اور بلوایا، میں نے کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں آپ اور گھر کے بچے سب تھانہ چلیں اس لئے کہ مسجد میں ہیں لوگ تھے اور پولیس والوں سے کہیں کہ ہم سب کی ٹھکائی کرو اور گھڑی نکلواؤ کہنے لگے ذرا ٹھہریئے میں مسجد میں جاکر تلاش کرتا ہوں، وہاں گئے، ایک بیچارہ غریب آدمی سویا کرتا تھا اپنے پاس سے نکال کر اس کے بستر میں رکھدی اور کہا کہ یہ رہی گھڑی۔

فرمایا کہ اصل مسئلہ دل و دماغ کے متاثر ہونے کا ہے، بعض لوگوں کے دل و دماغ انگریزی تعلیم و تہذیب سے متاثر ہو جاتے ہیں، اور بعض لوگ ان میں غوطہ لگانے کے باوجود اور انگریزوں سے تعلق رکھنے کے باوجود انگریزی تعلیم و تہذیب سے قطعاً متاثر نہیں ہوتے، یہاں شاہ جہاں بیگم صاحبہ کے زمانہ میں عبدالجبار خاں صاحب وزیر ریاست بن کر آئے، انھوں نے اعلیٰ انگریزی تعلیم پائی تھی اور حکام اور اعلیٰ درجہ کے انگریزوں کے ساتھ اُن کے گھریلو قسم کے تعلقات تھے، ان کے گھر میں انگریزوں اور میموں کا آنا جانا رہتا تھا، لیکن دل و دماغ اُن سے بالکل متاثر نہ تھے، نہایت جری، نڈر اور پکے مسلمان تھے، حلیہ اور لباس دیندار مسلمانوں کا تھا، کہتے تھے کہ اگر ہندوستانی مسلمان ننگے بھی ہو جائیں تب بھی انگریز اُن سے راضی نہ ہوں گے، وزارت کا چارج لیا تو دیکھا کہ ایک بڑی رقم منشی امتیاز علی صاحب مرحوم کے زمانہ سے جارہی ہے، اس کی مدت عرصہ ہوا ختم ہو چکی تھی، لیکن اس کا ارسال جاری تھا، بیگم صاحبہ سے کہا تو انھوں نے فرمایا کہ رہنے دیجئے، خواہ مخواہ فتنہ کھڑا ہوگا، انھوں نے کاغذات منگوائے، رزیڈنٹ کی غلطی تھی، انھوں نے حکام بالا کو لکھا، رزیڈنٹ کو سخت ناگوار ہوا، انھوں نے پروانہ کی اور جتنی رقم غلط جاچکی تھی اس کی واپسی کا مطالبہ کیا نتیجہ یہ ہوا کہ رزیڈنٹ کا تبادلہ ہوا اور اُن کی فتح، بیگم صاحبہ سے جاکر عرض کیا، وہ انکی کارگزاری اور جرأت سے بڑی خوش ہوئیں، ایک مرتبہ کوئی بڑا انگریز حاکم آرہا تھا، بیگم صاحبہ کے علاوہ سارا عملہ استقبال کے لئے گیا ریاست کے ایک انگریز افسر بھی موجود تھے، انھوں نے اپنے ماتحت ایک مسلمان افسر سے کہا کہ فلاں کاغذ نہیں آیا، انھوں نے جواب میں کہا کہ انشاء اللہ جلد بھیج دیا جائے گا، اس پر اس نے انشاء اللہ پر کچھ طنز کیا، وزیر صاحب کے کان میں یہ بات پڑی، انھوں نے اس انگریز سے کہا کہ تم نے ہمارے دین کی توہین کی، میں آنے والے مہمان سے سب سے پہلے اسی کی شکایت کروں گا، وہ بہت سٹپٹایا اور بار بار معافی مانگی، بڑی مشکل سے معاملہ رفع دفع ہوا۔

محدثین عظام کا عظیم الشان کارنامہ

فن اسماء الرجال

(۲)

از مولانا تقی الدین ندوی مظاہری

راویان حدیث کی دوسری صف (یعنی تابعین) تابعین اُنکو کہتے ہیں جنھوں نے صحابہ کرامؓ کو دیکھا، اور ان سے فیض پایا، عام اس سے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود ہوں مگر آپؐ کی زیارت کا موقع نہ ملا ہو، یا عہد نبویؐ کے آخر میں پیدا ہوئے ہوں اور اس لئے آپؐ سے فیضیاب نہ ہوسکے ہوں یا آپؐ کی وفات (ربیع الاول ۱۱ھ) کے بعد پیدا ہوئے ہوں۔[1] یہ سب تابعین میں داخل ہیں، یہ جماعت تابعین "والَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ" کا مصداق ہے، یہ طبقہ اگرچہ صحابہؓ کرام کے مرتبہ پر نہیں مگر ان کا نمونہ ضرور ہے، انھوں نے صحابہؓ کی زندگی کو اپنایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقائع، حالات، اور احکام و قضایا کی تعلیم و تبلیغ اور اشاعت میں پورا اہتمام کیا، صحابہؓ کرام سے ان تمام روایات، واقعات اور حالات کو پوچھ پوچھ کر، ایک ایک کے دروازے پر جاکر، بوڑھے، جوان، مرد، عورت، سب سے تحقیق کرکے حدیث و سنت کے ذخیرہ کی حفاظت کی، محمد بن شہاب زہری، ہشام بن عروہ، قیس بن ابی حازم، عطاء بن ابی رباح،

---

[1] توجیہ النظر صفحہ ۱۱ از شیخ طاہر جزائری۔

سعید بن جبیر، ابو الزناد وغیرہ سیکڑوں تابعین ہیں جنھوں نے دن رات ایک کرکے گوشہ گوشہ سے دانہ دانہ جمع کیا، امام مکحول دمشقی جلیل القدر تابعی ہیں، اپنی تعلیمی روداد بیان کرتے ہیں۔

عتقت بمصر فلم ادع بھا علماً الا	میں مصر میں غلامی سے آزاد کیا گیا، آزاد
حویتہ فیما اری ثم اتیت العراق	ہونے کے بعد مصر میں علم (مراد علم حدیث)
ثم المدینۃ فلم ادع بھا علماً الا	کا جو ذخیرہ تھا جہاں تک میرا خیال ہے،
حویتہ فیما اری ثم اتیت الشام	اسیر میں حاوی ہو گیا، پھر عراق پہونچا،
فغربلتھا[۱]	اس کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوا، ان دونوں
	شہروں میں جو علم پھیلا ہوا تھا، اس کو بھی
	میں نے جہاں تک میں سمجھتا ہوں سمیٹ لیا،
	پھر شام آیا اور یہاں کے علم کو میں نے چھلنی
	میں چھان لیا۔

علم حدیث کی طلب اور اس کے ساتھ شغف کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک شہر میں ہزارہا طالبین ہوتے تھے۔ محمد بن سیرین جو جلیل القدر تابعی ہیں، بیان کرتے ہیں۔

قدمت الکوفۃ وبھا اربعۃ	میں کوفہ آیا تو وہاں حدیث کے ہزارہا
آلاف یطلبون الحدیث[۲]	طالب علم موجود تھے۔

محدث حاکم نیشاپوری نے "معرفۃ علوم الحدیث" کی "النوع التاسع والاربعین" میں زیر عنوان "معرفۃ الائمۃ الثقات المشھورین من التابعین واتباعھم ممن یجمع حدیثھم للحفظ والمذاکرۃ والتبرک بھم وبذکرھم من الشرق الی الغرب" (یعنی تابعین اور تبع تابعین میں سے ان مشاہیر ائمہ ثقات کا تعارف جن کی حدیثیں حفظ و مذاکرہ کے لئے اور اُن سے اور ان کے ذکر سے برکت حاصل کرنے کے لئے مشرق سے لے کر مغرب تک یعنی سارے عالم اسلامی میں جمع کی جاتی ہیں) بلاد اسلامیہ کے ان تمام ائمہ ثقات تابعین و تبع تابعین کے نام گنائے ہیں، جو دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ میں پھیلے ہوئے تھے،

۱۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۹۵ ۲۔ تدریب ص ۲۷۵

اور اسی عنوان کے تحت آسکتے تھے، حضرات تابعین کے جو حالات تذکرہ کی کتابوں میں بیان کئے گئے ہیں، ان کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان حضرات نے حدیث وسنت کی تحصیل میں ہر طرح کی قربانیاں دیں اور علم کی جو دولت انھیں اپنے اساتذہ یعنی صحابہ کرام سے ملی تھی اور حدیث وسنت کا جو سرمایہ تعامل وتوارث اور حفظ وکتابت کی راہ سے منتقل ہو کر ان حضرات کے پاس آیا تھا، اسکو انھوں نے پوری حزم واحتیاط کے ساتھ اپنے تلامذہ یعنی تبع تابعین کے حوالہ کیا۔

حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ طبقۂ تابعین میں انتہائی تحقیق وتفتیش اور غایت درجہ تنقید کے بعد بھی کوئی راوی کاذب نہیں ملا[1]

حافظ سخاوی حدیث "مرسل" کے باب میں فرماتے ہیں

ان احتمال الضعف بالواسطة	ضعف کا احتمال واسطے میں جہاں تابعی ہوں
حیث کان تابعیاً لاسیما بالکذب	بالخصوص کذب کی بنیاد پر بہت ہی بعید ہے،
بعید جداً، فانه صلی اللہ علیه	کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تابعین
وسلم اثنیٰ علی عصر التابعین و	کے عصر کی مدح کی ہے اور صحابہ کے بعد
شهد له بعد الصحابة بالخيرية	ان کے زمانے کے لئے بھی بھلائی کی شہادت
کما تقدم بحیث استدل بذالك	دی ہے، چنانچہ اس سے قرون ثلاثہ (صحابہؓ
علی تعدیل اهل القرون الثلاثة	تابعین وتبع تابعین کے ادوار) کی عدالت
وان تفاوتت منازلهم بالفضل[2]	پر استدلال کیا گیا ہے اگرچہ فضیلت کے
	لحاظ سے ان کے درجات میں تفاوت ہے۔

حافظ شمس الدین سخاوی لکھتے ہیں: پہلی صدی ہجری جو صحابہؓ وتابعین کے دور میں گزری، اسمیں حارث، اعور اور مختار کذاب جیسے اکا دکا اشخاص کو چھوڑ کر کسی ضعیف الروایۃ شخص کا تقریباً وجود نہ تھا، پھر پہلی صدی گزر کر جب دوسری صدی آئی تو اس کے اوائل میں اوساط تابعین کی ایک جماعت ہوئی جو زیادہ تر حدیث کو زبانی یاد رکھنے اور اپنے ذہن میں محفوظ رکھنے کے لحاظ

---

[1] حجیت حدیث صفحہ ۱۴۵ بحوالہ تذکرۃ الحفاظ [2] فتح المغیث صفحہ ۵۶

سے ضعیف سمجھی گئی[1]۔ حافظ سخاوی فرماتے ہیں خلف بن خلیفہ آخری تابعی ہیں جن کے بعد تابعین کے وجود سے بزم عالم خالی ہو گئی اور انکی وفات ۱۸۱ھ میں ہوئی ہے[2]۔

فتنہ کا آغاز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اخیر دور خلافت میں تقدیر الٰہی سے کچھ ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ فتنوں نے سر نکالا، اور اسلام کے خلاف ایک عجیب و غریب تحریک شروع ہوئی۔ اس تحریک کا بانی عبد اللہ بن سبا یہودی تھا جو اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کرتا تھا، اس کا خاص نصب العین یہ تھا کہ لوگوں کو یہ باور کرایا جائے کہ صحابہ کرام میں سے نہ تو کوئی اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا اور مخلص دوست تھا اور نہ ہی (معاذ اللہ) آپ سے انھیں کوئی عقیدت تھی، ظاہر بات ہے کہ جماعت صحابہؓ سے اگر اعتماد اٹھ جائے تو دین کا سارا ایوان ہی مسمار ہو کر رہ جائے گا، اس فتنے نے زور پکڑا بالآخر اسی کے نتیجہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مسلمان خانہ جنگیوں میں مبتلا ہو گئے، موقع پا کر یہ سبائی پارٹی حضرت علیؓ کی فوج میں گھس مل گئی مورخین کا اتفاق ہے کہ جنگ "جمل" کا واقعہ مطلقاً پیش نہ آتا، اگر یہ سبائی جماعت صلح کو جنگ سے بدلنے میں کامیاب نہ ہوئی ہوتی، جنگ "جمل کے بعد صفین و خوارج وغیرہ کی لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، اس موقع سے فائدہ اٹھا کر یہ سبائی جماعت اپنے خیالات اور بے سر و پا روایات پھیلاتی رہی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: "اول من کذب عبد اللہ بن سبا"[3] (روایات کے سلسلہ میں جس شخص نے جھوٹ چلایا وہ عبد اللہ بن سبا تھا) یعنی اسی نے سب سے پہلے جھوٹی حدیثوں کا دھواں فضا میں پھیلانے کی ناپاک کوشش کی، بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سازش سے واقف ہوئے، اور آپ تک عبد اللہ بن سبا اور اس کے ساتھیوں کی باتیں پہنچائی گئیں، حضرت والا سخت ناراض ہوئے اور فرمایا "ومالی و لھذا الخبیث الاسود" (اس سیاہ کالے خبیث سے مجھے کیا علاقہ) اور اعلان عام کر دیا کہ جو اس طرح کی باتیں کرے گا، اسکو سخت سزا دی جائے گی، بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس جماعت سے دار و گیر میں سختی سے کام لیا،

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "قد احرقھم علیؓ فی خلافتہ"[5] (یعنی ان لوگوں کو حضرت علیؓ نے

---

[1] الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ صفحہ ۱۶۳ [2] فتح المغیث صفحہ ۳۹۷ [3] تدوین حدیث صفحہ ۲۴۳ از مولانا گیلانیؒ [4] لسان المیزان صفحہ ۲۸۹ ج ۳ [5] لسان المیزان صفحہ ۲۸۹ ج ۳

اپنی خلافت کے زمانے میں آگ میں ڈلوادیا) فی الواقع یہ لوگ حضرت علیؓ کے خدا ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے۔

مگر مشکل یہ تھی کہ کوفہ، بصرہ، شام، مصر، حجاز، ہر جگہ اس جماعت کے نمایندے پھیلے ہوئے تھے اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوری قوت سے اس فتنے کو دبایا اور لوگوں کو اس جماعت کی سازش سے آگاہ کیا، علامہ ذہبی نے حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے:

قاتلهم الله اى عصابة بيضاء	خدا انھیں ہلاک کرے، کتنی روشن جماعت
سودوا واى حديث من حديث	کو انھوں نے سیاہ کیا، اور رسول اللہ
رسول الله صلى الله عليه وسلم	صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی حدیثوں کو
افسدوا[۱]	انھوں نے بگاڑا۔

ظہور فتنہ کے بعد روایت حدیث میں احتیاطی تدابیر

اس فتنہ کے رونما ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے غلط و صحیح کے درمیان امتیاز پیدا کرنے کے لئے ایک عمومی ضابطہ بیان فرمایا جس کو علامہ ذہبی نے نقل کیا ہے۔

حدثوا الناس بما يعرفون و	لوگوں سے انھیں باتوں کو بیان کرو،
دعوا ما ينكرون الخ	جنھیں وہ جانتے پہچانتے ہوں اور جن سے
	وہ آشنا نہ ہوں ان کو نہ بیان کرو

حافظ ذہبی اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کہ حدیثوں کے پرکھنے کے لئے یہ ایک معیار و کسوٹی ہے کہ منکر و واہی احادیث کے بیان کرنے سے باز رہا جائے، خواہ فضائل سے متعلق ہوں، یا عقائد ورقاق سے، اور اس سے واقفیت رجال کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں[۲]

فتنہ کے رونما ہونے کے بعد راویانِ حدیث کے حالات معلوم کرنے کی ضرورت پڑی محمد بن سیرین فرماتے ہیں:

لم يكونوا يسألون عن الاسناد	لوگوں سے اسناد کے بارے میں نہیں پوچھا جاتا
فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا	تھا، لیکن جب فتنہ پھیلا تو حدیث بیان
رجالكم فينظر الى اهل السنة فيؤخذ	کرنے والوں سے یہ کہا جانے لگا کہ اپنے راویو

---

[۱] لسان المیزان ج۳ ص۲۰۹ [۲] تذکرۃ الحفاظ ص۱۲ ج۱ [۳] تذکرۃ الحفاظ ص۱۲ ج۱

حدثیھم وینظر الیٰ اھل البدع فلا یوخذ حدیثھم

کے نام بتاؤ اگر وہ اہل سنت میں سے ہیں تو انکی روایات قبول کی جائیں گی اور اگر وہ اہل بدعت میں سے ہیں تو ان کی روایات قبول نہیں کی جائیں گی۔

امام مسلم نے اپنے مقدمہ میں حضرت ابن عباسؓ کے متعلق یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ، بشیر بن کعب عدوی ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے کچھ حدیثیں بیان کرنے لگے، مگر حضرت ابن عباس کا یہ حال تھا "لایاذن لحدیثہ ولاینظر الیہ" کہ ابن عباسؓ نہ ان کی حدیثوں کی طرف کان لگاتے تھے اور نہ کوئی توجہ فرماتے تھے، بشیر کو تعجب ہوا اس پر حضرت ابن عباسؓ نے بشیر کے سامنے اپنا ایک حال ان الفاظ میں بیان فرمایا۔

انا کنا مرۃ اذا سمعنا رجلا یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتدرتہ ابصارنا و اصغینا الیہ بآذاننا، فلما رکب الناس الصعب والذلول لم ناخذ من الناس الا ما نعرف

ایک زمانہ ہم پر ایسا گزرا ہے کہ جب ہم سنتے کہ کوئی آدمی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ رہا ہے تو ہماری نگاہیں فوراً اس کی طرف اٹھ جاتی تھیں اور ہم ہمہ تن گوش ہوکر اس کی بات سنتے تھے پھر جب لوگ ہر سرکش (اونٹ) اور غیر سرکش پر سوار ہونے لگے، (یعنی غلط و صحیح میں تمیز جاتی رہی اور رطب و یابس ہر طرح کی باتیں بیان کرنے لگے) تو اب ہم صرف انھیں حدیثوں کو قبول کرتے ہیں، جنھیں ہم خود جانتے ہیں۔

ابن عباسؓ کے اس قول کی شرح حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے ان الفاظ میں کی ہے،

ای ما یوافق المعروف او نعرف فیہ امارات الصحۃ وسمات الصدق

یعنی جو جانی پہچانی ہوئی روایتوں کے موافق ہوں یا ان میں صحت کی نشانیاں اور سچائی کی علامتیں پائی جائیں۔ (باقی صفحہ ۳۲ پر)

۱؎ مقدمہ مسلم صد ۱۱ ۲؎ فتح الملہم ج ۱ صفحہ ۱۲۸

اَحکامِ شریعت اور حِکَم ومَصالح کا مَقام

(حضرت شاہ ولی اللہؒ)

[حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" کا خاص موضوع احکام شرعیہ کے اسرار و حکم کا بیان ہے، اور شاہ صاحبؒ نے کتاب کے افتتاحیہ میں اشارہ فرمایا ہے کہ انھوں نے یہ کتاب آنے والے دور کے لیے الہامی اشاروں پر لکھی ہے بلکہ ان سے لکھوائی گئی ہے —— اصل کتاب شروع کرنے سے پہلے شاہ صاحبؒ نے اس کے مقدمہ میں سب سے پہلے اس موضوع پر خاصی تفصیل سے کلام فرمایا ہے کہ شریعت کے احکام میں ایسی حکمتیں اور مصلحتیں ملحوظ ہیں یا نہیں جن کو عقل بھی تسلیم کرلے۔ اور اگر ملحوظ ہیں تو ان کا کیا مقام اور درجہ ہے —— ذیل میں شاہ صاحب کی اس بحث کو تلخیص اور تسہیل و توضیح کے ساتھ اردو میں منتقل کرکے پیش کیا جارہا ہے —— اگر اللہ نے توفیق دی تو "حجۃ اللہ" کے اہم ابواب و فصول کو اسی طرح اردو میں منتقل کرکے پیش کرنے کا ارادہ ہے
واللہ المُستَعان —————— ادارہ]

فرماتے ہیں۔

"اس بارہ میں ایک رائے یہ بھی ہے کہ "احکامِ شرعیہ" میں بندوں کی کسی مصلحت کا کوئی لحاظ نہیں کیا گیا، اس لیے کسی حکمِ شرعی کی حکمت و مصلحت تلاش کرنا محض لایعنی تکلف ہے۔ اسی طرح انسان کے کسی اچھے یا بُرے عمل اور کتاب و سنت میں بیان کی ہوئی اس کی جزا یا سزا کے درمیان کسی خاص مناسبت کا تلاش کرنا بھی غلط ہے، بلکہ یہ چیزیں محض بامرِ خداوندی ہیں۔ اور بندوں پر عائد کیے جانے والے شرعی احکام کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی آقا اپنے غلاموں کی فرمانبرداری اور نافرمانی کا

امتحان لینے کے لیے انھیں حکم دے کہ جاؤ اس پتھر کو اٹھا لاؤ، یا اس درخت کو جا کر چھو لو۔ اور پھر اس حکم کی تعمیل سے راضی ہو اور انعام سے نوازے، اور نافرمانی کرنے پر ناراض ہو اور سزا دے ___ تو جس طرح پتھر کے اٹھانے اور درخت کے چھونے میں آقا یا غلام کسی کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہے، بلکہ وہ صرف فرمانبرداری اور نافرمانی کی علامت ہے اور اسی کی بنا پر وہ جزا یا سزا کے مستحق ہیں، اسی طرح شریعت کے مثبت اور منفی احکام کا حال ہے کہ ان میں بجائے خود کوئی افادیت اور حکمت و مصلحت نہیں ہے، بلکہ وہ صرف فرمانبرداری اور نافرمانی جانچنے کا ظاہری ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔ اور بس اسی فرمانبرداری اور نافرمانی سے جزا اور سزا کا تعلق ہے۔

(شاہ صاحب اس رائے کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں)

لیکن یہ رائے بالکل غلط ہے، علاوہ عقل و فہم کے خود کتاب و سنت کے صریح نصوص اور قرون مشہود لہا بالخیر کے اجماع سے اس کی تغلیط اور تردید ہوتی ہے ___ اہل علم کے لیے اس سلسلہ میں یہ چند اشارے کافی ہوں گے۔

قرآن و حدیث کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی اعمال کے بارہ میں اصل اعتبار انسان کی نیت کا اور اس اندرونی داعیہ اور جذبہ کا ہے جو در اصل اعمال کا سرچشمہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ کا مشہور و معروف ارشاد ہے۔

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ۔ الحدیث	اعمال کی مقبولیت و مردودیت اور جزا و سزا کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔

اور قربانیوں کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے

لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ	تمھاری قربانیوں کا گوشت اور خون اللہ کے پاس نہیں پہونچتا بلکہ وہ تقویٰ اس کے پاس پہونچتا ہے جو ان قربانیوں کا باعث اور محرک ہوتا ہے۔

اس آیت اور مندرجۂ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل چیز جس کی اللہ کی نگاہ میں قدر و قیمت ہے اور جس پر بندہ انعام کا مستحق ہوتا ہے وہ عمل نہیں بلکہ دل کی نیت اور اندرونی جذبہ ہے، اور ظاہر ہے کہ

اس جذبہ میں بڑی معنویت ہے)

اسی طرح قرآن مجید میں صراحۃً فرمایا گیا ہے کہ اقامت صلوٰۃ کے حکم کا مقصد یہ ہے کہ بندہ اس کامل طریقہ پر اللہ کو یاد کرے ۔ ارشاد ہے۔

أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي ۝ میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔

اور بعض احادیث صحیحہ میں اشارہ فرمایا گیا ہے کہ نماز کی ایک خصوصیت اور تاثیر و برکت یہ ہے کہ وہ بندہ کو آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کی نعمت اور لذت حاصل کرنے کے قابل بناتی اور اس کی استعداد پیدا کرتی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تاثیر و برکت کا حوالہ دیتے ہوئے نماز کی تاکید فرمائی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں دیدار خداوندی کی بشارت سناتے ہوئے آپ نے فرمایا ہے۔

فان استطعتم ان لا تغلبوا علیٰ صلوٰۃ قبل طلوع الشمس وصلوٰۃ قبل غروبها فافعلوا — لہٰذا جہاں تک بن پڑے اس کی پوری کوشش کرو کہ تمہاری فجر اور عصر کی نماز کبھی فوت نہ ہو۔

یہ حدیث صاف بتا رہی ہے کہ بالخصوص نماز فجر و عصر کو دیدار خداوندی کی نعمت کے ساتھ کوئی خاص نسبت اور تعلق ہے اور اس سے اس کی استعداد پیدا ہوتی ہے۔

اسی طرح قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت کی دو خاص مصلحتیں ہیں۔ ایک بندہ کی نفسانی بیماری رذیلہ بخل کا علاج جو ایک نہایت مہلک روحانی مرض ہے۔ اور دوسری اللہ کے حاجتمند بندوں کی امداد و اعانت۔ چنانچہ قرآن مجید میں بخل کی بنا پر زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے متعلق فرمایا گیا ہے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ — جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت کی نعمت سے نوازا ہے اور وہ راہ خدا میں اس کے خرچ کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں وہ ہرگز گمان نہ کریں کہ یہ مال و دولت ان کے حق میں کوئی اچھی چیز ہے، بلکہ وہ ان کے

حق میں شر محض ہے۔ قیامت کے دن ان کے
گلے کا طوق بنا دیا جائے گا وہ مال جس کے
خرچ کرنے میں انھوں نے بخل کیا تھا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جن مقاصد کے لیے زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے ان میں سے ایک رذیلۂ بخل کا علاج بھی ہے ــــ اور حضرت معاذ کی مشہور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے بارہ میں فرمایا۔

توخذ من اغنیائھم وترد الی فقرائھم	وہ قوم کے دولت مندوں سے وصول کی جائے گی اور انھی میں کے اہلِ حاجت کو دے دی جائے گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ فقراء و مساکین کی امداد و اعانت بھی زکوٰۃ کے خاص مقاصد میں سے ہو۔

اسی طرح روزہ کے بارہ میں قرآن و حدیث کے اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصد نفس یعنی قوتِ بہیمیہ کے تقاضوں کو دبانا اور مغلوب کرنا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس کی فرضیت کا اعلان فرماتے ہوئے اس کی لِم یہ بیان کی گئی ہے کہ روزوں کے اثر سے تمہارے اندر تقوے کی صفت پیدا ہو۔ (لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر اُن لوگوں کے لیے جو فطری تقاضے کی بنا پر نکاح کے ضرورتمند ہوں لیکن معاشی تنگ حالی یا ایسی ہی کسی مجبوری کی وجہ سے نکاح نہ کر سکتے ہوں آپ نے مشورہ دیا کہ وہ روزے زیادہ رکھیں اور اس کی لِم یہ بیان فرمائی کہ روزہ میں شہوت کو توڑنے اور دبانے کی خاص تاثیر ہے (فَاِنَّ الصَّوْمَ لَهٗ وِجَاءٌ)

اسی طرح اسلام کے آخری رکن حج اور اس کے مناسک کے بارے میں قرآن و حدیث کے اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کا مقصد شعائر اللہ، بیت اللہ، حجر اسود اور صفا و مروہ اور مقام ابراہیم وغیرہ کی تعظیم ہے، یعنی یہ کہ ان کی عظمت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی خاص نسبت کا ظہور ہو ــــ قرآن پاک کی آیات "اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۚ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ

عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا" اور دوسری آیت "اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰہِ" میں غور کرنے سے یہ بات پوری طرح کھل جاتی ہے۔

اسی طرح قصاص اور حدود و کفارات کی آیات میں غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان احکام کا مقصد قتل وظلم اور فواحش ومعاصی کا انسداد ہے۔ علیٰ ہذا آیاتِ جہاد میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ اور ظلم وفساد کی طاقتوں کو توڑ دینا ہے تاکہ وہ اللہ کے بندوں پر مظالم نہ کرسکیں۔ فرمایا گیا ہے

قَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ۔

دین کے دشمنوں سے جنگ کرو تاکہ فتنہ وفساد کا سلسلہ ختم ہوجائے اور دین سارا اللہ کا ہوجائے اور اس کے بندے بے روک ٹوک اس کو قبول کرسکیں۔

علیٰ ہذا خرید و فروخت وغیرہ معاملات اور نکاح وطلاق جیسے معاشرتی مسائل کے بارہ میں شریعت کے جو احکام ہیں ان سے متعلق آیات واحادیث میں غور کرنے سے سمجھا جاسکتا ہے کہ ان احکام کا بنیادی مقصد معاشرہ کے لیے ایک صالح اور عادلانہ نظام کا قیام ہے۔

الغرض مختلف ابواب کے احکام شرعیہ سے متعلق جن آیات واحادیث کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اُن سے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ ان احکام کے ساتھ کچھ مصالح اور حکمتیں وابستہ ہیں اور ہر دور کے علماء محققین نے یہ بات کہی بھی ہے پس اگر کوئی شخص ان حقائق سے ناآشنا ہے اور اس بنا پر اس کو اس سے انکار ہے تو دراصل وہ بیچارہ دین کی معرفت اور اس کے بارہ میں بصیرت سے خالی ہاتھ ہے۔

مسئلہ کی مزید وضاحت کے لیے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند احادیث اور یاد دلاتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مخصوص اوقات کے لیے بعض خاص اعمال کی ترغیب دیتے ہوئے خود ہی وقت کی اس تعیین کی لِم ظاہر فرمائی ہے، مثلاً زوال کے بعد اور ظہر سے پہلے آپ چار رکعتیں پڑھتے تھے اور دوسروں کو اس کی ترغیب بھی دیتے تھے اور خود ہی اس کی خاص وجہ آپ نے یہ بیان فرمائی کہ اس وقت آسمانوں کے دروازے کھلتے ہیں اور بندگانِ خدا کے اعمال بارگاہِ الٰہی کی طرف لے جائے جاتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ اس وقت میرا کوئی اچھا عمل دربارِ خداوندی میں پیش ہو، تو اس لیے میں اس وقت یہ رکعتیں پڑھتا ہوں۔ اسی طرح یوم عاشوراء کے روزہ کی وجہ آپ نے یہ بتائی کہ یہ وہ دن

سے جس میں موسیٰ اور ان کی قوم کو فرعون کے مظالم سے نجات ملی تھی، اور فرعون اور اُس کا لشکر غرقاب ہوا تھا، تو موسیٰ نے اس کے شکریہ میں روزہ رکھا تھا پس ہم بھی ان کی پیروی میں روزہ رکھتے ہیں۔

اسی طرح بعض احکام کی علت آپ نے خود بیان فرمائی۔ مثلاً آپ نے حکم دیا کہ جو شخص سو کر اُٹھے وہ پانی میں ہاتھ نہ ڈالے جب تک کہ پہلے ہاتھوں کو دھو نہ لے، اور اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ "فانہ لا یدری این باتت یدہ" (اسے نہیں معلوم کہ سونے کی حالت میں اس کا ہاتھ کہاں کہاں گیا) علیٰ ہٰذا سو کے اُٹھنے کے بعد پانی سے ناک کی صفائی کا حکم دیتے ہوئے آپ نے اس کی ایک علت یہ بھی بیان فرمائی "فان الشیطان یبیت علیٰ خیشومہ" (آدمی کے سونے کی حالت میں شیطان کی خاص قیام گاہ اور کارگاہ اس کے نتھنے ہوتے ہیں) علیٰ ہٰذا سونے سے وضو ٹوٹ جانے کا سبب بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا "فانہ اذا اضطجع استرخت مفاصلہ" (آدمی جب لیٹ کر سو جاتا ہے تو اس کے جسم کے سارے جوڑ بند ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور اس حالت میں خروجِ ریاح کا امکان زیادہ ہوتا ہے، اس لیے سو کے اٹھنے کے بعد وضو ضروری ہے۔) اسی طرح حج میں رمی جمار کا حکم دیتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اس کا اصل مقصد "اقامتِ ذکر اللہ" ہے ـــ اور استیذان (یعنی کسی مسکونہ گھر میں داخل ہونے سے پہلے گھر والوں کو باخبر کرنے اور اجازت لینے) کے ضروری قرار دیئے جانے کے بارہ میں آپ نے فرمایا کہ اس کا مقصد پردہ اور آنکھوں کی حفاظت ہے۔ اسی طرح کھانے پینے کی کسی چیز میں بلّی کے منہ ڈال دینے سے اس کے ناپاک قرار نہ دیئے جانے کی وجہ آپ نے یہ بیان فرمائی کہ بلّی گھر کے بال بچوں کی طرح ہر وقت گھر میں رہنے والا جانور ہے اگر اس کے منہ ڈال دینے کی وجہ سے ناپاکی کا حکم دے دیا جائے تو لوگ بڑی مشکل میں پڑ جائیں گے۔

اسی طرح بعض چیزوں کی ممانعت کی وجہ آپ نے یہ بیان فرمائی کہ ان سے فلاں مفسدہ کا خطرہ ہے، مثلاً غیلہ (بچے کی شیر خواری کے زمانے میں اس کی ماں سے صحبت) سے ممانعت کا سبب آپ نے یہ بیان فرمایا کہ اس سے بچہ کی نشو و نما اور توانائی پر بُرا اثر پڑنے کا اندیشہ ہے، اور بعض چیزوں کی ممانعت کا سبب آپ نے یہ بیان فرمایا کہ اس میں کفار و مشرکین کے کسی گروہ سے مشابہت ہو۔ چنانچہ طلوعِ آفتاب کے وقت نماز پڑھنے سے منع کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اس وقت آفتاب پرست مشرکین اس کو سجدہ کرتے ہیں۔

ایسے ہی بعض احکام کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ یہ حکم بندوں کی سہولت اور آسانی کے لیے دیا گیا ہے مثلاً رمضان کی راتوں میں کھانے پینے اور صحبت کی اجازت دینے کا سبب یہی بیان فرمایا گیا ہے (عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ۔ الآیۃ)

اور بعض مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب و ترہیب کے اسرار بیان فرمائے، اور پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کو خود دفع فرمایا۔ مثلاً آپ نے مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب گھر کے مقابلہ میں ۲۵ گنا زیادہ ملے گا۔ اس پر بعض ذہنوں میں جو استبعاد پیدا ہو سکتا تھا اس کو دفع کرنے کے لیے آپ نے اس کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ جب آدمی اچھی طرح وضو کر کے جماعت کی شرکت ہی کے لیے مسجد کی طرف چلے گا تو اس کے ایک ایک قدم پر نیکیاں لکھی جائیں گی، گناہ معاف کیے جائیں گے اور درجے بلند ہوں گے ــــ اسی طرح جب آپ نے فرمایا کہ "جب دو مسلمان تلواریں لے کر ایک دوسرے پر حملہ آور ہوں پھر ان میں سے کسی کے وار سے دوسرا قتل ہو جائے تو قاتل و مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے" ــــ تو بعض صحابہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ قاتل کا جہنم میں جانا تو سمجھ میں آ گیا، لیکن بیچارہ مقتول کیوں دوزخ میں جائے گا؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس نے بھی قتل کرنے کی نیت اور ارادہ سے تلوار اٹھائی تھی، لیکن اپنا ارادہ پورا نہ کر سکا، تو ارادہ اور نیت کے لحاظ سے وہ بھی قتل کا مجرم ہے اور اصل چیز نیت ہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث سے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ شریعت کے احکام بے مقصد اور بے مصلحت نہیں ہیں بلکہ ان کے ساتھ عظیم حِکَم و مصالح وابستہ ہیں اور یہاں تو ہم نے صرف چند احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اگر استقصاء سے کام لیا جائے تو اتنی حدیثیں اس سلسلہ میں پیش کی جا سکتی ہیں جن کا شمار بھی مشکل ہو۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے صحابہ سے جو کچھ منقول ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً غسل جمعہ کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا جو تفصیلی بیان کتب احادیث میں مروی ہے وہ اس کی واضح مثال ہے، علیٰ ہذا پھلوں کے کارآمد ہونے سے پہلے ان کی خرید و فروخت کی ممانعت کی جو وجہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی

اور اسی طرح خانۂ کعبہ کے صرف دو رکنوں (حجر اسود اور رکنِ یمانی) کے استلام کا جو سبب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا وہ بھی اس کی کھلی ہوئی مثال ہے کہ یہ حضرات بھی احکامِ شریعت کو حکم و مصالح سے وابستہ سمجھتے تھے۔

پھر صحابۂ کرام کے بعد تابعین اور ان کے بعد ائمہ مجتہدین کا رویہ بھی یہی رہا کہ وہ احکامِ شریعت کی علتوں اور حکمتوں کے بارہ میں غور کرتے تھے اور اسی پر اجتہاد و قیاس کی بنیاد رکھتے تھے۔

پھر اس کے بعد امام غزالی، خطابی اور ابن عبدالسلام نے اپنے اپنے زمانہ میں اس کام کو اور آگے بڑھایا اور اس سلسلہ میں انھوں نے بڑی لطیف بحثیں کیں اور بڑی قیمتی تحقیقات بعد والوں کے لیے چھوڑیں ـــــ اللہ تعالیٰ ان کی ساعی کو مشکور فرمائے اور اپنے فضلِ خاص سے ان کو نوازے۔

ـــــــــــ (باقی)

تفسیرِ حقّانی

اُردُو زبان میں اپنی نوعیت کی واحد تفسیر

قرآن پاک کی تفسیروں میں اپنی شان کی ایک ہی تفسیر جو علماء سے عوام تک سب کے لیے یکساں مفید ہے۔ علمی نکات کے علاوہ اسلام پر اعتراضات کے خاموش کر دینے والے جوابات، ہندو دھرم، عیسائی مذہب اور دیگر مذاہب کی پوری تشریح اور اسلام سے موازنہ۔ زبان انتہائی ستھری، طرزِ بیان عارفانہ اور اثر انگیز، ۲۰×۳۰ ۸ سائز کے تقریباً تین ہزار صفحات پر مشتمل، مکمل سیٹ کی قیمت ساٹھ روپیہ ہے۔ لیکن اشاعتِ تفسیر کے مقدس جذبے کے تحت ہم نے تفسیر کو بارہ حصوں میں تقسیم کر دیا ہے اور ہر ماہ پانچ روپے کی وی پی ان حضرات کو روانہ کرتے ہیں جو اپنا مکمل پتہ ہمارے یہاں مکمل تفسیر کے لیے درج کرا دیں۔ امید ہے کہ تفسیر قرآن کی وسیع اشاعت کیلئے آپ اپنا پتہ درج کرا کے ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں گے۔ (فہرست کتب مفت طلب فرمائیے)

ناشر:- کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند (یو پی)

کراچی اور لاہور کی نایاب مطبوعات (اُردو)

تاریخ طبری حصہ اول (سیرت نبوی) ۱۶/-
تاریخ طبری حصہ دوم (خلافت راشدہ) ۱۵/-
تاریخ ابن خلدون مکمل ترجمہ۔ حصہ اول ۱۲/-
دوم ۱۲/- سوم ۱۱/- چہارم ۱۱/- پنجم ۱۵/- ششم ۱۵/-
ہفتم ۱۲/-
خلافت بنو اُمیّہ (از ابن اثیر)
حصہ اول ۹/۷۵ دوم ۱۰/۷۵
زاد المعاد (مکمل ترجمہ) چار جلدیں ۴۴/۷۵
فتوح البلدان (بلاذری) ۱۵/-
منتخب اللباب (نظام الملک خانی خاں)
یعنی مغلیہ دور حکومت، حصہ اول ۹/-
حصہ دوم ۹/- سوم ۱۱/- چہارم ۱۱/-
تاریخ غرناطہ۔ اول ۱۱/- دوم ۱۱/-
ترجمان السنہ (مولانا بدر عالم) حصہ چہارم ۱۵/-
سفرنامہ ابن بطوطہ مکمل دو حصے اردو ترجمہ ۱۵/-
عہد لارڈ ماؤنٹ بیٹن۔ مصنفہ کیمبل جانسن
مترجمہ یونس احمر ۱۴/-
امام ابن القیم رح مصنفہ عبد العظیم عبد السلام
مترجمہ حافظ رشید احمد ارشد۔ ۱۲/-

نظام الملک طوسی۔ مصنفہ عبد الرزاق کانپوری ۱۲/-
البرامکہ۔ مصنفہ عبد الرزاق کانپوری ۱۲/-
فقہ الاسلام۔ مصنفہ حسن احمد الخطیب
مترجمہ حافظ رشید احمد ارشد ۱۲/-
طبقات الاولیاء۔ از شیخ عبد الوہاب الشعرانی ۱۲/۹۰
آپ بیتی۔ از ظفر حسن ایبک (مولانا عبید اللہ سندھی کے
ساتھی) حصہ اول ۵/-، حصہ دوم ۴/-
مولانا محمد احسن نانوتوی۔ از محمد یعقوب قادری ۳/-
تاریخ فلاسفۃ الاسلام۔ مصنفہ ڈاکٹر میر ولی الدین ۸/۷۵
سفینۃ الاولیاء۔ مصنفہ شہزادہ دارا شکوہ
ترجمہ محمد علی لطفی ۹/۷۵
سیاست نامہ۔ مصنفہ نظام الملک طوسی
ترجمہ شاہ حسن عطا ۶/-
فلسفۂ اسلام مصنفہ ڈی اولیری
مترجمہ مولوی احسان احمد ۹/۷۵
آیات بیّنات۔ مصنفہ محسن الملک مکمل ۲ حصے ۱۰/-
گلشن بے خار۔ تذکرہ شعرائے اُردو
نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ ۹/-
سیرت محمدیہ۔ مصنفہ سرسید احمد خاں ۱۲/-

ملنے کا پتہ:- کتب خانہ الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ـــــــ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

علماء کرام، شائقین عظام، مدرسین محترم و طلبائے علوم عربیہ اسلامیہ کو مژدۂ عظیم
ہمارے مکتبہ کی دوسری جلیل القدر علمی پیشکش

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح

تالیف رأس المفسرین امام المحدثین علامۃ علی سلطان محمد القاری رحمہ اللہ الباری

وبہامشہ

مشکاۃ المصابیح المذکور

للعلامۃ الخطیب التبریزی رحمہ اللہ الباری

پوری کتاب ۵ جلدوں میں کامل ہوگی ❊ پانچوں جلدیں علیحدہ علیحدہ مجلد ہوں گی

قبل طباعت کامل کتاب کا ہدیہ مبلغ ۱۲۵ روپے مقرر کیا گیا ہے۔ (مکمل ہو جانے پر ۱۷۵ روپے)
شائقین کی سہولت خریداری کی خاطر ایک ایک جلد الگ الگ بذریعہ وی پی روانہ کی جائے گی۔ مبلغ ۱۰ روپے پیشگی بذریعہ منی آرڈر روانہ کر کے اپنا اسم گرامی اور پتہ خریداروں کے دفتر میں درج کرالیں، یہ دس روپے آخری جلد (پانچویں جلد) میں وضع کر دیے جائیں گے۔ یعنی آخری جلد بجائے ۲۵ روپے کے ۱۵ روپے پہ روانہ ہوگی۔ اس طرح پوری کتاب مبلغ ۱۲۵ روپے میں خریداروں کو مل جائے گی (علاوہ محصول ڈاک وغیرہ) ہر جلد مجلد روانہ کی جائے گی۔

ـــــــ آج ہی ایک کارڈ لکھ کر ـــــــ

نمونے کے ۸ صفحات طلب فرما کر کتاب کی حسن طباعت اور کاغذ کا صحیح اندازہ اور مفصل معلومات حاصل کریں۔
معیاری طباعت، اعلیٰ درجہ کے کاغذ اور حسین و جمیل جلدوں کے لیے ہماری شائع کردہ مطبوعات حرف آخر کا درجہ رکھتی ہیں۔

یہ جلیل القدر علمی پیشکش عنقریب جلوہ گر ہو رہی ہے!!

خط و کتابت و ترسیل منی آرڈر کا پتہ:-

ابناء مولوی محمد بن غلام رسول السورتی تجار الکتب ۱۳۲-۱۳۴
جاملی محلہ، بمبئی نمبر ۳

MOLVI MOHAMMED BIN GULAM RASUL SURTI & SONS Book SELLERS & PUBLISHERS.
132-134, JAMLI MOHALLA, BOMBAY, 3.

تذکرہ مجدد الف ثانی

مجدد الف ثانی نمبر الفرقان کا تازہ کتابی ایڈیشن

الفرقان کے مجدد الف ثانی نمبر میں پہلی بار یہ حقیقت سامنے آئی تھی کہ امام ربانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ کا وہ کون سا امتیازی کارنامہ ہے جسکی وجہ سے آپکو کسی ایک صدی کا نہیں بلکہ الف ثانی یعنی پورے دوسرے ہزارے (از ۱۰۰۰ھ تا ۲۰۰۰ھ) کا مجدد امت نے مان لیا ہے۔ الفرقان کے اس نمبر کی اشاعت پر اکیس برس گزر چکے ہیں، اس عرصہ میں خاص کر اسلامی دنیا کے حالات میں بہت کچھ تبدیلیاں ہوئی ہیں ان تبدیلیوں کو اور انکے دینی تقاضوں کو دیکھ کر یہ یقین بڑھ جاتا ہے کہ واقعۃً حضرت موصوف پورے "الف ثانی" کے مجدد ہیں اور ہمارے اس دور کیلئے بھی انکے تجدیدی کام میں پوری رہنمائی موجود ہے۔

یہ حقیقت آپ پر اس کتاب کے مطالعے سے کھلے گی جس میں
مجدد الف ثانیؒ کے ذاتی حالات بھی ہیں اور انکے تجدیدی
کام کی تفصیلات بھی، نیز آپکے تمام مشہور خلفاء کا تذکرہ بھی۔

صفحات ۳۰۰ • سائز متوسط • قیمت ۲۴/-

Regd. No. L-353

25

Monthly 'ALFURQAN' Lucknow

Vol. 35 No. 3 JULY 19

پکوان کے
عمدہ تیلوں میں
آپ کی خاص پسند۔

پوسٹ مین برانڈ
صاف کیا ہوا مونگ پھلی کا تیل
۱، ۲، ۴ اور ۵، ۱۵ کیلو

عمدہ وناسپتی
۱، ۲، ۴ اور ۵، ۱۶ کیلو

تلولا، تل کا تیل
۲، ۴ اور ۵، ۱۵ کیلو

اُو برانڈ خالص ناریل کا تیل
۲، ۴ اور ۱۶ کیلو

کوکوجار
صاف کیا ہوا ناریل کا تیل
۲، ۴ اور ۵، ۱۵ کیلو

امی سلاڈ تیل
۲، ۴ اور ۵، ۱۵ کیلو

•

احمد ملز بمبئی ۸

AHM. 2078 URD

Only cover printed at PRINTERS & PRINTERS Lucknow-3

NEW DELHI

35(4)

مسئول

محمد منظور نعمانی

مرتب

عتیق الرحمٰن سنبھلی

قیمت فی پرچہ 65

تالیف: حضرت مولانا محمد یوسف صاحب دامت برکاتہم

ترجمہ: حضرت مولانا محمد عثمان خاں صاحب فیض آبادی مدظلہ
شاگرد رشید شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ قدس سرہ

مؤلف مدظلہ کی شہرۂ آفاق کتاب حیاۃ الصحابہؓ عربی جو ہند و پاک کے علاوہ ممالک اسلامیہ میں بھی قبولیت عامہ حاصل کرچکی ہے۔ اس کی جلد اول کے ترجمہ کے تینوں حصوں کی اشاعت کا عالم یہ ہے کہ ایک ہی سال کے اندر دوسرا ایڈیشن بھی ہاتھوں ہاتھ نکل رہا ہے اب عربی کی جلد دوم کے اردو ترجمہ کو چار برابر حصوں میں شائع کیا جارہا ہے۔

اردو ترجمہ کی خصوصیت

اس میں بھی مترجم موصوف نے اصل عربی الفاظ کو ترجمہ میں اس طرح سمویا ہے کہ مطلب واضح بھی ہوجائے اور ترجمہ بامحاورہ سلیس اور دلکش بھی بن جائے اور حضرات علمائے اہل حق کی نظر میں ترجمہ کی خوبی و پسندیدگی نے تو کتاب کا معیار کافی بلند کردیا ہے۔

کتاب خریدتے وقت

فاضل مترجم حضرت مولانا محمد عثمان خاں صاحب کا اسم گرامی ضرور دیکھ لیں کیونکہ کتاب کے پہلے تینوں حصوں کا ترجمہ بھی موصوف ہی کا ہے۔

کاغذ سفید، کتابت واضح، طباعت عکسی، ٹائٹل حسین و رنگین، ہر حصہ میں تقریباً دوسو (۲۰۰) صفحات۔

ناشر: احقر انیس احمد غفرلہ ادارہ اشاعت دینیات حضرت نظام الدین نئی دہلی

حصہ اول، دوم، سوم یکجا مجلد ریگزین ۱۰/-	حصہ چہارم، پنجم، ششم، ہفتم یکجا مجلد ریگزین ۱۲/-

حصہ ہشتم - نہم - دہم یکجا مجلد ریگزین ۱۲/-

سالانہ چندہ
غیر ممالک سے
۱۲ شلنگ
ہوائی ڈاک کے لیے
مزید محصول ڈاک کا اضافہ ہوگا

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

فی کاپی ... ... ۶۵ پیسے

سالانہ چندہ
ہندوستان سے .... -/۷
پاکستان سے .... -/۷
ششماہی
ہندوستان سے .... -/۴
پاکستان سے .... -/۴

جلد ۳۵ | بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ مطابق اگست ۱۹۶۷ء | شمارہ (۵)

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے، تو

اس کا مطلب ہو کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہو، براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال فرمائیں، یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۲۰ اگست تک آجائے، ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ وی، پی ارسال ہوگا۔

پاکستان کے خریدار:۔ اپنا چندہ ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور ڈاکخانہ کی پہلی رسید کے ساتھ ہمیں براہ راست اطلاع دے دیں۔ خریداری کے خواہشمند نئے حضرات کیلئے بھی پاکستان میں ترسیلِ زر کا یہی طریقہ ہے۔

نمبر خریداری:۔ براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا نمبر خریداری ضرور لکھ دیا کیجیے۔

تاریخ اشاعت:۔ الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے، اگر ۲۰ تاریخ تک کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع کریں، انکی اطلاع ۲۰ تاریخ تک آجانی چاہیئے، اسکے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر، ایڈیٹر و پروپرائٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

عتیق الرحمٰن سنبھلی

مسلمانوں کی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں دکھائی جا سکتی کہ دشمن سے وہ سیکڑوں گنا زیادہ ہوں۔ رقبہ میں ان کا تناسب اس سے بھی بدرجہا زیادہ ہو۔ لیکن پہلی ہی زور آزمائی میں وہ اس طرح مغلوب ہوئے ہوں کہ دائیں بائیں اور پیچھے لاکھوں مربع میل ان کا علاقہ پڑا ہوا ہے، ساری آبادی محفوظ ہے، حکومتیں اپنی اپنی جگہ قائم اور زندگی کا کاروبار بے غل وغش جاری ہے، مگر دشمن کو للکارنے کے لیے کوئی فوج کسی طرف سے نہیں آتی، کوئی تلوار نہیں اٹھتی کہ یا دشمن نہ ہوگا یا ہم نہیں ہوں گے، کوئی آواز نہیں اٹھتی کہ دشمن جب تک سرزمین وطن پر موجود ہے میدان سے باہر زندگی کا جواز نہیں ——— مسلمانوں کی تاریخ تو کیا شاید دنیا کی تاریخ میں ایسی مثال نہیں مل سکے گی!

مگر ہماری بدقسمت آنکھیں اسلامی دنیا میں یہ منظر مکمل بیتالیس دن سے دیکھ رہی ہیں ——— اسلامی دنیا کے کسی عام علاقے میں نہیں، اس علاقے میں جسے اسلام کی نسبت سے "خالصہ کی زمین" کہا جا سکتا ہے! اور وہ قوم یہ منظر دکھا رہی ہے جس سے اسلام کی تاریخ کا آغاز ہوا، اور جس کے ہاتھ پر اسلام نے فتح و ظفر کے وہ معجزے دکھائے کہ اسلام غلبہ و کامرانی کا دوسرا نام پڑ گیا۔

اسرائیل نے ۵ رجون کو مصر، شام اور اردن پر بیک وقت حملہ کیا۔ اور حملے کی خبر کے ساتھ ہی باقی دس عرب ریاستوں نے بھی ان تین برادر ملکوں کی صرف مدد کا نہیں، بلکہ باقاعدہ ان کے ساتھ جنگ میں شرکت کا اعلان کیا اور ہر ایک کی فوجیں محاذ جنگ کی طرف مارچ کرنے لگیں۔ مگر ۹ رجون تک یہ تینوں

جنگ ہار چکے تھے اور دور دور تک اسرائیلی قبضہ کے ساتھ باضابطہ جنگ بندی ہو چکی تھی۔ ان تین کے علاوہ اگر کسی کی فوج جنگ میں کوئی حصہ لے سکی تھی تو وہ بس برائے نام تھا۔ جنگ کے ڈرامائی خاتمہ نے کسی کو اس کا موقع ہی نہیں دیا۔

جب جنگ بندی منظور کی جا چکی تھی تو ٹھیک تھا کہ پھر اقوام متحدہ کو اپنا فرض ادا کرنے کا موقع دیا جاتا۔ اور اس معاملے میں مایوسی سے پہلے کوئی ایسی بات نہ کی جاتی جو عربوں کو خواہ مخواہ مورد الزام بنا دیتی ___ لیکن اقوام متحدہ جو حق و انصاف کا نہیں، طاقت و قوت کا آلہ کار ہے اس نے پندرہ بیس دن کے اندر ہی یہ دکھا دیا کہ وہ امریکہ اور برطانیہ کی مرضی سے آگے نہیں جا سکتی جن کا تہیہ ہے کہ اسرائیلی فوجیں عرب علاقوں سے اسی وقت ہٹیں گی جب عرب یہ قول دے دیں گے کہ وہ اسرائیل کے لیے وہ تمام حقوق تسلیم کرتے ہیں جو دنیا میں کسی بھی جائز مملکت کے ہوتے ہیں۔ عربوں نے بھی دیکھ لیا، عربوں کے دوستوں نے بھی دیکھ لیا اور سلامتی کونسل سے جنرل اسمبلی تک ہر جگہ عربوں کا یہ مطالبہ نامنظور ہو گیا کہ اسرائیلی فوجیں بلا کسی شرط کے ان کی سرزمین سے ہٹ جائیں! ___ اور یہ گویا پہلے سے دیکھی ہوئی بات تھی۔ لیکن جو چیز ناقابل تصور تھی وہ یہ تھی کہ عرب اس کڑوے گھونٹ کو بغیر اس دھمکی کے نگل لیں گے کہ اب اس ناانصافی کا تدارک میدان جنگ ہی میں ہو گا۔

حق و انصاف کے ساتھ مذاق کا ڈرامہ تکمیل کو پہونچ گیا۔ مگر تیرہ عرب ملکوں میں سے کسی کو یہ عزت کا کلمہ زبان پر لانے کی ہمت نہیں ہوئی۔ وہ اس ڈرامے کے پہلے ڈراپ سین کے بعد کفن باندھنے کے لیے نہیں لپکے، بلکہ بدستور اقوام متحدہ کی طرف آنکھ لگائے کھڑے رہے کہ وہ پھانسی کی سزا پر نظر ثانی کر لے۔ ان کے وزرائے خارجہ جو اپنا اجلاس ادھورا چھوڑ کر اقوام متحدہ کی دعوت پر نیویارک چلے آئے تھے وہ بدستور وہیں جمے رہے اور اپنے ساتھ بڑی طاقتوں کے مذاق کا دوسرا دور دیکھنے کے لیے جنرل اسمبلی کے دوسرے اجلاس میں بالکل اسی طرح شریک رہے جیسے وہ اپنی قسمت کا تماشہ دیکھنے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتے۔

آج اس تحریر کے وقت کامل تینتالیس دن عربوں کے سکوت پر گزر چکے ہیں۔ سارے عرب میں ایک

تنہا الجزائر کے صدر بومدین دوڑتے رہے کہ گرے ہوؤں کو اٹھا کر کھڑا کریں۔ لیکن وہ کسی بھی طرح نئی جنگ کا حوصلہ اس جنگ کے مارے ہوئے اُن عرب ملکوں میں نہیں پھونک سکے جن کے ہاں سکھے بغیر کوئی بھی دوسرا عرب ملک اسرائیل کو للکار نہیں سکتا کیونکہ ان کے سوا کسی اور کی سرحد اسرائیل سے نہیں ملتی۔ کچھ لوگوں کی تجویز جنگ بندی کے فوراً بعد سے یہ تھی کہ تمام عرب سربراہ ایک جگہ مل بیٹھیں اور اگلے قدم کا فیصلہ کریں۔ مگر اس تجویز پر بھی اتنی گومگو رہی کہ اب آکر ۱۰ اگست اس کے لیے طے ہوئی ہے۔ گویا یہ جو ہفتوں پہ ہفتے اس حال میں گزرتے جا رہے ہیں کہ اسرائیل تین ملکوں کے اندر کھڑا ہوا صرف ان تین کی نہیں اُن سب کی عزتوں کو روند رہا ہے جنھوں نے اس کی جارحیت کے خلاف اعلانِ جنگ کیا تھا۔ یہ کوئی ایسی عار ہی نہیں ہے جس سے نجات پانے کے لیے کچھ سوچنے کو دو مہینے تک مؤخر کرتے رہنے میں کوئی حرج ہو!—

ہم پھر اپنا سوال یاد دلائیں گے کہ — کیا مسلمانوں کی تاریخ میں اس کی کوئی مثال ملتی ہے کہ ان کی کسی فوج نے دشمن کے مقابلے میں سیکڑوں گنا زیادہ تعداد اور رقبہ کے باوجود پہلے ہی معرکے میں مغلوب ہو کر اس طرح شکست مانی ہو کہ دائیں بائیں اور پیچھے لاکھوں مربع میل ان کا علاقہ پڑا ہوا ہے، ساری آبادیاں محفوظ ہیں، حکومتیں اپنی اپنی جگہ قائم اور زندگی کا کاروبار بے خلل و غش جاری ہے، مگر دشمن کو اپنے علاقے سے ڈھکیلنے کے سوال پر موت جیسا سناٹا اور یاس و ناامیدی کا یہ عالم ہے کہ اس معاملے میں سوچ بچار بھی جیسے عبث ہی ہو؟۔

اسلام تو کیا دُنیا کی تاریخ میں اس کی مثال نظر نہیں آتی۔ خود عربوں کے احساس کا یہ عالم ہے کہ غیر ملکوں میں ذاتی یا سرکاری حیثیت سے رہنے والے وہ عرب جو اپنے قومی لباس کے پابند ہیں انکی ہمت نہیں پڑتی کہ اس لباس میں غیروں کے سامنے آئیں۔ شرم سے مجبور ہیں کہ باہر نکلیں تو کوئی دوسرا لباس پہن کر نکلیں۔ بعض عربوں کی تحریروں میں بھی یہ احساس ہمیں اتنی ہی صراحت سے ملتا ہے جتنی صراحت ہماری تحریر میں ہے، اور جو شاید بعض لوگوں کو ناگوار بھی ہوئی ہو۔ ازہری استاذ شیخ عبدالمنعم النمر ہندوستان کے دینی اور علمی حلقوں کے لیے جانے پہچانے ہیں۔ موصوف نے کئی سال "مبعوث الازہرؒ" کے طور پر دارالعلوم دیوبند میں عربی زبان و ادب کے استاذ کی حیثیت سے کام کیا ہے اور اپنے علمی اور خطابتی ذوق کی بنا پر وہ اس ملک میں کافی متعارف ہو کر گئے ہیں۔ آج کل کویت میں ہیں اور کویت کی وزارت

"اوقاف و امور اسلامیہ" کی طرف سے شائع کیے جانے والے ماہنامہ "الوعی الاسلامی" کے مدیر ہیں۔ تازہ شمارہ میں انھوں نے اس سانحہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے اس ذلت و عار کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ

"ہم پر وہ ذلت آ کے پڑی ہے جس سے کوئی بھی عربی بچ نہیں سکتا خواہ وہ کہیں بھی رہتا ہو۔ عامی ہو یا قائد سب کا منہ اس ذلت سے تلخ اور احساسات مجروح ہیں۔"

پھر اس ذلت کو دھونے پر زور دیتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں:

"کیا یہ بات قابل برداشت ہے کہ ہماری اتنی کثرت کے باوجود یہودیوں کی ایک ذرا سی جماعت ہمیں دائیں اور بائیں رگید ے اور ہمارے مردوں عورتوں اور بچوں کو ان کے وطن سے کھدیڑے؟"

"کیا یہ بات قابل برداشت ہے کہ اس کمینہ دشمن کے ہاتھوں ہم اپنی یہ گت دیکھیں اور جواب دینے سے عاجز رہیں؟"

اور پھر اس سے بھی زیادہ صراحت کے ساتھ لکھتے ہیں کہ

"اگر ہمارے ہاتھ میں اور ہمارے امکانات میں اپنی مدافعت اور اپنی عزت و آبرو کے انتقام کا سامان نہ ہوتا تو کچھ عذر تھا۔ لیکن جب ہمارے پاس اس عار کو دھونے کے لیے طرح طرح کے تباہ کن اسلحہ موجود ہیں تو یہ ننگ کا ابدی داغ اور دنیا و آخرت دونوں جہان کی ذلت ہے کہ ہم خاموش رہیں، سستی دکھائیں، یا اپنا سب کچھ قربان کر دینے میں ہچکچائیں۔" فان الحرة تجوع ولا تاکل بثدیها " (اس لیے کہ شریف عورت بھوکی رہنا گوارا کر سکتی ہے۔ مگر (یعنی عزت) بیچ کر نہیں کھا سکتی)

(اداریہ۔ الوعی الاسلامی۔ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ)

یہ تو عربوں کا احساس ہے۔ اور ان کے علاوہ ہندوستان جیسے ملکوں کے مسلمان ان تمام دنوں میں جبکہ اس جنگ کا زیادہ چرچا تھا اس حال میں رہے کہ ان کو منہ چھپانے کو جگہ نہیں ملتی تھی۔ اور بسوں یا ریلوں میں سفر کرتے ہوئے بس وہی جانتے تھے کہ کیسے سفر کر رہے ہیں! ـــــ پھر کیا اس سب کے باوجود بھی، اس واقعہ میں مسلمانوں کے لیے کوئی سبق نہیں ہے؟ کوئی عبرت اور کوئی موعظت نہیں ہے؟ اور قرآن کی زبان میں۔

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِکْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ؟

[کیا وقت نہیں آیا ہے اُن کے لیے جو ایمان لائے ہیں کہ عاجزی کے ساتھ متوجہ ہو جائیں ان کے دل اللہ کی یاد کی طرف اور اس کی طرف سے نازل ہونے والی ہدایت کی طرف۔]

کیا جس اللہ کی کتاب نے اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ (عزت صرف اللہ کے لیے ہے، اسکے رسول کے لیے ہے اور ایمان والوں کے لیے ہے) کا اعلان فرمایا ہے وہ یہ واجب نہیں کرتی کہ عزت چھنے تو اللہ اور اسکے رسول کو ماننے والے اپنی ایمانی حالت کے بارے میں ڈریں، اور ایسے حادثے کے پیچھے اللہ کی ناراضگی کا سبب تلاش کرنے کی کوشش کریں؟ خدا نے اپنے رسول کو صاف صاف ضمانت دی کہ آپ جن لوگوں کے درمیان ہوں گے اُن پر عذاب نہیں نازل کیا جائے گا خواہ وہ مشرک ہی ہوں۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ۔ — اللہ اُن (مشرکوں) کو عذاب دینے والا نہیں تھا آپ اُن کے درمیان میں ہوں۔

لیکن سیرت بتاتی ہے کہ آپ کا حال مدینہ میں مومنین کی جماعت کے درمیان بھی یہ تھا کہ ذرا ہوا اُٹھی، ذرا بادل گھرا اور آپ کا دل خوف سے بھرا کہ کہیں بارگاہِ بے نیاز کی نظر تو نہیں بدل گئی! کہیں اس ہوا اور بادل میں عاد اور ثمود کا عذاب تو نہیں آرہا ہے؟ اور جب تک اندیشہ نکل نہیں جاتا صحابہ دیکھتے کہ چہرۂ مبارک پر ایک رنگ آرہا ہے ایک جا رہا ہے۔ بار بار نگاہِ بیقرار آسمان کی طرف اُٹھتی اور پیشانی سجدہ میں گر جاتی ہے!

کون ہے جسے خدا کی پکڑ سے ایسی ضمانت ملی ہوئی ہو؟ اور کون ہے جو اختلاف کی جرأت کر سکے کہ اہلِ ایمان کے لیے یہی اسوۂ حسنہ ہے؟

وَلَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِیْرًا۔

لیکن عالمِ عربی کا المیہ جتنا المناک ہے اُس سے کم المناک یہ بات نہیں ہے کہ برِ صغیر ہند و پاک میں جن بزرگوں کے احساسِ ذمہ داری اور حق شعاری سے کتاب و سنت کی شمع روشن ہے ان کے اخلاف کا ایک طبقہ عالمِ عربی کے اس المیہ میں نہ صرف خدا کی ناراضی کا عنصر تلاش کرنے کو پسند نہیں کر رہا ہے بلکہ عالمِ عربی کے جس شر پر اسے سب سے پہلے انگلی رکھنی چاہیے تھی کہ اسی نے یہ روزِ بد عالمِ اسلام

کو دکھایا ہے۔ وہ اُلٹا اسکی مدافعت کو اپنا مقدس فریضہ جان رہا ہے!

کیا اہلِ دین اور علمائے کتاب و سنت کو یہ بتانے کی ضرورت ہو کہ دعوئے اسلام کے بعد سارے منکرات و معاصی ل کر خدا کے غیظ کو وہ حرکت نہیں دیتے جو حرکت خدا کی ذات اور اُسکے دین سے بے نیازی دیتی ہے۔ وہ عرب قومیت کی تحریک کی مدافعت کر رہے ہیں کہ اسے عربوں کے اس حشر کا ذمہ دار مت ٹھیراؤ، مگر وہ یہ دیکھنے کی زحمت نہیں کرتے کہ اس قومیت کے علمبرداروں نے اسے ٹھیک وہ جگہ اپنے دل و دماغ اور زبان میں دے رکھی ہے جس کا حقدار مومن کے دل، دماغ اور زبان میں خدا کی ذات کے سوا کوئی نہیں۔ "باسم القومية العربية اور باسم الكرامة العربيه" سے تقریروں کے آغاز کی ایک ثقہ ترین روایت کا حوالہ ہم گزشتہ شمارے میں دے چکے ہیں شاید ان حضرات کی نظر سے گزری ہو۔ یہاں ہم ایک کتاب کا اقتباس پیش کرنا چاہتے ہیں جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس شہادت لسانی کے پیچھے تصدیقِ قلبی کا کیا عالم ہے۔

استاذ عبدالرحمٰن بزّار جو ابھی کچھ دن پہلے عراق کی موجودہ انقلابی حکومت کے وزیر اعظم بھی رہے ہیں اصلاً ایک علمی آدمی ہیں، بغداد یونیورسٹی کے شعبۂ قانون کے ڈین رہے ہیں اور اس کے بعد عرب لیگ کے زیر اہتمام عربیا کے اعلیٰ مطالعہ کی درسگاہ" میں عرب قومیت کے استاذ کی حیثیت سے کام کیا ہے۔ سنہ ۱۹۶۱-۶۲ء کے تعلیمی سال میں استاذ بزّار نے درسگاہ کے طلبار کو عرب قومیت پر جو لکچر دیئے وہ "بحوثٌ فی القومية العربية" کے نام سے ہمارے سامنے ہیں۔ اس کتاب کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے[1]۔

ليس فی اللّغة العربية اليوم مصطلحٌ	آج عربی زبان میں کوئی اصطلاح ایسی نہیں
يرد ذكرهٗ كثيراً على الالسنة مثل	ہو جس کا ذکر زبانوں پر اس کثرت سے آتا ہو
مصطلح القومية العربية فنحن	جیسے قومیت عربیہ کی اصطلاح کا۔ چنانچہ ہم یہ
نسمعها فی الاذاعات عشرات المرات	کلمہ ریڈیو نشریات میں ایک ایک دن میں بیسوں
فی اليوم الواحد ويكرّر الساسة والقادة	مرتبہ سنتے ہیں۔ اہلِ سیاست اور قائدین تقریباً

---

[1] کتاب اور مصنف کے اس تعارف کے بعد یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ یہ کتاب عرب قومیت کے بارے میں استناد کا کیا درجہ رکھتی ہے۔ اور باتوں کے علاوہ اس کی اشاعت بھی عرب لیگ کی طرف سے ہوئی ہے۔

النطق بہا کل یوم او بعض یوم و	روز اسے زبان پر لاتے ہیں اور روزنامہ صحافت
یرد ذکرہا فی الصحافۃ الیومیۃ والمجلات	ہفتہ وار اخبارات اور مطبوعات ونشرات میں اسکے
الاسبوعیۃ والمطبوعات والنشرات الیٰ	ذکر کی وہ کثرت ہے کہ ہماری پوری تاریخ میں اسکی
حد لم یسبق لہ مثیلٌ فی تاریخنا کلہا...	مثال نہیں ملتی۔

اس کے بعد فرماتے ہیں۔ اور وہی سننے کی چیز ہے۔

ولیس فی ہذا کلہ غرابۃ فالقومیۃ	اور یہ سب بالکل طبعی ہو کیونکہ قومیت ہی وہ
ہی الفکرۃ الاساسیۃ التی تسیطر علی	بنیادی فکر ہو جو آج سارے عربوں پر چھایا ہوا
العرب الیوم فی شتّیٰ اقطارہم فی النواحی	ہو۔ سیاسیات میں، اقتصادیات میں اور اجتماعیات
السیاسیۃ والاقتصادیۃ والاجتماعیۃ	میں بالکل ایک ہی طرح۔ اور اس سب سے بڑھ کر یہ
علیٰ حدٍ سواءٍ وہی فوق کل ذلک۔	قومیت۔ ان کی موجودہ حرکت وبیداری اور
فی یقظتہم الراہنۃ وتوثبہم الحاضر	مستقبل کی امنگوں میں ان کا مستحکم عقیدہ، ان کا
ومطمحہم فی المستقبل عقیدتہم	مضبوط ہتھیار اور ان کی اس قوت کا راز ہو جس سے
الثابتۃ وسلاحہم القوی وسرّ قوتہم	وہ اپنے دشمنوں پر ضرب لگاتے اور بڑے
التی یصارعون بہا الاعداء ویواجہون	بڑے چیلنجوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔
بہا التحدیات الکبریٰ التی یتعرضون لہا۔	

ہم اپنے محترم علماء سے خدا کا واسطہ دے کر پوچھتے ہیں کہ کیا ان الفاظ میں بلا کسی فرق کے "حسبنا اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر" والی روح نہیں جھلک رہی ہے؟

کیا وہ علماء محترم جو اپنے مسلکِ حق کی خاطر اہانتِ رسول کی تہمتیں برداشت کرتے ہیں مگر "یا رسول اللہ!" جیسے نعروں کی ایک لمحہ کو اجازت نہیں دیتے ان کے مسلک میں آج یہ بات روا ہو سکتی ہو کہ خود رسول کی سرزمین پر خود رسول کی قوم میں اپنی قومیت پر اعتماد و توکل کا یہ عقیدہ رونما ہو اور وہ اسکی مخالفت کے بجائے نصرت وحمایت کی صفیں آراستہ کریں؟ کیا ان حضرات نے اپنی شدت پسندی میں اس سے بہت کم درجہ کی باتوں پر کفر وضلال کے فتوے نہیں دیے ہیں۔ اور جنھیں گمراہ سمجھ لیا ہے ان کی ایسی عبارتوں تک کو نہیں بخشا ہے جو اپنے سیاق وسباق میں کسی بھی گرفت کے قابل نہیں تھیں؟

پھر یہ عرب قوم پرستوں کے ساتھ دین میں بھی کیسی مروت ہے کہ ان پر خود گرفت کرنا تو کجا دوسروں کی گرفت بھی آگ لگاتی ہے۔ اور اس "جرم" کے مجرم مطعون کئے جاتے ہیں کہ وہ کسی مفاد پرستی کے تحت عرب قوم پرستوں کے خلاف ایک "جھوٹا پروپیگنڈا" کر رہے ہیں!

ہمیں "عرب قومیت" کے نام سے کوئی چڑ نہیں ہے۔ قومیت تو ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔ اختلاف جہاں سے پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اسے زندگی کا فلسفہ اور نظریہ بنایا جائے۔ اسے ایک مشکل کشا اور کارساز کا تقدس دیا جائے۔ اسکی عظمت کی مالا جپی جائے اور عزت و کامرانی کا سرچشمہ اسے قرار دیا جائے جسکے بعد وہ قطعی طور پر مذہب دشمن ہو جاتی ہو۔ لیکن ان حضرات کو اگر اس سے انکار ہے کہ عرب قومیت کی تحریک نے بھی یہ ایمان سوز رنگ اختیار کر لیا ہو اور اسکے بجائے ان کا گمان یہ ہو کہ یہ تحریک بھی اتنی ہی معصوم ہے جتنا معصوم قومیت کا تصور لے کر انھوں نے ہندوستان کی جنگ آزادی میں وطنی قومیت کے نعرہ کی حمایت کی تھی۔ تو اگرچہ یہ گمان صرف اپنے اوپر قیاس کرنے کی بنا پر ہے اور اسکے پیچھے کوئی تحقیق اور کوئی مطالعہ نہیں ہو۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ چھوڑ دیجئے "عرب قومیت" کے نام کو۔ لیکن ہم سے الگ ہٹ کر تو دیکھئے کہ کسی بھی وجہ سے عرب قوم پرستوں میں وہ حالات پیدا ہو گئے ہیں یا نہیں جن کا سبب ہم قومیت کی تحریک کو قرار دیتے ہیں!

قومیت کی تحریک عربوں میں اس درجہ مقدس ہو چکی ہو اور پھر مصر جیسی با اثر حکومتیں اسکی پشت پر ہیں جسکی وجہ سے عالمِ عربی میں تحریک کے کسی ایک مخالف کی بھی جرأت نہیں ہو کہ اسکی براہِ راست مخالفت کرے۔ جس کسی کو اسکے آثار و نتائج کے بارے میں زبان کھولنی ہوتی ہے وہ قومیت کے نام سے تعرض کیے بغیر اپنی بات کہتا ہے۔ اس حالت میں صرف اب جنگ کے بعد اُن عرب ملکوں میں فرق آیا ہے جنکی حکومت مصر سے کشمکش ہے۔ کویت جسکے ایک سرکاری ماہنامہ کا اوپر حوالہ دیا گیا ہو وہ ایسے ملکوں میں نہیں ہو۔ چنانچہ وہاں اب بھی اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی براہِ راست عرب قومیت کی تحریک پر حملہ کرے۔ یا صاف صاف عرب قوم پرستوں کا نام لے کر کچھ کہے۔ لیکن کویت کے اسی سرکاری ماہنامہ (الوعی الاسلامی) نے اپنے انھیں اداریٰ صفحات میں جنکے بعض اقتباسات اوپر دیئے گئے ہیں، عربوں کی شکست کے اسباب میں اُن کا یہ حال بھی لکھا ہے کہ

> عربوں کی دشمن مغربی طاقتیں جنھیں عربوں اور اسلام سے پرانی عداوت ہو وہ ہم سے زیادہ جانتی ہیں کہ یہ وہ اُمت ہو...... جسکی کتاب، جس کا رسول اور جس کی میراث (تاریخ) اسے برابر اپنی عزت گم گشتہ کو

حاصل کرنے پر اُبھارتی ہو...... یہ وہ اُمت ہے جس کی کتاب اس کے دل میں اور اس کے کان میں ہر وقت یہ نغمہ بکھیرتی ہو کہ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ "(عزت صرف اللہ کا حق ہے، اس کے رسول کا حق ہے اور اس کے ماننے والوں کا حق ہے) اور یہ کہ وہ بہترین اُمت ہے جو لوگوں کے لیے اٹھائی گئی۔

ان کینہ پرور طاقتوں نے اپنی اس ناقفیت کی وجہ سے بڑے عرصہ سے وہ ناپاک تدبیریں اختیار کی ہیں جن کے ذریعہ یہ طاقتیں مسلمانوں کے اور ان کے دین و کتاب کے درمیان حائل ہو جائیں۔ اُن کی عزت و قوت کے سرچشموں سے ان کا رشتہ کاٹ دیں اور پھر انھیں کمزوری میں جکڑ دیا جائیں۔

یہ طاقتیں برابر کوشش میں رہیں اور ہماری اسلامی قوتوں پر شکست و ریخت کے تمام اسباب مسلط کر دیئے۔ یہاں تک کہ ہمارے اندر خالص اسلامی رُوح ضعیف ہو گئی ہم قریب قریب اسلام کا ایسا ڈھانچہ بن کر رہ گئے جس میں کوئی رُوح نہیں۔ خود ہمارے اندر کے لوگوں میں یہ جسارت پیدا ہو گئی کہ وہ اسلام کو ایک پسماندہ اور بیکار چیز قرار دیں۔ اور بلا کسی خوف، بلا کسی حیا کے ہر اسلامی تصور پر علی الاعلان حملہ کریں......

اور اس طرح ہم میں کی ایک بڑی تعداد ہماری رُوح کی بربادی میں اپنے دشمنوں کی شریک کار بن گئی۔ چاہے جان کر ہی ہو یا بغیر جانے بوجھے ہی ہو۔" (صنا)

ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ جن قوم پرست لیڈروں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اسلام کے سچے خادم ہیں اور سب کچھ اسلام ہی کے لیے کر رہے ہیں جب ایک طرف ان کی دھاک اور دبدبہ کا یہ عالم ہے کہ ان کا بڑے سے بڑا مخالف بھی اُن کی تحریک، قومیت کی بے حرمتی عرب کے کسی حصے میں نہیں کر سکتا تو اس اسلام پر یہ علانیہ اور چو طرفہ حملے بلا کسی خوف اور جھجک کے" کیسے ہوتے رہے جس کے وہ سچے خادم ہیں؟ — پھر ہم یہ بھی پوچھنا چاہتے ہیں کہ یہ حملے کہاں ہوتے رہے؟ اُن عرب ملکوں میں جہاں قومیت ہی کا کلمہ "کلمہ علیا" ہے؟ — ہم چیلنج کرتے ہیں کہ کوئی یہ دکھلائے کہ یہ کاروبار اُن ملکوں میں ہوا جہاں قومیت کا نام سربلند نہیں ہے! — الغرض نہ کہیے تحریک قومیت کو کیونکہ اس کا ان باتوں سے رشتہ سر کی آنکھوں سے نہیں دکھایا جا سکتا مگر عقل ان باتوں سے تو آپ آنکھیں نہیں بند کر سکتے جو آپ کے سامنے ہیں اور جن کی شہادت شیخ عبد المنعم النمر جیسا پر جوش محب وطن مصری دے رہا ہے!۔

جو جہاں قومیت کا کلمہ سربلند نہیں ہے یا اُن ملکوں میں

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح یہ بات باور کر لیں کہ یہ علماء کتاب و سنت ان باتوں کی

اہمیت نہیں سمجھتے البتہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات چونکہ سیاست کی حد تک خود وطنی قوم پرستی کے قائل رہے ہیں اس لئے اس معاملہ کا جو پہلو ملک کی سیاست سے تعلق رکھتا ہے یہ حضرات اُسکے تقاضوں کو بھی ملحوظ رکھنا چاہتے ہیں۔ بالخصوص ان میں سے وہ حضرات جو ہندوستان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ عرب بالخصوص مصر چونکہ دوست ملک ہے اس لئے کوئی بات اسے (خصوصاً اس کے حکمرانوں کو) ناگوار ہونے والی نہ کہی جائے یعنی بس وہ رویہ رکھا جائے جو حکومت ہند کا ہے یا مصر کے اور دوست ملکوں کا ہے۔

اگر ایسا ہے تو ہم صفائی کے ساتھ کہدینا چاہتے ہیں کہ ہم اس پوزیشن کو قبول نہیں کر سکتے۔ یہ غیروں کی پوزیشن ہے جس سے آگے جانے کا انھیں حق نہیں۔ لیکن ہم غیر نہیں ہیں، نہ اُن عربوں کے لئے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ اور نہ اس سرزمین کے لئے جس پر وہ رہتے ہیں اس کا نوے فیصدی حصہ انھیں اسلام نے بخشا ہے اور اسلام کی اس امانت سے دلچسپی دنیا کے ہر مسلمان کا فرض ہو۔ اسی طرح عرب ہوں یا کوئی اور جب تک وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں ہمارے اس رشتہ کے حقوق کو کاٹ نہیں سکتے جو خدا اور اس کے رسول کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اس رشتے نے ہمیں اخوت و اپنائیت کا وہ احساس دیا ہو جس میں نسل و وطن کی ساری تفریقیں غرق ہوجاتی ہیں۔ اس رشتے نے ہمیں عربوں کی شکست پر اسی طرح تڑپایا ہے جس طرح خود ان میں کا کوئی تڑپ سکتا ہے، اور تڑپ کی یہ ہم آہنگی ہی وہ چیز ہے جو ہمیں عرب قائدین پر گرفت کا وہی حق دیتی ہے جو عربوں میں سے کسی کو ہو سکتا ہے۔

عربوں کی کون سی غیر مسلم دوست قوم ایسی ہے جو ان کی آگ میں ان کی طرح جلی اور ان کے درد میں ان کی طرح تڑپی ہو؟ پھر ہماری اور ان کی برابری کا کیا سوال؟ جو لوگ اس معاملے میں ہندوستانی قومیت کے تقاضوں کی رعایت ضروری سمجھتے ہیں اُن کو اختیار ہے کہ وہ صرف غیروں کی ہمدردانہ زبان بولیں اور اُس قوم پرستی کے لیے کلمۂ خیر ہی کہیں جسے ہندوستانی حکومت پسند کرتی ہے، خواہ وہ عربوں کا بیڑا ہی غرق کرکے رکھ دے، لیکن انھیں اسکی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ دوسروں کو بھی دینی اخوت کے بجائے صرف مصلحت پرستانہ دوستی کی راہ پر چلنے کے لیے مجبور کریں ـــ یہ اس سرزمین کا معاملہ ہے جو پہلے اسلام کی اور بعد میں عربوں کی ہے۔ اور اسلام کی اس امانت کے سلسلے میں نہ اپنی مصلحتوں کی پرواہ جائز ہے نہ کسی اور کی۔

سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

ملفوظات

(۴)

از ——————— نسیم احمد فریدی امروہی

ایک مرید نے عرض کیا کہ ——— امام غزالیؒ نے فرمایا ہے کہ عوام کو جو عقیدہ سکھایا جاتا ہے وہ عقیدہ باطن کا پوست ہے — اور یہ بھی انھوں نے فرمایا ہے کہ وہ "قرارگاہ جو بمطابق مراد عوام بہشت ہے، خواص اس سے درگاہِ الٰہی مراد لیتے ہیں" —

اس سے معلوم ہوا کہ امام غزالیؒ بہشتِ ظاہر کا ابطال و انکار کر رہے ہیں، جواباً ارشاد فرمایا کہ نہیں امام غزالیؒ کا یہ مطلب نہیں ہے، ان کا مقصد یہ ہے کہ خواص کا نصب العین اور مطمحِ نظر اونچا ہوتا ہے — امام غزالیؒ نے خود عبادات کے سلسلے میں ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ بعض بندے مثل ان غلاموں کے ہیں جو محض آقا کے زدوکوب سے بچنے کے لیے غلامی اور اطاعت کرتے ہیں۔ یہ مثال اس کی ہے جو صرف مسلم کہلانے کا مستحق ہے، اور کچھ لوگ ان نوکروں کی طرح ہیں جو بامید خلعت اور بامید اضافۂ تنخواہ اطاعت کرتے ہیں۔ یہ مثال اس مومن کی ہے جو بہشت کا امیدوار ہے، اور ایک گروہ عشاق کا ہے جو محض رضامندی باری تعالیٰ حاصل کرنے کے لیے اطاعت کرتا ہے۔ امید اور خوف سے قطع نظر کر کے ———

اسی اثنا میں ایک مرید نے عرض کیا کہ میں نے ایک فاضل شخص سے دریافت کیا تھا کہ

مقصود اصلی کیا ہے؟) اول تو انھوں نے یہ جواب دیا کہ مقصود اصلی خدا رسی ہے اور یہی افضل ہے، پھر انھوں نے کہلا کر بھیجا کہ مقصود اور افضل، اعمالِ ظاہر ہیں، کیونکہ بعثتِ انبیاء علیہم السلام اسی غرض سے ہوئی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید اس پر ناطق ہے ـــــ شاہ صاحب نے فرمایا۔ نہیں۔ بلکہ افضل اعمالِ رُوح ہیں جس طرح قلب و رُوح کو قالب و جسم پر فضیلت ہے (اسی طرح اعمالِ قلب و رُوح کو اعمالِ ظاہر پر فضیلت ہے) چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "اللہ تعالیٰ تمھاری صورتوں اور ظاہری اعمال پر نظر نہیں رکھتا، بلکہ وہ تمھارے قلوب اور تمھاری نیتوں کو دیکھتا ہے"۔

ارشاد فرمایا کہ ـــــ تین لطائف کو حکما بھی مانتے ہیں۔

(۱) لطیفۂ نفس کہ اس کو طبیعت کہتے ہیں۔ چیز دل کو اچھا لگنا، مثلاً طعام، سبزہ، خوشبو اور خوش رو وغیرہ کا اچھا لگنا اسی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے حقائق و دقائق وہ لوگ اچھی طرح سمجھتے ہیں جو امارت و ریاست کے خاندان میں پلے بڑھے ہیں ـــ

(۲) لطیفۂ عقل ـــ علم و فہم کا تعلق اسی سے ہے، اکثر یہ لطیفہ علماء میں قوت کے ساتھ ہوتا ہے ـــ

(۳) لطیفۂ قلب ـــ یہ لطیفہ فقراء میں اکثر موجود ہوتا ہے۔ کیفیات سے متاثر ہونا اور ان کیفیات کو سمجھنا اسی سے متعلق ہے۔

لوگ کہا کرتے ہیں کہ فلاں چیز ہم کو اچھی لگی، حالانکہ یہ طبیعت کا خاصہ ہے (طبیعت کو اچھی لگی) یا کہتے ہیں کہ میں ایسا جانتا ہوں یا سمجھتا ہوں، حالانکہ یہ عقل کا کام ہے (عقل نے جانا یا سمجھا) یا کہا جاتا ہے کہ کیفیتِ غم و سرور سے متاثر ہوا، حالانکہ یہ کارِ قلب ہے (قلب کیفیت سے متاثر ہوا کرتا ہے) ان تینوں لطائف میں ذکاوت و بلادت (یعنی عدم ذکاوت) بھی پائی جاتی ہے۔ حکماء اس کو بھی جانتے ہیں ـــــ پھر ارشاد فرمایا کہ سید احمد رائے بریلوی، بہت ذکی القلب ہیں (اور غالباً جامع سے مخاطب ہو کر فرمایا) تم بھی ذکی القلب معلوم ہوتے ہو۔

ارشاد فرمایا کہ ایک فاضل، جو اکابر علماء میں سے تھے (دہلی) آئے تھے، اُن سے میں نے

عہ. بیاض رشیدی میں ان فاضل کا نام ملا فیض اللہ بتایا گیا ہے، نیز یہ بھی اسی بیاض سے معلوم ہوا کہ وہ کابل کے تھے۔ بیاض میں خود شاہ صاحبؒ کی ایک تحریر موجود ہے جس میں توریت کی بعض آیات اعراب کے ساتھ مع ترجمہ درج ہیں۔ ملفوظات میں عبارت توریت بہت غلط چھپی ہے۔ عبارت بیاض کے موقع پر شاہ صاحبؒ کی یہ تحریر بھی پیش کی جائے گی۔

تحقیق توریت، بلسانِ عبرانی کی تھی۔ پھر شاہ صاحب نے توریت کی چند آیات پڑھیں اور ان کا ترجمہ بھی کیا اور فرمایا کہ یہ آیات بلا شبہ کلامِ خدا ہیں ان میں جلالت محسوس ہو رہی ہے۔

پھر فرمایا کہ لسان زبور و انجیل ایک تھی۔ نیز فرمایا کہ عربی و عبرانی میں فرق ایسا ہے جیسا کہ ہندی اور بنگالی زبان میں ـــــ نیز فرمایا کہ ہر چہار انجیل جو نصاریٰ کے پاس موجود ہیں وہ کلام خدا نہیں ہیں، بلکہ یارانِ حضرت عیسیٰؑ (حواریین) نے بطور خود ان کو لکھا ہے ـــ کلام خدا ان کے پاس سے گم ہو گیا ـــــ

اسی وقت ذکر حافظ شیرازیؒ چھڑ گیا جو تیمور لنگ کے معصر تھے اور شیخ سعدی شیرازیؒ سے ڈیڑھ سو سال بعد ہوئے تھے ـــــ فرمایا کہ جب تیمور نے شاہ شجاع کو قتل کر دیا تو حافظ شیرازیؒ کو بُلایا اور اُن سے دریافت کیا کہ سمرقند[عـــہ] و بخارا جو ہمارا وطن ہے آپ نے ان دونوں شہروں کو (اس بیدردی کے ساتھ) کس طرح بخش دیا؟ حافظ شیرازیؒ نے جواب دیا کہ ہم اسی سخاوت کی وجہ سے تو فقیر ہو گئے۔

نواب نوازش علی خاں صاحب نے ہزاری روزے کے متعلق دریافت کیا، ارشاد فرمایا کہ حدیث میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے ـــــ نیز فرمایا کہ ہر ماہ کے تین روزے سُنت ہیں۔ شروع مہینے کے تین دنوں کو غُرَر کہتے ہیں اور آخر ماہ کے تین دنوں کو سُرَر کہتے ہیں، اور درمیانی ایام (۱۳،۱۴،۱۵) کو ایّامِ بیض کہتے ہیں ـــ ذکرِ ایامِ بیض (حدیث میں) بہت آیا ہے۔ اور ذکرِ غُرَر و سُرَر بھی آیا ہے ـــ

ایک مُرید نے دریافت کیا کہ حضرت عائشہؓ یا حضرت فاطمہؓ نے کبھی عورتوں کی امامت کی ہے فرمایا نہیں ـــــ بلکہ یہی وجہ کراہتِ امامتِ نساء کی ہے (کہ ان جیسی مقدس مآب خواتین نے بھی عورتوں کی امامت نہیں کی) مگر عہدِ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم میں ایسا ضرور ہوتا تھا کہ اگر کسی کو مسجد میں نماز باجماعت نہیں ملتی تھی تو وہ شخص اپنے گھر آ کر اپنے اہل و عیال کے ہمراہ نماز باجماعت ادا کر لیتا تھا۔

عند التذکرہ فرمایا کہ میں اپنے بچپن کے زمانے میں قرآنِ مجید حفظ کرنے کے بعد دوہرا رہا تھا۔ (ایک دن)

عـــہ حافظ شیرازیؒ کا [illegible] شعر ہے۔ ؎ اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دلِ مارا　بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را
اسی شعر کے متعلق تیمور نے سوال کیا تھا۔

سورۂ طٰہٰ کی آیت سَیُبْطِلُہٗ[1] پر پہونچا کہ ایک عورت اور اس کا مرد، جو ایک شیر کو (عمل کے زور سے) مسخر کرکے تماشہ دکھاتے ہوئے انعام کی طلب میں گھروں پر گھوم رہے تھے، ہمارے مکان پر بھی آگئے — عورت شیر کو ہمارے گھر کے اندر لے آئی (میں سورۂ طٰہٰ کے مقام مذکور کو پڑھ رہا تھا) تھوڑی دیر میں اس عورت نے کہا کہ اس شیر کا حال (دیکھتے ہی دیکھتے) بیطور اور بیڈھب ہو رہا ہے مجھے جلد انعام دے کر رخصت کیا جائے چنانچہ اسے کچھ دیدیا گیا۔ وہ عورت باہر نکل کر اپنے مرد سے کہنے لگی کہ اس شیر پر ہمارے جادو کا جو اثر تھا وہ اترا جا رہا ہے جلد، کوئی تدبیر کرنی چاہیئے۔ چنانچہ وہ اس کو کسی نہ کسی طرح قبضے میں کرنے باہر لے گئے —

ایک مجلس میں چند اشعار پڑھے جن میں دو شعر یہ ہیں۔

شورشِ اہلِ جنوں را مرگ ہم تسکیں نداد[2] — گردبادِ خاکِ مجنوں تا فلک پیچیدہ رفت

خانۂ زیں است دنیا عیش او یا در رکاب[3] — شہسوار است آنکہ زیں جا زود دامن چیدہ رفت

فرمایا — خوارج سوائے حضرات شیخین رض کے باقی سب سے عداوت رکھتے ہیں مگر حضرت حسین رض اور دیگر سادات کے معتقد ہیں اور ناصبی، حضرت علی رض اور حضرت حسین رض دونوں سے دشمنی رکھتے ہیں۔

فرمایا کہ خارجیوں کا تسلط کبھی کسی ملک میں نہیں ہوا۔ عمان اور مسقط وغیرہ مقامات میں رہتے ہیں۔ — میں نے کسی خارجی کو نہیں دیکھا — مگر ناصبی دیکھے ہیں۔

---

[1] غالباً جامع ملفوظات کو یا نور شاہ صاحب کو یہاں سہو ہو گیا اِنَّ اللّٰہَ سَیُبْطِلُہٗ کا لفظ سورۂ یونس میں وارد ہوا ہے۔ فرعون کے جادوگروں نے حضرت موسیٰ کے سامنے جب جادو کے زور سے لکڑیوں اور ڈنڈوں کو سانپ بنا دیا تو حضرت موسیٰ نے فرمایا تھا کہ "یہ صرف جادو ہے" اللہ کے حکم سے یہ بھی ختم ہوگا۔ ملفوظ میں قرآن کے اس لفظ کی تاثیر کا تذکرہ ہے — "الفرقان"

[2] شورش اہل جنوں کو مرگ نے بھی تسکین نہیں دی۔ خاک مجنوں کا بگولہ آسمان تک پیچ کھاتا ہو گیا —

[3] دنیا خانۂ زین کی مانند ہے اس کا عیش پا در رکاب ہے یعنی جلد ختم ہونے والا ہے شہسوار وہ ہے جو یہاں سے دامن بچاتے ہوئے جلد ہی چلا گیا۔

فرمایا کہ ـــــ بعض روہیلے ایسے ہیں کہ اُن کے سامنے فقط ذکرِ حضرت علیؓ کیا جائے تو ناراض ہوتے ہیں چنانچہ حافظ آفتاب جو ہمیشہ میرے درس میں حاضر ہوا کرتے تھے ایک دن حضرت علیؓ کا ذکر تھا ـ ہم سُنیوں کی عادت ہے کہ جو صحابی بھی سامنے آئے ہم اسکے مناقب بجان و دل بیان کرتے ہیں، میں نے بھی حضرت علیؓ کے مناقب خوب بیان کئے اس پر وہ ناراض ہو گئے اور مجھے شیعی سمجھ کر میرے درس میں آنا چھوڑ دیا ـــــ ایک واقعہ حضرت والد ماجدؒ کے ساتھ بھی ویسا ہی گزرا ہے ایک شخص نے تکفیرِ شیعہ کے بارے میں والد صاحب سے سوال کیا ـ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں حنفیہ کا جو اختلاف ہے اس کو بیان فرما دیا جب مکرّر دریافت کیا تو پھر وہی جواب دیا ـــــ میں نے خود اپنے کانوں سے سنا کہ وہ شخص (محفل سے باہر نکل کر) یہ کہہ رہا تھا کہ یہ شیعہ ہیں ـ

ایک مُرید نے عرض کیا کہ کیا مرغ وغیرہ تمام جانوروں کے لڑانے کا ایک ہی حکم ہے!

فرمایا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو آپس میں بھڑکانے اور لڑانے کی ممانعت فرمائی ہے خواہ وہ وحشی جانور ہوں یا پرندے ہوں البتہ جانوروں کا پالنا اگرچہ وہ صحرائی ہوں، ممنوع نہیں ہے ـــــ

حضرت انسؓ کے چھوٹے بھائی (ابو عمیر) نے ایک لال چڑیا پالی تھی جب وہ چڑیا مر گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یا ابا عُمیر ما فعل نُغیر" (یعنی اے ابو عُمیر تمھارا وہ لال کیا ہوا) ـ

فرمایا کہ ـــــ اطباء نے کبوتر کے بہت سے فوائد و خواص لکھے ہیں (اگرچہ اُن کا اڑانا منع ہے) منجملہ اُن فوائد کے ایک یہ ہے کہ کبوتروں کے پروں کی ہوا سے خفقان، دفع ہوتا ہے اور لقوہ و فالج بھی ـــــ کتاب خواص الحیوان، میں تمام حیوانات کے عجیب عجیب حالات تاثیر اور خواص بیان کئے گئے ہیں ـــ

فرمایا کہ بعض اطباء علاج بالخاصیۃ ـــــ جس کو ٹوٹکہ کہتے ہیں ـــــ کرتے ہیں چنانچہ مجھے نقرس (دانگن) کا مرض تھا اچھا نہیں ہوتا تھا ایک کتاب میں دیکھا کہ ایسے بچے کے سر کے بال، جو چالیس دن سے زیادہ اور چھ مہینے سے کم عمر کا ہو ـــــ موضعِ درد پر باندھیں، درد جاتا رہے گا میں نے ایسا ہی کیا مرض جاتا رہا ـــــ

ہندی کا ایک دوہا پڑھ کر فرمایا کہ واقعی بات تو یہ ہے کہ جب کوئی با خدا ہو جائے تو کسی اور کی طرف کیوں نظر کرے ــــ (ایک دن) یہ شعر پڑھا۔

زاہد بیا بمیکدہ دنیائے دیگر است　　آبے دگر، ہوائے دگر، جائے دیگر است

پھر اس شعر کے معنی بطور تصوف بیان فرمائے ــــ پھر ارشاد فرمایا کہ میکدہ سے مراد سلوک ہے اور ایسا مقام مُراد ہے کہ جہاں پہونچ کر اس عالم سے بے خبر ہو جائیں۔

ایک شخص نے دریافت کیا کہ کیا گنجفہ اور چوسر، شطرنج کی طرح حرام ہیں؟

ارشاد فرمایا کہ گنجفہ اور چوسر میں شطرنج سے بھی زیادہ حُرمت ہے۔ اس لئے کہ بعض آئمہ نے (شرائط کے ساتھ) شطرنج کو تو مباح ہی کیا ہے ــــ پھر فرمایا کہ جامع صغیر میں شطرنج کے کھیلنے اور دیکھنے والے پر لعنت کی حدیث لکھی ہے لیکن وہ بہت ضعیف ہے ــــ

ارشاد فرمایا کہ حضرت علیؓ کے اُنیس صاحبزادے تھے پانچ صاحبزادے حضرت حسینؓ کے ہمراہ شہید ہوئے اور حضرت حسنؓ کے نو صاحبزادے تھے جن میں قاسم لاولد تھے دوسرے صاحبزادوں میں سے اکثر کی اولاد کا سلسلہ ابتک باقی ہے۔

ارشاد فرمایا کہ ــــ حضرت ابو حنیفہؒ، حضرت جعفر صادقؒ سے اکثر اور حضرت محمد باقرؒ اور حضرت زین العابدینؒ سے کمتر روایت کرتے ہیں اور زید شہیدؒ سے بھی بہت روایت کرتے ہیں ــــ اُن کے شاگرد بہت ہیں جیسے فُضیل ابن عیاضؒ اور عبداللہ بن مبارک وغیرہما اور ان کا مذہب، اسہل ہے پھر حضرت ابو حنیفہ کے تقویٰ اور کرامت کے واقعات بیان فرمائے ــــ

ایک مُرید نے عرض کیا کہ کیا بیعت نیابۃً بھی درست ہے؟ ارشاد فرمایا ــــ ہاں حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ بہت سی عورتوں نے قصدِ بیعت کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرصت نہ تھی، حضرت عمرؓ کو بھیجا تاکہ نیابۃً بیعت لے لیں۔

ایک مُرید نے دریافت کیا کہ حضرت شاہ نجم الحق[عہ] چاپلدہ کی قبر کہاں ہے؟

ارشاد فرمایا کہ فریدآباد (علاقۂ دہلی) کے قریب غرب کی جانب سُہنہ ایک مقام ہے وہاں ان کی قبر ہے ــــ

عہ شیخ عبدالعزیز شکر بارؒ کے خلیفہ تھے۔

ایک مُرید نے تانبے اور پیتل کے برتنوں کا مسئلہ معلوم کیا ـــــ فرمایا ان کا استعمال درست ہے لیکن تانبے کے برتن پر احتیاطاً حفاظت کی غرض سے قلعی کرا لینا چاہیئے تاکہ کھانا خراب نہ ہو، قلعی نہ ہونے کی صورت میں کراہت ہے ـــــ پیتل کے برتن پر اگر قلعی نہ ہو تو مشابہت ہنود کی وجہ سے مکروہ (خلافِ اولیٰ) قرار دیا ہے۔ خصوصاً پیتل کی تھالی اور لٹیا کہ ایک قوم کے ساتھ مخصوص ہیں (اور اسی وجہ سے مکروہ ہیں) برخلاف پیتلی کٹورے کے کہ سقّوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے بنا بریں کسی خاص قوم کے ساتھ اس کی تخصیص نہیں رہی ـ پیتل کی سلفچی اور لوٹے کے استعمال میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

ایک مُرید نے عرض کیا، کیا ایک حنفی، امام شافعیؒ یا کسی اور امام کے موافق عمل کر سکتا ہے ؟ فرمایا بوقت ضرورت کے وقت کسی دوسرے امام کے مذہب پر عمل کر سکتا ہے ـــــ میں نے ایک استفتاء کے جواب میں اس مسئلے کو مفصل لکھا ہے۔

فرمایا کہ ـــــ اللہ تعالیٰ نے اسلاف کی عمروں میں اور ان کے اوقات میں بڑی برکت دی تھی ـــــ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی مصری شافعیؒ جو کہ صاحب تصانیف کثیرہ تھے ان کے اوقات کا حساب لگایا گیا ہے پندرہ سال نکالنے کے بعد کہ وہ ان کے بچپن کا اور تحصیل علوم کا زمانہ ہے ـــــ روزانہ بارہ ورق اُن کی تصنیفات کے بیٹھتے ہیں ـــــ کب حج بیت اللہ کیا ہوگا اور کب درس علوم اور تدریس وغیرہ کا مشغلہ رکھا ہوگا ؟

فرمایا کہ رسالہ عزیزیہ شاہ شیخ عبد العزیز شکر بار دہلویؒ کی تصنیف ہے ٹھیک چار رسالے ہے رسالہ عینیہ بھی بیانِ وحدتِ وجود میں انفس کا رسالہ ہے اور خوب ہے ـــــ ان کے علاوہ اُن کی دوسری

ـــــ

؎ شیخ عبد العزیزؒ بن شیخ حسن طاہرؒ۔ میاں قاضی خاں کے خلیفہ اور متاخرین مشائخ چشتیہ میں مشہور شخصیت تھے۔ شریعت، طریقت اور حقیقت کے عالم تھے: شروع سے ہی عبادت وریاضت میں مشغول رہے یہاں تک کہ مرتبۂ مشیخت کو پہونچے۔ انتہاء درجے کے پابند اوقات تھے اپنے زمانے میں، تواضع، حلم، صبر و رضا، تسلیم وشفقت بر خلق اور رعایت فقراء کے اندر اپنا نظر نہیں رکھتے تھے غرضکہ یادگار مشائخ چشت تھے اور آپ کے وجود مبارک کے ذریعے دہلی میں سلسلۂ ارشاد ومشیخت قائم رہا ۔ ۸۹۸ھ میں جونپور میں آپ کی ولادت ہوئی ڈیڑھ سال کے تھے کہ اپنے والد ماجد شیخ حسن طاہرؒ کے ساتھ جونپور سے دہلی آگئے۔ ۲۰ جمادی الآخریٰ ۹۷۵ھ کو وفات پائی (اخبار الاخیار)

یک دو ساعت صحبتے با اہلِ دل

مجلس حضرت شاہ محمد یعقوب مجددی

(مرتبہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

مورخہ ۲۷ ذی الحجہ سنہ ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۹ مارچ سنہ ۱۹۶۶ء بروز یکشنبہ بوقت ۱۰ بجے ۱۲/۱۵

[مخصوص حاضرین مجلس۔ مولوی عبیدالرحمٰن خاں صاحب شیروانی، مولانا محمد عمران خاں صاحب ندوی، مولوی محمد نعمان خاں صاحب ندوی، سید معشوق علی صاحب (سکریٹری صرف خاص بیگم صاحبہ بھوپال)، نواب سید ظہورالحسن خاں صاحب (نبیرۂ امیرالملک والاجاہ نواب صدیق حسن خاں صاحب بہادر) وغیرہ وغیرہ]

آج اتوار کی وجہ سے حاضری کی بڑی تعداد تھی، خانقاہ کا دالان بھرا ہوا تھا۔ جدید تعلیم یافتہ اور انجا، ای، ایل کے ملازمین اور انگریزی مدارس کے طلبہ بھی تھے، مضامین کا ورود اور طبیعت کا جوش بھی بہت تھا، تقریر اصلاحی اور دعوتی رنگ لیے ہوئے تھی، پہلے اتوار کے معمول کے مطابق مکتوبات امام ربانیؒ کا ایک مکتوب جو نواب قلیچ خاں کے نام ہے اور جس میں اُن کے اپنے آقائے ولی نعمت کے لیے عذر نشانیں لکھنے پر استعجاب و انکار فرمایا گیا، پڑھا گیا، مکتوب کا فارسی متن حضرت نے پڑھا، اس کا اُردو ترجمہ مطبوعہ کتاب سے حافظ منظور صاحب نے پڑھ کر سنایا، پھر سلسلۂ گفتگو کا آغاز فرمادیا، اور بڑے بلند مضامین، لطیف نکات ارشاد فرمائے، اس دریا کو کوزہ میں بند کرنا ناممکن معلوم ہوتا ہے، چند جستہ جستہ مضامین جو عام فہم ہیں اور حافظہ میں محفوظ رہ گئے، قلم بند کیے جاسکتے ہیں۔

فرمایا، اعمال و احکام شریعت غذا ہیں، اور درد و محبت چٹنی، چٹنی سے اشتہا کھلتی ہے

اور کھانے کے ہضم میں مدد ملتی ہے، لیکن ان دونوں میں تناسب ضروری ہے، چٹنی چٹنی ہی کی مقدار میں ہونی چاہیئے۔ اگر چٹنی غذا بن جائے گی تو معدہ ضعیف ہو جائے گا، مجھے چشتیوں کے درد و محبت اور سوز و ساز سے فطری مناسبت ہے، اشعار کا بھی مجھ پر بڑا اثر پڑتا ہے، حضرات نقشبندیہ ہوں، یا حضرات چشتیہ، درد و محبت اور ذوق و شوق سے کوئی خالی نہیں، میرے پردادا صاحب مولانا رؤف احمد صاحب مجددی اپنے دیوان میں فرماتے ہیں ؎

شراب محبت پلادے مجھے	تو مستانہ اپنا بنادے مجھے
ترے جلوے کو دیکھ کر جان دوں	مروں تو ترے فضل سے یوں مروں
رہوں گو رمیں بھی دیوانہ ترا	نہ موقوف ہو منہ دکھانا ترا
اٹھوں تو ترے دھیان میں پھر اٹھوں	غرض عشق ہی میں جیوں اور مروں

فرمایا۔ دہلی میں ایک نواب فیض محمد خاں تھے، بڑے بے تکلف، صاف گو، اور آزاد مشرب، جو جی میں آتا صاف کہہ دیتے، لوگ ان کی اس بے باکی سے ڈرتے تھے اور مجھے بھی ڈراتے تھے، میں اُن کی ہر طرح کی باتیں اور اعتراضات سُن لیتا تھا، ایک مرتبہ کہنے لگے، کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہر طرح کی آزادی اور وسعت دی ہے، علماء نے دین کو بڑا تنگ اور مشکل بنا دیا ہے اور ہر طرح کی پابندیاں عائد کر دی ہیں فطرت آزادی اور وسعت پسند کرتی ہے اور پابندیوں سے گھبراتی ہے، لوگوں نے خواہ مخواہ ہر چیز پر قدغن لگا رکھا ہے، یہ کرو، وہ نہ کرو، یہ نہ پیو، وہ نہ کھاؤ وغیرہ وغیرہ، میں نے کہا کہ ایک مدرسہ ہے جس میں پابندیاں ہیں لباس کی پابندی، نظام کی پابندی، اوقات کی پابندی، تعلیم و امتحانات کی پابندی۔ دوسرا مدرسہ ہے جس میں کوئی پابندی نہیں، ہر طرح کی آزادی ہے، جب جی چاہے آؤ، جتنا جی چاہے پڑھو، پڑھو، نہ پڑھو، جب تک جی چاہے رہو، جو جی چاہے پہنو، لوگ اپنے بچوں کو پہلے مدرسہ میں داخل کریں گے یا دوسرے مدرسہ میں؟ کہنے لگے پہلے مدرسہ میں، دوسرے مدرسہ میں تو کوئی بھی اپنے لڑکے کو داخل کر کے اس کی عمر کو ضائع اور اس کو آوارہ نہیں بنائے گا۔ میں نے کہا بس اسلام بھی پہلے ہی قسم کا مدرسہ ہے، پابندیاں اور اس کے سب تقیدات، اصلاح و تربیت اور نظم و نظام قائم رکھنے کے لیے اور انسان کے فائدے ہی کے لیے ہیں، ان واجبی اور ضروری پابندیوں سے کہیں بھی اور کسی کو چارہ نہیں، اس پر خاموش ہو گئے۔

فرمایا، اطباء پہلے معدہ کی فکر کرتے ہیں، معدہ ہی سارے جسمانی نظام پر موثر ہوتا ہے، وہ باورچی خانہ کا مہتمم ہے، میں بھی نسخہ لکھنے میں معدہ کو مقدم رکھتا ہوں، جس طرح اطبائے جسمانی علاج میں معدہ کو مقدم رکھتے ہیں، اطبائے روحانی (صوفیہ) پہلے دماغ کی فکر کرتے ہیں، دماغ بھی ایک باطنی معدہ ہے، جب تک وہ درست نہ ہو اخلاقی وروحانی نظام صحیح طریقہ پر عمل نہیں کرتا سب سے پہلے تخیل کو درست کرنے کی ضرورت ہے، لوگ الہام والقاء اور خواب کو بڑی اہمیت دیتے ہیں یہ سب تخیل سے متاثر ہوتے ہیں۔ اگر ایک تخیل قائم ہوگیا اور جم گیا تو بعض اوقات اسی کے مطابق القاء بھی ہونے لگتا ہے اور خواب بھی اس کی تائید میں نظر آنے لگتے ہیں، آسمان کا پانی صاف اور بے رنگ ہوتا ہے لیکن اگر برتن گندلا یا رنگین ہے، تو بارش کا پانی گندلا اور رنگین نظر آتا ہے، اس میں پانی کا قصور نہیں، رنگین گلاس اور بوتل کا قصور ہے۔ لوگوں نے استخارے کا بھی بہت غلط استعمال شروع کر دیا ہے، بدیہیات اور مشاہدات میں استخارہ نہیں ہے، پہلے اللہ نے آنکھیں دی ہیں دیکھنے کے لئے، یہ پتھر ہے یا سنگ مرمر ہے اس کے لئے استخارہ کی ضرورت نہیں، لوگ پہلے دل میں ایک چیز طے کر لیتے ہیں پھر استخارہ کرتے ہیں، اور جب کوئی خواب اس کے مطابق نظر آتا ہے تو اس کو سند بنا لیتے ہیں، ایک صاحب نے مجھ سے ایک پردیسی طالب علم کے ساتھ جو بنگال کے رہنے والے تھے اپنی لڑکی کی شادی کرنے کے متعلق مشورہ لیا میں نے کہا کہ وہ پردیسی آدمی ہیں اُن کے اخلاق وعادات کا تجربہ نہیں اس سے شادی کرنے کی میری رائے نہیں، انھوں نے کہا کہ میں نے اُن کی صلاحیت ودینداری خوب دیکھ لی ہے، میں نے عرض کیا کہ برسوں میں بھی آدمی کی حقیقت ظاہر نہیں ہوتی، کہنے لگے کہ انھوں نے مسجد میں بیٹھ کر قسم کھائی ہے، میں نے کہا کہ یہی، جھوٹ کی علامت ہے، اگر وہ سچے ہوتے تو کہتے کہ چاہے بیٹی دو، چاہے نہ دو، میں قسم نہیں کھاؤں گا، انھوں نے استخارہ کیا اور راست آیا، شادی کے بعد وہ طالب علم کہنے لگے کہ دھوکا ہوا، اتفاقاً ایک دن پردہ اٹھ گیا تھا میں نے ایک گوری لڑکی دیکھی تھی، یہ تو کالی ہے۔

فرمایا کہ القاء اور الہام کے لئے کسوٹی قرآن وحدیث ہے، جو اس کے مطابق ہے وہ صحیح ہے اور جو اس کے مخالف ہے غلط ہے، قادیانی خوابوں سے بہت استدلال کرتے ہیں اور انکو ان پر بڑا اعتقاد ہے، حیدرآباد میں مجھے نجوم پڑھنے کا شوق ہوا، معلوم ہوا کہ ایک استاد اس کے بڑے

ماہر ہیں، مگر عقیدہ کے قادیانی ہیں اور اپنے مذہب کے بڑے مبلغ بھی، میں نے اُن کے پاس جانے کا ارادہ کیا لوگوں نے منع کیا، میں نے کہا کہ میں صرف کتاب پڑھنے جا رہا ہوں، مجھے اُن کے عقیدہ سے کیا بحث؟ کہنے لگے کہ ہم نے دیکھا ہے جیسے بہت سے لوگ ان دیکھے جو وہاں گئے قادیانی ہو گئے، میں نے کہا کہ میں کوئی پردہ نشین لڑکی نہیں ہوں، پڑھنے کی نوبت نہ بھی آئی، کبھی ریل ہی میں سامنا ہو گیا تو کیا کروں گا؟ اگر میرا ایمان ایسا ہی ضعیف ہے تو کسی اور سے متاثر ہو جاؤں گا، غرض میں وہاں پہنچا فرمایا کیسے آئے؟ میں نے کہا ظہوری پڑھنا چاہتا ہوں، کہنے لگے لاحول ولا قوۃ، نہ دین کا فائدہ نہ دنیا کا فائدہ، میں نے کہا کہ فارسی کی مشکل عبارتیں اور ادبی صنعتیں سمجھ میں آئیں گی، اسی شوق میں پڑھ رہا ہوں، کہنے لگے ہاں، میں نے ایک ایرانی استاد سے پڑھا تھا وہ لوگ ان فنوں کے بڑے ماہر ہوتے ہیں، میں تم کو پڑھا دوں گا، کہنے لگے کہ تمھیں معلوم ہے کہ میں قادیانی ہوں، تمھیں لوگوں نے میرے پاس آنے سے منع نہیں کیا؟ میں نے کہا بہت منع کیا، میں نے اُن سے کہا کہ پھر تمھیں ظہوری پڑھاؤ، اس پر خاموش ہو گئے، کہنے لگے کہ "واذا لقوا الذین آمنو قالوا آمنا واذا خلوا الی شیاطینہم قالوا انا معکم انما نحن مستھزؤن پر عمل تو نہیں کرو گے؟ حضرت فرماتے تھے کہ میری یہ عادت ہو کر کسی کی بات کہیں دوسری جگہ نقل نہیں کرتا تھا، نہ ایک کا راز دوسری جگہ فاش کرتا تھا،

الحاصل سبق شروع ہوا، جب ذرا بے تکلف ہوئے تو کہنے لگے کہ تم مجھے جانتے ہو، فلاں بزرگ جن کا فلاں جگہ مزار ہے میں اُن کی اولاد میں ہوں، میرے مرزا صاحب پر ایمان لانے کی وجہ یہ ہوئی کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک تخت بچھا ہے جس پر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں، سامنے اولیاء اور صلحاء کا مجمع ہے، ارشاد ہوا کہ اس کو لاؤ، فرشتے مرزا صاحب کو لئے ہوئے آئے، ارشاد ہوا یہی وہ ہے جو میرے بعد پیغمبر ہے اور جس کے لئے " اسمہ احمد " آیا ہے، بس میں اُسی دن سے ایمان لے آیا، وہ اور دلائل دیتے تھے اور مجھ کو قائل کرنا چاہتے تھے، میں نے عرض کیا کہ میرا دماغ تو ابھی کچرے کی گاڑی ہے، میں ان باتوں کو ابھی سمجھ نہیں سکتا، پہلے قرآن وحدیث پڑھا دیجئے اور اس کو گلاب وعنبر سے بھر دیجئے پھر مجھے تمیز ہو گی اور میں صحیح رائے قائم کر سکوں گا میں دیکھتا تھا کہ اُن کو تکثیرِ جماعت کی بڑی فکر رہتی تھی، لوگوں کو اپنے مذہب میں داخل کرنے کے لئے وہ اپنے اثرات استعمال کرتے تھے، کسی کو نوکر رکھنا، کسی کی شادی کرا دینا، کسی کی سفارش کرنا، یہ سب

شیخ اُن کے یہاں قائم تھے، کسی راستے سے بھی کوئی شخص اُن کے دین میں داخل ہو جائے اس کو بڑی کامیابی سمجھتے ہیں اور اس پر فخر کیا کرتے ہیں، اس کے مقابلہ میں حقانی، ربانی، خدا پرست لوگوں کو کثرت کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، وہ کثرت سواد سے زیادہ احکام الٰہی کے اجراء اور دین و شریعت کی حفاظت کا خیال رکھتے ہیں، اس میں لوگ بڑھیں، یا گھٹیں، کوئی آئے یا جائے اُن کو کوئی پرواہ نہیں، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بادشاہ غسان جبلہ ابن ایہم کے ایک غریب بدو کو طمانچہ مار دینے پر (قصاص) طمانچہ مارنے کا حکم دیا، اس پر وہ برہم ہو کر اپنے سب لوگوں کو لے کر چلا گیا اور مرتد ہو گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر اللہ کا شکر کیا، کہ انھوں نے اللہ کے حکم کو قائم رکھا،

میرا سبق اسی طرح جاری رہا اور اُن کی تبلیغی کوششیں بھی جاری، اُن کے ایک بہت مقرب اور معتمد خادم اور مرید تھے، جو ہر وقت اُن کے پاس رہتے تھے، ایک دن انھوں نے اپنا خواب بیان کیا کہ، میں نے دیکھا کہ مولانا انوار اللہ[1] خاں صاحب تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں، آسمان سے فرشتے اُترے اور ان کے تخت کو اٹھا کر آسمان کی طرف لے گئے، مولانا انوار اللہ خاں صاحب جو نظام کے استاد بھی تھے، قادیانیت کے بڑے مخالف اور دشمن تھے، انھوں نے اپنی زندگی میں نہ قادیانیوں کی کوئی مسجد بننے دی، نہ اُن کی کوئی کتاب حیدرآباد میں چھپنے دی، وہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے خلیفہ اور بڑے باخدا اور درویش صفت عالم تھے، میں نے دیکھا کہ خواب سنتے ہی مولوی صاحب کے چہرہ کا رنگ بدل گیا، گورے چٹے آدمی تھے، چہرے پر سیاہی سی دوڑ گئی، کہنے لگے کہ شاید تم کو مولانا انوار اللہ خاں صاحب سے کچھ عقیدت تھی، برتن کا جو رنگ ہوتا ہے، پانی بھی اسی رنگ کا نظر آنے لگتا ہے، کہنے لگے کہ حاشا وکلا میں تو حضرت کا خادم اور ہم عقیدہ ہوں، مجھے ان سے کیا سروکار؟ وہ اس کا کچھ جواب نہ دے سکے، میرا جی چاہا کہ عرض کروں کہ آپ اپنے خواب کے متعلق کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ وہ کیسے دلیل اور سند بن سکتا ہے؟

بعض اہل علم جو کسی ایک امام کے پیرو نہیں ہیں، اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ ائمہ کی پیروی کا کیا ثبوت، اتباع تو اللہ و رسول، کتاب و سنت کا مطلوب ہے، حالانکہ در اصل ائمہ و علماء کی

---

[1] نواب فضیلت جنگ مولانا انوار اللہ خاں صاحب۔

بالذات پیروی اور اطاعت نہیں، بالذات اور بالاستقلال پیروی تو اللہ اور رسولؐ ہی کی ہے لیکن عرف میں اسی طرح کہا کرتے ہیں، کہ ہم فلاں کے متبع ہیں، اور فلاں کے مقلد، ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے کلثوم بیگا کی مسجد میں نماز پڑھی، دوسرا کہتا ہے کہ میں نے اللہ کے گھر میں نماز پڑھی، ایک ناواقف آدمی دوسرے ہی کو فضیلت دے گا کہ اس نے براہ راست اللہ ہی کے گھر نماز پڑھی ہے، حالانکہ پہلے نے بھی مسجد میں نماز پڑھی اور دوسرے نے بھی مسجد میں، لیکن عرف میں فلاں کی مسجد، فلاں کا محلہ کہتے ہیں، حقیقت میں سب اللہ ہی کے گھر ہیں، آپ دیکھتے نہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں" واتبعت ملة آبائی ابراهیم واسحاق ویعقوب" حالانکہ وہ اللہ اور اس کی شریعت ہی کے متبع تھے۔

فرمایا، انگریزی ذریعۂ معاش کے طور پر پڑھنے میں حرج نہیں، اس کو اصل کام اور ترقی نہ سمجھے، الفاظ اور تعبیرات میں بڑی خاصیت ہے، انھیں سے آدمی کے ذہن و تخیل کا اندازہ ہوتا ہے، میرے پاس ایک صاحب آئے ان کا لڑکا انگریزی فوج میں تھا وہ میدانِ جنگ میں ختم ہو گیا، کہنے لگے کہ میرا لڑکا کام آگیا، میں نے کہا کہ یہ لفظ ہرگز نہ کہئے، اس کو کام آنا نہیں کہتے کہنے لگے کہ اس نے وصیت کی ہے کہ میرے لڑکے کو تعلیم دلائی جائے، میں نے ارادہ کیا ہے کہ پہلے اس کو حفظ کراؤں گا، پھر انگریزی تعلیم دلاؤں گا، میں نے کہا کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے نہایت اعلیٰ قسم کا کھانا تیار ہو، پھر گوبر یا لید کو پیس کر مصالحہ کی طرح اوپر سے ڈال دیا جائے وہ قرآن کے حفظ کی کیا قدر و حفاظت کر سکے گا، سوائے اس کے کہ اس کو ضائع کرے اور وقت کے ضائع ہونے پر افسوس کرے، کچھ اور نتیجہ نہ ہوگا انگریزی پڑھ کر دیندار بننا، عربی پڑھ کر بے دین بننے سے بہتر ہے، بعض ہندوستانی طالب علم جو مدینہ طیبہ میں تعلیم پاتے ہیں ملنے آئے، دیکھا کہ سر ننگا، داڑھی منڈی ہوئی، ان کو اس کا خیال نہ آیا کہ ہم جس پاک سرزمین میں رہتے ہیں، اس سے مناسبت پیدا کریں، ان سے تو وہ انگریزی داں اعلیٰ تعلیم یافتہ کہیں بہتر ہیں جو وہاں بڑے بڑے عہدوں پر ہیں، ایک ڈاکٹر وحید الزماں صاحب حیدرآبادی کو دیکھئے جو حجاز میں ڈاکٹر ہیں، کس قدر دیندار اور متشرع، اس پر حضرت نے قاضی نظام الدین صاحب کا قصہ سنایا، جو ایک معزز قاضی خاندان کے فرد، اور عباسی النسل ہیں، نو عمری میں گھر سے نکل کر خانقاہ میں آگئے تھے، ابتدائی انگریزی پڑھی تھی، حضرت کی اجازت سے انگریزی امتحانات پاس کئے اور ریلوے میں ایک اچھے عہدہ پر ملازم ہو گئے، ان کی دینداری، پابندی میں کوئی فرق نہیں آیا، انگریزی

اگر حلال روزی حاصل کرنے کے لئے پڑھی جائے اور اس کو اپنے دین کی حفاظت کے لئے استعمال کیا جائے تو وہ باہر کے صدموں کو جھیل لیتی ہے اور دین محفوظ رہتا ہے، وہ مڈگارڈ کی طرح ہو جاتی ہے جس سے پہئے کی حفاظت ہوتی ہے، ایسی حالت میں دین و دنیا کا تعلق وہ ہوتا ہے جو بلاڈر اور کوَر کا فرق ہے۔

فرمایا، بہت سی انگریزی دوائیں بہت کڑوی ہوتی ہیں، ان پر شکر کا غلاف چڑھا ہوتا ہے، شوگر کوٹڈ دوائیں سب جانتے ہیں، دین کا معاملہ اس سے الٹا ہے، یہاں دوا پر شکر چڑھی ہوئی ہوتی ہے، وہاں شکر پر دوا چڑھی ہوتی ہے، یہاں ظاہر شیریں اور اندرون تلخ، وہاں ظاہر تلخ ہے، اندرون شیریں، عرفی نے خوب کہا ہے۔

اے متاع درد، در بازار جاں انداختہ

گوہرِ ہر سود در جیب زیاں انداختہ

حضرت ابراہیمؑ کو جب آگ میں ڈالا گیا وہ اوپر سے آگ تھی، اندر سے گلزار حضرت ابراہیمؑ نے اس آگ کے اندر گلزار کو سمجھ لیا، فرعون کے سامنے جو سمندر تھا وہ اوپر سے پانی تھا، اندر سے آگ، اس نے پانی کو دیکھا، آگ کو نہیں دیکھا، تکلیفات شرعیہ کا یہی حال ہے کہ اوپر سے وہ مشقت، اور ظاہری عمل و مجاہدہ، اندر سے راحت، قرب و ترقی اور جنت ہے[1]۔

اس کے بعد والعصر کی تفسیر کرنی شروع کی، فرمایا یہ چھوٹی سی سورہ ہے لیکن معانی و حقائق کے لحاظ سے بڑی وسیع اور عظیم ہے، سیارے ہمیشہ چھوٹے نظر آتے ہیں لیکن اس دنیا سے بھی عظیم و وسیع ہیں، سورج کی ٹکیہ بچپن سے ایسی ہی چھوٹی نظر آتی ہے لیکن وہ کتنا عظیم الشان ہے، پھر ایمان و عمل صالح کی تشریح فرمائی، ایمان کا تخم جب صحیح سالم ہوتا ہے اور اس کو صحیح طریقہ پر ودیعت اور امانت رکھدیا جاتا ہے تو وہ وقت پر صحیح برگ و بار لاتا ہے اور پھل دیتا ہے، برگ و بار اور پھل، اعمال و اخلاق ہیں، کسی نے کسی سادہ لوح سے کہا کہ بیج کو زمین میں بو دو وہ پھیلے پھولے گا اور برگ و بار لائے گا، وہ بیوقوف اس کو بار بار نکال کر دیکھتا ہے کہ اس کی کونپل نکلی یا نہیں۔

فرمایا، بہت دنوں تک عصر کی حقیقت پر غور کرتا رہا، تفسیریں بھی دیکھیں تشفی نہ ہوئی پھر ذہن میں آیا کہ

---

[1] مشہور حدیث ہے حُفَّتِ الجنةُ بالمکارہ وحُفَّتِ النارُ بالشہوات

بڑے آرام کے لئے چھوٹی تکلیف برداشت کرنا یہی صبر کی حقیقت ہے، کسی شخص کا پاؤں اُتر گیا اسکو بٹھانے کے لئے اُس کو تکلیف اٹھانی پڑے گی، لیکن اس کے بعد آرام مل جائے گا، وہ اس آرام کے خیال سے یہ سب تکلیف برداشت کرتا ہے، یہی دنیا کے مصائب کی حقیقت ہے۔

فرمایا، فوجی بینڈ بڑا موثر ہوتا ہے، جس وقت اُس کی خاص دھن بجائی جاتی ہے، سپاہی لڑنے کے لئے بیقرار ہو جاتے ہیں اور جوش و شوق میں زمین پر پاؤں ٹیکنے لگتے ہیں، اسی طرح سے جب مومن کا دم واپسیں ہوتا ہے اور اُس کے کان میں " یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ " کا دلکش اور جاں نواز نغمہ پہونچتا ہے تو وہ بے قرار ہو جاتا ہے اور اس قفس عنصری سے جلد رہائی پاکر اپنے محبوب کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لئے بیتاب ہو جاتا ہے۔

فرمایا بعض لوگوں کا نفع و افادہ، ہدایت و ارشاد کی طاقت ساری ان کے کلام میں آجاتی ہے، ان سے استفادہ کا ذریعہ اور راستہ صرف اُن کی تقریر اور کلام ہے لیکن بہت سے عارفین زیادہ کلام نہیں کرتے اُن کا نفع و افادہ اور اُن کی تاثیر اُن کے پورے جسم میں اور رگ و پے میں سرایت کر جاتی ہے، وہ مجسم نفع و افادہ اور ہدایت و ارشاد بن جاتے ہیں، اُن کی خاموشی کی حالت میں بھی اُن سے خدا کی مخلوق نفع اٹھاتی ہے، جن درختوں میں پھل آتا ہے اُن کی ساری لذت و حلاوت سمٹ کر اس پھل میں آجاتی ہے، پھل کھایئے تو بہت میٹھا رسیلا، اور ذائقہ دار، لیکن اس کے علاوہ درخت میں جو کچھ ہے وہ بے مزہ و تلخ اور چوب خشک ہے، آم کے درخت کا پھل بہت شیریں، کوزۂ نبات، لیکن نہ اس کی پتیوں میں مزہ، نہ چھال میں، نہ شاخوں میں، لیکن گنے کو جہاں سے دانت لگائیے اور جہاں سے چوسئے میٹھا ہی میٹھا اور رس ہی رس، گنے کا چونکہ پھل نہیں ہوتا اس لئے اس کا سارا جسم پھل بن گیا، مولانا روم فرماتے ہیں۔

گر نبودے نالۂ نے را ثمر
نے جہاں را پر نکردے از شکر

ایک پیشین گوئی

جو حیرت انگیز طور پر پوری ہوئی

(از جناب وحید الدین خاں)

ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کے جو تاریخی واقعات ہمیں معلوم ہیں، ان میں یہ واقعہ بلاشبہ ایک نہایت عجیب واقعہ ہے کہ وقت کی دو عظیم ترین سلطنتوں کی جنگ میں، جبکہ درحقیقت ایک فریق کے حق میں جنگ کا فیصلہ ہو چکا تھا، ان سے بہت دور مکہ میں بیٹھے ہوئے نبی اُمّی نے ایک غیر معمولی نوعیت کی پیشین گوئی کی جو عین وعدے کے مطابق دس سال کے اندر پوری ہو گئی۔ میری مراد غلبۂ روم کی پیشین گوئی سے ہے جو قرآن کے تیسویں سورۂ (روم) میں وارد ہوئی ہے۔

جزیرہ نمائے عرب کے مشرق میں خلیج فارس کے دوسرے ساحل پر ایرانی حکومت قائم تھی اور مغرب میں بحر احمر کے کناروں سے لے کر اوپر بحر اسود تک وہ سلطنت تھی جو تاریخ میں سلطنت روم کے نام سے مشہور ہے۔ اوّل الذکر کا دوسرا نام ساسانی سلطنت اور مؤخر الذکر کا بازنطینی سلطنت ہے، ان دونوں حکومتوں کی سرحدیں عرب کے شمال میں عراق کے مشہور دریاؤں دجلہ و فرات پر آکر ملتی تھیں۔ یہ دونوں اپنے زمانے کی طاقتور ترین سلطنتیں تھیں۔ رومی سلطنت کی تاریخ مورخ گبن کے بیان کے مطابق دوسری صدی عیسوی سے شروع ہوتی ہے اور اس کو اپنے وقت کی مہذب ترین سلطنت کی حیثیت حاصل رہی ہے۔

روم کے زوال پر جتنا لکھا گیا ہے اتنا کسی تہذیب کے خاتمہ پر نہیں لکھا گیا[1] اور اگرچہ کوئی

[1] ISLAM AND ITS FOUNDER, P. 228

ایسی کتاب نہیں ہو سکتی جو دوسری تمام کتابوں سے آدمی کو مستغنی کر دے تاہم مجموعی اعتبار سے اس عنوان پر سب سے زیادہ مفصل اور معتبر مواد ایڈورڈ گبن (EDWARD GIBBON) کی مشہور کتاب ہے جس کا نام ہے:-

THE HISTORY OF THE DECLINE AND FALL OF THE ROMAN EMPIRE

اس کتاب کی پانچویں جلد کے دوسرے باب میں قابل مصنف نے اس دور کے واقعات قلم بند کئے ہیں جو اس وقت ہمارا موضوع بحث ہے۔ روم کے ایک سابق بادشاہ قسطنطین نے ۳۲۵ء میں مسیحیت قبول کر کے اس کو سرکاری مذہب کی حیثیت دے دی تھی۔ چنانچہ روم کی بیشتر آبادی اب حضرت عیسیٰ کی پیرو تھی۔ اس کے مقابلے میں ایرانی سورج دیوتا کے پرستار تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے روم پر جس بادشاہ کی حکومت تھی اس کا نام ماریس (MAURICE) تھا، ماریس کی نااہلی اور بد انتظامی کی وجہ سے آپ کو نبوت ملنے سے آٹھ سال قبل ۶۰۲ء میں اس کی فوج نے اس کے خلاف بغاوت کر دی۔ اس بغاوت کی قیادت ایک فوجی کپتان فوکاس (PHOCAS) نے کی تھی۔ بغاوت کامیاب ہوگئی اور فوکاس روم کے شہنشاہ کی جگہ تخت پر قابض ہوگیا، اس نے اقتدار حاصل کرنے کے بعد شہنشاہ روم ماریس اور اس کے خاندان کو نہایت بیدردی کے ساتھ قتل کر دیا۔

فوکاس نے اپنی ہمسایہ سلطنت ایران کو ایک سفیر بھیج کر نئی تخت نشینی کی اطلاع دی۔ اس وقت ایران کے تخت پر نوشیروان عادل کا لڑکا خسرو پرویز (CHOSROES II) تھا۔ خسرو پرویز کو ۵۹۰ء میں اندرونی سازش اور بغاوت کی وجہ سے اپنے ملک سے فرار ہونا پڑا تھا۔ اس زمانے میں مقتول رومی شہنشاہ ماریس نے اس کو اپنے علاقہ میں پناہ دی تھی۔ اور دوبارہ تخت حاصل کرنے کے سلسلے میں اس کی مدد کی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انھیں دنوں قسطنطنیہ کے زمانۂ قیام میں خسرو نے ماریس کی لڑکی سے شادی کی تھی اور اس رشتہ کی بنا پر ماریس کو وہ اپنا باپ کہتا تھا۔ چنانچہ جب خسرو کو رومی انقلاب کی خبر ملی تو وہ سخت برہم ہوا۔ اس نے رومی سفیر کو قید کرا دیا اور نئی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

اس کے بعد فوراً اس نے اپنی فوجوں کے ذریعہ روم پر چڑھائی کر دی۔ ۶۰۳ء میں اس

کی فوجیں دریائے فرات کو پار کر کے شام کے شہروں میں داخل ہوگئیں۔ فوکاس اپنی نااہلی کی وجہ سے اس غیر متوقع حملہ کو روکنے میں کامیاب نہ ہوا۔ ایرانی فوجیں بڑھتی رہیں یہاں تک کہ انطاکیہ کو فتح کرتے ہوئے یروشلم پر قابض ہوگئیں۔ ایرانی سلطنت کے حدود فرات سے پار کر کے یکایک وادی نیل تک وسیع ہوگئے۔ سابقہ رومی سلطنت کے مذہبی دارو گیر کی وجہ سے چرچ کے مخالف فرقے ــــ نسطوری اور یعقوبی نیز یہودی پہلے سے رومی حکومت سے ناراض تھے۔ اب انھوں نے روم دشمنی میں نئے فاتحین کا ساتھ دیا۔ اس چیز نے خسرو کی کامیابی کو بہت آسان بنا دیا ــــ

فوکاس کی ناکامی دیکھ کر بعض اعیان سلطنت نے افریقی مقبوضہ کے رومی گورنر کے یہاں خاموش پیغام بھیجا کہ وہ ملک کو بچانے کی کوشش کرے۔ اس نے اپنے لڑکے ہرقل (HERACLIUS) کو اس مہم پر روانہ کیا۔ ہرقل سمندر کے راستہ سے فوج لے کر افریقہ سے روانہ ہوا اور یہ ساری کارروائی اس قدر رازداری کے ساتھ انجام پائی کہ فوکاس کو اس وقت تک اس کی خبر نہیں ہوئی جب تک اس نے اپنے محل سے سمندر میں آتے ہوئے جہازوں کے نشانات نہیں دیکھ لیے۔ ہرقل معمولی لڑائی کے بعد دار السلطنت پر قابض ہوگیا۔ اور فوکاس قتل کر دیا گیا۔

ہرقل نے فوکاس کو تو ختم کر دیا مگر وہ ایرانی سیلاب کو روکنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ۶۱۶ء تک رومی دار السلطنت سے باہر اپنی شہنشاہی کا تمام مشرقی اور جنوبی حصہ کھو چکے تھے، عراق، شام، فلسطین، مصر، ایشیائے کوچک، ہر جگہ صلیبی علم کے بجائے درفش کاویانی لہرا رہا تھا ــــ رومی سلطنت قسطنطنیہ کی چہار دیواری میں محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ محاصرہ کی وجہ سے تمام راستے بند تھے چنانچہ شہر میں قحط اور وبائی امراض نے پھیل کر مزید مصیبت پیدا کر دی۔ رومی سلطنت کے عظیم الشان درخت کا صرف تنا باقی رہ گیا تھا اور وہ بھی خشک ہو رہا تھا۔ خود قسطنطنیہ کے اندر دشمن کے گھس آنے کا خوف تمام آبادی پر اس قدر چھایا ہوا تھا کہ تمام کاروبار بند تھے۔ وہ پبلک مقامات جہاں رات دن چہل پہل رہتی تھی، اب سنسان پڑی ہوئی تھیں۔

آتش پرست حکومت نے رومی علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد مسیحیت کو مٹانے کے لیے شدید ترین مظالم شروع کیے۔ مذہبی شعائر کی توہین کی گئی۔ گرجا گھر مسمار کر دیے گئے۔ تقریباً ایک لاکھ

میل
پیمانہ
۰ ۲۰۰ ۴۰۰ ۶۰۰ ۸۰۰ ۱۰۰۰
جبرالٹر
فرانس
جرمنی
ہنگری
روس
رومانیہ
یونان
ٹیونس
لیبیا
ترکی
شام
یروشلم
عراق
مصر
ایران
افغانستان
پاکستان
سوڈان
مکہ
بحر عرب

عیسائیوں کو بے گناہ قتل کر دیا گیا، ہر جگہ آتش کدے تعمیر کیے گئے اور مسیح کے بجائے آگ اور سورج کی جبری پرستش کو رواج دیا گیا۔ مقدس صلیب کی اصل لکڑی، جس کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ اسی پر مسیح نے جان دی تھی، وہ چھین کر مدائن پہنچا دی گئی۔

مورخ گبن کے الفاظ میں "اگر خسرو کے مقاصد واقعی نیک اور درست ہوتے تو وہ باغی فوکاس کے خاتمہ کے بعد رومیوں سے اپنے جھگڑے کو ختم کر دیتا اور افریقی فاتح کا اپنے بہترین ساتھی کی حیثیت سے استقبال کرتا جس نے نہایت خوبی کے ساتھ اس کے محسن ماریس کا انتقام لے لیا تھا۔ مگر جنگ کو جاری رکھ کر اس نے اپنے اصل کردار کو نمایاں کر دیا" (صفحہ ۷۴)

اس وقت ایرانی شہنشاہیت اور رومی سلطنت میں کیا فرق پیدا ہو چکا تھا اور ایرانی فاتح اپنے کو کتنا بڑا سمجھنے لگا تھا اس کا اندازہ خسرو پرویز کے اس خط سے ہوتا ہے جو اس نے بیت المقدس سے ہرقل کو لکھا تھا:

"سب خداؤں سے بڑے خدا، تمام روئے زمین کے مالک خسرو کی طرف سے اس کے کمینہ اور بے شعور بندے ہرقل کے نام، تو کہتا ہے کہ تجھے اپنے خدا پر بھروسہ ہے، کیوں نہ تیرے خدا نے یروشلم کو میرے ہاتھ سے بچا لیا"

ان حالات نے قیصر روم کو بالکل مایوس کر دیا اور اس نے طے کر لیا کہ اب وہ قسطنطنیہ چھوڑ کر بحری راستہ سے اپنی جنوبی افریقہ کی ساحلی قیام گاہ میں چلا جائے جو قرطاجنہ (CARTHAGE) موجودہ ٹیونس میں واقع تھی۔ اب اس کے سامنے ملک کو بچانے کے بجائے اپنی ذات کو بچانے کا مسئلہ تھا۔ شاہی کشتیاں محل کے خزانوں سے لادی جا چکی تھیں، مگر عین وقت پر رومی کلیسا کے بڑے پادری نے اس کو مذہب کا واسطہ دے کر روکنے میں کامیابی حاصل کر لی۔ وہ اس کو سینٹ صوفیا کی قربان گاہ پر لے گیا اور اس کو آمادہ کیا کہ وہاں وہ اس بات کا عہد کرے کہ وہ اپنی اس رعایا کے ساتھ جئے گا یا مرے گا جس کے ساتھ خدا نے اس کو وابستہ کیا ہے۔ (صفحہ ۷۵) اسی دوران میں ایرانی جنرل سین (SAINS) نے تجویز کیا کہ ہرقل ایک صلح کا قاصد شہنشاہ ایران کی خدمت میں روانہ کرے۔ اس کو ہرقل اور اس کے مشیروں نے بڑی خوشی سے قبول کر لیا۔ مگر جب شہنشاہ ایران خسرو پرویز کو اس کی خبر پہنچی تو اس نے کہا:

مجھ کو یہ نہیں بلکہ خود ہرقل زنجیروں میں بندھا ہوا میرے تخت کے نیچے چاہیے
میں رومی حکمراں سے اس وقت تک صلح نہیں کروں گا جب تک وہ اپنے عیسیٰ خدا کو
چھوڑ کر ہمارے سورج دیوتا کی پرستش نہ کرے " (صفحہ ۱۲۶)

تاہم چھ سالہ لڑائی نے بالآخر ایرانی حکمراں کو مائل کیا کہ وہ فی الحال کچھ شرائط پر صلح کر لے۔ اس نے شرط پیش کی ـــــــ " ایک ہزار ٹالنٹ[1] سونا، ایک ہزار ٹالنٹ چاندی، ایک ہزار ریشمی تھان، ایک ہزار گھوڑے، ایک ہزار کنواری لڑکیاں۔ گبن ان شرائط کو بجا طور پر شرمناک شرائط (Ignominious Terms) کہتا ہے۔ ہرقل یقیناً ان شرائط کو قبول کر لیتا۔ مگر جتنی کم مدت میں اور جس چھوٹے سے لٹے ہوئے علاقے سے اس کو ان قیمتی شرائط کی تکمیل کرنی تھی، اس کے مقابلے میں اس کے لیے زیادہ قابل ترجیح بات یہ تھی کہ وہ انھیں ذرائع کو دشمن کے خلاف آخری حملہ کی تیاری کے لیے استعمال کرے۔

ایک طرف یہ واقعات ہو رہے تھے، دوسری طرف ایران و روم کے درمیان عرب کے مرکزی مقام "مکہ" میں ان واقعات نے ایک اور کش مکش پیدا کر دی تھی۔ ایرانی سورج دیوتا کو مانتے تھے اور آگ کی پرستش کرتے تھے اور رومی وحی و رسالت کے ماننے والے تھے۔ اس لیے نفسیاتی طور پر اس جنگ میں مسلمانوں کی ہمدردیاں رومی عیسائیوں کے ساتھ تھیں اور مشرکین مظاہر پرست ہونے کی وجہ سے مجوسیوں سے اپنا مذہبی رشتہ جوڑتے تھے۔ اس طرح روم و ایران کی کش مکش اس کش مکش کا ایک خارجی نشان بن گئی جو مکہ میں اہل اسلام اور کفار و مشرکین کے درمیان جاری تھی، دونوں گروہ سرحد پار کی اس جنگ کے انجام کو خود اپنی باہمی کش مکش کے انجام کی ایک علامت سمجھنے لگے۔ چنانچہ ۶۱۵ء میں جب ایرانیوں کا غلبہ نمایاں ہو گیا اور رومیوں کے تمام مشرقی علاقے ایرانیوں کے قبضہ میں چلے گئے اور اس کی خبریں مکہ پہونچیں تو اسلام کے مخالفین نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہنا شروع کیا کہ دیکھو ہمارے بھائی تمہارے جیسا مذہب رکھنے والوں پر غالب آگئے ہیں۔ اسی طرح اپنے ملک میں بھی ہم تم کو اور تمہارے دین کو مٹا کر

---

[1] (TALENT) یونانیوں اور رومیوں کا ایک قدیم وزن

رکھ دیں گے۔ مکہ کے مسلمان جس بے بسی اور کمزوری کی حالت میں تھے، اس میں یہ الفاظ ان کے لیے زخم پر نمک کا کام کرتے تھے۔ عین اس حالت میں پیغمبر خدا کی زبان پر یہ الفاظ جاری کیے گئے:

غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من	رومی قریب کی زمین میں مغلوب ہو گئے ہیں مگر مغلوب
بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین	ہونے کے بعد چند سال میں پھر وہ غالب آجائیں گے
للہ الامر من قبل ومن بعد ویومئذ یفرح	پہلے اور پیچھے سب اختیار خدا کے ہاتھ میں ہو اور اس
المؤمنون بنصر اللہ ینصر من یشاء	دن مسلمان خدا کی مدد سے خوش ہوں گے، وہ جس کی چاہتا
وھو العزیز الحکیم وعد اللہ لا یخلف	ہے مدد کرتا ہے وہ غالب اور مہربان ہے، خدا کا وعدہ
اللہ وعدہ۔ روم: ۱-۶	ہے، خدا اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

"اس وقت جبکہ یہ پیشین گوئی کی گئی" گبن لکھتا ہے "کوئی بھی پیشگی خبر اتنی بعید از وقوع نہیں ہو سکتی تھی، کیونکہ ہرقل کے ابتدائی بارہ سال رومی سلطنت کے خاتمہ کا اعلان کر رہے تھے"۔ (صفحہ ۷۴) مگر ظاہر ہو کہ یہ پیشین گوئی ایک ایسی ذات کی طرف سے کی گئی تھی جو تمام ذرائع و وسائل پر تنہا قدرت رکھتا ہے اور انسانوں کے دل جس کی مٹھی میں ہیں۔ چنانچہ ادھر خدا کے فرشتے نے ایک امی کی زبان سے یہ خبر دی اور ادھر ہرقل، قیصر روم میں ایک انقلاب آنا شروع ہو گیا۔ گبن لکھتا ہے کہ:

> "تاریخ کے نمایاں کرداروں میں سے ایک غیر معمولی کردار وہ ہے جو ہرقل کے اندر ہم دیکھتے ہیں، اپنے لمبے دور حکومت کے ابتدائی اور آخری سالوں میں یہ شہنشاہ سستی، عیاشی اور اوہام کا بندہ دکھائی دیتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی رعایا کی مصیبتوں کا ایک بے حس اور نامرد تماشائی ہو۔ مگر صبح اور شام کا بے رونق کہر دوپہر کے سورج سے کچھ دیر کے لیے چھٹ جاتا ہو۔ یہی حال ہرقل کا ہوا۔ محل کا آرکے ڈیس[1] (ARCADIUS) یکایک میدان جنگ کا سیزر[2] (CAESAR) بن گیا۔ اور روم

---

[1] آرکے ڈیس (۴۰۸-۳۷۸) رومی سلطنت کا ایک تاجدار جو ۳۹۵ء میں تخت نشین ہوا۔

[2] جولیس سیزر (۴۴-۱۰۲ ق م) عظیم رومی فوجی اور سیاست داں۔

کی عزت کچھ جرأت مندانہ مہموں کے ذریعہ دوبارہ حاصل کر لی گئی۔ یہ رومی مورخین کا فرض تھا کہ وہ حقیقت سے پردہ اٹھاتے اور اس کی اس خواب اور بیداری کے وجوہ بیان کرتے۔ اتنے دنوں بعد اب ہم یہی قیاس کر سکتے ہیں کہ اس کے پیچھے کوئی سیاسی اسباب نہیں تھے بلکہ یہ زیادہ تر اس کے شخصی جذبے کا نتیجہ تھا' اسی کے تحت اس نے اپنی تمام دلچسپیاں ختم کر دیں۔ حتیٰ کہ اپنی بھانجی (MARTINA) کو بھی چھوڑ دیا جس سے اس کو اس قدر تعلق تھا کہ محرم ہونے کے باوجود اس کے ساتھ اس نے شادی کر لی تھی۔"

GIBBON, VOL. V, PP. 76-77

وہی ہرقل جس کی ہمت پست ہو چکی تھی اور جس کا دماغ اس سے پہلے کچھ کام نہیں کرتا تھا۔ اب اس نے ایک نہایت کامیاب منصوبہ بنایا۔ قسطنطنیہ میں بڑے عزم و انہماک کے ساتھ جنگی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ تاہم اس وقت صورت حال ایسی تھی کہ ۶۲۲ء میں جب ہرقل اپنی فوجیں لے کر قسطنطنیہ سے روانہ ہوا تو لوگوں نے سمجھا کہ دنیا رومن امپائر کا آخری لشکر دیکھ رہی ہے۔

ہرقل جانتا تھا کہ ایرانی حکومت سمندری طاقت میں کمزور ہے۔ اس نے اپنے سمندری بیڑے کو پشت سے حملہ کے لیے استعمال کیا۔ اس نے اپنی فوجیں بحر اسود کے راستے سے گزار کر آرمینیا میں اتار دیں اور وہاں عین اس مقام پر ایرانیوں کے اوپر ایک بھرپور حملہ کیا جہاں سکندر اعظم نے اس وقت کی ایرانی سلطنت کو شکست دی تھی جب اس نے شام سے مصر تک اپنا مشہور مارچ کیا تھا۔ ایرانی اس غیر متوقع حملہ سے گھبرا گئے اور ان کے قدم اکھڑ گئے مگر ابھی وہ ایشیائے کوچک میں زبردست فوج رکھتے تھے۔ وہ دوبارہ اس فوج سے حملہ کرتے اگر ہرقل نے اس کے بعد شمال کی جانب سمندر سے اسی قسم کی دوسری غیر متوقع چڑھائی نہ کی ہوتی۔ پھر وہ سمندر کے راستہ سے قسطنطنیہ واپس آیا۔ آواریوں (AVARS) سے ایک معاہدہ کیا اور ان کی مدد سے ایرانیوں کو ان کے دارالسلطنت کے گرد روک دیا۔ ان دو حملوں کے بعد اس نے مزید تین مہمیں جاری کیں۔ ۶۲۳ء میں' ۶۲۴ء میں اور ۶۲۵ء میں۔ یہ مہمیں بحر اسود کے جنوبی ساحل سے حملہ آور ہو کر ایرانی قلمرو میں گھسیں اور میسوپوٹامیا تک پہونچ گئیں۔ ان کے

بعد ایرانی جارحیت کا زور ٹوٹ گیا اور تمام رومی علاقے ایرانی فوجوں سے خالی ہوگئے۔ اب ہرقل خود ایرانی شہنشاہیت کے قلب پر حملہ کرنے کی پوزیشن میں تھا۔ تاہم آخری فیصلہ کن جنگ دجلہ کے کنارے نینوا کے مقام پر دسمبر ۶۲۷ء میں ہوئی۔

اب خسرو کی ہمت چھوٹ گئی تھی وہ اپنے محبوب محل "دستگرد" سے بھاگنے کی تیاری کرنے لگا مگر اسی دوران میں خود اس کے محل کے اندر اس کے خلاف بغاوت ہوگئی۔ اس کے لڑکے شیرویہ نے اس کو گرفتار کرکے ایک تہ خانے میں بند کر دیا جہاں وہ پانچویں دن بیکسی کی حالت میں مر گیا۔ اس کے اٹھارہ لڑکوں کو اس کی آنکھ کے سامنے قتل کر دیا گیا۔ مگر اس کا لڑکا بھی صرف آٹھ مہینے تخت پر رہ سکا۔ اس کے بعد دوسرے شہزادے نے اس کو قتل کر کے تاج پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح شاہی خاندان کے اندر آپس میں تلواریں چلنا شروع ہوگئیں۔ یہاں تک کہ چار سال میں نو بادشاہ بدلے گئے۔ ان حالات میں ظاہر ہے کہ از سر نو رومیوں کا مقابلہ کرنے کا کوئی سوال نہیں تھا۔ خسرو پرویز کے بیٹے قباد ثانی نے رومی مقبوضات سے دست بردار ہو کر صلح کر لی۔ مقدس صلیب کی اصل لکڑی واپس کر دی گئی۔ اور مارچ ۶۲۸ء میں فاتح ہرقل اس شان سے قسطنطنیہ واپس آیا کہ اس کے رتھ کو چار ہاتھی کھینچ رہے تھے اور بے شمار لوگ دارالسلطنت کے باہر لیمپوں اور زیتون کی شاخوں کو لیے ہوئے اپنے ہیرو کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ (صفحہ ۹۴)

اس طرح قرآن نے رومیوں کے دوبارہ غلبہ کے متعلق جو پیشین گوئی کی تھی، وہ ٹھیک اپنے وقت پر دس سال کے اندر مکمل طور پر پوری ہوگئی[1]

---

[1] گبن نے اس پیشین گوئی پر حیرت کا اظہار کیا ہے مگر اسی کے ساتھ اس کی اہمیت گھٹانے کے لیے اس نے بالکل غلط طور پر اس کو خسرو کے نام آپ کے دعوت نامے کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"ایرانی شہنشاہ نے جب اپنی فتح مکمل کر لی تو اس کو مکہ کے ایک گمنام شہری کا خط ملا جس میں اس کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ محمدؐ کو خدا کے پیغمبر کی حیثیت سے تسلیم کرے۔ اس نے دعوت کو نامنظور کر دیا اور خط کو چاک کر دیا۔ رسول عربی کو جب خبر ملی تو انھوں نے کہا — خدا اسی طرح خسرو کی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا اور

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴ سے آگے) اس کی طاقت کو برباد کردے گا۔ مشرق کی دو عظیم سلطنتوں کے عین کنارے بیٹھے ہوئے محمدؐ ان دونوں حکومتوں کی باہمی تباہی سے اندر ہی اندر خوش ہوتے رہے اور ایرانی فتوحات کے عین وسط میں انھوں نے یہ پیشین گوئی کرنے کی جرأت کی کہ چند سال کے بعد فتح دوبارہ رومیوں کے جھنڈے کی طرف لوٹ آئے گی۔ اس وقت جب کہ یہ پیشین گوئی کی گئی، کوئی بھی پیشگی خبر اتنی بعید از وقوع نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ ہرقل کے ابتدائی بارہ سال رومی شہنشاہیت کے خاتمہ کا اعلان کر رہے تھے۔"

GIBBON, VOL. V, PP. 73-74

مگر اسلامی تاریخ کا ہر مورخ جانتا ہے کہ اس پیشین گوئی کا خسرو کے نام دعوت نامے سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ شہنشاہ ایران کے نام اسلام کا دعوت نامہ ہجرت کے ساتویں سال صلح حدیبیہ کے بعد بھیجا گیا ہے جو سن عیسوی کے لحاظ سے ۶۲۸ء ہوتا ہے جبکہ پیشین گوئی ہجرت سے پہلے مکہ میں ۶۱۶ء میں نازل ہوئی تھی۔ اس طرح دونوں واقعات کے درمیان تقریباً بارہ سال کا فاصلہ ہو۔
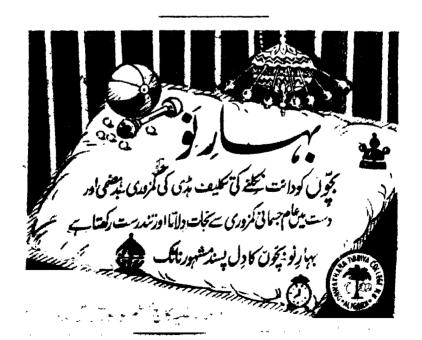
احکامِ شریعت اور حِکَم و مصالح کا مقام

از افادات حضرت شاہ ولی اللہؒ

(۲)

یہاں تک جو کچھ کہا گیا اس سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ اعمال کے موجبِ ثواب اور باعثِ عذاب ہونے کا دار و مدار ان حِکَم و مصالح اور ان مقاصد پر ہے جن کا ہماری عقل ادراک کرتی ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ جس طرح حدیث و سنت سے ہمیں یہ علم حاصل ہوا ہے کہ شریعت کے احکام میں حکمتیں اور مصلحتیں بھی ملحوظ ہیں اور جن باتوں سے منع فرمایا گیا ہے ان میں کچھ مفاسد اور مضرتیں ہیں اسی طرح اسی حدیث و سنت سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ثواب و عذاب کا اصل تعلق اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی سے ہے یعنی کسی چیز کو واجب اور موجبِ ثواب اور اسی طرح حرام اور باعثِ عذاب جب ہی سمجھا اور کہا جائے گا جب اس کے بارہ میں شریعت کا حکم نازل ہو جائے۔ مشہور حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کے شوق کے باوجود رمضان کی راتوں میں نوافل جماعت سے نہ پڑھنے کا عذر یہ بیان فرمایا کہ مجھے خطرہ ہے کہ ایسا کرنے سے اس کی فرضیت کا حکم آجائے (خشیت أن تکتب علیکم)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ کوئی عمل اپنے ذاتی حسن اور افادیت کی وجہ سے خود بخود واجب اور فرض نہیں ہو جاتا بلکہ حکمِ الٰہی سے فرض یا واجب ہوتا ہے۔

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ مسلمانوں میں وہ آدمی بڑا مجرم ہے جس نے اپنے تعمق اور

شریعت میں شدت پسندی کی وجہ سے کسی ایسی چیز کے بارے میں جو حرام نہیں کی گئی تھی، سوال اور کھود کرید کی اور اس کے اس سوال کی وجہ سے اس کی حرمت کا حکم آ گیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی چیز حرام و ناجائز اسی وقت ہوتی ہے جب اس کی حرمت کا حکم آ جائے۔

علاوہ ازیں اگر شرعی احکام کا دارومدار صرف حکمت و مصلحت اور عقل و قیاس ہی پر ہوتا تو اس مسافر کے لیے جسے سفر میں راحت کے سامان میسر ہوں سفر کی وجہ سے روزہ قضا کرنے کی اجازت نہ ہوتی اور اس کے برعکس جس مقیم کو اپنے خاص حالات کی وجہ سے روزہ رکھنا باعث زحمت ہوتا اس کو روزے قضا کرنے کی اجازت دیدی جاتی۔

علیٰ ھٰذا حدیث و سنت سے یہ بھی واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جب شریعت کا کوئی حکم صحیح سند اور قابل اعتماد ذریعہ سے پہونچ جائے تو اس کی حکمت و مصلحت خواہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے اس کی تعمیل واجب ہوگی اور یہ اس لیے کہ انسانوں میں بہت بڑی تعداد ایسوں کی ہے جو احکام شرعی کے حِکَم و مصالح کا خود ادراک نہیں کر سکتے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو اس دولت سے نوازا ہے ان کے لیے بھی ضروری نہیں کہ وہ ہر حکم کی حکمت و مصلحت کا لازمی طور پر ادراک کر سکیں۔ بہرحال جہاں تک وجوب عمل کا تعلق ہے وہ حکمت و مصلحت کے معلوم ہونے پر موقوف نہیں ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی حکم کا ثابت ہو جانا ہی اس کو واجب العمل کر دیتا ہے کیونکہ مومن کے لیے اللہ کے رسول کا ارشاد اپنی عقل سے زیادہ اعتماد کا مستحق ہے۔

اور یہ علم اسرار شریعت چونکہ بہت ہی دقیق و عمیق ہے اس لیے صرف وہی لوگ اس کے حامل ہو سکتے ہیں اور اس کے بارے میں غور و خوض کر سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس کی خاص صلاحیت عطا فرمائی ہو اور ان کے اندر وہ شرائط موجود ہوں جو اس موضوع پر غور کرنے کے لیے ضروری ہیں بالکل اس طرح جس طرح کہ کتاب اللہ کی تفسیر کا حق صرف ان ہی لوگوں کو ہے جو اس کی اہلیت رکھتے ہوں اور ان شرائط کے جامع ہوں جو تفسیر قرآن کے لیے ضروری ہیں۔

بہرحال احکام شریعت کے اسرار و حِکَم کے بارے میں محض عقل اور رائے کی بنیاد پر غور و فکر جائز نہیں ہو بلکہ احادیث و آثار سے وسیع واقفیت اور ان کی روشنی میں مقاصد شریعت کے بارے

میں بصیرت ہونا بھی ضروری ہے۔

اور ہمارے اس بیان سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ بندوں کو شرعی احکام کا جو پابند و مکلف کیا جاتا ہے اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کہ کسی آقا کے غلاموں میں کوئی بیماری پھیل گئی ہو اس نے اپنی عنایت و شفقت سے ان کے علاج معالجہ اور دیکھ بھال کے لیے اپنے مخصوص معتمدین میں سے کسی کو خاص ہدایات کے ساتھ مقرر کر دیا ہو اب اگر وہ بیمار غلام اس نگراں اور معالج کی بات مانیں اور دوا علاج اور پرہیز کے بارے میں اس کی ہدایات کی پیروی کریں تو یہ در اصل اس آقا کی فرمانبرداری ہوگی اور وہ بیماری سے شفا پا جائیں گے اور آقا کی رضامندی کے بھی مستحق ہوں گے اور اگر اس کے برعکس وہ اپنے اس معالج اور نگراں کی ہدایات کو نہ مانیں اور جان بوجھ کر خلاف ورزی کریں تو یہ ان کی طرف سے براہ راست اپنے آقا کی نافرمانی اور اس کی عنایات کی ناقدری و ناشکری ہوگی جس کی وجہ سے وہ اس کی سزا کے مستحق ہوں گے اور شفا سے محروم رہ کے اپنے برے انجام کو پہونچ جائیں گے ___ بہرحال شریعت ہرگز ایسے احکام و قیود کا مجموعہ نہیں ہے جن میں حکمتوں اور مصلحتوں کا لحاظ نہ کیا گیا ہو بلکہ وہ انسانوں کے روحانی تقدیہ و تربیت کا مکمل نظام اور عقل سلیم کے بالکل مطابق نسخۂ شفا اور طب روحانی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دینی دعوت اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کی مثال بیان کرتے ہوئے آپس میں کہا کہ ان کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک وسیع محل بنوایا اور اس میں وسیع دسترخوان لگوایا اور ایک داعی کو بھیجا کہ وہ لوگوں کو دعوت دے کہ وہ گھر میں آئیں اور لذیذ و نفع بخش کھانے کھائیں پس جو لوگ اس داعی کی بات مان کر آجائیں گے وہ دسترخوان کے لذیذ و نفیس کھانوں اور الوان نعمت سے متمتع ہوں گے اور جو اس کی بات پر کان نہیں دھریں گے وہ محروم رہیں گے ___ اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اور اس دین و شریعت کی مثال جو میں اللہ کی طرف سے لے کر آیا ہوں کسی قوم کے اس دردمند آدمی کی سی ہے جس نے دشمن لشکر کو دور سے دیکھا کہ وہ قوم پر حملہ کی نیت سے بڑھا آرہا ہے وہ دوڑ کر اپنی قوم کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میں نے دشمن لشکر کو اپنی آنکھوں سے آتے دیکھا ہے اور میں اس سے خبردار کرنے کے لیے "النذیر العریان" بن کر آیا ہوں لہٰذا

فوراً اپنے بچاؤ کی فکر کرو اور کسی محفوظ جگہ جا کر پناہ لے لو، پس قوم کے ایک حصہ نے اس کی بات مانی اور وہ رات کے شروع ہی میں وہاں سے چل دیے اور اس طرح دشمن لشکر کی تباہ کاریوں سے بچ گئے لیکن دوسرے گروہ نے اس کی بات کا اعتبار نہیں کیا اور کوئی توجہ نہیں دی، بے پروا ہی سے اسی مقام پر رہے جب پر دشمن حملہ کرنے کے لیے آرہا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ صبح ہوتے ہی دشمن لشکر ٹوٹ پڑا اور ان کو تباہ کر کے رکھ دیا۔"

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان برے حالات و مصائب کے بارہ میں جو بدکرداریوں کے نتیجہ میں قوموں پر آتے ہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہ تمہارے اعمال بد کے نتائج ہیں اور تمہاری بوئی ہوئی کھیتی ہے جس کو تم کاٹ رہے ہو۔

ان احادیث میں صاف اشارہ ہے کہ شریعت صرف قیود و احکام کا کوئی ایسا مجموعہ نہیں ہے جس میں مصلحتوں اور مضرتوں کا کوئی لحاظ نہ ہو بلکہ اعمال کے خواص و اثرات اور مصالح و مفاسد کی بنا پر ان کے بارے میں احکام دیئے گئے ہیں۔

یہاں تک کے ہمارے بیان سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی ہے کہ نہ تو یہ نظریہ صحیح ہے کہ ثواب عذاب میں اعمال کی اچھائی، برائی کا کوئی دخل اور اثر ہی نہیں اور نہ یہ نظریہ صحیح ہے کہ عذاب و ثواب کا تمام تر تعلق عمل کے حسن و قبح ہی سے ہے اور علم شریعت کی حیثیت بالکل ایسی ہے جیسی طبیب دواؤں کی خاصیت بتاتا ہے تو اس کے بتانے کو دواؤں کے اثر میں کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ حقیقت ان دونوں نظریوں کے بین بین ہے یعنی عذاب و ثواب اور کسی چیز کے واجب یا حرام ہونے کا تعلق اصلاً تو حکم شرعی کے نزول سے ہے اس کے بغیر نہ کوئی عمل واجب ہوتا ہے نہ حرام، نہ موجب عذاب، نہ باعث ثواب، لیکن اس عذاب و ثواب اور وجوب و حرمت میں خود اس عمل کی اچھائی، برائی منافع اور مفاسد اور خواص و اثرات کا بھی ایک درجہ میں دخل اور اثر ہوتا ہے۔

ہماری اس تحقیق سے یہ عقدہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دور جاہلیت میں یعنی اس زمانہ میں جبکہ نبوت کی روشنی اور کسی نبی کی مستند تعلیم لوگوں کے پاس نہیں ہوتی جو گناہ والے اعمال لوگ کرتے ہیں ان کی بنا پر وہ مواخذہ کے مستحق ہوں گے۔ اور بعض احادیث سے اشارہ ملتا ہے کہ ان سے مواخذہ نہ ہوگا اور ان کو عذاب نہیں دیا جائے گا، تو ہماری اس تحقیق کی روشنی میں

ان دونوں باتوں کی تطبیق آسان ہوجاتی ہے اور کہا جاسکتا ہو کہ ایک جہت سے یعنی اعمال کی ذاتی قباحت کی جہت سے وہ لوگ قابل مواخذہ ہیں اور دوسری جہت سے یعنی حکم شرعی کے نہ پہونچنے کی جہت سے وہ معافی اور درگزر کے مستحق ہیں۔

احکامِ شرعی اور حِکم مصالح کے تعلق کے بارے میں ایک رائے بعض حضرات کی یہ ہو کہ یہ بات تو بجائے خود صحیح ہو کہ احکامِ شریعت حکم و مصالح پر مبنی ہیں اور ان میں بڑے اسرار ہیں اور اعمال کی جزا و سزا کا تعلق در اصل انسان کی نیت اور اس قلبی داعیہ سے ہے جو عمل کا محرک ہوتا ہو اور اس کی وجہ سے نفس انسانی میں صلاح یا فساد آتا ہو جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے اشارۃً ملتا ہو جس میں آپ نے انسان کے قلب کو اس کے صلاح اور فساد کا مرکز اور سرچشمہ بتایا ہو لیکن اسی کے ساتھ ان حضرات کا خیال ہو کہ احکامِ شریعت کے ان حکم و مصالح اور اسرار کو بطور فن کے مدون کرنا اور اس کے اصول و فروع کو مرتب کرکے پیش کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ یہ فن اس قدر عمیق اور دقیق ہو کہ تحریر و بیان کی گرفت میں آہی نہیں سکتا۔ اور از روئے شریعت بھی اسکی گنجائش نہیں ہو جس کی دلیل یہ ہے کہ ہمارے ان سلف صالحین نے جنھوں نے زمانۂ نبوت کا قرب پایا تھا اور اس لیے ان کا علم زیادہ پختہ اور زیادہ قابل اعتماد تھا اس فن کی تدوین کا کبھی ارادہ ہی نہیں کیا، اگر وہ اس کو جائز اور ممکن سمجھتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ اس کام کو ہاتھ نہ لگاتے، ان کا یہ متفقہ طرزِ عمل ایک طرح سے ان کا اجماعی فیصلہ ہو کہ یہ کام کرنے والا نہیں ہو۔

اسی طرح سے بعض حضرات کا ایک خیال یہ بھی ہو کہ اس فن کی تدوین عبث اور فضول ہے کیونکہ شریعت کے احکام پر عمل ان کے اثرات اور حکم و مصالح کی معرفت پر موقوف نہیں بلکہ عمل کا تعلق صرف معرفتِ حکم سے ہو اس لیے اسرار و حکم پر غور کرنا اور اس کو ایک فن کے طور پر مدون کرنا ایک فضول اور لاحاصل دردِ سری ہو۔

شاہ صاحبؒ بعض علمی حلقوں کے یہ خیالات نقل فرمانے کے بعد ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :-

یہ ظنون و خیالات بھی غلط ہیں اور ان کی بنیاد ہی سراسر غلط فہمی پر ہو۔

کسی موضوع کے دقیق اور عمیق ہونے سے یہ بالکل نہیں لازم آتا کہ اس پر بحث و خوض اور کلام ہی نہ کیا جاسکے۔ بیشک عامۃ الناس اور اوساط الناس تو ایسے موضوعات پر غور و فکر کرنے سے قاصر

ہیں لیکن وہ خواص ارباب فکر و بصیرت جنکو اللہ تعالیٰ نے ایسے کاموں کی خاص اہلیت بخشی ہو ان کے ذہن و فکر کا تو خاص میدان ایسے ہی موضوعات ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے مسائل دجو علم وکلام کا خاص موضوع ہیں) کتنے عمیق اور دقیق ہیں لیکن اللہ نے اپنے بہت سے بندوں کے لیے ان کو بھی آسان کر دیا ہو اس کے علاوہ اور بہت سے ادق علوم و فنون ہیں جو بادی النظر میں لوگوں کو بہت ہی مشکل معلوم ہوتے ہیں اور خیال کیا جاتا ہو کہ یہ انسانی ذہن و فکر کی گرفت میں آ ہی نہیں سکتے لیکن جب صحیح راستہ سے ان میں گھسا جائے اور اللہ کی بخشی ہوئی علم و بصیرت کو صحیح طور پر استعمال کیا جائے اور پہلے اس کے مبادی اور مقدمات پر دسترس حاصل کرنے کی کوشش کی جائے تو اللہ کی مدد و توفیق سے ان کے اصول و فروع ذہن کی گرفت میں آجاتے ہیں اور ان پر ماہرانہ کلام کیا جاسکتا ہو اور یہی وہ موہبتِ الٰہی ہے جس سے راسخین فی العلم کا فضل و امتیاز دوسروں کے مقابلہ میں ظاہر ہوتا ہو۔

رہی یہ بات کہ سلف صالحین نے شریعت کے اسرار و حکم کو بطور فن کے مدون کرنے کی کوشش نہیں کی تو یہ ہرگز اس بات کی دلیل نہیں ہو کہ انھوں نے اس کو جائز نہیں سمجھا یا اپنے علم و فکر کی دسترس سے باہر سمجھا۔ جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں واضح اور بنیادی اشارات فرمائے ہیں اور آپ کے بعد آپ کے خلفائے راشدین خاص کر حضرت عمر اور حضرت علی اور دوسرے خواص اصحاب مثلاً حضرت زید بن ثابت، ابن عباس ام المومنین عائشہ صدیقہ وغیرہ رضی اللہ عنہم نے بھی احکام شریعت کے حکم و اسرار و مصالح پر کلام کیا ہو اور پھر ائمہ مجتہدین اور ہر دور کے علمائے محققین کا طریقہ یہی رہا ہو تو اس خیال کی کوئی گنجائش نہیں ہو کہ اس موضوع پر کلام کرنا جواز یا امکان کے دائرہ سے باہر کی چیز ہو ——— زمانہ سلف میں اس کو بطور فن کے مدون نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت وہ حالات اور دواعی پیدا نہیں ہوئے تھے جن کی وجہ سے اس فن کی تدوین ضروری ہوئی اور یہ ان تمام دینی علوم و فنون کا حال ہو جن کی تدوین کی ضرورت زمانہ مابعد میں پیدا ہوئی۔

رہا یہ خیال کہ اس فن کو مدون کرنا اس لیے عبث اور بے سود ہو کہ شریعت کے احکام پر عمل اسرار و حکم کی معرفت پر موقوف نہیں ہو بلکہ صرف حکم کے جاننے سے عمل واجب ہو جاتا ہو۔ تو یہ خیال

بھی سراسر غلط ہے۔ اسرار و حکم کو اگرچہ وجوب عمل میں دخل نہیں ہو لیکن ان کی معرفت سے دوسرے بہت بڑے فوائد وابستہ ہیں، جن میں سے ایک یہ ہو کہ شریعت کے اسرار و حکم معلوم ہونے کے بعد پورا نظام شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عظیم البرہان معجزہ بن جاتا ہے جس طرح قرآن مجید کی فصاحت اور بلاغت اور اس کے علوم و معارف سے واقفیت کے بعد ایک صحیح الفہم آدمی کو اس کا کامل یقین ہو جاتا ہو کہ یہ ہرگز بشر کا کلام نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہو اور اس کے لانے والے حضرت محمد اللہ کے نبی اور رسول ہیں اسی طرح احکام شریعت کے اسرار و حکم سامنے آجانے کے بعد ہر صاحب فہم اس یقین کے لیے مجبور ہو جاتا ہو کہ شریعت کسی انسانی دماغ کی کاوش کا نتیجہ نہیں ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کو پیش کرنے والے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سچے رسول ہیں پھر جس طرح ان لوگوں کے لیے جو قرآن کی معجزانہ حیثیت کو خود نہیں سمجھ سکتے اس کی ضرورت ہو کہ اس کے وجوہِ اعجاز ان کو بتائے جائیں، اسی طرح ان لوگوں کے لیے جو بطور خود احکام شریعت کے اسرار و حکم کا ادراک نہیں کر سکتے ضرورت ہو کہ ان کے سامنے اسرار و حکم واضح کر کے رکھے جائیں۔

دوسرا بہت بڑا فائدہ اسرار و حکم کے مدون کرنے کا یہ ہے کہ ان کی معرفت سے شریعت کے بارے میں وہ "اطمینان قلبی" حاصل ہو جاتا ہو جو ایمان سے اوپر کے درجہ کی چیز ہے۔ سیدنا حضرت ابراہیمؑ نے اس حقیقت پر ایمان کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کر سکتا ہو اور کرے گا، اس بارہ میں "اطمینان قلبی" حاصل کرنے ہی کے لیے درخواست کی تھی کہ اے اللہ مجھے اپنی اس قدرت کا ایک دفعہ مشاہدہ کرا دے اور میں آنکھوں سے دیکھ لوں کہ تو کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ (ولکن لیطمئن قلبی) بہرحال شریعت کے اسرار و حکم کی معرفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے بارے میں ایمان کے بعد "اطمینان قلبی" حاصل ہونے کا خاص ذریعہ ہے۔

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ مقام احسان کا طالب اور راہ سلوک کا سالک جب طاعات و عبادات میں سرگرم ہوتا ہو تو اگر وہ ان عبادات کے حکم و اسرار اور ان کی ارواح و انوار سے واقف ہو تو اس کا تھوڑا آثار و نتائج کے لحاظ سے دوسروں کے بہت سے زیادہ ہوتا ہے، اسی لیے امام غزالیؒ نے سلوک سے متعلق اپنی تصانیف میں عبادات کے اسرار و حکم بتانے کا خاص اہتمام کیا ہو۔

چوتھا فائدہ یہ ہے کہ بہت سے فروعی مسئلوں میں فقہا کے درمیان اختلاف اس بنا پر

ہوجاتا ہے کہ ایک کے نزدیک حکم کی علت ایک چیز ہوتی ہے اور دوسرے کے نزدیک دوسری چیز'
اسرار وحکم کی روشنی میں ایسے اختلافات کے مواقع پر صحیح اور غلط کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

اسی طرح بعض فقہا نے جن احادیث کو خلاف قیاس سمجھ کر ان کے ساتھ خاص معاملہ کیا ہے اسرار وحکم سامنے آجانے سے ان کی غلطی کا بھی ازالہ ہوجاتا ہے۔

پانچواں فائدہ یہ ہے کہ اسلام کے نام لیوا بعض فرقوں نے جو سلف صالحین اور اہل حق کے راستہ سے ہٹے ہوئے ہیں بہت سے اسلامی احکام ومسائل کے بارے میں شکوک وشبہات پھیلائے ہیں کہ وہ عقل سلیم کے خلاف ہیں اور اس لیے قابل تسلیم نہیں ہیں۔ چنانچہ ان میں سے بعضوں نے کہا کہ عذاب قبر کا ذکر حدیثی روایات میں آتا ہے عقل اور حس اس کو غلط قرار دیتی ہے' اسی طرح حساب' صراط' میزان' وغیرہ کے بارے میں انھوں نے ایسی ہی باتیں کیں اور ایک گروہ نے دوسری طرح کے ملحدانہ شکوک وشبہات پیدا کیے' مثلاً کہا کہ یہ بات ناقابل فہم ہے کہ ماہ رمضان کے آخری دن کا روزہ تو فرض ہو اور اس کے دوسرے دن یعنی یکم شوال کا روزہ حرام ہو وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کے شکوک وشبہات اور ملحدانہ اعتراضات کے اس طوفان کو شکست دینے کا بہترین ذریعہ خاص کر ہمارے اس زمانے میں یہ ہے کہ احکام شریعت اور احادیث نبوی کے اسرار وحکم پر کلام کیا جائے اور ان کا مطابق عقل وفطرت اور انسانیت کے لیے نفع مند ہونا ثابت کرکے دکھایا جائے۔

یہ چند اشارے جو فن اسرار وحکم کی تدوین کے فوائد ومنافع کے بارہ میں یہاں کئے گئے ہیں ان ہی کو سامنے رکھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ خیال کرنا کہ یہ کام عبث اور بے سود ہے کتنی غلط اور کیسی سادہ لوحی کی بات ہے۔

انگریزی سے ترجمہ

وحید الدین خاں

کمیونسٹ اخلاقیات

(REV. DIMITRY KONSTANTINOW)

جدید کمیونسٹ اخلاقیات، جن کی ایک سویت انسان سے توقع کی جاتی ہے، ان پر گفتگو کرتے ہوئے ضروری ہے کہ پہلے اس کے چند عام اصولوں کو سمجھ لیا جائے، یہ اصول اگرچہ نئے نہیں ہیں۔ مگر بحث کی وضاحت کے لیے ان کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔

یہ بخوبی معلوم ہے کہ آج کل کی مروجہ اخلاقیات، جو کہ عملی طور پر نوعِ انسانی کی اکثریت کے درمیان تسلیم شدہ ہیں، انسان کے مذہبی شعور کے اندر اپنی گہری جڑیں رکھتی ہیں۔ ان کی بنیاد دنیا کے مذہبی تصور کے رُوحانی اُصولوں پر قائم ہے۔ اور وہ مذہبی عقیدہ کے ایک مخصوص نظام سے منطقی طور پر برآمد ہوتی ہیں۔ اس طرح مثال کے طور پر، مسیحی اخلاقیات کی تعمیر کتبِ مقدسہ کے اوپر ہوتی ہے اور بطور واقعہ وہ حضرت عیسیٰ کی تعلیمات کا عملی انطباق ہے' یہ گویا انسانیت کے رُوحانی ارتقار کے لیے ایک قسم کی سیڑھی ہے۔ وہ اپنی بنیاد میں کامل طور پر رُوحانی ہے۔ اس روحانیت سے علیحدہ کر کے مسیحی اخلاق کو پوری طرح سمجھا نہیں جا سکتا۔

مسیحی اخلاق جن قوانین کو سماجی زندگی میں جاری کرتا ہے، وہ انھیں مسیحی زندگی کے لیے مطلق اور ناقابلِ تغیر معیار سمجھتا ہے۔ اسی کے ساتھ وہ خاص رسمی معنوں میں واجب الاتباع نہیں ہو' ایک ہی عمل مختلف اشخاص اور مختلف حالات کے درمیان مختلف نوعیت کا حامل ہو سکتا ہو' مسیحی اخلاق محض رسمی نہیں ہے بلکہ وہ گہرائی کے ساتھ حقیقی اور اطمینان بخش حد تک لچک دار بنیادوں پر قائم ہے، یہ تمام عوامل ہیں جو مسیحی اخلاقیات کی تبولیت کا سبب بنے ہیں اور اس کو نہ صرف ان لوگوں نے قبول کیا ہے جو مسیح کو مانتے

ہیں۔ بلکہ لاکھوں کی تعداد میں ان دوسرے لوگوں نے بھی طبعی کشش کے طور پر اسے قبول کیا ہے جو سرے سے کسی مذہب کو نہیں مانتے۔ یہ واقعہ کہ مسیحیت کے بہت سے اخلاقی اُصول دوسرے بڑے مذاہب میں بھی پائے جاتے ہیں، ہمارے اس بیان سے نہیں ٹکراتا۔

زار کے روس میں جو مسیحی اخلاق موجود تھا وہ اکتوبر انقلاب سے متعلق واقعات اور پچاس سالہ کمیونسٹ ڈکٹیٹر شپ کے باوجود اب بھی لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ رکھتا ہے، وہ تمام مذہبی لوگوں کا تسلیم شدہ ہے، اس کو بہت سے ایسے لوگ بھی غیر شعوری طور پر مانتے ہیں جو خدا پر یقین نہیں رکھتے۔ اس کے خلاف صرف وہ لوگ ہیں جنھوں نے مذہب اور چرچ کے خلاف جنگ چھیڑ رکھی ہے۔

یہ بالکل فطری ہے کہ مذہب اور مذہب سے متعلق تمام چیزوں کو ختم کرنے کی ایک طے شدہ مہم اخلاقیات کے سوال کو نظر انداز نہیں کر سکتی، اس سلسلے میں کمیونسٹ ڈکٹیٹر شپ کو اس ضرورت کا سامنا تھا کہ وہ ایسے کمیونسٹ اخلاق کو وجود میں لائے جو کسی مذہبی بنیاد سے خالی ہو، اور جو تمام تر نئے اُصولوں پر مبنی ہو، پھر مذہبی اخلاقیات کو منسوخ کرنا ہی اس کی واحد وجہ نہیں تھی، واقعہ یہ ہے کہ مذہبی اخلاقیات کو دھیرے دھیرے کمزور کرنے کے نتیجہ میں ایک ایسی نسل وجود میں آئی تھی جو خلافِ مذہب پروپگنڈے کے اثر کے تحت پورے معنی میں بے اخلاق (AMORAL) تھی یعنی:

WITHOUT ANY ESTABLISHED OR WELL-FOUNDED NORMS OF BEHAVIOUR.

(طریقِ زندگی کے بارے میں کسی بھی اُصول سے عاری ـ ۲۲) اسی کا نتیجہ تھا جرائم، سرکاری املاک میں ناجائز تصرف، غنڈاپن، دنگا فساد، بیہودگی، بدمستی، وغیرہ میں اضافہ جس نے خود ڈکٹیٹر شپ کو تکلیف دہ حد تک متاثر کیا۔ اس طرح یہ ضرورت پیدا ہوئی کہ ایک نیا کمیونسٹ مادی اخلاق پیدا کیا جائے جو ملک کی تمام آبادی کے لیے لازمی ہو۔

یہ سوال بار بار پیدا ہوا اور بار بار ملتوی ہوتا رہا، حالیہ برسوں میں، بعد جنگ مذہبی دارو گیر کے اضافہ نے اس سوال کو از سرِ نو اُٹھایا۔ کمیونسٹ لیڈروں کا خیال ہے کہ وہ مذہب کے ساتھ اپنی آخری بے رحمانہ جنگ چھیڑ رہے ہیں۔ اس لیے وہ فوری طور پر ایک کمیونسٹ اخلاق پیدا کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں جو اس کا بدل بن سکے اور مذہبی بقا (Religious Survival) کی ایک

قسم مکمل طور پر ختم ہو جائے۔

روسی حکومت کا دعویٰ ہے کہ اس نے ایک معروضی اور عالمی اخلاق (Objective and universal Ethic) کو رواج دیا ہے۔ مگر حقیقۃً وہ ایک محدود گروہی اخلاق پیدا کر رہی ہے جو کسی قسم کی عالم گیریت سے بالکل خالی ہے، آئیے ہم سب سے پہلے دیکھیں کہ جدید کمیونسٹ اخلاقیات کے بنیادی اصول کیا ہیں:

"کیمونزم کے معمار کا اخلاقی ضابطہ ایک ایسے اصول سے حاصل ہوتا ہے جس کو ہم انتہائی جائز طور پر اپنی اخلاقیات کا سب سے بلند اصول کہہ سکتے ہیں۔ وہ ہے ـــ کیمونزم کے مقصد کے لیے اپنے کو پوری طرح سپرد کرنا، سوشلسٹ مادر وطن اور دوسرے سوشلسٹ ملکوں سے محبت (۳۰-۲۹)

اخلاقی ضابطہ کا پہلا اصول بتاتا ہے کہ کیمونزم کے معمار کے اخلاقی نشانہ کا سب سے بڑا خیر (Highest Good) کیا ہے اور وہ ان بنیادی تصورات کے ساتھ اس کے تعلق کو واضح کرتا ہے۔ کیمونزم کی فتح اور اس کے واسطے لڑنے میں مدد دیتا ہے۔ یہی تمام سوویت آدمیوں کی سرگرمیوں کے لیے صحیح طور پر بلند ترین منزل ہے۔ (۳۱)

اخلاقی ضابطہ کے تمام اصولوں کی بنیاد میں لینن کا کیمونسٹ اخلاق کا معیار ہے۔ ـــ یعنی کیمونزم کی تکمیل اور اس کی مضبوطی کے لیے جد وجہد ـــ سوویت شہری کی تمام سرگرمیوں کا فیصلہ ٹھیک ٹھیک اسی معیار (Criterion) پر ہوگا۔ اخلاقی ضابطے کے تمام مطالبات اسی اعلیٰ مقصد کے ماتحت رہیں گے۔" (۱۵)

The Moral code of the Builder of Communism

Moscow. 1964

ان مقدمات سے یہ نکلتا ہے کہ وہ تمام اقدامات جو کیمونزم کی تکمیل اور استحکام کے لیے کیے گئے ہوں وہ سب اخلاقی (Moral) ہیں اور یہ کہ جو کچھ اس کے خلاف ہے وہ غیر اخلاقی یا بد اخلاقی ہے۔ سیکیت کے مطلق اخلاقی معیار (Absolute Ethical Norms) کو اضافی اخلاقی معیار (Relative Ethical Norms) سے بدل دیا گیا ہے۔ یہ ہاٹنٹاٹ (Hattentot) کے مشہور اصول کے مطابق ہے ـــ "اگر میں کسی کی بکری چرا لاؤں تو یہ ٹھیک ہے، اگر میری بکری چرا لی جائے تو یہ غلط ہے"

"یعنی اگر میں کسی کمیونسٹ کو مار ڈالوں تو یہ بُرا ہے، اگر میں کسی سرمایہ دار کو قتل کر دوں تو یہ اچھا ہے"
کمیونسٹ اخلاقی معیار کی یہ ابتدائی بنیاد اور اس کی نمایاں تنگ نظری ظاہر کرتی ہے کہ یہ کوئی عالمی اخلاق نہیں ہے جو یاسی عقائد کا لحاظ کیے بغیر تمام لوگوں کے لیے اخلاقی اُصول دیتا ہو، بلکہ وہ ایک گروہی اخلاق ہے جو عین اپنی بنیاد میں کلیت پسند ہے اور دعویٰ یہ کرتا ہے کہ وہ عالم گیر ہے۔ مزید وہ مذہب کی متشددانہ تنگ نظری کے تمام ٹریڈ مارک اپنے ساتھ رکھتا ہے، کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ کمیونسٹ نظریہ کی بنیاد میں کمیونزم کی فتح کا ایک مجوٹا مذہبی نظریہ کام کر رہا ہے۔ وہ کمیونزم جو مادی اصولوں پر قائم ہے۔

اس اخلاق کے نقطۂ نظر سے ایک صاحبِ اخلاق آدمی وہ ہے جو کمیونزم کے عقیدہ کا اقرار کرتا ہو اور کمیونزم کی خدمت میں اس کی تمام سرگرمیوں کو بجا لاتا ہے — اس کے سوا جو لوگ ہیں وہ سب بے اخلاق کہے جائیں گے۔

آئیے اب دیکھیں کہ کمیونسٹ اخلاقی ضابطہ کے اجزا کیا ہیں۔ (مذکورۂ بالا کتابچہ میں) ان کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ فرد کا تعلق سماج سے۔

کمیونزم کے معمار سے حسبِ ذیل مطالبات ہیں جو کمیونسٹ اخلاق کے بنیادی مقدمات سے منطقی طور پر نکلتے ہیں:

(الف) کمیونزم کے مقصد کے لیے اپنے آپ کو وقف کرنا، سوشلسٹ مادرِ وطن اور دوسرے سوشلسٹ ملکوں سے محبت۔

(ب) سماج کی بہتری کے لیے دیانت دارانہ کام: "جو کام نہ کرے وہ کھانا بھی نہ کھائے"

(ج) سماجی جائداد کی حفاظت اور اس میں اضافہ کی کوشش۔

(د) سماجی ذمہ داری کا گہرا احساس، جو لوگ سماجی مفاد کو نقصان پہونچائیں ان سے شدید مخالفت۔

۲۔ عوام کے درمیان تعلق:۔

(الف) اجتماعیت اور دوستانہ طور پر باہمی ہمدردی — ایک سب کے لیے، سب ایک کے لیے۔

(ب) باہمی تعظیم اور ایک دوسرے سے عزت کا معاملہ — ہر شخص دوسرے کا دوست، کامریڈ اور بھائی ہے۔

۳۔ فرد کے اندر مطلوب اخلاقی اوصاف:۔

(الف) دیانت داری، سچائی، اخلاقی پاکیزگی، سماجی اور ذاتی زندگی میں سادگی اور تواضع۔

(ب) خاندان میں ہر ایک کی یکساں تعظیم۔ بچوں کی تعلیم پر توجہ

(ج) ایک مستحکم شادی جس کی بنیاد باہمی محبت اور رُوحانی اتحاد پر ہو۔

(د) بے انصافی، کاسہ لیسی، بددیانتی، خود غرضی اور استحصال کے خلاف سخت رویہ۔

۴۔ قوموں کے درمیان تعلق:۔

(الف) سوویت روس کی تمام قوموں کے درمیان بھائی چارہ اور دوستی، قومی اور نسلی عداوت کو برداشت نہ کرنا۔

(ب) کمیونزم، امن اور قوموں کی آزادی کے دشمنوں سے سخت عداوت۔

(ج) تمام ملکوں اور قوموں کے مزدور عوام سے برادرانہ تعلق۔

(ایضاً صفحہ ۱۸۔ ۱۹)

اس تقسیم کے بارے میں ہم کیا کہہ سکتے ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اس کی بنیاد کمیونزم سے وفاداری پر ہے، ایک بالکلیہ سیاسی اصول نے مذہبی، فلسفیانہ اور اخلاقی تقاضوں کی جگہ لے لی ہے، پہلے عنوان کے تحت جتنے نکتے ہیں وہ سب منطقی طور پر اسی بنیادی مقدمہ سے نکلتے ہیں جس میں سماجی اور اجتماعی پہلو پر زور دیا گیا ہے، دیانتدارانہ کام اور عمومی دیانتداری کا اُصول کوئی نیا نہیں ہے، یہ قدیم اخلاقی ضابطہ سے لیا گیا ہے اور یہاں لاکر جوڑ دیا گیا ہے، کیونکہ وہ ڈکٹیٹر شپ کے سیاسی مقاصد کے لیے ضروری ہے۔

اس اخلاقی ضابطہ کے دوسرے اور تیسرے حصہ میں جو اُصول شامل ہیں وہ بھی نئے نہیں ہیں۔ وہ مذہبی اخلاقیات، خاص طور پر مسیحیت سے لیے گئے ہیں۔ صرف وہ عناصر لیے گئے ہیں جو کہ ڈکٹیٹر شپ کی نظر میں کمیونزم کی تعمیر میں کارآمد ہو سکتے ہیں۔ اس اخلاقی ڈھانچہ کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ کہیں سے کچھ مذہبی اخلاقی اُچک لیے جائیں اور اس کو کمیونسٹ نظریہ کے ساتھ جوڑ دیا جائے۔

ایک شخص یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ چند نکتے جو اوپر درج کیے گئے ہیں وہ گہرے طور پر سوویت یونین کی موجودہ صورت حال کی عکاسی کرتے ہیں:۔ کاسہ لیسی، بددیانتی، خود غرضی، استحصال۔ ایک شخص صاف طور پر اس ڈھانچہ

کی افادی خصوصیت کو دیکھ سکتا ہے، ان کا تعلق ان حالیہ مسائل سے ہے جن کا سامنا حکومت کو پیش آرہا ہے۔

ایک سادہ لوح شخص اس دفعہ سے متاثر ہو سکتا ہے جس میں لوگوں کے درمیان ہمدردانہ تعلقات بتائے گئے ہیں۔ خاص طور پر اس اصول سے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کا دوست، ساتھی اور بھائی ہے۔ مگر یہ بھولنا نہیں چاہئے کہ یہ محض ایک لفظی اظہار ہے۔ اگر اس کے کچھ معنی ہیں تو وہ صرف ان لوگوں کے لیے ہیں جو کمیونسٹ سیاسی نظام کو اختیار کرلیں۔ یہ اصول اُس وقت بالکل اُلٹا ہو جاتا ہے جب اسے ان لوگوں پر منطبق کرنا ہو جنھوں نے کمیونزم کو قبول نہیں کیا۔ یہاں وہ یوں ہو جائے گا — "ایک شخص دوسرے آدمی کا بدترین دشمن ہے جس کو وہ کسی بھی ممکن ذریعہ سے تباہ کر سکتا ہے"۔

اس قسم کا ڈھانچہ جو خالص افادی اصولوں پر بنایا گیا ہو اور کسی روحانی بنیاد سے خالی ہو، اس کی ابتدائی خصوصیات کو نہایت آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس قسم کا اخلاقی ضابطہ رکھنے والا شخص سوال کر سکتا ہے .... "میں کیوں اسی خاص طریقہ پر عمل کروں، کیوں نہ دوسرا طریقہ اختیار کروں" صرف ایک ہی جواب ممکن ہے:۔ اس لیے کہ اس طریقہ سے کمیونزم کے مقصد کو ترقی ہوتی ہے۔ ظاہر ہو کہ یہ وجہ تمام لوگوں کے لیے قابل قبول نہیں ہو سکتی۔

یہ بات خصوصیت سے قابل لحاظ ہے کہ اس ضابطۂ اخلاق کو پیش کرنے والے خود بھی اکثر پہلوؤں سے اس کو صرف نظری طور پر مانتے ہیں۔ فی الواقع ان کی تمام عملی سرگرمیاں، ملک کے اندر اور باہر دونوں مکمل طور پر بالکل مختلف اصولوں پر قائم ہیں۔ جس کا سب سے پہلا جزء ہے بے محابا جھوٹ (unscrupulous lies)

حکومت کی نظر میں کمیونسٹ اخلاق اپنی منزل کو اسی وقت پا سکتا ہے جبکہ وہ عوام تک پہونچ جائے:

> "اخلاقی ضابطہ کا مطالعہ محض اس کے اصولوں کو رٹنے تک محدود نہیں رہنا چاہیے۔ ان کو مکمل طور پر جذب کیا جانا چاہیے، شعوری طور پر تسلیم کیا جانا چاہئے۔ ان کو شخصی اخلاقی عقیدہ ہو جانا چاہیے۔ اسے لاکھوں انسانوں کی روزانہ زندگی اور ان کے طور طریق کا جزو ہونا چاہیے"۔
>
> (ایضاً۔ ۱۹)

مسئلہ کی پیچیدہ نوعیت اور ہر مخصوص موقع کے لیے، اصولی روش کے تعین کو ناممکن سمجھ کر نئے اخلاق کے موجدوں نے اس قسم کی کوشش ہی سے انکار کر دیا ہے، وہ اپنے مجوزہ ضوابط کو عمومی اخلاقی اصولوں کا

ایک مجموعہ قرار دیتے ہیں۔ جس کے عملی انطباق کا فیصلہ حالات (circumstances) کے لحاظ سے کیا جائے گا۔

نئے کمیونسٹ اخلاق کا ایک ضروری جز و یہ مسئلہ ہے کہ انفرادی اور اجتماعی تعلقات میں اتحاد (unity) پیدا کی جائے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو بیسویں صدی کے نصف میں کسی بھی سماج کے لیے عظیم اہمیت رکھتا ہے۔ کمیونسٹ نظریہ سازوں کے لیے سماجی زندگی کے تمام میدانوں میں جو اہم ترین اصول ہے، وہ ہے کمیونزم کے تحت مطلق اجتماعیت (Absolute collectivism) یہ تصور ہر قسم کے انفرادی حق کا براہ راست مخالف ہے۔ ضابطۂ اخلاق میں اس مسئلہ کو نہایت غیر مشتبہ طور پر اس طرح حل کر دیا گیا ہے کہ یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ کمیونسٹ سماج کا ہر فرد اپنے ذاتی مفاد کو شعوری طور پر سماجی مفاد کے تابع کر دے، سماجی اصول کی اولیت بظاہر فرد اور سماج کے درمیان اتحاد کی تاکید کے باوجود ہے، فرد کے مفادات کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ کمیونزم کی تعمیر کے مقصد سے مطابقت نہیں رکھتے :۔

"سماجی ذمہ داری کا گہرا احساس، سماجی مفاد کو نقصان پہونچانے والوں سے سخت اختلاف۔
— یہ نیا اور تاریخ میں بالکل پہلا اخلاقی محرک ہے جو سودیت انسان کو تیار کرتا ہے کہ وہ اپنے ذاتی مفاد کو شعوری طور پر سماجی مفاد کے تابع کر دے" (۲۹)

سماجی ذمہ داری کی اولیت کے سلسلے میں ایک اور سوال اٹھتا ہے جو بلاشبہ نئے اخلاق کے موجدوں کے لیے بے حد اہم ہے۔ یہ ہے "سوشلسٹ" (یعنی حکومتی) جائداد کا مسئلہ۔ جس کی اہمیت اس واقعہ میں ہے کہ ریاستی جائداد، جو در اصل سودیت سیاسی ڈھانچہ کی بنیاد ہے، اس کو کسی بھی قسم کی مداخلت سے محفوظ رہنا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ سودیت قوانین میں سرکاری جائداد میں تصرف پر اس سے زیادہ سخت سزائیں ہیں جتنا کہ ذاتی جائداد میں تصرف پر ہیں:

"سوشلسٹ جائداد کا تصور ہمارے سماجی وجود کے ناقابل تغیر بنیاد کی حیثیت سے محنت کش عوام کے شعور میں دن بدن زیادہ قوت سے سرایت کرتا جا رہا ہے۔ سماجی جائداد کے معاملہ میں محتاط ہونا، اس کی بقا و ترقی سودیت سماج کے تمام طبقات کے لیے ناقابل تغیر اخلاقی اصول بنتا جا رہا ہے" (۳۰)

کمیونسٹوں کے نزدیک کمیونسٹ اخلاقی ضابطہ کی پابندی کی ضمانت فخر اور شعور کا اندرونی محرک ہے جو کہ انسانی خلت کے احساس کا سرچشمہ ہے۔ فخر کا احساس سودیت سماج سے متعلق ہونے کے عظیم واقعہ سے حاصل

حاصل ہوتا ہے:

"سوشلسٹ فخر کی بنیاد جس چیز پر قائم ہوہ ہے ۔ ہمارے ملک کی عظیم کامیابیاں، دوسرے سوشلسٹ ملکوں کی کامیابیاں، عالمی کمیونسٹ تحریک کی کامیابی سوشلسٹ ملکوں میں ہمارے طبقاتی بھائیوں کی کامیابی۔ سوویت انسان میں ایک فخر کا احساس اس کے طور طریق کے معاملہ میں ایک اہم اخلاقی محرک کی حیثیت رکھتا ہے۔" (۴۵)

ضمیر یقیناً وہ اندرونی آواز نہیں ہے جو آدمی کو اس بلند ترین روحانی اصول سے متحد کرتا ہے، جو دنیا کے اوپر حکمراں ہے (یہ روایتی نظریہ ہے) بلکہ وہ اس سے بالکل مختلف چیز ہے۔ سوویت اخلاق کے موجد کہتے ہیں کہ ضمیر (Conscience) محض ایک اہم اندرونی ناظم ہے جو آدمی کے بہترین اخلاقی اعتقادات کو اس کے بہترین اخلاقی احساسات سے متحد کرتا ہے۔ ضمیر کا کام یہ ہے کہ وہ آدمی کو ہر اس چیز سے بچائے رکھے جو اس کے لیے غیر اخلاقی یا بے فائدہ ہو، یہ سوال کہ ضمیر کی اصل اور اس کی بنیادی نوعیت کیا ہے، اس کا عمل کس طرح ہوتا ہے اور اخلاقی قوت کا سرچشمہ کیا ہے، اس کے بارے میں خاموشی اختیار کرلی گئی ہے۔

جدید اخلاق کے موجدین بلاشبہ سمجھتے ہیں کہ محدود سیاسی مقدمات سے اخذ کیے ہوئے مصنوعی دعوے مضبوط اخلاقی بنیاد کا کام نہیں دے سکتے اس لیے وہ زندگی کی معنویت کے بارے میں فلسفیانہ قیاسات سے اس بنیاد کو مستحکم کرنا چاہتے ہیں۔ اس پیچیدہ خالص فلسفیانہ اور مذہبی مسئلہ کا حل (اگر اسے حل کہا جاسکے) اسی ابتدائی اور مفاد پرستانہ طریق پر نکالا گیا ہے جیسے کہ دوسرے اخلاقی سوالات کا حل نکالا گیا ہے۔ اس کے مطابق ایک ایسا شخص جس نے معمار اشتراکیت کے اخلاقی ضابطہ کا اقرار کیا ہو، اس کی زندگی کی منزل انسانیت کو آزاد کرانے کا عظیم مقصد بن جاتا ہے، یعنی عالمی اشتراکی انقلاب۔

یہ کمیونسٹ اخلاقیات کے بنیادی اصول ہیں۔ ہر دوسری چیز یا تو ثانوی درجہ کی تفصیلات ہیں یا انھیں مذکورہ بالا اصولوں کے ارتقائی مدارج ہیں۔

ہم اس امر پر دوبارہ زور دیں گے کہ اخلاق اور باہمی تعلقات کے تمام معیار (Norms) صرف اشتراکی معماروں (Builders of communism) کے لیے وضع کیے

گئے ہیں۔ اس دائرہ کے باہر مکمل طور پر دوسرے نظریات زیرِ عمل ہیں، جو طبقاتی دشمنوں کو بے رحمانہ طور پر دبانے اور ہلاک کرنے تک پہونچتے ہیں۔ جہاں تک ان دوسرے لوگوں کا تعلق ہے ان کے لیے کوئی ہمدردانہ قانون نہیں۔ اس کے برعکس ان کے خلاف نفرت اور شدت کو ہوا دی جاتی ہے۔ ان کے لیے اصول یہ ہے کہ بے تحاشا طور پر طاقت استعمال کی جائے۔ اس معاملہ میں ہر بات کی اجازت ہے، یہاں ہر چیز اخلاقی ہے۔

جدید اخلاق سے متعلق سوالات اس وقت سوویت روس میں بہت اہمیت اختیار کر رہے ہیں۔ بائیسویں پارٹی کانگرس کے بعد اس موضوع پر کتابوں کی اشاعت بڑھ گئی ہے۔ سوویت پریس کی اطلاع کے مطابق ۲۵۰ کتابیں پچھلے چند سالوں میں شائع ہو چکی ہیں۔ مثال کے طور پر پالیٹیکل لٹریچر کا پبلشنگ ہاؤس (POLITIZDAT) اور دوسرا پبلشنگ ہاؤس جس کا نام (MYSL) ہے، انھوں نے ان سالوں میں ۱۴ کتابیں اور پمفلٹ شائع کیے ہیں، جن کے نسخوں کی مجموعی مقدار دو کروڑ (۲۰ ملین) ہے (پراودا، ۸ جولائی ۱۹۶۵) یہ اعداد و شمار اس ہنگامی صورتِ حال کو بتلاتے ہیں جبکہ حکومت عوام کی "اخلاقی اسلحہ بندی" کی جد و جہد میں مصروف ہے۔

تاہم یہ جدید اخلاقی اسلحہ بندی، اگر وہ کسی درجہ میں کامیاب ہو جائے، تو وہ حکومت کی توقعات کو گھٹا کر ہی حاصل ہوگی۔ اس کے وجوہ حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ سوویت روس کی تقریباً ۲۰ فی صدی آبادی خدا پر عقیدہ رکھتی ہے اور اس لیے کارپوچا باب کے مطابق، کمیونسٹ اخلاق کو قبول نہیں کر سکتی۔

۲۔ دوسرے لوگ جو یا تو خدا پر عقیدہ نہیں رکھتے، یا ابھی تک کسی مذہبی یا فلسفیانہ عالمی نقطۂ نظر کی تلاش میں ہیں، ایسے لوگ طبعی طور پر مذہبی اخلاقیات کے زیرِ اثر ہیں۔

۳۔ سارے ملک میں عملی طور پر ایک عجیب قسم کی اخلاقیات کا رواج ہے، جس کو ضد اخلاقیات (Anti - Ethics) کا نام دیا جا سکتا ہے۔

یہ صورت واقعہ سرکاری کمیونسٹ اخلاق کے خلاف ایک عوامی احتجاج ہے۔ خاص طور پر اس کا وہ جزو جو فرد پر سماج کی اولیت سے بحث کرتا ہے اور جس کا اصرار ہے کہ سوشلسٹ حکومتی جائداد بے جا تصرف سے محفوظ رہنی چاہیے۔

ضد اخلاقیات (Anti Ethics) کے نقطۂ نظر سے چوری، دھوکا، جھوٹ، بلاشبہ غیر اخلاقی افعال ہیں۔ مگر صرف اس وقت جبکہ وہ افراد یا منفرد گروہوں کے خلاف ہوں۔ مگر جب ان کا تعلق حکومت کی جائداد سے ہو تو وہ غیر اخلاقی نہیں سمجھا جاتا۔ جو لوگ اس طرح کا دوہرا معیار رکھتے ہیں انھیں اس میں جھجک نہیں ہے کہ وہ ریاست کے خرچ پر اپنے کو دولت مند بنائیں خواہ وہ جیسے بھی ہو، سودیت پریس نہ صرف یہ کہ بری طرح ان لوگوں کی شکایت کر رہا ہے جو اس قسم کی چیزوں میں مشغول ہیں بلکہ وہ مزید یہ بھی ہے کہ کوئی شخص ان طریقوں کے خلاف جنگ کرنا نہیں چاہتا، ہر شخص ایسے لوگوں کو درست قرار دینے کی طرف مائل ہے اور اس طرح کے معاملات کو دبا دینا چاہتا ہے۔

مختصر طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ "جدید اخلاقی اسلحہ بندی" (Moral Rearmament) کے لیے بنیاد فراہم کرنے کی غرض سے سودیٹ روس کی کمیونسٹ ڈکٹیٹر شپ نے ایک نیا اخلاق وجود میں لانے کی کوشش کی ہے۔ مذہبی اخلاقیات کو ختم کرنے کی کوشش میں اس نے نئے اور ابتدائی اصولوں پر خود اپنا اخلاقی نظام وضع کیا ہے۔ یعنی سیاسی یوٹوپیا پسندی (Political Utopianism) جو درحقیقت کمیونزم اور عالمی انقلاب کے آدرشوں کی شکل میں ایک قسم کا مذہبی عقیدہ ہے۔ اسی کے ساتھ یہ نیا اخلاق تمام مخالفوں کے خلاف ایک غیر اخلاقی نفرت کی تبلیغ کرتا ہے۔ اس کے متبعین پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ اپنے اخلاقی ضابطہ کے معیاروں (NORMS) کو ان لوگوں پر برتیں جو ان سے اتفاق نہیں رکھتے۔ حکومت نے فرد کے اوپر سماج کی برتری کا اعلان کر دیا ہے، ایک فرد کی قدر و قیمت اس لحاظ سے جانچی جاتی ہے کہ وہ سماج کے لیے کتنا مفید ہے، سرکاری جائداد کو مقدس اور ناقابل دست اندازی قرار دے دیا گیا ہے۔ اخلاق کے کچھ اصول مسیحیت سے لیے گئے ہیں اور ان کو کمیونسٹ نظریہ کی ضرورتوں کے مطابق جوڑ دیا گیا ہے۔ مگر یقیناً صرف وہ اصول لیے گئے ہیں جو موجودہ صورت کے لیے مفید اور ضروری تھے۔ مسیحیت کے اخلاقی معیاروں کی روح کو گہرائی کے ساتھ سمجھنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ نتیجۃً جدید اخلاقی نظام میں بہت سی چیزیں بے حد غیر منطقی نظر آتی ہیں۔ ہمارے سامنے فلسفیانہ طور پر بنایا ہوا کوئی اخلاقی نظام نہیں ہے بلکہ ایک ایسا ڈھیر ہے جو کمیونزم کے موجودہ مرحلہ کی افادی ضرورتوں کے تحت جمع کر دیا گیا ہے۔

BULLETIN, INSTITUTE FOR THE STUDY OF THE USSR, MUNICH, MARCH 1967

عرض مترجم

ڈینیڈی کانس ٹینٹینو کے اس عالمانہ مقالے سے چند باتیں واضح طور پر سامنے آتی ہیں

۱۔ کمیونزم نے ابتدائی نظریہ سازی کے وقت مذہب اور اخلاق کا مطلقاً انکار کیا تھا مگر عملی ضرورت کے تحت جب اسے اخلاقی نوعیت کی ایک چیز کی ضرورت پیش آئی تو اس کو مذہب کے وہی اخلاقی الفاظ مستعار لینے پڑے جن کو اس نے بورژوا کی فریب کاری کہہ کر رد کر دیا تھا۔ یہ اشتراکیت کی سب سے بڑی ترقی یافتہ ریاست میں آدھی صدی تک اشتراکی سماج بنانے کی کوششوں کے بعد ہو رہا ہے۔ اس لیے کم از کم اب تک کی صورت حال کے مطابق یہ تاریخی واقعہ ہے کہ مذہب کے باہر اخلاق کا کوئی وجود نہیں ہو۔ حتیٰ کہ اگر کوئی شخص مذہب کے باہر اخلاق تلاش کرے تو وہ اس کے اظہار کے لیے الفاظ تک نہیں پا سکتا۔

۲۔ دوسری بات یہ کہ کمیونزم جو اپنی آخری منزل کے اعتبار سے بے طبقاتی سماج بنانے کا دعویدار ہے، وہ خود بدترین قسم کی طبقاتیت پیدا کرتا ہے۔ ایسی طبقاتیت جس میں روٹی اور کپڑا تو درکنار، اخلاقی شرافت کا حقدار بھی صرف ایک طبقہ ہے۔ دوسرا طبقہ نہیں ہے۔ یہ درحقیقت واقعہ کی زبان میں اس بات کا اعتراف ہے کہ عالمگیر اخلاق مذہبی بنیاد کے بغیر وجود میں نہیں آسکتا، مذہبی بنیاد کے بغیر اگر کہیں اخلاق کا کوئی جزو ہوگا تو وہ لازمی طور پر محدودیت اور تنگ نظری کا شکار ہوگا۔ وہ عالمگیر نہیں ہو سکتا۔

۳۔ "اشتراکی نظامِ اخلاق" بجائے خود اشتراکی فلسفہ کی نفی ہے، کیونکہ اشتراکی فلسفہ تو یہ ہے کہ سماج کے مادی حالات سے فرد کا اخلاق پیدا ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں جب الگ سے ضابطۂ اخلاق مقرر کیا جائے اور اس کو انسانی شعور میں داخل کر کے اس کے مطابق انفرادی کردار کی توقع کی جائے تو بات بالکل الٹ جاتی ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ فرد کا شعور اس کے مادی حالات سے الگ کوئی چیز ہے، اگر بات یہ ہے تو اس کے لیے کیا وجہ جواز ہے کہ لوگوں کے اوپر سلب ملکیت کا عذاب مسلط کیا جائے اور نظام پیداوار بدلنے کی خاطر سارے ملک کو سیاسی اور معاشی جیل خانہ بنا دیا جائے۔ نظام پیداوار کی تبدیلی اگر اخلاق کو نہیں بدلتی تو کس بنیاد پر اس سے خیر کی توقع کی جا سکتی ہے۔ (و۔ خ)

معارف الحدیث جلد چہارم

الحمد للہ تیار ہو گئی ——— قیمت مجلد ۶/۵۰ غیر مجلد ۵/۲۰

کتب خانہ الفرقان، لکھنؤ

خط وکتابت اور ترسیل منی آرڈر کا پتہ

ابناء مولوی محمد بن غلام رسول السورتی تجار الکتب ۱۳۲-۱۳۴

جاملی محلہ، بمبئی نمبر ۳

MOLVI MOHAMMED BIN GULAM RASUL SURTIS SONS BOOK SELLERS & PUBLISHERS.

132-134, JAMLI MOHALLA, BOMBAY, 3.

جلد ۳۵	بابت ماہ جمادی الاول ۱۳۸۷ھ مطابق ستمبر ۱۹۶۷ء	شمارہ (۵)

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔ براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں، یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۲۰ ستمبر تک آجائے، ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ وی، پی ارسال ہوگا

پاکستان کے خریدار:۔ اپنا چندہ ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی رسید کے ساتھ ہمیں براہِ راست اطلاع دے دیں۔ خریداری کے خواہشمند نئے حضرات بھی یہی طریقہ اختیار فرمائیں۔

نمبر خریداری:۔ براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا نمبر خریداری ضرور لکھ دیا کیجیے

تاریخ اشاعت:۔ الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر ۱۵ تاریخ تک کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع کریں، اس کی اطلاع ۲۵ تاریخ تک آجانی چاہیے۔ اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ

(مولانا) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر [illegible] نے [illegible] میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

نگاہِ اوّلیں

عتیق الرحمٰن سنبھلی

عربوں اور اسرائیل کے درمیان بند ہو جانے والی جنگ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سرد جنگ بن کر خود عربوں کے ہمدردوں میں آ گئی ہے، عربوں کی شکست کے بعد اُن کے ہمدردوں کا یہ باہمی جدال عالم اسلام کی دوسری بدقسمتی ہے۔ اور کسی طرح بھی شکست کے المیہ سے کم رنج و تشویش کے قابل نہیں۔ عربوں کی ہمدردی کو اس سے جتنا نقصان پہونچ سکتا ہے وہ تو ظاہر ہی ہے، لیکن یہ اور بھی کتنی المناک بات ہے کہ یہ جدال سرے سے بے معنیٰ بھی ہے، اور ایک بے معنیٰ نزاع میں عربوں کی ہمدردی کا ایک بڑا حصہ صرف ہو رہا ہے۔

عرب اسرائیل قضیہ ایسا ہے کہ اس میں دنیا کا کوئی مسلمان عربوں کی حمایت اور سچی ہمدردی سے خالی نہیں ہو سکتا۔ عرب مسلمان ہیں اور یہودی صرف غیر مسلم نہیں، بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں اپنی مثال آپ۔ قرآن ان کی مذمت اور حق دشمنی کی شہادت سے اس طرح بھرا ہوا ہے کہ جس طرح فرعون و ہامان اور ابلیس و شیطان سے کسی مسلمان کی محبت تصور میں نہیں لائی جا سکتی اسی طرح یہود نوازی بالکل ناقابلِ تصور ہے۔ خاص کر جب دوسرا فریق مسلمان بھی ہو۔ اور یہود کا موقف سراسر ظلم، سرزمین اسلام پر غاصبانہ قبضے اور مقاماتِ مقدسہ کے لیے بُرے ارادوں پر مبنی! — یعنی ایمانی تقاضے کے رُخ سے دیکھئے تب بھی یہ بات ممکن نہیں کہ ایک مؤمن کے قلب و نظر میں یہود نوازی کا خیال بھی گزر سکے۔ اور جب معاملہ قومی اور ملی عصبیت کا بھی ہو، کہ یہود مقابل میں مسلمانوں کے ہیں۔ تب تو یہ بات اور بھی ناقابلِ تصور ہے کہ مسلمان یہود نوازی کی بات کرے۔ اور پھر کسی ایسے علاقے میں رہتے ہوئے کرے جہاں یہود کی حکومت نہیں، اُن کا خوف نہیں! مسلمان تو کسی عام غیر مسلم

مملکت میں بھی رہتا ہے اور وہ مملکت ناحق طور پر کسی مسلمان ملک سے برسرِ جنگ ہو جائے تو بس کچھ منافقت پیشہ اور جاہ پرست لیڈر ایسے نکل آئیں گے جو غیر مسلم حاکموں کی ہاں میں ہاں ملائیں، ورنہ دین کی اہمیت نہ سمجھنے والا کوئی مسلمان بھی ملی عصبیت کے اثر سے آزاد نہیں ہو سکتا اور کوئی ایسی بات بلا کسی جبر کے زبان پر نہیں لا سکتا جس سے مسلمان فریق کی مخالفت اور غیر مسلم فریق کی حمایت کا اظہار ہوتا ہو!

عرب اسرائیل قضیے میں یہ ایسی کھلی ہوئی بات ہے جسے ایک واقعہ ثابت کرنے کے لیے کسی شہادت و ثبوت کی احتیاج نہیں۔ لیکن اشارہ کر دینے میں کوئی حرج نہیں کہ ترکی اور ایران دو ایسے مسلمان مسلمان ملک تھے جنھیں کچھ اسباب کے ماتحت عربوں سے گہرا بُعد ہو گیا تھا، عربوں کے سب سے بڑے لیڈر، صدر ناصر سے انھیں خصوصی شکایت تھی۔ قبرصی ترکوں کے زخم پر صدر ناصر کی کھلی نمک پاشی نے ترکی کو جتنا بھی مشتعل نہ کر دیا ہو کم ہے۔ اور ایران بھی صدر ناصر کے حملوں سے آہ بر لب تھا۔ اور یہ دونوں ملک اسرائیل کو تسلیم کیے ہوئے بھی تھے۔ مگر حالیہ جنگ کے سلسلے میں دنیا کے سامنے یہ بات ہے کہ ان دونوں نے کس حد تک آگے اپنا وزن عربوں کے پلڑے میں ڈالا اور اسلامی اخوت کے جذبے نے کتنی تلخ شکایتوں کو کس طرح دبا دیا!

معاملے کی اس بدیہی نوعیت کو سامنے رکھیے اور پھر غور کیجیے کہ کچھ لوگ اگر اس جنگ کے المیہ پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے اس طرح کی بات کرتے ہیں کہ اسرائیل کے مقابلے میں عربوں کو سیکڑوں گنی زیادہ تعداد، جغرافیائی نظر سے بیحد مساعد حالات و اسباب، تین تین طرف سے ضربیں لگانے کی سہولت اور کم سے کم متحدہ عرب جمہوریہ کی مضبوط فوجی طاقت کے باوجود جو ایسی رسوا کن شکست ہوئی ہے جو خواب و خیال میں نہیں لائی جا سکتی تھی تو اس کا حقیقی سبب کتاب و سنت کی روشنی میں عربوں کے یہ حالات ہی ہو سکتے ہیں کہ انھوں نے اسلام کے لیے سب سے زیادہ ذمہ داری کی حیثیت رکھتے ہوئے اس کے ساتھ سب سے زیادہ حق تلفی کا رویہ اختیار کر رکھا تھا۔

وہ کہتے ہیں، گنا ہگاری، دین سے لاپروائی، اس کی حکم عدولی، دُنیا سے شغف، اسی زندگی میں انہماک، اس کی لذتوں کی طلب، غیروں کے مذاق و مشرب سے ہم آہنگی اور ان کے اطوار و افکار کی غلامی، ان میں سارا ہی عالمِ اسلام کم و بیش مبتلا ہے لیکن قومی اعتبار سے ہر جگہ یہ بات دیکھی

جا سکتی ہے کہ اسلام، عالم اسلام کے ہر خطہ کا آج بھی سب سے بڑا فخر ہے۔ مسلمان دنیا میں ہر جگہ بڑے سے بڑا گناہ کرتا ہے، صورت شکل اور اطوار و عادات سے سمجھنا مشکل ہوتا ہے کہ یہ مسلمان ہے۔ مگر جب وقت آتا ہو تو اس کے اندر کا اسلام سب سے اونچی آواز میں بولتا نظر آتا ہے، وہ سب سے اچھی موت اسے قرار دیتا ہے کہ اسلام کی راہ میں آئے۔ وہ عمر بھر اسلامی احکام سے آزاد رہتا ہے مگر پھر بھی اسلام کے لیے موت اسے وہ واحد فخر نظر آتا ہے جس کے لیے گردن کٹائی جا سکتی ہے۔

وہ کہتے ہیں، آج کہیں اسلامی نہج کی حکومت قائم نہیں، ہر مسلمان مملکت غیروں کے طریقوں پر چل رہی ہے، فلاح و ترقی کا راز یورپ کی شاگردی ہی میں سمجھ لیا گیا ہے، مسائل و مشکلات پر قابو پانے کے لیے عموماً غیر اسلامی راہیں آزمائی جا رہی ہیں۔ جدید تعلیم یافتہ طبقوں میں ایسے حلقے بھی جگہ جگہ پیدا ہو گئے ہیں جو اسلام کے متوارث تصورات پر جارحانہ حملے کرتے ہیں یا "نئی تعبیرات" کا ٹھنڈا اور میٹھا عنوان باندھ کر بالکل ہی نئے معنیٰ اسلامی تصورات اور اصطلاحات میں ڈال دینا چاہتے ہیں۔ حکومتوں کے "ترقی پسندانہ" رجحانات کے لیے ان کوششوں سے ایک موافق فضا بھی تیار ہوتی ہے اور وہ ان میں سے زیادہ مفید اور محتاط حلقوں کی سرپرستی بھی کسی نہ کسی انداز سے کرتی ہیں۔ مگر جس حد تک کوئی حکومت نہیں جاتی وہ یہ ہے کہ "اسلام" کا لفظ ہی اپنی سیاسی بول چال سے خارج کر دیا جائے اور جو جذبات "اسلام" سے وابستہ ہونے کی بنا پر اس کے اصلی اور متوارث تصورات ہی کی طرف قوم کو کھینچتے یا "ترقی پسندانہ" اقدامات سے بدکاتے ہیں ان کو کسی ایسے دوسرے کلمہ سے وابستہ کر دیا جائے جو قوم کے جوشیلے عنصر کو ترقی پسندی کی ہر راہ محبوب کر دے اور اسلامی تصورات ایک نئے لامعنیٰ نظر آنے لگیں۔

لیکن ——— وہ کہتے ہیں ——— یہ ستم جس کے شاید خیال کی جرأت بھی کبھی کسی مسلمان حکومت کو نہیں ہوئی وہ عرب حکومتیں اسلام کے ساتھ کر گزر رہی ہیں، جن سے اصل میں یہودیوں کی جنگ تھی، وہ گویا مسلم وہ سب ہی عرب ملکوں کی جنگ ہو گئی، ان حکومتوں نے اسلامی کلمہ کے متوازی دوسرے کلمات اٹھائے اسلامی تصورات کو توڑ دینے والے جذبات اُگائے اور جن جوشیلے عناصر کو ان نئے کلمات اور نئے جذبات نے اپنے اثر میں لے لیا انھیں پوری سرپرستی میں لیتے ہوئے اور پوری چھوٹ دیتے ہوئے اسلام کے لیے ایسا ہی جوش رکھنے والے عناصر کو ہر گلی اور ہر کوچے میں کچلا گیا، ان کی [illegible]

جسم سولیوں پر لٹکا دیے گئے، قید خانوں میں جھونک دیے گئے اور مسجدوں کے منبر و محراب تک انھیں امان دلانے میں ناکام ہو گئے۔

اگر کوئی عام مسلمان بھی یہ بات کہتا تو یہ سوچنے کی گنجائش نہیں تھی کہ اسرائیل نوازی یا عرب دشمنی یہی کی جا رہی ہے۔ کیونکہ اسرائیل نوازی اس ایمانی جذبے کے خلاف ہے جس سے کوئی عاصی سے عاصی مسلمان بھی خالی نہیں ہو سکتا۔ اس ملی عصبیت کے خلاف ہے جو مسلمانوں کے مقابلے میں کسی عام غیر مسلم قوم کی حمایت بھی برداشت نہیں کر سکتی، چہ جائیکہ یہود جیسی دشمنِ اسلام قوم! اور پھر فریقِ ثانی صرف مسلمان نہیں، رسول ہاشمی کی قوم ہے، اسلام کا راس المال اور اس کی قومیت کی خشتِ اولیں ہے، جس کے دشمنوں کی اعانت وہی کر سکتا ہے جو اپنے دین و ایمان سے دشمنی کر لے ——— لیکن یہاں یہ باتیں کہنے والے "صرف مسلمان" نہیں، وہ لوگ ہیں جو "ہندستانی مسلمان" کی نازک زندگی بسر کرتے ہوئے بھی ——— جس میں اسلام اور مسلمانوں کے مسائل پر زبان کھولنے کے لیے قومی نقطۂ نظر (National out look) کی اول و آخر برتری کا اظہار ایک شرط سی بن گئی ہے ——— اسلامی اخوت اور اسلامی قومیت کی فضاؤں میں پرواز کرتے ہیں۔ جو ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کرتے ہیں کہ وہ پہلے مسلمان ہیں بعد میں کچھ اور! جو عربوں میں اپنے ملک کی سیکولرازم اور نیشنلزم نواز پالیسی کے علی الرغم ان کا دامن پکڑتے ہیں کہ تم اسلام پر کسی ازم کو کیسے غالب کر رہے ہو جسے ہر چیز سے فائق رکھنے کا سبق تم نے ہم کو دیا تھا۔ اور جسے فائق رکھنے کی پاداش میں ہم اپنے وطن میں غریب الوطن بن گئے ہیں؛ جس کے لیے مصائب کا پہاڑ ہم نے اپنے سر پر اٹھا رکھا ہے! اور جو ہمارا واحد قصور ہے جس کی معافی اہلِ وطن سے نہیں ملتی!! ——— ان لوگوں کی یہ دیوانگی ان کے خلاف خواہ مخواہ شکوک کے جالے بنتی ہے، وہ عرب اور دیگر ممالک میں جانے کے لیے پاسپورٹ سے محروم کیے جاتے ہیں اور پاسپورٹ مل جاتا ہے تو پی فارم کے پھندے دکھا کر روک لگائے جاتے ہیں مگر ملی اخوت کے پیام کا نشہ راہ کی ہر کٹھنائی پر یہ کہتے ہوئے مسکراتا ہے کہ

ع ہمیں ہیں ہم اللہ عاشق بالشد خدائے نگہ

یہ لگن یہ جنون [illegible] ہو [illegible] ان کی [illegible] آج [illegible] عام مسلمان کے [illegible] تخیے میں اسرائیل نوازی [illegible] دشمنی [illegible] ہے کہ [illegible] کے [illegible] طرح کا خیال [illegible] ہو سکتی ہے؟

پھر ان کی اس بات کا ایک پس منظر بھی ہے جو اس قسم کے خیالات کو اور بے معنی بنا دیتا ہے۔ یہ عربوں کے جن حالات کو ان کی المناک شکست کا ذمہ دار بتاتے ہیں ان حالات سے فکرمندی اور مستقبل کے لیے تشویش کا اظہار یہ لوگ مدتوں سے کرتے آئے ہیں۔ انھیں عربوں سے براہ راست گفتگو کا موقع ملا تب انھوں نے اس بے چینی کا اظہار کیا۔ اور دوسرے مسلمانوں میں عالم عربی کے سوال پر اظہار خیال کی نوبت آئی تب اس پہلو پر انھیں توجہ دلائی کہ اسلام کا یہ رأس المال بڑے خطرے میں ہے۔ گزشتہ پندرہ سال کے عرصے میں پھیلا ہوا ان کی بیجاسوں تقریروں اور سیکڑوں مضمونوں کا ایک سلسلہ ہے جس کا مرکزی نقطہ یہی بے چینی اور یہی پریشانی ہے اور اس کے اندر ہمدردی اور اپنائیت کا جو جذبہ کام کر رہا تھا، عربوں کی دینی توقیر، اسلامی برادری میں ان کے مرتبۂ خاص کے لیے جذبۂ تعظیم اور اسلام کے عروج و انحطاط میں عربوں کے کردار کی اہمیت کا احساس جس طرح اُن کے لفظ لفظ میں نمایاں رہتا تھا اس نے بڑی سے بڑی تلخ نوائیوں پر بھی نہ عربوں کو کسی غلط فہمی اور بدگمانی میں مبتلا ہونے دیا نہ دوسرے مسلمانوں کو! اس پس منظر کے بعد یہ بات بالکل قدرتی ہے کہ عربوں کے جن عناصر اور جن حالات کو وہ عالم عربی اور پورے عالم اسلام کے لیے خطرہ سمجھتے تھے اُن کی خطرناکی کا یہ مبینہ پہلو سامنے آجانے پر کہ خدا کی مدد چھین جائے گی اور ذلت و مسکنت کی اندوہ ناک شکلیں امڈ پڑیں گی، اُن کے لہجہ میں ان عناصر اور ان حالات کے خلاف تلخی کی مقدار بڑھ جائے۔ اور کھلے ابتلاء کے وقت میں بھی ان عناصر اور ان حالات کا رنگ جوں کا توں دیکھ کر ان کی زبان اور ان کا قلم اس سرجن کی طرح بے رحم ہو جائے جو لاعلاج پھوڑے کا دشمن مگر جسم کا غمخوار ہے ـــــ ان لوگوں کی آج کی تحریروں کا یہ پس منظر جو شخص نظر میں رکھے گا اس کے لیے ممکن نہیں ہے کہ ان کی تلخیٔ تحریر پر عرب دشمنی کی تہمت دھرے، قساوت قلبی کا شبہ کرے یا آداب ہمدردی سے بے خبری کا فتویٰ دے۔

لیکن افسوس ہے کہ جو بات اس عرب اسرائیل قضیہ میں ایک عام مسلمان کے متعلق نہیں سوچی جا سکتی وہ ان دیوانگانِ اُخوتِ اسلامی کے لیے زبان پر لائی جا رہی ہو۔ اور اس سے بھی بڑھ کر افسوسناک یہ ہے کہ یہ بے معنیٰ جدال آرائی جو ابتک عقل و خرد سے بیگانہ یا اغراض سے مجبور گروہوں تک محدود تھی اس نے دانشوروں میں سے بھی ایک ایسے صاحب قلم کو اپنی طرف کھینچ لیا ہو کہ مصری حکومت کی میزبانیوں سے لطف اندوز ہونے کے باوجود اس معاملے میں اُن کے قلمی کردار پر کسی کمزوری کا خیال دل کو نہیں لگتا ـــــ نام لینے کو جی نہیں چاہتا، الفاظ جو انتہائی افسوسناک ہیں وہ یہ ہیں:۔

"اسوقت جبکہ عرب موت وحیات کی کشمکش سے دوچار ہیں ان پر زبان طعن دراز کرنا اور ان کے دشمنوں کی شان میں قصائد مدحیہ پڑھنا اسلام دوستی ہرگز نہیں بلکہ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ کا مصداق ہے۔ وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ "

ان لوگوں کو نہیں معلوم کہ عالم عربی کے جن عناصر کے دفاع میں یہ ان کے مخالفوں پر "قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ" کا قرآنی فقرہ چُست کر رہے ہیں یہ مخالفین ان کے دفاع کو "اسلام دوستی" سے کسقدر بعید سمجھتے ہیں! اور اس پر اظہار خیال کو اگر وہ مناسب جانیں تو قرآن کی کتنی آیتیں مدافعین پر چپاں ہونے کے لیے نکل کھڑی ہوں گی۔ لیکن ہم اسے عالم اسلام کی اس مصیبت کے وقت میں روا نہیں سمجھتے کہ خود مسلمان ہی ایک دوسرے سے اُلجھ جائیں اور جب معرکہ دشمنوں سے درپیش ہے اُسی وقت کو اپنے ان فکری اختلافات کے لیے فیصلہ کن سمجھ لیں جو پہلے سے چلے آتے ہیں۔ اور بعد میں بھی زیر بحث لائے جاسکتے ہیں۔

ہم تو ان عرب عناصر کے خلاف اظہار خیال بھی اس موقع پر ترک کر دیتے جن کی مدافعت میں یہ افسوسناک باہمی جدال کھڑا کیا جا رہا ہو۔ لیکن ہم اس معاملے میں اسی دلیل سے مجبور ہیں جس دلیل سے ان عرب عناصر کی حکومتوں نے اپنی فوجوں میں تطہیر کا عمل کرتے ہوئے اُن افسروں کو معزول کر دیا ہے جنھیں اسرائیل سے شکست کا ذمہ دار سمجھا گیا۔

جہانتک ان عناصر کی نااہلی کا سوال ہو اس سے انکار کوئی مسلمان، حد درجہ بے غیرتی پر آمادہ ہو کر ہی کر سکتا ہے۔ ان "ترقی پسندوں" کے بیچ میں صرف ایک "رجعت پرست" نوعمر والیٔ اردن ہی تھا جس نے عرب روایات کی لاج رکھی۔ لیکن نزاکت وقت کی مصلحت اگر ان نااہلیوں کی پردہ پوشی پر اصرار بھی کرتی ہے تو ہم اپنے اس یقین کو کیا کریں کہ یہ عناصر ہی اگر میر کارواں رہے تو یہ کارواں بار بار یوں ہی لُٹے گا! ہم اپنے یقین کی بنیادیں بتا رہے کہ یہ اُن کے افکار واقوال ہیں اور ان افکار واقوال پر کتاب وسنت کا یہ فیصلہ ہے اور اس فیصلہ کو کوئی طاقت اور کوئی اعانت نہیں بدل سکتی۔ تم ہمیں اس یقین سے ہٹانے کی سیدھی راہ اختیار کرو۔ کوئی بات کتاب وسنت سے لاؤ جو ہمارے اس یقین کو گمان باطل بنا دے! ان افکار و اقوال کی کوئی ایسی تاویل کرو جو ہماری بنیادِ استدلال ہی گرادے! پھر ہم گنہگار ہیں جو ایک حرف ان لوگوں کے خلاف زبان پر لائیں۔ لیکن اگر کتاب وسنت میں سے تمھارے پاس کچھ نہیں ہے اور ان افکار واقوال کے معنی بھی نہیں بدلے جاسکتے تو للہ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو۔ ہم تمھاری راہ کو حد درجہ غلط سمجھ کر بھی

کوئی تعرض نہیں کرتے کہ یہ وقت اس کام کا نہیں لیکن تم عربوں کی ہمدردی پر درس دیکر بھی یہ نہیں سوچ سکتے کہ ایک بے معنی اجنگ اپنوں ہی کے خلاف چھیڑ کر عربوں کو اس کشمکش موت و حیات میں کونسی مدد پہونچائی جا سکے گی۔ تمہیں عربوں کی ہمدردی صرف اسمیں نظر آتی ہو کہ انکے تاریخی فضائل اور یہود کے معائب و مثالب بیان کیے جائیں۔ اسرائیل کے مظالم اور عربوں کی مظلومیت پر زور دیا جائے اور کچھ امداد کی اپلیں مسلمانوں سے کی جائیں۔ مگر دوسرے لوگ امداد و اعانت میں تمہاری ہمنوائی کے ساتھ عربوں کے فضائل اور یہود کے مثالب نیز عربوں کی مظلومیت اور اسرائیل کی جارحیت کو مشرح کرنے کے بجائے اسے زیادہ کارآمد سمجھتے ہیں کہ عرب جن اہم اسباب شکست پر ان کی نظر میں توجہ نہیں دے رہے ہیں اور جنکے بارے میں بے توجہی سے ہی ان (اسباب) کو کھلی چھوٹ ملتی رہی، ان اسباب کا بھرپور احساس عربوں کو دلائیں اور دوسرے مسلمان جو عالم حیرت میں پڑ گئے ہیں کہ یہ کیا ہوا؟ اور یہود جیسی مغضوب قوم نے عرب جیسی بنیادی مسلمان قوم کو کیسے آن کی آن میں چاروں خانے چت کردیا؟ انھیں بتائیں کہ اس قرآن و حدیث کے خلاف نہیں ہوا ہے جسمیں یہود کی مغضوبیت اور ملعونیت وارد ہوئی ہے بلکہ عین اس کے مطابق ہی ہوا ہے۔

یہ لوگ اگر تمام عربوں کو جمال عبدالناصر، نورالدین عطاشی اور ان کے رفقاء و اتباع کے حکم میں سمجھتے تو یقیناً حق بجانب کہتے تھے کہ اسلام کے نام پر انکی امداد و اعانت کو ایک غلط کام ٹھیراتے، مگر جب یہ لوگ خود اسکو صحیح سمجھتے ہیں تو عربوں کے ان خاص عناصر کے خلاف انکی تنقید کو "عرب دشمنی" کہنے پر آپ کیوں مجبور ہیں، جنھیں سیاسی اور فوجی اہمیت تک کے سرخاب کا بھی کوئی پر لگا ہوا اب نہیں رہ گیا ہے۔ اور عربوں کی زیست کو ان سے باندھنا اب کسی مزاج کے لیے بھی آسان کام نہیں۔ آپ اُن کے ہمنوا نہیں ہو سکتے تو چھوڑ دیجیے۔ لیکن

ع وللناس فیما یعشقون مذاھب

کا توسع تو ختم مت کیجیے۔۔۔ ان ناقدوں سے تنقید میں بے اعتدالی ہو سکتی ہے، انسان ہیں۔ آپ اس پر ٹوک دیجیے لیکن اسے ایسا کفر و ضلال تو مت ٹھیرائیے کہ "واللہ یھدی من یشاء" کا نعرہ زبان پر آجائے۔ کسی کو اگر اسرائیل کی مغضوبیت میں شبہ ہو گیا ہو تو اس سے اختلاف میں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ لیکن اگر کوئی قوم پرست عربوں کی خدا فراموشی اور یہود کی اپنے طریقہ پر گریہ و زاری کی خبر کو رنج و کرب کے ساتھ ذکر کرتا ہو تو ان دونوں باتوں پر ایک حکم تو مت لگائیے!

غرض یہ معاملہ ایسا نہیں ہے کہ آپس میں جدال و قتال ضروری ہو۔ اس اختلاف میں بقائے باہم کا اصول چل سکتا ہے۔ لیکن ع تو ہی اگر نہ چاہے، بہانے ہزار ہیں

رسالہ کی موجودہ ضخامت کے محصول ڈاک میں اس ماہ سے یکدم اتنا زیادہ اضافہ ہوگیا ہے جسے چندہ میں اضافہ کے بغیر برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ اس بارہ میں خریداران سے مستقل استصواب ہم ان شاء اللہ آئندہ ماہ کریں گے۔ اس وقت تک کیلئے صفحات میں عارضی کمی کردی گئی ہے۔ اور [illegible] خریداروں کیلئے قیمت بھی ۷۵ کے بجائے [illegible] ۔ منیجر الفرقان

کتاب الاذکار والدعوات:

معارف الحدیث

(مسلسل)

مصائب اور مشکلات کے وقت کی دعائیں:-

اس دنیا میں انسانوں کو بعض اوقات بڑے مصائب اور مشکلات سے سابقہ پڑتا ہے، اس میں خیر کا خاص پہلو یہ ہے کہ ان ابتلاآت اور مجاہدات کے ذریعہ اہل ایمان کی تربیت ہوتی ہے اور یہ ان کے لیے انابت الی اللہ اور تعلق باللہ میں ترقی کا وسیلہ بنتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مواقع کے لیے جو دعائیں تعلیم فرمائی ہیں وہ مصائب و مشکلات سے نجات کا وسیلہ بھی ہیں اور قرب خداوندی کا ذریعہ بھی، ان میں سے چند دعائیں ذیل میں پڑھیے:

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْوَةُ ذِى النُّوْنِ الَّذِىْ دَعَا بِهَا وَهُوَ فِىْ بَطْنِ الْحُوْتِ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ" لَمْ يَدْعُ بِهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ فِىْ شَيْءٍ قَطُّ اِلَّا اسْتَجَابَ اللّٰهُ لَهٗ ـــــــ رواہ احمد والترمذی والنسائی

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذوالنون (اللہ کے پیغمبر یونس علیہ السلام) جب دریا کی ایک مچھلی کا لقمہ بن کر اس کے پیٹ میں پہونچ گئے تھے تو اس وقت اللہ کے حضور میں ان کی دعا اور پکار یہ تھی "لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ" (میرے مولا تیرے سوا کوئی معبود نہیں (جس سے رحم و کرم کی درخواست اور مدد کی التجا کروں)، تو پاک اور مقدس ہے، بے شک میں ہی قصور وار ہوں

کوئی ظلم و تعدی نہیں) میں ہی ظالم اور پاپی ہوں ۔) جو مسلمان بندہ اپنے کسی معاملہ اور مشکل میں ان کلمات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو قبول ہی فرمائے گا۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن نسائی)

تشریح) حضرت یونس علیہ السلام کی یہ دعا قرآن مجید (سورۂ انبیاء) میں انہی الفاظ میں مذکور ہوئی ہے۔ بظاہر تو اس میں صرف اللہ کی توحید و تسبیح اور اپنے قصوروار، خطاکار ہونے کا اعتراف ہے۔ لیکن فی الحقیقت یہ اللہ کے حضور میں اظہارِ ندامت اور استغفار و انابت کا بہترین انداز ہے، اور اس میں اللہ کی رحمت کو کھینچ لینے کی خاص تاثیر ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَقَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ الْعَظِیْمِ فَقُوْلُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ۔ ——— رواہ ابن مردویہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی بھاری اور بہت مشکل معاملہ پیش آجائے تو کہو "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ" (ہم کو اللہ کافی ہے اور وہی سب کام سپرد کرنے کے لیے اچھا ہے) (ابن مردویہ)

تشریح) یہ بھی قرآن مجید کا خاص کلمہ ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب ان کی قوم کے بت پرستوں نے آگ کے ڈھیر میں ڈالا تو ان کی زبانِ مبارک پر یہی کلمہ تھا۔ "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ" ——— مصائب و مشکلات کے موقع پر ہر بندۂ مومن کا یہی نعرہ ہونا چاہیے!

عَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا قَالَ عَبْدٌ "اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اِکْفِنِیْ کُلَّ مُهِمٍّ مِنْ حَیْثُ شِئْتَ مِنْ اَیْنَ شِئْتَ" اِلَّا اَذْهَبَ اللّٰهُ تَعَالٰی هَمَّهٗ۔

——— رواہ الخرائطی فی مکارم الاخلاق

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو بندہ (کسی سخت مشکل اور پریشانی میں مبتلا ہو اور) اللہ کے حضور میں عرض کرے "اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اِکْفِنِیْ کُلَّ مُهِمٍّ مِنْ حَیْثُ شِئْتَ مِنْ اَیْنَ شِئْتَ" (اے میرے اللہ! ساتوں آسمانوں اور عرشِ عظیم کے مالک! میری مہمات مشکلات

حل کرنے کے لیے تو کافی ہو جا اور حل کر دے جس طرح تو چاہے اور جہاں سے تو چاہے) تو اللہ اس کی مشکل کو حل کر کے پریشانی سے اس کو نجات عطا فرما دے گا۔ (مکارم الاخلاق للخرائطی)

عَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا عَلِیُّ اِذَا حَزَبَكَ اَمْرٌ فَقُلِ اللّٰھُمَّ احْرُسْنِیْ بِعَیْنِكَ الَّتِیْ لَا تَنَامُ وَاكْنُفْنِیْ بِكَنَفِكَ الَّذِیْ لَا یُرَامُ وَاغْفِرْ لِیْ بِقُدْرَتِكَ عَلَیَّ فَلَا اَھْلِكُ وَاَنْتَ رَجَائِیْ رَبِّ كَمْ مِنْ نِعْمَةٍ اَنْعَمْتَھَا عَلَیَّ قَلَّ لَكَ عِنْدَھَا شُكْرِیْ وَكَمْ مِنْ بَلِیَّةٍ اِبْتَلَیْتَنِیْ بِھَا قَلَّ لَكَ عِنْدَھَا صَبْرِیْ فَیَا مَنْ قَلَّ عِنْدَ نِعْمَتِہٖ شُكْرِیْ فَلَمْ یَحْرِمْنِیْ وَیَا مَنْ قَلَّ عِنْدَ بَلِیَّتِہٖ صَبْرِیْ فَلَمْ یَخْذُلْنِیْ وَیَا مَنْ رَاٰنِیْ عَلَی الْخَطَایَا فَلَمْ یَفْضَحْنِیْ یَا ذَا الْمَعْرُوْفِ الَّذِیْ لَا یَنْقَضِیْ اَبَدًا وَیَا ذَا النَّعْمَاءِ الَّتِیْ لَا تُحْصٰی اَبَدًا اَسْئَلُكَ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبِكَ اَدْرَأُ فِیْ نُحُوْرِ الْاَعْدَاءِ وَالْجَبَّارِیْنَ۔

———— رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا، اے علی جب تمہیں کسی بڑی پریشانی اور مصیبت کا سامنا ہو تو اللہ سے اس طرح دعا کرو "اَللّٰھُمَّ احْرُسْنِیْ بِعَیْنِكَ لَا تَنَامُ ...... تا ...... فِیْ نُحُوْرِ الْاَعْدَاءِ وَالْجَبَّارِیْنَ"

(اے اللہ اپنی اس آنکھ سے میری نگہبانی فرما جو کبھی نیند اور اونگھ سے آشنا نہیں ہوتی، اور مجھے اپنی اس حفاظت کی آڑ میں لے لے جس کے قریب جانے کا بھی کوئی ارادہ نہیں کر سکتا، اور مجھ مسکین و گنہگار بندہ پر تجھے جو قدرت اور دسترس حاصل ہے اس کے صدقے میں تو میرے گناہ معاف فرما دے کہ میں ہلاکت و بربادی سے بچ جاؤں۔ تو ہی میری امیدوں کا مرکز ہے۔

اے میرے مالک و پروردگار تو نے مجھے کتنی ہی ایسی نعمتوں سے نوازا جن کا شکر مجھ سے بہت ہی کم ادا ہو سکا، اور کتنی ہی آزمائشوں میں میں مبتلا کیا گیا اور ان آزمائشوں کے وقت مجھ سے صبر میں بڑی کمی اور کوتاہی ہوئی، پس اے میرے وہ کریم رب جس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے میں میں نے کوتاہی کی تو اس نے مجھے نعمتوں سے محروم کرنے کا فیصلہ نہیں کیا (بلکہ میری

اس کوتاہی کے باوجود اپنی نعمتیں مجھ پر انڈیلتا رہا) اور آزمائشوں میں صبر سے میرے قاصر رہنے کے باوجود اس نے مجھے اپنی نگاہِ کرم سے نہیں گرایا۔ (بلکہ میری بے صبری کے باوجود مجھ پر کرم فرماتا رہا) اور اے میرے وہ کریم رب جس نے مجھے معصیتیں کرتے ہوئے خود دیکھا مگر اپنی مخلوق کے سامنے مجھے رسوا نہیں کیا (بلکہ مجھ گنہگار کی پردہ داری فرمائی) اے ہمیشہ اور تا ابد احسان و کرم فرمانے والے اور بے شمار و بے حساب نعمتوں سے نوازنے والے! پروردگار میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ اپنے بندہ اور پیغمبر حضرت محمد پر اور ان کے خاص متعلقین پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔ خداوندا! میں تیرے ہی زور پر اور تیرے ہی بھروسے پر مقابلہ میں آتا ہوں دشمنوں اور جباروں کے۔

(مسند فردوس دیلمی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فرمائی ہوئی اس دعا کے ایک ایک کلمہ پر غور کیا جائے۔ اس کا ہر جملہ عبدیت کی روح سے لبریز ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حقائق کا فہم اور ان کی قدر اور نفع اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

حاکم وقت کے ظلم سے حفاظت کی دعا:-

بسا اوقات انسان خاص کر حق پرست انسان کو ایسے مواقع آتے ہیں کہ وہ وقت کے اربابِ اقتدار کے غصہ اور ناراضی کا نشانہ بن جاتا ہے اور ان کے ظلم و عدوان کا خطرہ فطری طور پر اس کے لیے فکر و پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے مستقل طور سے دعا تعلیم فرمائی۔

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا تَخَوَّفَ اَحَدُکُمُ السُّلْطَانَ فَلْیَقُلْ "اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ کُنْ لِیْ جَارًا مِنْ شَرِّ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ وَ شَرِّ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَاَتْبَاعِھِمْ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیَّ اَحَدٌ مِّنْھُمْ اَوْ اَنْ یَّطْغٰی عَزَّ جَارُکَ وَجَلَّ ثَنَاؤُکَ وَلَا اِلٰہَ غَیْرُکَ ــــــ رواہ الطبرانی فی الکبیر

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو حاکم وقت کے ظلم و عدوان کا خطرہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اللہ سے یوں دعا کرے "اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ ...... تا ...... لَا اِلٰهَ غَيْرُكَ"
(اے اللہ ہفت افلاک اور عرش عظیم کے مالک فلاں ابن فلاں (حاکم) کے شر سے اور سارے شریر انسانوں اور جنوں اور ان کے چیلوں کے شر سے میری حفاظت فرما اور مجھے اپنی پناہ میں لے کر ان میں سے کوئی مجھ پر ظلم و زیادتی نہ کر سکے، جو تیری پناہ میں ہے وہ باعزت ہے تیری ثنا و صفت باعظمت ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، صرف تو ہی معبود برحق ہے)

(معجم کبیر طبرانی)

قرض اور تنگ حالی سے نجات کی دعا:-

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ الْمَسْجِدَ فَاِذَا هُوَ بِرَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ يُقَالُ لَهٗ اَبُوْ اُمَامَةَ فَقَالَ يَا اَبَا اُمَامَةَ مَالِىْ اَرَاكَ جَالِسًا فِى الْمَسْجِدِ فِىْ غَيْرِ وَقْتِ الصَّلٰوةِ قَالَ هُمُوْمٌ لَزِمَتْنِىْ وَ دُيُوْنٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَفَلَا اُعَلِّمُكَ كَلَامًا اِذَا قُلْتَهٗ اَذْهَبَ اللّٰهُ هَمَّكَ وَ قَضٰى عَنْكَ دَيْنَكَ قَالَ قُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ قُلْ اِذَا اَصْبَحْتَ وَ اِذَا اَمْسَيْتَ "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَ قَهْرِ الرِّجَالِ" قَالَ فَفَعَلْتُ ذٰلِكَ فَاَذْهَبَ اللّٰهُ هَمِّىْ وَ قَضٰى دَيْنِىْ ـــــــ رواہ ابوداؤد

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو ایک انصاری کو جن کا نام ابوامامہ تھا آپ نے مسجد میں بیٹھا دیکھا، آپ نے ان سے فرمایا کیا بات ہے کہ تم اس وقت جبکہ کسی نماز کا وقت نہیں ہے مسجد میں بیٹھے ہو؟ انھوں نے عرض کیا، حضرت! مجھ پر بہت سے قرضوں کا بوجھ ہے اور فکروں نے مجھے گھیر رکھا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا میں تمہیں ایسا دعائیہ کلمہ بتا دوں

جس کے ذریعہ دُعا کرنے سے اللہ تعالیٰ تمھیں ساری فکروں سے نجات دے دے اور تمھارے قرضے بھی ادا کرا دے؟ (ابوامامہ نے بیان کیا کہ) میں نے عرض کیا حضرت ضرور بتا دیں! آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم صبح و شام اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا کرو "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ..... تا..... وَقَھْرِ الرِّجَالِ" (اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں فکر و غم سے اور عاجز ہونے سے، اور سستی و کاہلی سے، اور بزدلی اور کنجوسی سے، اور پناہ مانگتا ہوں قرضے کے بار کے غالب آجانے سے اور لوگوں کے دباؤ سے) ابوامامہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت پر عمل کیا (اور اس دُعا کو اپنا صبح و شام کا معمول بنالیا) تو خدا کے فضل سے میری ساری فکریں ختم ہوگئیں اور میرا قرض بھی ادا ہوگیا۔ (سنن ابی داؤد)

عَنْ عَلِیٍّ اَنَّہٗ جَاءَہٗ مُکَاتَبٌ فَقَالَ اِنِّیْ عَجَزْتُ عَنْ کِتَابَتِیْ فَاَعِنِّیْ قَالَ اَلَا اُعَلِّمُكَ کَلِمَاتٍ عَلَّمَنِیْهِنَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْکَانَ عَلَیْكَ مِثْلُ جَبَلٍ کَبِیْرٍ دَیْنًا اَدَّاہُ اللّٰہُ عَنْكَ قُلْ اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ۔

—— رواہ الترمذی والبیہقی فی الدعوات الکبیر

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مُکَاتَب ان کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میں زر کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو رہا ہوں آپ اس میں میری مدد کردیجئے، آپ نے فرمایا، میں تم کو وہ دُعائیہ کلمات نہ بتا دوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائے تھے، اگر تم پر کسی بڑے پہاڑ کے برابر بھی قرضہ ہوگا تو اس دُعا کی برکت سے اللہ کے حکم سے وہ ادا ہوجائے گا (وہ مختصر دُعا یہ ہے) اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ" (اے میرے اللہ مجھے حلال طریقے سے اتنی روزی دے جو میرے لیے کافی ہو اور حرام کی ضرورت نہ ہو اور اپنے فضل و کرم سے مجھے اپنے ماسوا سے بے نیاز کردے) (جامع ترمذی، دعوات کبیر للبیہقی)

(تشریح) "مُکَاتَب" اُس غلام کو کہا جاتا ہے جس کے آقا نے اس کے بارے میں طے کردیا ہو کہ تم اتنی رقم ادا کردو تو آزاد ہو۔ ایسا غلام جب وہ معینہ رقم ادا کردے گا تو آزاد ہوجائے گا۔ حضرت

علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اسی طرح کا کوئی بیچارہ مکاتب آیا تھا جو زر کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو رہا تھا، آپ اس وقت رقم سے تو اس کی کوئی مدد نہیں کر سکے لیکن اسی مقصد کے لیے ایک خاص دُعا آپ نے اس کو تعلیم فرما دی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو تعلیم فرمائی تھی ـــــ معلوم ہوا کہ ضرورتمند سائل کی اگر روپیہ پیسے سے کسی وقت مدد نہ کی جا سکے تو اس کو اس طرح کی دُعا ہی کی طرف رہنمائی کر دی جائے۔ یہ بھی اعانت اور خدمت کی ایک صورت ہے۔

خوشی اور غم کے وقت کی دُعا:۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا رَاٰی مَا یَسُرُّہٗ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِہٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ وَ اِذَا رَاٰی شَیْئًا مِّمَّا یَکْرَہُ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ ـــــ رواہ ابن النجار

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی ایسی بات دیکھتے جس سے آپ کو مسرت اور خوشی ہوتی تو کہتے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِہٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ" (حمد و ستائش اس اللہ کے لیے جس کے فضل و احسان سے اچھائیاں تکمیل پاتی ہیں۔) اور جب کوئی ایسی بات دیکھتے جو آپ کو ناپسند اور ناگوار ہوتی تو کہتے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ" (ہر حال میں اللہ کی حمد اور اس کا شکر) (ابن النجار)

(تشریح) اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے چاہے اس میں ہمارے لیے مسرت اور خوشی کا سامان ہو یا رنج و غم کا وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اسی کے حکم سے ہوتا ہے اور وہ حکیم مطلق ہے اس کا کوئی فیصلہ حکمت سے خالی نہیں اس لیے وہ ہر حال میں حمد و ستائش کا مستحق ہے۔

غصہ کے وقت کی دُعا۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ اِسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی عُرِفَ الْغَضَبُ فِیْ وَجْہِ اَحَدِہِمَا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَاَعْلَمُ کَلِمَةً لَوْ قَالَہَا لَذَہَبَ غَضَبُہٗ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ـــــ رواہ الترمذی

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں دو آدمیوں کے درمیان کچھ سخت کلامی ہو گئی یہاں تک کہ ان میں سے ایک کے چہرہ پر غصہ کے آثار محسوس ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں جانتا ہوں ایک دعائیہ کلمہ اگر یہ آدمی اس وقت وہ کہہ لے تو اس کا غصہ ٹھنڈا پڑ جائے گا۔ وہ کلمہ ہے "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ" (جامع ترمذی)

(تشریح) بلاشبہ اگر آدمی شعور اور دعائیہ کیفیت کے ساتھ سخت غصہ کی حالت میں بھی یہ کلمہ کہے اور اللہ سے پناہ طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے غصہ کی آگ کو ٹھنڈا کر دے گا۔ اور وہ غصہ کے نتائج بد سے محفوظ رہے گا۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○ (حٰمٓ السجدہ)	اور اگر کسی وقت شیطان کی طرف سے وسوسہ اندازی ہو اور اس سے تمہارے اندر غصہ کی آگ بھڑک اٹھے تو اللہ کی پناہ مانگو، وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (وہ تمہیں پناہ دے گا)

لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ غصہ کی بحرانی کیفیت میں جب آدمی سنجیدگی اور توازن اور اچھائی برائی کا احساس کھو بیٹھتا ہے تو بہت ہی کم ایسا ہوتا ہے کہ یہ باتیں اُسے یاد آئیں۔ ایسے وقت میں خیر خواہوں کا کام ہے کہ وہ حکمت سے اس کو اس طرف متوجہ کریں اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ زرّیں ہدایت یاد دلائیں۔

مَعَارِفُ الْحَدِیْث چہارم

(از مولانا محمد منظور نعمانی)

کتاب الایمان، کتاب الاخلاق والرقاق، اور کتاب الصلوٰۃ کے بعد
کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم اور کتاب الحج کا مجموعہ ـــــ مع ترجمہ و تشریح
کتابت طباعت اور کاغذ اعلیٰ ...... قیمت مجلد ۵/۵۰ غیر مجلد ۵/۲۵

کتب خانہ الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ

یک دو ساعت صحبتے با اہلِ دل

مجلس حضرت شاہ محمد یعقوب مجددی مدظلہ العالی

(مرتبہ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی)

(۵)

۸ ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۰ مارچ ۱۹۶۷ء بروز دوشنبہ ما بین ۸½ بجے تا ۱۲½ بجے
مخصوص حاضرین، مولوی عبید الرحمٰن خاں صاحب شیروانی، مولانا محمد عمران خاں صاحب ندوی،
مولوی محمد مسلم صاحب ایڈیٹر دعوت وغیرہ،

فرمایا، دل دولھا ہے اور جسم بارات، بارات دولھا ہی کی خاطر ہے، دولھا سے بے اعتنائی اور بارات کی خاطر داری کوئی عقل کی بات نہیں، اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک بڑی بارات جارہی تھی، ایک باغ اور جنگل سے اس کا گزر ہوا، ایک اجنبی آدمی کھڑا دیکھ رہا تھا، اس کے سامنے سے بارات کا جلوس نکلا، مشعلچی، طبلچی، اور تماشائی، باراتی سب ساتھ تھے، اس کو دولھا نظر نہیں آیا، اس نے ایک باراتی سے پوچھا کہ نوشہ کہاں ہے؟ میں سب کو دیکھتا ہوں وہ کہیں نظر نہیں آتے؟ اس نے جھنجھلا کر جواب دیا کہ تم بھی عجب آدمی ہو، بارات کا لطف نہیں لیتے اور فضول باتیں کر رہے ہو، وہ مشعلچی ہے، وہ طبلچی ہے، وہ مردِ خدا خاموش ہو گیا، تھوڑی دیر کے بعد پھر اس سے رہا نہیں گیا، اس نے دوسرے سے پوچھا، اس نے بھی ٹال دیا، تیسرے سے پوچھا، اس نے اعتراف کیا اور کہا کہ ہاں واقعی دولھا میاں بارات میں نہیں ہیں، تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ کہیں پیچھے گھوڑے سے گر کر گڑھے میں پڑے ہوئے ہیں، بارات آگے بڑھ گئی، کسی کو خیال نہ آیا، اسی طرح

سے دل جسم کی بارات کا دولھا ہے، اس کا خیال سب سے مقدم ہے، بعض لوگوں کو دیکھیں گے، صبح اٹھے منہ ہاتھ دھویا، بال بنائے، کپڑے بدلے، جوتے پر پالش کی، اور دولھا دل بھوکا پڑا ہوا ہے، اس کا ناشتہ ندارد، دولھا پہلے ہے، بارات بعد میں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ"[1] یہی دل سرا ہی ہے، اور امانت خداوندی، اہل زمانہ دل کی اصلاح اور غذا سے غفلت برتتے ہیں، اور ظاہری جسم اور آدمی کے خول کی آرائش وزیبائش میں مشغول ہیں۔

بعض لوگ جو غفلت کے دام سے نکل گئے ہیں وہ دل کے معاملہ میں دوسری قسم کی کوتاہیوں اور زیادتیوں کے مرتکب ہوتے ہیں، اور ان میں بعض خواص بھی بعض اوقات مبتلا ہو جاتے ہیں، مجھے مومن خاں کا یہ شعر اکثر یاد آتا ہے اور جی چاہتا ہے کہ لکھ کر وظیفہ کی کتاب میں رکھ لوں ؎

تغافل سے جو باز آیا جفا کی — تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

یہاں حضرت شیر میں رقم کے ایک خلیفہ مولانا ضیاء الدین صاحب تھے، تبلیغ کا اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص جذبہ اور ذوق عطا فرمایا تھا، ایک مرتبہ بچی بیمار تھی، ان کو تبلیغ کے لئے کسی گاؤں میں جانا تھا، گھر والوں سے کہہ گئے کہ اگر بچی کا انتقال ہو جائے تو اس کی تجہیز وتکفین کر دینا، جہاں جاتے تھے وہاں کی کوئی چیز استعمال نہیں کرتے تھے، ایک دفعہ مولوی عبد الرحمٰن صاحب ساتھ گئے تھے، انھوں نے گڑ اور دودھ خریدا، فرمایا تبلیغ ہو چکی! آپ جو گھر سے سوکھی باسی لائے تھے وہی کھاتے تو اثر ہوتا، اس زمانہ تک بھوپال میں یہ تبلیغی سلسلہ نظام الدین والا شروع نہیں ہوا تھا، وہ دیہاتوں اور گاؤں میں تشریف لے جاتے، لوگوں کو اسلام کی ابتدائی باتوں سے آشنا کرتے، اور نماز کا عادی بناتے، اسی مقصد سے انھوں نے بہت سے گاؤں میں جمعہ قائم کیا، ایک مرتبہ میں اتفاقاً ایک ایسے ہی گاؤں میں پہونچ گیا، لوگوں نے مجھ سے جمعہ کا مسئلہ دریافت کیا، میں نے کہا میں تو گاؤں میں جمعہ نہیں پڑھتا، وہ خاموش ہو گئے اس کی اطلاع مولانا ضیاء الدین صاحب کو ملی، جو لوگ کسی شیخ سے بیعت ہوتے ہیں پھر وہ کسی دوسرے سے رابطہ نہیں رکھتے، تھوڑے ہی اللہ کے بندے اس سے مستثنیٰ پائے، مولانا ایک دن چند دوستوں

---

[1] اور پھونکی میں نے اس میں اپنی روح۔

کو لے کر خانقاہ میں آئے اور کہنے لگے کہ میں نے بڑی مشکل سے فلاں گاؤں میں جمعہ قائم کیا تھا، مقصد یہ تھا کہ لوگ نماز کے عادی ہو جائیں اور اسلام سے ان کا تعلق قائم ہو جائے، آپکے تشریف لے جانے سے وہاں جمعہ بند ہو گیا اور میری محنت پر پانی پھر گیا یہ کہتے ہوئے ان کی آنکھیں آنسو بھر آئے، میں نے کہا کہ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی، میں اعتراف کرتا ہوں، فرمایا، یہاں اعتراف کرنے سے تو کام نہ چلیگا، وہاں چلنا پڑے گا، میں نے کہا کہ میں چلوں گا، میں ان کے ساتھ گاؤں گیا، وہاں لوگ جمع ہوئے ایک تخت پر تخت رکھا گیا اور منبر بنایا گیا، میں کھڑا ہوا اور میں نے ان لوگوں سے کہا کہ میری ایک بڑی بری عادت ہے کہ میں کتاب دیکھتا ہوں حاشیہ نہیں دیکھتا، میں نے جب تم سے یہ بات کہی تھی کہ گاؤں میں جمعہ درست نہیں ہے تو میں نے صرف کتاب دیکھی تھی، واپس جا کر جب حاشیہ دیکھا تو مجھے اپنی غلطی معلوم ہوئی۔ غرض اس طرح سے مولانا سے ربط بڑھا اور وہ مجھے کتابت سکھانے لگے، ایک دن ہم دونوں مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے مجھ اس نظر سے دیکھا کہ میں سمجھا کہ وہ تخلیہ چاہتے ہیں، اس وقت حضرت منشی حلیم الدین صاحب بیٹھے تھے میں نے کہا کہ آپ کچھ خیال نہ فرمائیے یہ ہمارے محرم ہیں، ان سے کوئی پردہ نہیں، انھوں نے فرمایا کہ چھپنے کی تو بات نہیں، تم سے کہتا ہوں کہ جب میں ذکر کرتا ہوں تو بواسیر کا مرض ابھر آتا ہے اور نہ وہ پکڑ لیتا ہے، میں نے عرض کیا کہ ایسے ہی ہونا چاہیئے، اس میں کوئی تعجب نہیں، یہ آپ کی تکلیف اسی ذکر کی وجہ سے ہے، ان کو بڑا تعجب ہوا، میں نے کہا کہ ذکر کی حقیقت ہی قلب کو جمود سے نکالنا، جب وہ جمود سے نکلتا ہے جب ہی سکون ملتا ہے" فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِمْ[عہ] اب ایک حال میں جمود، اور ایک منزل پر وقوف کیسے درست ہو سکتا ہے، ایک مدت تک ذکر کرایا جاتا ہے پھر چھڑا دیا جاتا ہے، مراقبات وغیرہ بتائے جاتے ہیں، جیسے بچوں کو پہلے کھلونے دئے جاتے ہیں، پھر لے لئے جاتے ہیں، اب اگر و اگر ہمیشہ ذکر ہی کرتا رہے اور اس پر اصرار کرے اور قناعت کر لے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی حاجی حج کے لئے جہاز میں سیٹ ریزرو کرالے پھر جب جدہ آئے تو سیٹ نہ چھوڑے کہ دام دئے ہیں اور بہت روپئے خرچ کئے ہیں، اس کا نتیجہ

عہ پس نازل فرمائی اللہ نے ان پر تسلی سکینت

کیا ہوگا؟ اس سے زبردستی سیٹ خالی کرائی جائے گی۔

مولانا ضیاء الدین صاحب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک دن مجھ سے کہنے لگے کہ میں نے شیر محمد قاسم صاحب مکی تمہارے پاس اپنی قبر تیار کرائی ہے، میں نے کہا کہ آپ نے بہت غلط کام کیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ"[1] آپ کو یقین ہے کہ آپ کا انتقال یہیں ہوگا، آپ نے مدینہ میں مرنے کی آرزو کیوں نہ کی؟ حضرت عمرؓ تو فرماتے تھے۔ "وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِکَ"[2] ایسے ہی تھا تو آپ مدینہ میں مرنے کی تمنا کرتے، کہنے لگے کہ ننھے میاں! آپ نے تو میرا منصوبہ ہی ختم کر دیا، میرے پیسے ضائع ہوئے، خدا کی شان تھوڑے عرصہ کے بعد ان کی طبیعت میں حرمین حاضری کا جوش پیدا ہوا، بے ساز و سامان چل کھڑے ہوئے، لڑکوں اور مخلصین نے کچھ سامان کر دیا، حج سے فارغ ہوئے تو مدینہ طیبہ کی طرف کوچ کر دیا، وہاں پہونچ کر دو ہی تین دن کے اندر انتقال کیا، اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

فرمایا، ذکر کی جگہ خلوت نہیں، جلوت ہے، جب جلوت میں ذکر کی مشق اور قوت پیدا ہو جاتی ہے، تو خلوت میں خود بخود ذکر ہونے لگتا ہے، لیکن اگر ساری مشق اور عادت خلوت میں ذکر کرنے کی ہے تو جلوت کے انتشار میں ذکر نہیں ہو سکتا، اس کی ایک بلیغ مثال بیان فرمائی، رام پور سے ایک صاحب آئے تھے وہ کسی زمانہ میں وہاں کے بڑے مشہور چور تھے، چوری کے لئے بڑی اونچی جست لگاتے تھے اور کوٹھوں پر پھاند جاتے تھے، ان سے پوچھا گیا کہ تم کو ایسی مشق کہاں سے ہوئی، کہنے لگے کہ ہم کو بچپن سے اس کی مشق کرائی جاتی ہے اس کا ایک خاص فن اور نظام ہے، ہم لوگوں کو جو کپڑے پہنائے جاتے ہیں وہ دوہرے اور دو تہ کے ہوتے ہیں پاجامہ بھی اسی طرح کا اور کرتہ اور صدری اور ٹوپی بھی اسی طرح کی، ہر کپڑے کے خول میں ریت بھری جاتی ہے، تولے، ماشے سے شروع کر کے سیروں تک اس کو پہونچایا جاتا ہے اور اسی میں تھوڑی تھوڑی ریت ڈال کر ہم سے جست کرائی جاتی ہے، یہاں تک

---

[1] اور کیا جانے کوئی جان کہ کس زمین پر اس کو موت آئے گی؟

[2] اے اللہ میری موت اپنے رسول کے شہر میں مقدر فرما۔

کر سیروں ریت بھر کر ہم جست کرنے لگتے ہیں بغیر ریت اور بوجھ کے ہمیں جست لگانے کی اجازت نہیں دی جاتی جب اس طرح بوجھ لے کر جست لگانے کی عادت پڑ جاتی ہے تو پھر خالی کپڑوں اور خالی بدن کے ساتھ جست لگانے میں ایسا ہلکا پن معلوم ہوتا ہے کہ اونچی سے اونچی جست لگا لیتے ہیں، بدن چڑیا کی طرح ہلک معلوم ہونے لگتا ہے، اسی طرح سے جو لوگ جلوت میں اور بازاروں اور ہنگاموں کے انتشار میں متوجہ الی اللہ اور "دست بکار دل بیار" رہنے کے عادی ہو جاتے ہیں ان سے خلوت میں غفلت ہونی مشکل ہوتی ہے اور ان کو تنہائی میں ذاکر اور متوجہ ہونے کے لئے کوئی تکلف اور اہتمام نہیں کرنا پڑتا۔

فرمایا کہ ایک شخص نے شریعت و طریقت کا فرق پوچھا، میں نے کہا شریعت میں اعضاء و جوارح کو آمادہ کرنا پڑتا ہے، طریقت میں اعضاء و جوارح آدمی کو آمادہ کرتے ہیں، مثال کے طور پر جس کو کھجلی ہوتی ہے تو وہ بالارادہ اور بلا ارادہ کھجاتا رہتا ہے۔ شوق و محبت کے بغیر کام نہیں چلتا شوق و محبت کی حالت میں محنت محنت، اور بوجھ بوجھ نہیں معلوم ہوتا، اللہ تعالیٰ نے جانوروں میں بھی شوق و محبت کی چنگاری رکھی ہے، دیکھیے اونٹ بھی حدی سے متاثر ہوتا ہے اور جب وہ حدی سے مست ہوتا ہے تو اس کو شعف اور سواریوں کا بوجھ معلوم نہیں ہوتا، مدینہ کی حاضری کے لئے کچھ دیوانگی کی بھی ضرورت ہے اگر سیانا گیا تو فائدہ نہ اٹھایا۔

فرمایا میں نے تو سترہ برس حیدر آباد میں جوار کی روٹی کھا کر بسر کی، اگر مجھ میں یہ درد و سوز پیدا ہوا تو تعجب نہیں لیکن محمد سعید[1] پر مجھے تعجب آتا ہے کہ وہ نہ کہیں گئے، نہ آئے اور نہ یہ محنت کی، ان میں یہ محبت و جذبہ کیسے پیدا ہو گیا! اس پر آپ نے ان کا ایک نعتیہ قصیدہ جو علیحدہ سے چھپ گیا ہے، بڑے جوش و رقت کے ساتھ سنانا شروع کیا جب اس شعر پر پہونچے ؂

سراپا ظلمت و عصیاں ہوں کیسر جرم و کوتاہی
یہ ہو سرمایۂ اصلی، اور اس پہ شوق مدحت کا

فرمایا کہ مجھے یہ طرز پسند نہیں جو بعض شعراء نے اختیار کیا ہے کہ ہم نے درود بہت پڑھا

---

[1] مولوی محمد سعید صاحب سلمہٗ فرزند حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب

ہے یا ہم نے فلاں عمل کیا ہے، اس لئے ہمیں کچھ استحقاق پیدا ہو گیا ہے، یہ تو ایسی بات ہے جیسے کوئی کہے کہ میں نے آپ کو عید کارڈ بھیجا، آپ مجھے سوئیاں بھیجئے، یہاں تو سرمایۂ اصلی یہی عجز و کوتاہی ہے۔

فرمایا اس قصیدہ کے لکھنے کے کچھ ہی عرصہ بعد بلا سان و گمان ایک صاحب کا خط آیا کہ میں نے محمد سعید کے لئے ہوائی جہاز پر سیٹ ریزرو کرا لی ہے، اور اس طرح سے وہ بغیر کسی ساز و سامان کے حج و زیارت کو چلے گئے۔

فرمایا موت کے وقت شوق کی ضرورت ہے، اگر زندگی میں اللہ سے اور عالمِ آخرت سے انس نہ ہوا تو کچھ نہ ہوا محض عقلی دلائل، معلومات و مطالعہ کام نہ آئے گا، اندرونی چیز درکار ہے، اصلی چیز نقلی پر غالب آتی ہے، فطری علم کسبی پر غالب رہتا ہے، طوطے کو رسوں حق اللہ حق اللہ سکھایا جب بلی نے گلا دبایا تو ٹیں ٹیں نکلنے لگی، جب ملک الموت نے گلا دبایا تو اوپر کا ذکر غائب ہو گیا اور اندر کی چیزیں ابھر آئیں، اعضا و جوارح اگر حقیقت و روح سے خالی ہیں تو مضغۂ گوشت، دواؤں کے اندر کی بجلیاں مطلوب ہیں، نہ کہ ان کے جسم، مری اور سوکھی دواؤں سے مطلوب حاصل نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ"[1] یہ نسخہ بتا دیا کہ غفلت کو دور کرو، پھر پیر کی ضرورت نہیں، قرآن خود پیر بن جاتا ہے۔

فرمایا، میں سورۂ توبہ کی اس آیت "قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ الآية"[2] پر بہت دن غور کرتا رہا، علماء سے بھی استفسار کیا کہ ان محبوبات طبعیہ کی محبت کیسے جا سکتی ہے، کچھ تسلی نہ ہوئی، آخر عقدہ حل ہو گیا، دیکھئے ایک آدمی

---

[1] ان مشرکوں کے دل ہیں مگر ان سے سمجھ کا کام نہیں لیتے، ان کی آنکھیں ہیں مگر ان سے نہیں دیکھتے، ان کے کان ہیں مگر ان کے ذریعے نہیں سنتے، یہ چوپایوں کی مانند بلکہ ان سے بھی گمراہ تر ہیں، یہی ہیں جو اصل غافل ہیں۔

[2] اس آیت میں باپ بیٹوں بھائیوں اور دیگر محبوبات و مرغوبات پر اللہ رسول اور دین کو ترجیح دینے کا مطالبہ کیا گیا ہو۔

اپنے بچوں اور گھر والوں کو بھوکا چھوڑ کر باہر نکلا ہو، ایک ایک پیسہ اس کو اشرفی معلوم ہوتا ہے اس کے ہاتھ میں کوئی دس روپیہ رکھ دے اس کی آنکھیں کھلی رہ جائیں گی اس کو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا کوئی خزانہ اس کے ہاتھ لگ گیا، وہ مٹھی بند کر لے گا اتنے میں ایک شخص ایک اشرفی اس کو دکھاتا ہے وہ دس روپیہ پھینک دے گا اور اشرفی لے لے گا اس لئے کہ اشرفی کے سامنے روپے بے حقیقت ہو گئے، روپے اشرفیوں ہی کے بچے ہیں ان ہی سے روپے بنتے ہیں، جب سانچہ مل گیا تو مصنوعات کی کیا قیمت، کوئی کمہار کا بنایا ہوا ایک پیالہ توڑ دے اس کو کیا پروا، اس کا چاک سلامت رہے ہزار پیالے بنالے گا، دنیا میں جو کچھ ہے یہ سب اعیانِ ثابتہ کی صورِ علمیہ ہیں، اعیانِ ثابتہ اگر سلامت ہیں تو صورِ علمیہ کا کچھ غم نہیں، اسی طرح سے اگر محبوب حقیقی اور خالق ابدی کسی کو مل جائے تو اس کے فانی مخلوقات (آباء و ابناء اور افراد خاندان، دنیوی منافع وغیرہ کی کیا قیمت ہے[1]

فرمایا، شیخ اکبر نے کہیں لکھا ہے کہ سب راستے خدا تک پہنچتے ہیں، بعض لوگوں کو اس میں بڑا اشکال ہوا کہ یہ تو وحدت ادیان اور ہمہ اوست کی قسم کی چیز ہے، اس لئے کہ قرآن مجید میں آتا ہے "اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ"[2] لیکن میرے نزدیک اس میں کوئی اشکال نہیں، کسی آواز دینے والے نے آواز دی کہ یہاں آؤ، اب سب طرف سے لوگ دوڑے لیکن راستے غلط اور صحیح ہر طرح کے ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی کانٹوں میں پھنس گیا کوئی گڑھے میں گر گیا، کوئی سیدھے راستے سے پہونچ گیا، اس میں آواز دینے والے، اور آواز کا کوئی قصور نہیں، ایک ہندو نے کہا میں اگر پوجا نہ کروں تو میری طبیعت خراب رہتی ہے، عبادت تو فطری تقاضا ہے "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ"[3] البتہ اس تقاضہ کا صحیح جگہ پر استعمال کرنا اپنا فرض ہے۔

---

[1] ایک اردو شاعر (درد؟) نے اس مضمون کو اس شعر میں خوب بیان کیا ہے

گلہ نہیں جو گریزاں ہیں چند پیمانے نگاہِ یار سلامت ہزار میخانے

[2] میرا رب تو صراط مستقیم پر ہے۔

[3] اور نہیں پیدا کیا ہے میں نے جنوں اور انسانوں کو مگر اس لئے کہ میری عبادت کریں۔

فرمایا" تقیدات اور پابندیاں ضروری ہیں" لامذہب ملحد کمیونسٹ سب تقیدات اختیار کرتے ہیں، لیکن آزادی کا دم بھرتے ہیں، ایک چیز بڑے شوق سے کھاتے ہیں لیکن اس کے کسی خاص نام سے چڑتے ہیں، ایک مرتبہ کچھ بچے جمع تھے، کسی نے کہا میں فلاں چیز سے چڑتا ہوں، ایک بچے نے کہا میں تریوں سے چڑتا ہوں، اور وہ کبھی نہیں کھاتا، ایک مرتبہ تریوں کا سالن رکھا گیا کسی نے کہا یہ تریاں ہیں وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ میں تریاں نہیں کھاتا، ماں نے پیچھے سے آکر کمر پر ہاتھ رکھا اور کہا بیٹا یہ تریاں نہیں، ترتیاں ہیں بس بیٹھ گیا اور کہا میں تریاں نہیں کھاتا تاریاں کھاتا ہوں، اسی طرح سے بہت سے لوگ قیدوں کے نام سے تریاں کھا رہے ہیں، آزادی کے نام سے پابندی کی زندگی گزار رہے ہیں اور بہت خوش ہیں کہ ہم آزاد ہیں۔

فرمایا کہ ایک صاحب آئے اور بالکل آخر میں بیٹھ گئے، سب لوگ اٹھ کر چلے گئے وہ بیٹھے رہے، میں نے پوچھا کہ آپ کا کچھ کام ہے کہنے لگے کہ میں آپ کی ایک زمین کے سلسلہ میں گفتگو کرنے آیا تھا، میں نے کہا زمین کی بات زمین والوں (متعلقین) سے پوچھئے، میں زمین کی طرف نہیں دیکھتا آسمان کی طرف دیکھتا ہوں، زمین کی طرف نظر کرنے اور آسمان کی طرف دیکھنے کی میری عادت بچپن سے ہے، ہمشیرہ نے مجھے اس پر مارا بھی ہے، بچپن میں فلاں صاحب کی کوٹھی میں جاتا تھا، ہمشیرہ نے تاکید کی کہ اوپر نہ دیکھنا، میں نے دیکھا کہ چھجے کے اوپر دھوک لگی ہوئی ہے، گھر آکر یہی بیان کیا تو ہمشیرہ بڑی ناراض ہوئیں اور امتحاناً پوچھا کہ چارپائی کاہے کی بنی ہوئی تھی، میں نے کہا بان کی، منجھلے بھائی ناراض ہوئے اور کہا کہ غلط کہتا ہے نواڑ کی بنی ہوئی تھی، زمین کی باتیں زمین والوں سے پوچھو میں تو آسمان کی طرف دیکھتا ہوں، اللہ مجھے وہیں سے فیض دے اب تو میری عمر اسی سے متجاوز ہوگئی ہے، میری جڑیں زمین سے کٹ رہی ہیں تو اور بھی آسمان کی طرف نظر ہونی چاہیئے وہیں کی کھیتی کی فکر ہونی چاہیئے۔

دینی حقائق و مسائل کے بارہ میں

شاہ ولی اللہ کا مخصوص طرزِ فکر

(حجۃ اللہ البالغہ کے مقدمہ کی تلخیص)

تیسری قسط

[شاہ صاحب نے "حجۃ اللہ البالغہ" کے مقدمہ میں شرعی احکام اور اُن کے حِکَم و مصالح کے بارہ میں وہ بحث فرمانے کے بعد جو اس سے پہلے دو قسطوں میں الفرقان کے ناظرین کی جا چکی ہے، دینی حقائق و مسائل کے بارہ میں اپنے مخصوص طرزِ فکر اور خاص مسلک کی وضاحت فرمائی ہے، ذیل میں اسی کو تلخیص اور تسہیل کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے — فرماتے ہیں]

میں اس کتاب میں دینی حقائق کے بارہ میں جب اپنے غور و فکر کے نتائج بیان کروں گا تو بالذات میں ایسی بہت سی باتیں بھی کہوں گا جو جمہور متکلمین اور عام علماء نے صراحتہً نہیں کہی ہیں، مثلاً عالمِ مثال کا اثبات، اور آخرت کے مختلف مقامات و منازل میں مختلف شکلوں اور صورتوں میں تجلیٔ الٰہی کا بیان وغیرہ وغیرہ — پس ان خاص تحقیقات کی وجہ سے کوئی مجھ پر یہ الزام نہ لگائے کہ میں اہلِ سنت کے معلوم مسلک اور سلف کے معروف طریقہ سے خروج کر رہا ہوں — میں نے جو بات کہی ہے اس وقت کہی ہے جبکہ آیات و احادیث اور صحابہ و تابعین کے اشارات سے مجھے اس کی واضح تائید ملی ہے اور اہلِ سنت کے ان خواص اکابر کے کلام میں میں نے اس کی سند اور بنیاد پائی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے علمِ لدنی کی نعمتِ عظمیٰ سے سرفراز فرمایا ہے۔

"اہل السنہ" کی وضاحت | یہاں اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ طریقۂ سنت جس کی پیروی کرنے

والوں کو "اہل السنۃ" کہا جاتا ہے کسی مخصوص کلامی مسلک کا نام نہیں ہے، جیسا کہ بہت سے لوگوں کو غلط فہمی ہے، بلکہ وہ ایک اصولی طرزِ فکر ہے ـــ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو دینی حقائق "ضروریاتِ دین" کی فہرست میں شامل ہیں، جن کا ماننا ایمان و اسلام کی شرط ہے ان کے بارہ میں تو مسلمانوں کے سارے فرقے متفق ہیں، اور جو ان کو تسلیم نہ کرے وہ مسلمان نہیں ہے، تو ان "ضروریاتِ دین" کے علاوہ اور ان کے بعد کے درجہ کے جو باقی مسائل ہیں ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

ایک قسم ان مسائل کی ہے جن کے بارہ میں قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ ناطق ہیں اور معلوم ہے کہ سلفِ امت یعنی صحابہ و تابعین ان آیات و احادیث کو اپنے ظاہر پر محمول کرتے ہوئے اسی طرح ان کے قائل رہے ہیں، اور انھوں نے کبھی اس کے سوچنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی کہ عقل ان مسائل کے بارہ میں کیا کہتی ہے۔ اگر ان میں سے کسی نے کبھی ان مسائل کے مطابقِ عقل و فطرت ہونے کے بارہ میں کلام بھی کیا اور عقلی دلائل پیش کئے تو اس لئے نہیں کہ انھوں نے ان مسائل میں عقل کو سند اور معیار مان لیا بلکہ صرف ان لوگوں پر حجت قائم کرنے یا ان کے قلوب میں اطمینان پیدا کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا جو بیچارے نورِ ایمان کی کمی کی وجہ سے صرف عقلی دلائل ہی سے قائل اور مطمئن ہو سکتے تھے ـــ اس قسم کے مسائل کی مثال میں قبر میں منکرین کے سوال، آخرت میں وزنِ اعمال، پل صراط سے گزرنے، رؤیتِ باری تعالیٰ اور کراماتِ اولیاء کا نام لیا جا سکتا ہے۔ یہ سب وہ مسائل ہیں جو ظاہرِ قرآن و حدیث سے ثابت ہیں اور سلفِ صالحین صحابہ و تابعین نے بغیر کسی تاویل اور ہیر پھیر کے ان کو اسی طرح اپنے عقیدہ کا جزو بنایا ـــ لیکن بعد میں آنے والے بعض طبقوں نے اپنے زیغ قلبی، نورِ یقین سے محرومی اور عقلوں کی نارسائی کی وجہ سے ان حقائق کو خلافِ عقل سمجھا اس لئے انھوں نے ان کو اس طرح ماننے سے انکار کیا اور ان میں طرح طرح کی دور از کار تاویلیں کیں ـــ پس جن لوگوں نے اس قسم کے مسائل میں صحابہ و تابعین والا مسلک اختیار کیا ان کو اصطلاح میں "اہل السنۃ" کہا جاتا ہے اور جو دوسرے راستے پر چلے وہ "اہل السنۃ" کے زمرہ سے خارج سمجھے جاتے ہیں۔

الغرض کسی شخص کے "اہل السنۃ" یا "خارج از اہل السنۃ" ہونے کا دارومدار دراصل اسی قسم کے مسائل میں مذکورہ بالا دو راہوں میں سے کسی ایک راہ کے اختیار کرنے پر ہے۔

ان کے علاوہ جو مسائل ہیں جن کے بارہ میں کتاب و سنت میں کوئی واضح بیان موجود نہیں ہے

اور صحابہ کرام سے بھی کوئی کلام اور کوئی فیصلہ ان کے بارہ میں منقول نہیں ہے اور ان کے متعلق غور و بحث کا سلسلہ بعد ہی کے دور میں شروع ہوا ہے تو ان مسائل کے بارہ میں گنجائش ہے کہ اپنی تحقیق اور فکر و فہم کے مطابق کسی ایک رخ کو ترجیح دی جائے، ان مسائل کے کسی ایک پہلو کے بارہ میں نہیں کہا جا سکتا کہ یہ "اہل السنہ" کا مسلک ہی ہے اور اس سے اختلاف کرنا مسلک اہل السنہ سے خروج ہے کیونکہ ان مسائل کی اصل نوعیت یہ ہے کہ صحابہ اور اکابر تابعین نے ان کے بارہ میں بحث ہی نہیں کی اس لیے ان کے بارہ میں کسی ایک متعین مسلک کو اختیار کرنا اہل السنہ ہونے کی شرط قرار نہیں دیا جا سکتا۔

مندرجہ ذیل مسائل جن کا ذکر متکلمین عام طور پر اپنی کتابوں میں کرتے ہیں اسی قبیل سے ہیں۔

(۱) ملائکہ کے مقابلہ میں انبیاء علیہم السلام کی فضیلت۔

(۲) حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے مقابلہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت۔

(۳) مسائل امور عامہ۔

(۴) جواہر و اعراض سے متعلق مباحث و مسائل۔

(۵) جس ہیولیٰ کا فلاسفہ اثبات کرتے ہیں اس کا ابطال۔

(۶) جزء لا یتجزیٰ کا اثبات۔

(۷) اسباب و مسببات کے درمیان لزوم عقلی کا انکار۔

(۸) اعادۂ معدوم کے ممکن ہونے کا اثبات۔

(۹) صفات باری تعالیٰ حیاتؔ، قدرتؔ، ارادہ، علم، سمعؔ، بصرؔ، کلام وغیرہ کے بارہ میں بحث کہ یہ عین ہیں یا غیر اور اسی طرح صفات سے متعلق دوسرے مباحث جن سے کتب کلام کے اوراق بھرے ہوئے ہیں۔

(۱۰) کتاب و سنت میں اللہ تعالیٰ کے لئے وجہ، ضحک اور استواء علی العرش کی جو تعبیرات آئی ہیں ان کے بارہ میں یہ بحث کہ ان الفاظ سے ایسے معانی مراد لئے جائیں جو اللہ تعالیٰ کی بے چون و چگون اور وراء الوراء شان کے مناسب ہوں یا یہ کہا جائے کہ ہم ان الفاظ پر ان کے ظاہری معنی کے ساتھ ایمان لائے لیکن ہم ان کی حقیقت اور کیفیت نہیں جانتے۔

یہ سب مسائل اسی قسم کے ہیں کہ ان کے بارہ میں کتاب و سنت میں کوئی واضح بیان موجود

نہیں ہے اور سلف صالحین یعنی صحابہ و تابعین نے ان مباحث کے بارہ میں گفتگو ہی نہیں کی اور اپنے غور و فکر کا ان کو موضوع ہی نہیں بنایا، بلکہ ان پر غور و بحث کا سلسلہ بعد کے دور میں شروع ہوا۔ اس لئے ان جیسے مسائل میں کسی ایک مسلک کا اختیار کرنا ہرگز "اہل السنہ" ہونے کی شرط نہیں قرار دیا جا سکتا۔ بعد بالکل ضروری نہیں کہ ان مسائل کے بارہ میں جو کچھ کتب کلام میں لکھا گیا ہے اس کو اسی طرح تسلیم کیا جائے۔

الغرض جو مسائل قسم اول کے نہیں ہیں ان میں اختلاف رائے کی پوری گنجائش ہے، اسی لئے ایسے مسائل کے بارہ میں خود اہل السنہ کے مختلف گروہوں کی رائیں باہم مختلف ہیں، ہر باخبر جانتا ہے کہ اشاعرہ اور ماتریدیہ میں کتنے اختلافات ہیں حالانکہ یہ دونوں اہل السنہ ہی کی شاخیں ہیں! اسی لئے ہر دور میں ایسے محققین نظر آتے ہیں جنھوں نے ضروری نہیں سمجھا کہ بس وہی کہیں جو ان سے پہلے کہہ چکے ہیں بلکہ انھوں نے اپنے غور و فکر کے نتیجہ میں بہت سی ایسی باتیں بھی کہیں جو اگلوں نے نہیں کہیں، ہاں یہ شرط ہے کہ کوئی بات کتاب و سنت کے خلاف نہ ہو۔

[اس مبسوط تمہید کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں]

میں نے اس کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" کی تصنیف کے سلسلہ میں (جس کا اصل موضوع شریعت محمدی اور احادیث نبوی کے اسرار کا بیان ہے) یہ طے کیا ہے کہ میں مختلف مذاہب و مسالک میں سے کسی ایک کا اپنے کو پابند نہیں کروں گا بلکہ اپنے کو اصل شاہراہ سے وابستہ رکھوں گا۔ اور چونکہ اس کتاب میں میرا اصل مقصد اور مطمح نظر یہی ہے کہ ارشادات نبوی اور احکام شریعت کے اسرار و حِکَم کی وضاحت کروں اس لئے میں اس میں حدیثی اور فقہی مباحث پر مستقلاً کلام نہیں کروں گا۔ اگر کہیں ان موضوعات پر کلام ہوگا تو محض ضمنی طور پر اور موقع کی ضرورت کے تقاضے سے ہوگا اور اس میں مجھے جو اقرب الی الحق اور قابل ترجیح نظر آئے گا میں اس کو ترجیح دوں گا، اور یہ کوئی نئی نرالی بات نہ ہوگی بلکہ وارثین علم نبوت کا قدیم سے یہی شیوہ رہا ہے اور اس کا مقصد کسی کو مطعون کرنا ہرگز نہ ہوگا "اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۔"

آخر میں صفائی کے ساتھ میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میں ہر اس بات اور ہر اس خیال سے بری و بیزار ہوں جو کتاب اللہ کی کسی آیت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ثابتہ یا قرون

(باقی بر صفحہ)

کیا اخلاقی قدریں اضافی ہیں

(از وحید الدین خاں صاحب)

"اخلاقیات کا کوئی ایک ہی مستقل معیار نہیں ہو سکتا، اخلاق کو حالات کے تابع ہونا چاہیئے" یہ موجودہ زمانے کا عام رجحان ہو' اس نظریے کے حق میں بہت سے دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔ یہاں میں ایک دلیل کا تجزیہ کرنا چاہتا ہوں۔ یہ دلیل آبادی کے مسئلہ سے اخذ کی گئی ہے اور علمائے جدید کے نزدیک، ریاضیاتی قطعیت کی حد تک صحیح ہے۔

"دنیا کی آبادی میں اضافہ کی اوسط شرح" ایک امریکن مصنف لکھتا ہے "ایک انتہائی معتدل اندازہ کے مطابق سالانہ ۱٫۶ فیصدی ہے اور اگلے چالیس برس تک یہ سالانہ ۲ فیصدی ہو جائے گی۔ اس کا مطلب ہے تقریباً چالیس برس کے اندر دنیا کی آبادی میں دگنا اضافہ۔ موجودہ صدی کو اگر انفجار آبادی کا دور (Age of Population Explosion) کہا گیا ہو تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے' انسانی آبادی اپنی پوری تاریخ میں کبھی اس شرح سے نہیں بڑھی ہو اور یہ واضح ہے کہ اضافہ کی یہ شرح بہت زیادہ دیر تک باقی نہیں رہ سکتی' آبادی میں اضافہ کی موجودہ شرح کے اعتبار سے صرف تین سو سال میں ایسا ہوگا کہ پورے پورے براعظم ایک مسلسل شہر کی شکل اختیار کرلیں گے' صرف سات آٹھ سو برس میں یہ نوبت آجائے گی کہ روئے زمین کے اوپر ہمارے لئے صرف کھڑے ہونے کی جگہ باقی رہے گی' اگر کوئی یہ سوچتا ہو کہ انسانوں کو بیرونی خلا میں بھیج کر یہ مسئلہ حل کرلیا جائے گا، تو اس کو جاننا چاہیئے کہ اضافۂ آبادی کی موجودہ شرح سے صرف آٹھ ہزار برس میں ایسا

ہوگا کہ پورا عالم افلاک (ASTRONOMICAL UNIVERSE) جس کا قطر دو بلین سال نور (LIGHT YEARS) ہے وہ مکمل طور پر انسانیت سے بھر جائے گا" صفحات ۲۵ - ۱۲۴

"اس لئے انسان ایک ایسے مسئلہ سے دوچار ہے جو سر تا سر حسابی اصطلاح میں (IN TERMS OF SHEER ARITHMETIC) ایک ہولناک مسئلہ (HIDEOUS PROBLEM) ہے۔ یہ ایک ایسا حساب ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا خواہ ہم تمام لوگ مل کر اس کا انکار کرنے کی کوشش کریں۔ حساب بالکل سادہ طور پر یہ ہے۔ اضافہ کی کوئی بھی مثبت شرح، بالآخر ایک انسانی آبادی کو ناقابل قبول مقدار تک پہونچا دیتی ہے۔ اس کی کوئی اہمیت نہیں کہ اضافہ کی شرح کتنی کم ہے۔ بہرحال یہی نتیجہ ظاہر ہوگا۔ الا یہ کہ آبادی کے ناقابل مقدار حد تک پہونچنے سے پہلے اضافہ کی شرح گر کر صفر کے درجہ تک آجائے۔ اقتصادیات میں ایک مشہور کلیہ ہے جس کو میں بدقسمت کلیہ (DISMAL THEOREM) کہتا ہوں۔ یہ کلیہ بتاتا ہے کہ اگر فاقہ (STARVATION) اور مسکینی (MISERY) ہی وہ واحد چیزیں ہیں جو اضافۂ آبادی کو روک سکتی ہو تو آبادی بڑھتی ہی رہے گی۔ الا یہ کہ آبادی اس خاص حد تک مسکین اور فاقہ زدہ ہو جائے جو اس کے اضافہ کو روک سکتا ہے۔ یہاں ایک اور اس سے بھی زیادہ برا کلیہ ہے جس کو میں مکمل قسم کا بدقسمت کلیہ کہتا ہوں یہ دوسرا کلیہ کہتا ہے کہ اگر واحد چیز جو آبادی میں اضافہ کو روک سکتی ہے وہ فاقہ اور مسکینی ہے تو کسی بھی ٹکنکل ترقی کا آخری انجام یہی ہے کہ عوام کی ایک بڑی تعداد کو پہلے سے زیادہ مسکنت میں زندگی گزارنے کے قابل بنا دے اور اس طرح مجموعی طور پر انسانیت کے افلاس کو بڑھائے۔ یہ کلیات بلاشبہ کسی خوش گوار شکل میں بھی دوبارہ بیان کئے جا سکتے ہیں ____ یہ کہ اگر فاقہ اور مسکینی کے علاوہ کوئی چیز ہو جو آبادی کے ناقابل قبول مقدار تک پہنچنے سے پہلے اس کے اضافہ کو روک سکے تو آبادی اس حد تک بڑھنے ہی نہیں پائے گی کہ وہ مسکینی اور فاقہ زدگی میں مبتلا ہو۔ ان کلیات کی خوش گوار صورتیں عقل اور شعوری کوشش (CONSCIOUS EFFORT) اور سماجی تنظیم چاہتی ہیں۔ ان کی عدم موجودگی میں "بدقسمت کلیہ" ہی ان کا جانشین رہے گا۔

ان کلیات سے خوش ہونے کے لئے ہمیں ایک اور حسابی معاملہ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ وہ یہ ہے کہ ایک متوازن آبادی میں پیدائش کی شرح اور موت کی شرح کو صرف برابر ہی نہیں ہونا

چاہیئے بلکہ ان کو موت کی اوسط عمر کے متکافی (RECIPROCAL) کے برابر ہونا چاہیئے یا دوسری شکل میں پیدائش کے وقت زندگی کی اوسط توقع کے برابر۔ اگر موت کے وقت کی اوسط عمر ۲۰ سال ہے، تب پیدائش کی شرح اور موت کی شرح ایک متوازن آبادی میں ہزار پیچاس ہوگی۔ اگر موت کی اوسط عمر ستر ہے، جیسا کہ ایک ترقی یافتہ سماج میں متوقع ہو۔ تب پیدائش کی شرح اور موت کی شرح چودہ سے زائد نہیں ہو سکتی، اگر برتھ کنٹرول رائج نہ ہو — جس کا مطلب ہے پیدائش کی تعداد کو بارآوری (FECUNDITY) کی فطری حد سے نیچے رکھنا۔ تب مرگ کنٹرول (DEATH CONTROL) کی نوبت نہیں آئے گی۔ اگر پیدائش کی شرح کو فطری بارآوری (NATURAL FECUNDITY) کی حد تک بڑھنے دیا جائے، جو کہ ہزار میں چالیس اور پینتالیس کے درمیان ہے تو موت کی شرح بھی بالآخر اسی سطح تک آجائے گی۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ موت کی اوسط عمر صرف ۲۵ سال یا اس سے بھی کم ہو جائے گی۔ یہ بلاشبہ جدید تہذیب کی ایک امتیازی کیفیت ہے۔ اگر ہم مرگ کنٹرول سے بچنا چاہتے ہیں اور اگر ہم موت کی اوسط عمر کو ستر تک لے جانا چاہتے ہیں، تب ہم کو پیدائش پر حد بندی (LIMITATION OF BIRTH) کا سامنا کرنا چاہیئے۔ ۱۲۶ - ۲۸

اس کے بعد مصنف لکھتا ہے،

"کوئی اخلاقی اصول جو اس کے سوا تعلیم دیتا ہو وہ باطل اخلاقیات (FALSE MORALITY) ہے۔ کیونکہ کوئی ایسا نظام اخلاق سچا نہیں ہو سکتا جو سرتاسر ایک حسابی حقیقت کا انکار کرنے کی کوشش کرے"۔ ۱۲۸

NO MORALITY CAN BE TRUE WICH ATTEMPTS TO DENYTH THE SHEER FACT OF ARITHMETIC.

اس مثال میں ایک "حسابی حقیقت" اس ثبوت میں پیش کی گئی ہے کہ مذہب کا یہ

---

[1] THE MEANING OF THE TWENTIETH CENTURY, BY KENNETH E. BOULDING HARPER & ROW N.Y. 1964.

دعویٰ کہ "اخلاقی اصول ناقابلِ تغیر ہیں" ایک بے بنیاد من گھڑت ہے کیونکہ واقعات ثابت کرتے ہیں کہ ایک اخلاقی اصول جس کو کبھی ناقابلِ تغیر سمجھا گیا تھا، وہ حالات کی تبدیلی سے قابلِ تغیر ہو گیا۔

اب ذرا تجزیہ کر کے دیکھئے کہ اس مبینہ واقعہ کی حقیقت کیا ہے۔ دعویٰ یہ ہے کہ "اخلاق حالات کے تابع ہوتا ہے" اور دلیل یہ ہے کہ پیدائش کا نظام پچھلے زمانہ میں جس سادہ ڈھنگ پر تھا، اس کے تحت زندگی کے احترام کا ایک اخلاقی معیار پیدا ہوا۔ مگر اب پیدائش کا نظام بدل گیا ہے، اس لئے زندگی کے بارے میں ہمارے اخلاقی معیار کو بھی بدل جانا چاہئے۔ نظامِ پیدائش کی یہ تبدیلی کیا ہے۔ وہ تبدیلی یہ ہے کہ پہلے بیماری اور وبائیں زندگی اور اسباب زندگی کے درمیان توازن قائم رکھتی تھیں۔ اب طب کی ترقی کے بعد توازن قائم رکھنے کا یہ عامل ختم ہو گیا ہے۔ کیونکہ اب بیشتر زندگیاں پیدائش کے بعد موت کے منہ میں جانے سے بچالی جاتی ہیں۔ مصنف لکھتے ہیں:

"لیریا کا خاتمہ اس معاملے میں بنیادی عامل نظر آتا ہے۔ اگرچہ یہ واحد عامل نہیں ہے ...... اس سے زیادہ المناک ستم ظریفی نہیں ہو سکتی کہ عوام کی صحت میں ایک اچانک ترقی، خاص طور پر بچوں کی صحت میں ترقی ایک سانحہ (DISASTER) بن جائے۔" ۱۲۲

یہ استدلال جو بار بار پیش کیا جاتا ہے، اس کی بنیاد پیدائش اور موت کے اعداد و شمار (DEMOGRAPHY) پر ہے۔ پہلی بات یہ کہ کیا ڈیموگریفی کو اس قسم کے معاملات میں کسی قطعی علم کا ذریعہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس معاملہ میں ڈیموگریفی جو کچھ ہمیں بتاتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ ایک خاص تعداد رکھنے والے گروہ کے اندر کسی خاص مدت میں کس تعداد میں لوگ مرے یا پیدا ہوئے۔ مگر جیسا کہ معلوم ہے یہ تناسب جو ایک خاص مجموعہ کی سطح پر صحیح معلوم ہوتا ہے، اس وقت غلط ہو جاتا ہے جب اس میں جغرافی یا زمانی تبدیلی پیدا ہو جائے۔ پھر یہ کہ مجموعی آبادی کے مطالعہ سے جو نتائج اخذ کئے گئے ہیں، وہ افراد اور خاندانوں پر بہت کم صحیح اترتے ہیں۔ مثلاً نظامِ پیدائش بطور عامل کی حیثیت رکھتا ہے، مگر مجموعی مطالعہ کے ڈھانچہ میں وہ اپنی حیثیت کھو دیتا ہے۔ مشکل ہی سے کسی سماج میں ایسے افراد مل سکتے ہیں، جن کا انفرادی مطالعہ، ان کے مجموعی مطالعہ کے

نتائج سے کلی مطابقت رکھتا ہو۔

ڈیموگریفی کا یہ خلا اس کے مطالعہ کی سائنٹفک قدر کو کم کر دیتا ہے کیونکہ سائنسی مطالعہ کے نتائج اپنی نوعیت کے ہر کیس پر یکساں طور پر چسپاں ہوتے ہیں، ان میں ذرہ برابر کوئی فرق نہیں ہوتا۔ مثلاً روشنی کی جو رفتار معلوم کی گئی ہے وہ ہر ستارہ کی روشنی کی رفتار ہے اور وہ ہر دور میں اور ہر مقام پر ایک ہی رفتار سے سفر کرتی ہے اس میں اس قسم کے فرق سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔ جبکہ ڈیموگریفی کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔

مزید یہ کہ ڈیموگریفی اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے کہ اضافہ آبادی کا تعلق لازمی طور پر طبی سائنس میں ترقی سے ہے۔ ڈیموگریفی جس طرح یہ بتاتی ہے کہ حالیہ برسوں میں اموات کی شرح گھٹی ہے، اسی طرح وہ یہ بھی بتاتی ہے کہ اس مدت میں پیدائش کی شرح بڑھی ہے۔ پیدائش کی شرح میں اضافہ اس مفہوم میں نہیں ہے کہ جب موت کی شرح گھٹے گی تو زندگی کی شرح خود بخود بڑھ جائے گی۔ بلکہ پیدائش کی شرح میں اضافہ مطلق نوعیت کا ہے یعنی وہ اس سے زیادہ ہے جتنا موت کی شرح میں موجودہ کمی سے پیدا ہو سکتا ہو۔ اب اگر میڈیکل سائنس کی ترقی کو اموات میں کمی کا ذمہ دار قرار دیا جائے تو وہ کون سی سائنس ہے جس نے پیدائش کی شرح میں اضافہ پیدا کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جن فطری عوامل نے پیدائش کی شرح میں اضافہ کیا ہے، زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ اموات کی شرح میں کمی کو بھی ہم انھیں فطری عوامل کی طرف منسوب کریں۔

زیادہ وسیع نقطہ نظر سے صورت حال کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ آبادی میں اضافہ عین اس زمانہ میں ہوا ہے جبکہ علوم فطرت پر انسان کی دسترس میں اضافہ ہوا ہے۔ آبادی قدیم ترین دور سے ایک حد پر چلی آ رہی تھی۔ مگر حالیہ صدیوں میں پیدائش کی رفتار اچانک بڑھ گئی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اس دنیا میں جن لوگوں کو زندگی کا موقع ملنا تھا، ان کو تیزی سے وجود میں لانے کے لئے شاید نظام عالم کو اس وقت کا انتظار تھا جب زندگی کے ذرائع و وسائل پیدا ہو چکے ہوں۔ چنانچہ سائنس کی ترقیوں نے جیسے ہی ان امکانات میں اضافہ کیا، دنیا میں انسانوں کی آمد بڑھ گئی۔ اس اعتبار سے اس اضافہ پر گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ان نئے امکانات کو استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کا بہترین مصرف یہی ہو کہ وہ بڑھتی

ہوئی انسانی آبادی کو زندگی کی ان نعمتوں سے ہم کنار کرسکیں جو کہ مواقع اس دنیا کے اندر بے پناہ حد تک چھپے ہوئے ہیں۔

۲۔ طب، موت وحیات کے معاملے میں صرف ایک جزوی یا زیادہ صحیح لفظوں میں ایک اضافی عامل ہے۔ یہ واقعہ شخصی مطالعہ میں واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے، موت وحیات کے معاملے میں جب ہم شخصی سطح پر دیکھتے ہیں تو ہم کو نظر آتا ہے کہ ایک شخص کے یہاں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا اور دوسرے کے یہاں درجن بھر اولاد ہوگئی۔ یہ بھی بار بار دیکھا جا سکتا ہو کہ ایک بچہ بغیر علاج اچھا ہو گیا اور دوسرا بہترین علاج کے باوجود مر گیا۔ اس کے اسباب ابھی تک ہمارے لئے نامعلوم ہیں۔ مندرجہ بالا مصنف کے الفاظ میں:

"The exact Physiological causes of this Phermerion are still imperfectly understood. P. 122

یعنی اس واقعہ کے عضویاتی اسباب ابھی تک صرف ناقص طور پر سمجھے جا سکے ہیں" اب ظاہر ہے کہ بچہ پیدا ہونے کی جو اصل جگہ ہے جب وہاں ہم کوئی پیشین گوئی نہیں کرسکتے، اور مرنے کے اسباب کو اصل انفرادی واقعات کے ذیل میں متعین نہیں کرسکتے تو ہمارے لئے کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ مجموعہ کو دیکھ کر اوپری طور پر ایک رائے قائم کریں اور اس کو اتنا صحیح سمجھیں کہ اس کی بنیاد پر نسل کشی کی ایک منظم اسکیم ساری زمین پر جاری کر دیں۔

۳۔ مصنوعی قسم کے برتھ کنٹرول کی ضرورت شرح پیدائش بڑھنے سے زیادہ اس بات پر ہے کہ کرۂ ارض پر اسباب زیست متوقع اضافہ سے کم ہیں۔ بالفرض اگر ساری زمین کے اوپر صرف اتنا سامان زیست موجود ہوتا جتنا ایک ہزار آدمیوں کے لئے کافی ہوتو ایک ہزار کے بعد ہر شخص کی پیدائش اتنا ہی بڑا مسئلہ نظر آتی جتنا تین ارب آبادی کے بعد کسی شخص کی پیدائش ہم کو نظر آرہی ہے۔ اس لئے مذکورہ بالا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ یہ بھی ثابت کیا جائے کہ آبادی کے اضافہ کے ساتھ سامان زیست کے امکانات نہیں بڑھ رہے ہیں۔

انسانی غذا کا ایک ضروری جزو نائٹروجن ہے، قدیم ترین زمانے سے صرف دو طریقے تھے جن سے قابل تحلیل نائٹروجن مٹی میں مل کر کھاد بنتا تھا۔ ایک بیکٹیریا دوسرے بجلی کا کوندا۔

مگر اضافۂ آبادی اور کثرتِ کاشت کی وجہ سے اب مرکب نائٹروجن کی کمی محسوس کی جانے لگی تھی اور انسانوں کو مستقبل میں قحط کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ یہ صرف اس صدی کے آغاز کی بات ہے کہ عین اس وقت وہ طریقہ دریافت ہو گیا جس سے ہوا کے ذریعہ مصنوعی طور پر مرکب نائٹروجن بنایا جا سکتا ہے۔ انسانی تاریخ کے دس ہزار سال بعد ایسے طریقے معلوم کر لئے گئے ہیں جن سے اس گیس کو کھاد میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ ان کے بعد انسان اس قابل ہو گیا ہے کہ وہ اپنی غذا کے اس لازمی جزو کو تیار کر سکے جس کے بغیر وہ بھوکوں مر جاتا۔ زمین کی تاریخ میں پہلی بار عین وقت پر انسان نے قلت خوراک کا حل دریافت کر لیا، یہ المیہ ٹھیک اسوقت رفع ہو گیا جب کہ اس کے واقع ہونے کا امکان تھا۔

اس طرح سارے امکانات میں بے پناہ اضافہ ہو رہا ہے، بے حد و حساب صحراؤں کو لہلہاتے ہوئے کھیتوں میں تبدیل کرنے کے امکانات سامنے آ رہے ہیں، سمندر میں بھری ہوئی اتھاہ خوراک کو قابل استعمال بنانے کی باتیں ہو رہی ہیں، کپاس اور ریشم اور اون پر انحصار کرنے کے بجائے مصنوعی ریشوں سے کپڑا تیار کرنا انسان نے سیکھ لیا ہے، زمین کی پیداوار جدید طریقوں کے استعمال سے دس گنی اور بیس گنی بڑھائی جا سکتی ہے، یہی نہیں بلکہ سال میں کئی کئی فصلیں اگائی جا سکتی ہیں، پہاڑوں کو کھسکانے اور گلیشر کو پگھلانے کے امکانات پر سائنسداں گفتگو کر رہے ہیں، غرض بے شمار ایسے طریقے معلوم کر لئے گئے ہیں جن سے زندگی کے اسباب کو بے شمار گنا تک بڑھایا جا سکتا ہے ــــ اس طرح کے حالات میں اگر آبادی بڑھ رہی ہے تو اس میں گھبرانے یا تعجب کرنے کی کیا بات ہے، یہ تو وہی بات ہے جو در اصل ہونا چاہیئے تھی۔

۴۔ برتھ کنٹرول کی دلیل میں وزن صرف اس وقت ہو سکتا تھا جبکہ جدید انسان یہ کہنے کی پوزیشن میں ہوتا کہ اس نے موت کا علاج دریافت کر لیا ہے یعنی اب جو لوگ پیدا ہوں گے وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اب کسی پیدا ہونے والے کے لئے موت نہیں ہے کیونکہ اگر موت بند ہو اور پیدائش جاری رہے تو بلاشبہ یہ ایک ناقابل حل مسئلہ بن سکتا ہے، مگر ظاہر ہے کہ ابھی تک ایسا نہیں ہوا ہے۔ ابھی تک یہ سابق کلیہ بدستور اپنی مکمل شکل میں باقی ہے کہ "ہر شخص کو موت آتی ہے" اس لئے لازماً کوئی نہ کوئی وجہ ایسی پیش آئے گی جو پیدا ہونے والوں کو ختم کرتی رہے۔

ہیضہ اور طاعون کی وبا نہیں آئے گی تو دوسری تباہ کاریوں کی وبا پھیلے گی، ملیریا کو آپ کنٹرول کریں گے تو ہوائی جہاز اور موٹر اور ریل کے حادثات ہوں گے، چیچک رکے گی تو زلزلے اور طوفان آئیں گے، جلد کا پھوڑا اگر نہیں نکلے گا تو ہیمورج اور ہرٹ اٹیک میں انسان مریں گے، طب کا علم، عام صحت کے لئے کچھ مفید ہو سکتا ہے۔ مگر وہ موت کو روک نہیں سکتا اور جب موت آنی ہے تو وہ اپنے لئے وجہ بھی کوئی نہ کوئی پیدا کرتی رہے گی، اس لئے بیماری سے بچانے کے نام پر انسان کو رحم مادر میں قتل کرنا کوئی دانش مندی کی بات نہیں ہو سکتی۔

۵۔ روسی سائنسدانوں کی ایک ٹیم نے اندازہ لگایا ہے کہ دنیا کی زیر کاشت آسکنے والی زمین سے اتنی غذا پیدا کی جا سکتی ہے جو ساڑھے نو کھرب انسانوں کی ضروریات کے لئے کافی ہو، دوسری طرف عملاً اس وقت زمین کے اوپر انسانوں کی جو تعداد ہے وہ صرف ساڑھے تین ارب ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ برتھ کنٹرول کے سارے دلائل مستقبل کے لحاظ سے ہیں نہ کہ حال کے لحاظ سے۔ یہ صرف بعید ترین مستقبل کا ایک اندیشہ ہے نہ کہ حال کا کوئی واقعہ۔ اس لئے کم از کم آج بیسویں صدی کی چھٹی دہائی میں کوئی شخص یہ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہے کہ آبادی کے مسئلہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ "اخلاقیات کا معیار اضافی اور قابل تغیر ہے" یہ دعویٰ کرنے کے لئے ابھی لوگوں کو نامعلوم مدت تک انتظار کرنا چاہیئے۔

یہ ایک حیرت انگیز بات ہے کہ علم و عقل کی انتہائی ترقی کے باوجود ابھی تک کوئی ایک بات بھی ایسی پیش نہیں کی جا سکی ہے جس سے فی الواقع یہ ثابت ہوتا ہو کہ مذہب و اخلاق اضافی حقیقتیں ہیں اور جدید دور میں انھیں بدل جانا چاہیئے۔ اعلیٰ ترین ذہن بہترین علمی لیاقت کے ساتھ اس دعویٰ کو ثابت کرنے میں لگے ہوئے ہیں، یونیورسٹیاں اور علمی ادارے ان مسائل پر ریسرچ کے لئے وقف ہیں، کتب خانے کے کتب خانے ان موضوعات پر چھاپ کر رکھ دئے گئے ہیں، مگر اصل دعویٰ ابھی تک علمی طور پر ثابت نہ ہو سکا۔

پچھلے زمانے کی بیشمار باتیں غلط ثابت ہو گئیں، ہر معاملے میں انسان نے نئے نئے حقائق دریافت کر لئے۔ اور یہ ساری نئی باتیں ایسی ہیں جن کو دلائل و شواہد سے ثابت کیا جا سکتا ہے مگر وہ واحد بات جو پہاڑ سے بھی زیادہ اٹل طور پر اپنی جگہ کھڑی ہے وہ دور قدیم کے انسان

کا یہ عقیدہ ہے کہ "اخلاقی اصول ناقابل تغیر ہیں" علما و عقلا کی فوج کی فوج ساری کوشش کے باوجود اس کے خلاف کوئی ادنیٰ دلیل بھی ایسی قائم نہ کر سکی جو واقعتہً دلیل ہو اور جس کو رد کرنا ممکن نہ ہو۔ کیا یہ واقعہ ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں کہ دور قدیم کا یہ عقیدہ دوسری باتوں سے مختلف ہے، دوسری باتوں کے سلسلے میں ہم نے علمی طور پر جانا ہو کہ وہ غلط ہیں جبکہ اسکے متعلق صرف اس قیاس کی بنیاد پر رائے قائم کر لی ہے کہ جب اور باتیں غلط نکلی ہیں تو یہ بات بھی غلط ہوگی۔ اس سلسلے میں جتنے بھی دلائل دئے گئے ہیں ان کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ انسان نے اپنے اس مفروضہ کو بیان کرنے کے لئے کچھ علمی الفاظ مہیا کئے ہیں۔

اگر صحیح ذہن ہو تو واقعہ کا صرف یہ پہلو آنکھ کھولنے کے لئے کافی ہے۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۲۸)

مشہور لما یا لخیر کے اجماع یا جمہور مجتہدین اور معظم سواد سلین کے مسلک مختار کے خلاف ہو۔ پس اگر ایسی کوئی بات میرے قلم سے نکل جائے تو یقیناً وہ میری خطا اور چوک کا نتیجہ ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو اس بندہ پر جو ایسی غلطی اور غفلت پر متنبہ کرے ـــ لیکن بعد کے مصنفین جن کا کام بس متقدمین کے کلام سے تخریج و استنباط ہے اور بحث و مجادلہ جن کا شیوہ ہے، ضروری نہیں ہو کہ ان کی تمام باتوں سے ہم اتفاق کریں، وہ بھی انسان ہیں اور ہم بھی انسان اور خطا و ثواب کے امکان و احتمال میں ان کا اور ہمارا حال قریباً یکساں ہے۔

[اس کے بعد مقدمہ کی بالکل آخری سطروں میں شاہ صاحب نے بتایا ہے کہ انھوں نے اپنی اس کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا ارادہ کیا ہے حصہ اول میں وہ اساسی و بنیادی اصول اور قواعد کلیہ بیان کئے جائیں گے جن پر شرائع الہیہ کی عمارت تعمیر ہوتی ہو اور جن میں سے اکثر و بیشتر وہی ہیں جو اُن سب مذاہب میں جن کو مذہب کہا جا سکتا ہے اور اُن کو ماننے والی ملتوں میں مسلّم ہیں۔ اس موقع پر شاہ صاحب نے مرتب طور پر ان قواعد کلیہ کی فہرست بھی دے دی ہے، اور کتاب کے دوسرے حصہ کے بارہ میں فرمایا ہے کہ اس میں ترتیب کے ساتھ احادیث نبوی کے اسرار بیان کئے جائیں گے ـــ پہلے ابواب ایمان اور ابواب علم کی احادیث کے، اس کے بعد ابواب طہارت، صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم اور حج کی احادیث کے، اس کے بعد احسان پھر معاملات، تدبیر منزل، سیاست مدن،

دورِ جدید میں عقیدہ کا مسئلہ

امریکہ میں ایک ربی گزرے ہیں جن کا نام ہے ڈاکٹر لیو ایم' فرینکلن (۱۹۴۸ - ۱۸۸۸ء) ان کے نام پر وائنا یونیورسٹی میں سالانہ لکچروں کا ایک سلسلہ قائم کیا گیا ہے جس میں بڑے بڑے علماء جمع ہو کر انسانیات پر اپنے عالمانہ مقالے پڑھتے ہیں۔ ذیل کا مقالہ اسی قسم کے ایک لکچر کا ترجمہ ہے جو ۱۹۵۴ء میں دیا گیا۔ صاحب مقالہ فریڈ برتھولڈ (FRED BERTHOLD) ایک امریکی کالج میں شعبۂ مذہبیات کے چیرمین ہیں۔

جدید تعلیم یافتہ انسان ایک دُہری مشکل (DILEMMA) سے دوچار ہے۔ وہ ہر چیز کے متعلق جان لینا چاہتا ہے مگر ساری کوششوں کے باوجود جدید انسان کے حصہ میں جو چیز آئی ہے وہ صرف حیرانی اور سرگشتگی ہے۔ معلومات کے ڈھیر کے درمیان انسان محسوس کرتا ہے کہ وہ کم سے کم اس پوزیشن میں ہوتا جا رہا ہے کہ وہ یہ فیصلہ کر سکے کہ کیا اچھا (GOOD) ہے اور کیا برا (BAD)۔ چیزیں کیسے عمل کرتی ہیں، اس کا تو وہ ماہر بن گیا ہے مگر اس سوال کو حل کرنے کی کوشش اسے بے سود نظر آنے لگی ہے کہ وہ کیا مقصد ہے جس کے لئے انہیں عمل کرنا چاہیئے — ۱۵

اس مشکل کے چند وجوہ ہو سکتے ہیں۔ اس کا سبب یہ واقعہ ہو سکتا ہے کہ مسئلہ اقدار (PROBLEMS OF VALUE) کے بارے میں ہمارا نقطۂ نظر صحیح نہیں ہے۔ یا اس کی وجہ یہ حقیقت ہو سکتی ہے کہ دنیا کے بارے میں ہم جتنا زیادہ واقف ہوتے جاتے ہیں، ہم پر اتنا ہی زیادہ یہ کھلتا جا رہا ہے کہ یہاں کوئی معروضی

اقدار (OBJECTIVE VALUES) نہیں ہے۔ موخر الذکر نقطۂ نظر کی وکالت مختصر مگر منضبط طور پر جوزف وڈ کرچ (JOSEPH WOOD KRUTCH) کی کثیر المطالعہ کتاب میں کی گئی ہے جس کا نام ہے دورِ جدید کا مزاج (THE MODERN TEMPER) مسٹر کرچ دورِ جدید کی اس مشکل کو اسی شدت سے بیان کرتے ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ مگر اس کی تشریح وہ دوسرے طریقہ سے کرتے ہیں۔ انسان اگرچہ اب بھی یہ یقین کرنے کی طرف بہت زیادہ مائل ہے کہ زندگی کا ایک مقصد ہے اور اچھائی کا ایک معیار۔ مگر سائنس کی ترقی اس کو زیادہ سے زیادہ ظاہر کرتی جا رہی ہے کہ ہم ایک ایسی دنیا میں ہیں جہاں اقدار اپنا کوئی معروضی مقام (OBJECTIVE STATUS) نہیں رکھتیں۔ انسان اخلاقی معیاروں کی ضرورت محسوس کرتا ہے جس کے مطابق زندگی گزاری جائے اور وہ وجدانی طور پر اس کی تلاش میں ہے۔ مگر اس کی ذہانت اس پر اس بات کو واضح کرتی جا رہی ہے کہ یہ ایک طفلانہ خواہش ہے۔ فطرت کو اس قسم کی چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اور خیر و شر کے بارے میں انسانی تصورات کے لئے اس کے یہاں کوئی جگہ نہیں ہے۔ کرچ کے الفاظ میں:

MAN IS AN ETHICAL ANIMAL IN A UNIVERSE WHICH CONTAINS NO ETHICAL ELEMENT (P. 16)

یعنی "انسان ایک اخلاقی جانور ہے ایک ایسی کائنات میں جو اپنے اندر کوئی اخلاقی عنصر نہیں رکھتی۔" اس کے نتیجہ میں انسان کے اندر دو قسمیں ہو جاتی ہیں ——— "خواہ وہ کتنی ہی کوشش کرے اس کی روح کے دو نصف مشکل ہی سے باہم متحد ہو سکتے ہیں۔ اور وہ نہیں جانتا کہ وہ اس طرح خیال کرے جیسے کہ اس کی عقل بتاتی ہے کہ اسے خیال کرنا چاہیے۔ یا وہ اس طرح محسوس کرے جیسے اس کے جذبات اس کو محسوس کراتے ہیں۔ اور اس طرح وہ اپنی پیداوار تقسیم شدہ روح کے اندر ایک مضحکہ بن کر رہ گیا ہے۔"[1] حقیقت کی اس دنیا میں اقدار کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ اگر ہے تو صرف انسان کے لیے اصل توہمات (SHADOWY ILLUSIONS) میں ہے اور یہ توہمات سائنسی معلومات میں اضافہ کے ساتھ ختم ہوتے جا رہے ہیں ——— ۱۹

---

[1] JOSEPH WOOD KRUTCH, THE MODERN TEMPER (N.Y. 1929) PP. 14 AND 16

کرچ کو اس سے اتفاق ہوگا کہ اگرچہ وہم و فریب (ILLUSION) ختم ہو رہا ہو مگر خواہش (YEARNING) ابھی تک باقی ہو، کیونکہ اگر ہم یہ یقین نہ رکھیں کہ یہاں ایسی بھی کوئی چیز ہے جو اس لائق ہو کہ ہر شخص اور ہر عمر اور ہر درجہ اور قومیت کے لوگ اس کا پاس و لحاظ رکھیں تو ہم مشکل ہی سے ایک اجتماع کی شکل میں زندگی گزار سکتے ہیں یا بحیثیت ایک فرد کسی مقصد کو حاصل کر سکتے ہیں۔ اس طرح کے ایک یقین کے بغیر، کرچ تسلیم کرتا ہے، ہم ایک طرح کے نراج (ANARCHY) میں جا پڑیں گے۔ دوسری جنگ عظیم کو دیکھنے کے بعد ہم میں سے بہت سے لوگ یہ کہنا پسند کریں گے کہ "نراج میں پڑ جانا" اس کیفیت کو بتانے کے لئے بے حد ہلکا لفظ ہو جو اس وقت ظہور میں آتی ہو جب خارجی اور عالمی اخلاقی معیار کی موثر گرفت انسان کے اوپر باقی نہ رہی ہو۔ تاہم ہم میں سے بہت سے لوگ اپنے آپ سے سوال کرتے ہیں کہ یہ بات خواہ کتنی ہی الم ناک کیوں نہ ہو، کیا کرچ کی قسم کا ایک شخص برسر حق نہیں ہے، کیا یہ ہماری ایک بڑھتی ہوئی مشکل نہیں ہے کہ معروضی اقدار میں اعتقاد کو ہم عقلی طور پر باقی رکھ سکیں۔ کیا خیر (GOOD) کا تصور محض (WISHFULL THINKING) کا نتیجہ نہیں ہو۔

یہ محض ایک اتفاقی بات نہیں ہو کہ ہمارے زمانے کی فلسفیانہ تحریکیں ٹھیک اسی انقلابی سوال کی عکاسی کرتی ہیں، وہ فلسفہ جو منطقی ثبوتیت (LOGICAL POSITIVISM) کے نام سے پکارا جاتا ہو، اس نے ہمارے زمانے پر بہت زیادہ دور رس اثرات ڈالے ہیں۔ اگر یہ پوچھا جائے کہ مختصر طور پر اس فلسفہ کا مطلب کیا ہو تو ایک دانش مند جواب دے گا:

"THE IMPORTANT IS UNKNOWNABLE AND THE KNOWNABLE IS UNIMPORTANT"

یعنی جو چیز اہم ہو وہ نا قابل دریافت ہو اور جو چیز قابل دریافت ہو وہ اہم نہیں۔ میرا ہمیشہ یہ خیال رہا ہو کہ یہ تشریح قابل لحاظ حد تک منصفانہ ہو۔ تاہم یہ مشکل ہو کہ منطقی ثبوتیت کے رجحانات سے بالکل بچا جا سکے۔ موجودہ زمانے میں اس سے بچنے کی کوشش ہیں بالآخر وقت کے اس دوسرے فلسفہ سے دوچار کر دے گی، جس کو "وجودیت" (EXISTENTIALISM) کہا جاتا ہو۔ ہمارے موضوع کے اعتبار سے یہ دوسری جہنم کی آگ بھی پہلی ہی جہنم کی طرح ہولناک ہو، کیونکہ وجودیت بھی ہم کو یقین دلاتی ہو کہ اس کی کوئی صورت نہیں ہو کہ محدود انسان خیر کا ایسا معیار (NORM) دریافت کر سکے جو اس سے ماورا ہو۔

اس طرح ہمارے زمانے کا تعلیم یافتہ آدمی معروضی حقائق (OBJECTIVE FACTS) کی تلاش میں تو بہت اطمینان محسوس کرتا ہو مگر خیر اور شر کے سوال کے بارے میں سخت بے چینی میں مبتلا ہو۔ تعلیم حاصل کرنے سے مراد ہے ایک کے بعد ایک تمام راز کے پردوں کو چاک کرنے کی کوشش کرنا، یہاں تک کہ آدمی معروضی اور بنیادی حقائق کا ایسا مجموعہ دریافت کر لے جس پر تمام انسان متفق ہو سکتے ہوں۔ سب سے زیادہ قطعی جملہ جو تعلیم یافتہ شخص کی زبان سے ادا ہو سکتا ہے وہ یہ ہے

THAT'S JUST YOUR OPENION

یعنی یہ تو صرف تمھاری رائے ہے کسی مجموعہ اقدار کی وفاداری موجودہ زمانے میں بے وقعتی کا شکار ہو گئی ہے، الّا یہ کہ وہ اقدار ایک غیر جانبدار جج کے سامنے صحیح ثابت کی جا سکیں۔ اور تعلیم یافتہ آدمی کا شبہ اس معاملے میں دن بدن بڑھتا جا رہا ہو کہ ایسا کیا جانا ممکن ہے۔ ۱۶

مجھے اپنی ایک گفتگو یاد آتی ہے جو ایک ریسرچ سائنٹسٹ سے ہوئی تھی جو میرا دوست تھا یہ گفتگو ہیروشیما پر ایٹم بم گرائے جانے کے تھوڑے دن بعد ہوئی تھی۔ ایٹمی طبیعیات کے علماء کی ایک تعداد اس واقعہ کے اخلاقی پہلو سے سخت متاثر تھی۔ بلیٹن آف دی ایٹمک سائنٹسٹس (اکتوبر ۱۹۴۷ء) میں اس کے موافق و مخالف دلائل دئے جا رہے تھے۔ اس رسالہ کی ایک اشاعت میں ایک ممتاز سائنسداں نے یہ سوال اٹھایا تھا کہ کیا اس کے اور اس کے ساتھیوں کے واسطے مناسب نہیں ہے کہ وہ ایٹمی انشقاق (Atomic Fission) پر آئندہ کام کرنے سے انکار کر دیں کیونکہ اس کو اس طرح کے ظالمانہ مقاصد میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ میرے دوست نے کچھ اس طرح کا جواب دیا: "یہ اس شخص کی بہت بڑی جسارت ہے کہ وہ اپنا اخلاقی فیصلہ اپنی قوم کی اکثریت کی رائے کے خلاف دیتا ہے" کچھ دیر کے بعد اس نے مزید کہا " اگر یہ ایک سائنسی حقیقت کا سوال ہوتا تو کو اپنے نتائج تحقیق (FINDINGS) کو ضرور پیش کرنا چاہئے تھا، بلا لحاظ اس کے کہ وہ کتنی غیر مقبول ہو سکتی ہے۔ مگر ایک اخلاقی رائے کی صورت میں کسی کے پاس ایسی کوئی ٹھوس چیز نہیں ہے جس کی بنیاد پر وہ اصرار کر سکے۔ یہ تمام کی تمام داخلی چیز (SUBJECTIVE THING) ہے۔ ۱۸

وہ لوگ جو اقدار کے مسائل پر کام کرنا چاہتے ہیں، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک احساس کمتری ان کا تعاقب کرتا رہتا ہے۔ کیوں ہم اپنے میدان میں ویسے ہی نتائج نہیں پیدا کر سکتے جیسے سائنسداں اپنے

میدان میں کرتے ہیں۔ سائنسدانوں کے استدلال اکثر علم کی ایک نئی ترقی کا باعث ہوتے ہیں اور ہمارے استدلال غیر محدود طور پر جاری رہتے ہیں اور صرف کینہ اور شبہ پیدا کرتے ہیں۔ جو لوگ اپنی دلچسپی اور تربیت کی بنا پر اقدار کے میدان میں کام کرنے کا شوق رکھتے ہیں۔ وہ بھی اپنی بے چینی کی وجہ سے اکثر کمیاتی علوم (QUANTITATIVE SCIENCES) کے طریقوں کی نقل کی طرف مائل رہتے ہیں۔ اس کی ایک مثال کچھ دن پہلے اخبار نیویارک (۳ مارچ ۱۹۶۱ء) کے صفحات میں سامنے آئی تھی۔ اڈیٹر نے اطلاع دی تھی کہ اس کو بذریعہ ڈاک ایک مشین وصول ہوئی ہے جس کا نام اس کے موجد نے (READING EASE CALCULATOR) رکھا ہے۔ اس مشین کی خاصیت یہ تھی کہ اس کو کسی بھی تحریری مواد پر استعمال کر کے اس تحریر کی خصوصیت معلوم کی جا سکتی تھی۔ مشین کے موجد نے تمام داخلی قدر و قیمت کی چیزیں حذف کر دی تھیں۔ قیاساً بڑے بڑے مشاہرہ کے تمام لٹریری اڈ کی ضرورت کو بھی ختم سمجھ لیا گیا تھا۔ وہ سب کچھ جو اس مشین کو عمل میں لانے کے لئے کرنا تھا وہ یہ کہ مخصوص ہدایات کے مطابق ایک چھوٹے سے ڈائل کو سٹ کیا جائے۔ پھر ایک انڈیکیٹر کو خاص طریقے سے گھمایا جائے اور اس کے بعد مشین کے فیصلہ کو پڑھا جائے جو چار میں سے کسی ایک شکل میں سامنے آتا تھا ــــ بہت سخت، سخت، آسان اور بہت آسان۔ ہدایات کا کتابچہ بتاتا تھا کہ اس کی بنیاد مواد کی خوبیوں پر تھی۔ یعنی سب سے آسان سب سے عمدہ۔ اور سب سے سخت سب سے خراب، نیویارک کے اڈیٹر نے لکھا تھا کہ اس مشین کا سب سے پہلا استعمال اس نے اس کتابچہ پر کیا جو مشین کے ساتھ مشین کے تعارف اور ترکیب استعمال کے لئے آیا تھا۔ مشین نے بتایا "بہت سخت" اور کم از کم اس معاملے میں اس نے مشین کے فیصلہ کو قبول کر لیا۔

جس دہری مشکل سے ہم دوچار ہیں اور اس کی توجیہ جو کرچ کی قسم کے لوگوں کی طرف سے پیش کی گئی ہے وہ اپنے تاریخی سیاق کے بغیر سمجھی نہیں جا سکتی۔ یہ براہ راست طور پر اسی طریقہ سے وابستہ ہے جس سے کہ سائنسی علم کا آئیڈیل ہمارے زمانے تک پہنچا ہے۔ یقیناً ہمارے تاریخی عہد کا تخلیقی تصور سائنس ہے۔ جدید دور اس وقت وجود میں آیا جب آدمی نے قبر کے اس پار کی زندگی کے مسائل سے توجہ ہٹا کر فطرت کو سمجھنے اور اس کو مسخر کرنے کی طرف اپنے کو لگایا۔ یہ نئی روح اگرچہ ڈیکارٹ (RENE DECARTES) سے پہلے وجود میں آئی مگر وہی ہے جس نے اس کو علمی شرو

عطا کی۔ وہ لکھتا ہے:

"یہ ممکن ہے کہ اس علم کو حاصل کیا جائے جو زندگی کے لئے بے حد مفید ہے اور اس قیاسی فلسفہ کے بجائے جو اسکولوں میں پڑھایا جاتا ہے، ہم ایک عملی فلسفہ پا سکتے ہیں جس کے ذریعہ سے ہم آگ، پانی، ہوا، ستارے، آسمان، اور اپنے ماحول کی دوسری چیزوں کے عمل اور ان کی طاقت کو جانیں۔ اس طرح ہم ان کو اپنے ان کاموں میں استعمال کر سکتے ہیں جن کے لئے وہ موزوں ہیں اور اس طرح اپنے آپ کو فطرت کا مالک اور فاتح بنا سکتے ہیں" 19

اس میں شبہ نہیں کہ بہت سے ایسے سائنسداں ہو سکتے ہیں جو قدرت پر فتح کے لئے نہیں بلکہ اس کو سمجھنے کے لئے اس سے دلچسپی رکھیں۔ تاہم یہ ان کا ذاتی معاملہ ہے۔ اس میں بہت کم شبہ کیا جا سکتا ہے کہ ہماری تہذیب نے سائنس کو خاص طور پر اس کے عملی عطیات کی وجہ سے اہمیت دی ہے۔

مگر سائنس کی افادیت ان کمیاتی طریقوں (QUANTITATIVE METHODS) میں پائی گئی ہو جن کو اس نے قرون وسطیٰ کے طریقہ کی جگہ اختیار کیا جب کہ مقاصد کی تلاش یا آخری سبب کی تلاش کو اہمیت دی جاتی تھی۔ یہ ضروری تھا کہ فطرت کو قطعی اور مقرر قوانین کا نظام سمجھا جائے جس کو ریاضیاتی طور پر بیان کیا جا سکتا ہو۔ اس کے بعد ہی انسان اس پر قابو پانے میں زیادہ کامیابی حاصل کر سکتا تھا۔ اب سوال یہ نہیں تھا کہ فطرت "کیوں" عمل کرتی ہے بلکہ یہ کہ وہ "کیسے" عمل کرتی ہے۔ "کیسے" کے بارے میں انسان کا علم جتنا قطعی ہوتا گیا وہ اتنا ہی زیادہ اس قابل ہوتا گیا کہ فطرت کی میکانزم کو اپنے استعمالات کی طرف موڑ سکے۔ مگر اس کا مطلب یہ بھی تھا کہ فطرت خود اپنا کوئی مقصد نہیں رکھتی۔

گلیلیو نے اس بات کو اس طرح بیان کیا ہے:

"فطرت بے رحم اور غیر متغیر ہے اور اپنے مقرر قوانین کے حدود کی کبھی خلاف ورزی نہیں کرتی۔ خواہ اس کے دقیق اسباب اور عمل کے پیچیدہ طریقوں تک انسانی ذہن کی رسائی ہو یا نہ ہو۔"

اقدار اور مقاصد، فطرت کے خارجی نظام (OBJECTIVE ORDER) سے نکال باہر کئے گئے ہیں اور بیچارہ انسان ابھی سے حیران و سرگشتہ ہے کہ اگر یہ مقاصد کہیں پائے جاتے ہیں تو وہ کہاں ہیں؟

پھر یہ مہارت حاصل کرنے کے معاملے میں سائنس اتنی کامیاب ہوئی کہ انسان نے بہت جلد یہ خواب دیکھنا شروع کر دیا کہ وہ خود اپنا اور سوسائٹی کا بھی ماہر بن جائے گا۔ کیوں نہیں ایسا ہو

سکتا کہ ایک گیلیو، یا نیوٹن اٹھے جو انسان اور سوسائٹی کا ایک معروضی علم (OBJECTIVE SCIENCES) دریافت کرے۔ انسانی عقل نے فطرت کے اندرونی رازوں کو واشگاف کر دیا ہے اس کی اساسی حقیقت کی نشاندہی کی ہے۔ اب صرف یہ کام رہ گیا ہے کہ ان دوسرے میدانوں میں بھی صحیح طریقہ کو استعمال کر کے ان کا مطالعہ کیا جائے۔ سماج کے ثبوتی علم (POSITIVE SCIENCE OF SOCIETY) کے پیغمبر اٹھ رہے ہیں۔ مثال کے طور پر کامٹے نے ایک انسانی مذہب (RELIGION OF HUMANITY) کی صبح نمودار ہونے کا اعلان کیا ہے۔ وہ غیر متغیر قوانین جو انفرادی اور اجتماعی طور پر انسانی عمل پر حکمرانی کرتے ہیں۔ ایک بار معلوم کر لئے گئے تو یہ ممکن ہو جائے گا کہ سماجی ترقی کی منصوبہ بندی کی جا سکے۔ یقیناً یہ امید اتنی شدید تھی کہ بہت سے لوگ انسانی ترقی کی محدودیتوں پر کوئی گفتگو کرنے کے لئے بھی تیار نہیں تھے۔ یہ عقیدہ کہ عقل سماج کی ترقی کے لئے رہنمائی فراہم کرے گی، اس نے لوگوں کو اتنا متاثر کیا کہ وہ ان شخصیتوں کے باغی ہو گئے یا ان کو نظر انداز کر دیا جن کو وہ گزرے ہوئے ماضی کی یادگار سمجھتے تھے۔

جدید دور کا انسان قدیم روایات سے کٹ گیا مگر وہ سماج کے ثبوتی علم کے بارے میں اپنی امید کو پانے میں کامیاب نہ ہو سکا جس سے وہ انسانی معاشرہ کو بہتر زندگی کی طرف لے جانے کے لیے عقلی رہنمائی حاصل کر سکے۔ یہاں ان تمام عوامل کی وضاحت مشکل ہے جنھوں نے عقل کے بارے میں اس کے عقیدہ کو تباہ کیا ہے اور اس کے یقین کو اگر کلبیت (CYNICISM) نہیں تو تشکیک (SKEPTICISM) میں یقیناً بدل دیا ہے۔ ہمیں نوٹ کرنا چاہیے کہ سائنس کے ذریعہ سماج کی ترقی کے اس عقیدہ میں شروع ہی سے کچھ عجیب باتیں شامل تھیں۔ اس نے طبیعی علوم کو معیاری علوم سمجھا اور اس سے رہنمائی حاصل کی۔ مگر ایک معروضی اور سائنسی قسم کے انسانی مذہب کے پیغمبر سماج کو سائنس کے ذریعہ سے ترقی دینے کے امر محال کی جستجو میں پوری طرح سنجیدہ نہیں تھے وہ سائنس جو اعلان کر چکی تھی کہ اقدار کے سوال کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان کی جستجو اس مرحلہ میں انھیں اس شک میں مبتلا کر سکتی تھی کہ یا تو سائنس حقیقۃً کلی طور پر اقدار کے سوال سے بے تعلق نہیں ہے یا یہ کہ وہ خود جس مہم کو سر کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ایک ناممکن چیز ہے۔ انھوں نے سائنس کے عملیات کو یا بحث لے لیا۔ اگر ہم کو ایک بڑے استعارہ کے لئے معاف رکھا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے ایک ایسا گھوڑا

تحفہ میں پیش کیا جس کے دانت خراب تھے اور پھر اس کے منہ کا جائزہ لینے سے انکار کر دیا۔ تاہم اب بعد کے دنوں میں سائنسداں خود ثبوتیت (POSITIVISM) یا عملیت (OPERATIONALISM) کے جھنڈے کے نیچے ہم کو بتا رہے ہیں کہ یہ فرض کر لینا کہ بالکل غلط تھا کہ سائنس ہم کو آخری حقیقت (ULTIMATE REALITY) یا خیر (GOOD) کے بارے میں کوئی بات بتا سکتی ہے۔ ۲۱

ہم اس تاریخ کے وارث ہیں۔ عقل اور سائنس کا احترام ہماری رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اپنے آپ کو پابند بنانے سے پہلے ہم کو علم حاصل ہونا چاہیئے وہ علم جو واضح حقائق اور منطقی نظریہ کا ثمرہ ہو۔ تاہم پابندی (COMMITMENT) کی ضرورت اس وقت بھی شدت سے محسوس ہوتی ہے جبکہ ہم اپنی معلومات کے ڈھیر سے ایک قطعی فیصلہ حاصل کرنے کی بے فائدہ کوشش کر رہے ہیں۔ میرے ساتھ ایسے طلبا رہے ہیں جو مذہب کا مطالعہ کر رہے تھے۔ بیانیہ (DESCRIPTIVE) اور تاریخی نصاب ختم کرنے کے بعد وہ اکثر مایوس یا کچھ خفا سے ہو جاتے تھے کیونکہ یہ نصاب ان کو کوئی عقیدہ نہیں دیتا تھا۔ ان میں سے بعضوں کا یہ تاثر ہوتا تھا کہ اگر میں نے صرف یہ کیا ہوتا کہ صحیح کتابیں تجویز کر دی ہوتیں یا ان کے سامنے حقائق کو صحیح ترتیب کے ساتھ پیش کر دیتا تو یہ سوال خود بخود حل ہو جاتا کہ کس عقیدہ کو اختیار کیا جائے یا کس عقیدہ کو نہ اختیار کیا جائے۔ مزید تعجب یہ کہ یہی لوگ اکثر شکایت کرتے ہیں کہ عقیدہ ایک خالص داخلی (SUBJECTIVE) اور اضافی (RELATIVE) چیز ہے۔ یہ تضاد اس دوہری شکل کی ایک علامت ہے جو ان تمام تعلیمی کوششوں میں پائی جاتی ہے جو انسانی اقدار سے متعلق ہیں۔ ۲۲

اب ہم اس دوہری شکل سے پیدا شدہ ردعمل پر مفصل بحث کر سکتے ہیں۔ یہاں میں مختصراً صرف دو چیزوں کا حوالہ دوں گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ جس چیز کو موجودہ زمانے میں انسان کی عدم فردیت (DEPERSONALISATION) کہا جاتا ہے وہ براہ راست اسی دوہری شکل سے متعلق ہے۔ مقصود معنی کے وہ مراکز جو کبھی روایتی ماخذوں اور مذہبی و اخلاقی عقائد نے فرد کے لئے فراہم کئے تھے وہ جدید تنقیدوں سے کمزور ہو گئے ہیں۔ ایسی تنقیدیں جو کسی واضح عقلی اصول پر مبنی نہیں ہیں۔ فرد زیادہ سے زیادہ اپنے ذرائع اور اپنے اس ابتدائی شعور کے اوپر چھوڑ دیا گیا ہے جو وہ اپنی زندگی کے معنی و مقصد کے بارے میں رکھتا ہے۔ مگر اسی کے ساتھ اپنے ذرائع اور شعور کے ساتھ اس کا رشتہ

زیادہ سے زیادہ غیر شخصی ہو چکا ہے۔ تکنکل ترتیبوں نے وسیع اقتصادی نظام بنائے ہیں اور بڑی بڑی غیر شخصی قسم کی شہری زندگی کے حالات پیدا کئے ہیں۔ فرد کے وقت اور کوشش کا بہت بڑا حصہ ایک ایسے نظام کی ضروریات پوری کرنے میں صرف ہو رہا ہے جس کا وہ ایک بہت حقیر اور اکثر حالات میں شخصی طور پر بالکل ناقابل لحاظ حصہ ہے۔ جدید انسان جو اب لازمی طور پر ایسے مذہبی اور اخلاقی اقدار سے وابستہ نہیں جو اس کے فوری حالات سے ماورا ہوں۔ اپنی تشریح اس عمل کے لحاظ سے کرنے لگا ہے جو وہ مجموعی نظام کے اندر انجام دیتا ہے۔ وہ اپنے کو اس لحاظ سے نہیں جانتا کہ وہ کون ہے بلکہ وہ اس لحاظ سے اپنی معرفت حاصل کرتا ہے کہ وہ کیا عمل کر رہا ہے۔ اور نظام کے نقطہ نظر سے ظاہر ہے کہ عمل کسی بھی دوسرے ایسے شخص کے ذریعہ انجام پا سکتا ہے جو ضروری مہارت رکھتا ہو۔

اس عدم فردیت کی ایک بہت نمایاں علامت آرتھر ملر کے ڈرامے "سیل مین کی موت" (DEATH OF A SALES MAN) میں مل سکتی ہے۔ یہ سیل مین اپنی تشریح اس عمل کے لحاظ سے کرتا ہے جو وہ اقتصادی نظام کے اندر انجام دیتا ہے۔ جب وہ اپنا یہ عمل انجام دینے کے قابل نہیں رہتا تو اس کے بعد وہ اپنے کو سمجھ نہیں سکتا۔ اس کی فرم کو اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ وہ احتجاج کرتا ہے "تم ایسا نہیں کر سکتے کہ نارنگی کھا لو اور اس کا چھلکا پھینک دو — ایک آدمی محض ایک پھل نہیں ہے"۔ مگر حقیقتہً وہ خود اپنے احتجاج پر یقین نہیں رکھتا۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اور آئندہ زندگی میں اس کا واحد عمل صرف یہ ہے کہ اس کا خاندان اس کا لائف انشورنس حاصل کر لے۔ سیل مین کا لڑکا اس کی قبر پر جو جملہ کہتا ہے وہی اس پورے معاملے کا اختصار ہے "ایک شخص جو یہ نہ جان سکا کہ وہ کون تھا" ۲۳

جدید انسان کی اس دوگونہ مشکل کا دوسرا رد عمل وہ ہے جس کو میں وقت کا استبداد (TYRANNY OF THE PRESENT MOMENT) کہوں گا۔ جب ایک شخص کا عقیدہ ہو کہ خیر کی تلاش ایک بامعنی چیز ہے تو وہ اپنے آپ کو ایک ایسے عمل میں مصروف کرے گا جو تمام خیر کا خلاصہ ہے۔ یعنی آزاد اور غیر جانبدار مطالعہ۔ وہ مختلف صدیوں میں انسان کے بہترین نظریات و عقائد کا جائزہ لے گا۔ وہ اپنے نظریۂ خیر کا مقابلہ ان اقدار سے کرے گا جنھوں نے

دوسرے ذہنوں اور دوسری تہذیبوں کو قوت محرکہ عطا کی ہے۔ اس کے برعکس اگر ایک شخص سمجھ لے کہ تمام قدریں محض ایک اندرونی تعصب کا عکس ہیں تو وہ ان میں سے کسی کے ساتھ سنجیدہ معاملہ نہیں کرسکتا خواہ وہ اس کی اپنی ہوں یا دوسروں کی ہوں۔ تاریخ میں تناسب کے بجائے وہ صرف خواہش اور طاقت کا ڈرامہ دیکھتا ہے۔ اگر اقدار چیزوں کی فطرت میں شامل نہیں ہیں بلکہ وہ محض شخصی خواہشات ہیں" تو اس کی کوئی وجہ نہیں ہو کہ کیوں افراد اور قومیں ہر وہ ممکن کام کریں جس سے وہ اپنی مرضی پوری کرسکتی ہوں۔ مزید برآں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ کسی کی اپنی سوسائٹی میں کوئی اقدار کیوں رائج ہوگئی ہیں۔ جہاں لوگ صرف "جیسا کچھ ہے" کو اختیار کرلیں کیونکہ "کیا ہونا چاہیئے" کا نظریہ اپنی تمام معنویت کھو چکا ہے' تو ان کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں رہتا جس سے وہ ننگی طاقتوں کا مقابلہ کرسکیں۔ حالیہ تاریخ کی کمزور گردشیں کلیت پسند تحریکوں کا اتار چڑھاؤ براہ راست طور پر اس صورت حال سے وابستہ ہے کہ جدید انسان کی زندگی کسی مضبوط جمے ہوئے نظام اقدار کی پابند نہیں ہے ایک ایسے خیر سے ہم رشتہ نہ ہونا جو اس کی فوری صورت حال سے ماوراء ہو' یہی وہ وجہ ہے جس نے اس کو موجودہ استبداد کا شکار بنایا ہے۔ ۲۴

(باقی آئندہ)

پھول کی طرح تروتازہ

اگر جلدی امراض یا فساد خون کی شکایت ہو تو چہرہ پژمردہ نظر آتا ہے

خون صفا

پھوڑے پھنسی خارش اور داد سے نجات دے کر جسم اور چہرے کو پھول کی طرح تروتازہ رکھتا ہے

دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝ ______ نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

علماء کرام، شائقین عظام، مدرسین محترم و طلبائے علوم عربیہ اسلامیہ کو مژدہ عظیم

ہمارے مکتبہ کی دوسری جلیل القدر علمی پیش کش

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح

تالیف: راس المفسرین امام المحدثین علامہ علی سلطان محمد القاری رحمہ اللہ الباری

وبہامشہ

مشکاۃ المصابیح المذکور

للعلامۃ الخطیب التبریزی رحمہ اللہ الباری

پوری کتاب ۵ جلدوں میں کامل ہوگی ÷ پانچوں جلدیں علیٰحدہ علیٰحدہ مجلد ہوں گی

قبل طباعت کامل کتاب کا ہدیہ مبلغ ۱۲۵ روپے مقرر کیا گیا ہے۔ (مکمل ہو جانے پر ۱۷۵ روپے)

شائقین کی سہولت خریداری کی خاطر ایک ایک جلد الگ الگ بذریعہ وی پی روانہ کی جائے گی۔ مبلغ ۱۰ روپے پیشگی بذریعہ منی آرڈر روانہ کرکے اپنا اسم گرامی اور پتہ خریداروں کے دفتر میں درج کرائیں، یہ دس روپے آخری جلد (پانچویں جلد) میں وضع کر دیے جائیں گے یعنی آخری جلد بجائے ۲۵ روپے کے ۱۵ روپے پر روانہ ہوگی۔ اس طرح پوری کتاب مبلغ ۱۲۵ روپے میں خریداروں کو مل جائے گی۔

(علاوہ محصول ڈاک وغیرہ) ہر جلد مجلد روانہ کی جائے گی۔

______ آج ہی ایک کارڈ لکھ کر ______

نمونے کے صفحات طلب فرما کر کتاب کی حسن طباعت اور کاغذ کا صحیح اندازہ اور مفصل معلومات حاصل کریں۔

معیاری طباعت، اعلیٰ درجہ کے کاغذ اور حسین و جمیل جلدوں کے لیے ہماری شائع کردہ مطبوعات حرفِ آخر کا درجہ رکھتی ہیں۔

یہ جلیل القدر علمی پیشکش عنقریب جلوہ گر ہو رہی ہے!!

خط و کتابت اور ترسیل منی آرڈر کا پتہ:-

ابناء مولوی محمد بن غلام رسول السورتی، تجار الکتب ۱۳۲-۱۳۴

جاملی محلہ، بمبئی نمبر ۳

MOLVI MOHAMMED BIN GULAMRASUL SURTIS SONS

BOOK SELLERS & PUBLISHERS.

132-134, JAMLI MOHALLA, BOMBAY, 3.

35(6)

7 OCT 1967

مسئول
محمد منظور نعمانی

مرتب
عتیق الرحمٰن سنبھلی

مطبوعات الفرقان کی نئی قیمتیں

کتب خانہ الفرقان کی اکثر مطبوعات کی قیمتیں اب تک وہی چلی آرہی ہیں جو شروع میں رکھی گئی تھیں، حالانکہ ان میں سے بعض کتابیں آٹھ آٹھ، دس دس سال پیشتر کی ہیں اور اس عرصہ میں کتابت و طباعت کی اجرتوں اور کاغذ کی قیمتوں میں کافی اضافہ ہو چکا ہے، اسلئے اب ان قیمتوں پر نظرثانی ناگزیر ہوگئی ہے۔

آئندہ سے ہماری مطبوعات کی قیمتیں حسب ذیل ہوں گی۔

کتاب	مجلد	غیر مجلد
معارف الحدیث جلد اول		
معارف الحدیث ″ دوم	″	″
معارف الحدیث ″ سوم	″ ۸/-	″ ۷/-
معارف الحدیث ″ چہارم	″ ۶/۵۰	″ ۵/۲۵

کتاب	قیمت
قرآن آپ سے کیا کہتا ہے	مجلد ۵/-
دین و شریعت	۳/۷۵
اسلام کیا ہے؟	۲/۵۰
آپ حج کیسے کریں؟	۲/-
سب سے پہلا سفرنامہ حجاز	۲/-
تذکرہ مجدد الف ثانیؒ	مجلد ۵/-
تذکرہ مجدد الف ثانیؒ	مجلد ۵/-
مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ	۴/۵۰
ملفوظات مولانا محمد الیاس	۲/-
حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت	غیر مجلد ۳/- ، مجلد ۳/۵۰
نماز کی حقیقت	۱/۴۰
کلمہ طیبہ کی حقیقت	-/۵۰
برکات رمضان	۱/-
آسان حج	-/۶۰
فیصلہ کن مناظرہ	۱/۷۵

نوٹ: معارف الحدیث سوم و چہارم جو نئی مطبوعہ ہیں، نیز اسلام کیا ہے؟ آپ حج کیسے کریں، آسان حج اور فیصلہ کن مناظرہ کی قیمتوں میں کوئی نیا اضافہ نہیں کیا گیا ہے۔

ان مطبوعات کے علاوہ

ہر قسم کی علمی اور دینی کتابیں ہم سے طلب فرمائیے

کتب خانہ الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ

سالانہ چندہ
ہندوستان سے ۔۔۔ ۸/۵۰
پاکستان سے ۔۔۔ ۸/۵۰
ششماہی
ہندوستان سے ۔۔۔ ۴/۲۵
پاکستان سے ۔۔۔ ۴/۲۵

فی کاپی ۔۔۔ ۷۵ پیسے

سالانہ چندہ
غیر ممالک سے
۱۲ شلنگ
ہوائی ڈاک کے لیے مزید
محصول ڈاک کا اضافہ ہوگا

جلد ۳۵ | بابت ماہ جمادی الثانی ۱۳۸۷ھ مطابق اکتوبر ۱۹۶۷ء | شمارہ ۶

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہو، تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں، یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیے چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۲۰ اکتوبر تک آجائے، ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ وی پی ارسال ہوگا۔

پاکستان کے خریدار:۔ اپنا چندہ ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور ڈاکخانہ کی پہلی رسید کے ساتھ ہمیں براہ راست اطلاع دے دیں۔ خریداری کے خواہشمند حضرات بھی یہی طریقہ اختیار کریں۔

نمبر خریداری:۔ براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کے کوپن پر اپنا نمبر خریداری ضرور لکھ دیا کیجئے۔

تاریخ اشاعت:۔ الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے، اگر ۱۵ تاریخ تک کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع کریں۔ اس کی اطلاع ۲۰ تاریخ تک آجانی چاہیے۔ اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر، ایڈیٹر و پروپرائٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ، لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

عتیق الرحمٰن سنبھلی

مسلمانوں کے خلاف فسادات کا چکر پھر بڑی تیزی سے شروع ہو گیا ہے۔ ۱۸ر۱۹ر ستمبر کو ملک کی مختلف جماعتوں کے ذمہ دار اور مختلف حلقوں کے نمائندہ افراد رانچی میں یہ سوچنے کے لیے جمع ہوئے تھے کہ وہاں ہزاروں فساد زدہ انسانوں کی امداد و بحالی اور دوسرے مسائل کے لیے کیا مؤثر تدابیر اختیار کی جائیں کہ احمد نگر (مہاراشٹر) سے سخت فساد کی خبر آئی۔ پھر اگلے دن یہ آگ شولاپور جا پہونچی، اس کے بعد مہاراشٹر ہی کے تیسرے مقام مالیگاؤں کا نمبر آگیا جو کچھ عرصے سے ہر سال فساد کا شکار ہوتا ہے۔ مہاراشٹر کے اور بھی بعض مقامات سے خبریں آئی ہیں۔ اور پھر یو۔پی میں گورکھپور کے بعض دیہاتوں میں یہ وبا پھوٹی۔

گویا فسادات کے اس قدیم چکر سے مسلمانوں کو نجات نہیں ملتی ہے، بلکہ چوتھے جنرل الکشن کے بعد ملک میں جو سیاسی استحکام ختم ہوا ہے اور ایک افراتفری چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے اس کے دیکھتے ہوئے تو کچھ کہا ہی نہیں جا سکتا کہ کس وقت کس جگہ مسلم بیزاری کی آگ بھڑک اُٹھے۔ اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ صورت حال کس وقت ختم ہو گی۔ اس صورت حال میں یہ بات بالکل قدرتی ہو کہ مسلمانوں کی تمام توجہ اسی مسئلہ کی طرف ہو جائے۔ لیکن جب اس کی کوئی میعاد معین نہیں ہے تو یہ ٹھیک نہیں ہوگا۔ اس صورتِ حال کو ہنگامی کے بجائے ایک مستقل مسئلہ فرض کر کے وسائل اور قوتوں کی ایک خاص مقدار اس کے لیے مخصوص کر دی جانی چاہیئے۔ اور باقی مقدار کو دوسرے اہم مسائل کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے۔

مسلمانوں کے خلاف قتل و غارت کا چکر چلائے رکھنے میں جو ذہنیت بہت واضح طور پر نظر آتی ہے کہ وہ اقتصادی لحاظ سے مفلوج اور ذہنی لحاظ سے عام طور پر پست اور بے دم ہو جائیں، وہاں

یقیناً یہ نیت بھی مخفی ہے کہ مسلمانوں میں اسلامی شعور زندہ رکھنے، ملتِ ابراہیمی کی حیثیت سے اُن کے خاص مشن کی رُوح ان میں پھونکنے اور اکثریت کے خاص رنگ میں رنگ جانے سے بچانے کی جو کوششیں مسلمانوں کے کچھ سخت جان حلقے کر رہے ہیں ان کے سامنے بھی مسلمانوں کے جان و مال کے تحفظ کا مسئلہ اتنے مہیب انداز میں آجائے کہ وہ اپنے ان کاموں کو فرصت اور معتدل وقت کے لیے اُٹھا رکھنے پر مجبور ہو جائیں۔

ہمیں ایسا نظر آرہا ہے کہ دشمن اس مقصد میں بھی کامیاب ہے، ایک تبلیغی جماعت کے سوا ہر جماعت اور ہر حلقے کی ——— جو مذکورہٗ بالا مقاصد کے لیے کوشاں تھا ——— نہ صرف توجہ بٹ چکی ہے بلکہ بہت سے لوگ اپنا اصل کام کچھ اُٹھا رکھنے ہی پر راضی سے ہو گئے ہیں۔ تبلیغی جماعت کی مدح مقصود نہیں، بلکہ صرف ایک ضروری استثناء کے طور پر اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ مقصود صرف یہ کہنا ہے کہ اس معاملے میں توازن اور تناسب پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ جان و مال کی بے امانی کا دباؤ واقعی ایسا ہی سخت ہے کہ کسی دوسرے مسئلہ پر توجہ مشکل ہو جائے۔ مگر اس دباؤ سے نجات پانے اور اس چکر سے نکلنے کی بھی تو کوئی اور صورت مسلمانوں کے پاس اس کے سوا نہیں ہے کہ خدا کی مدد آئے۔ انھوں نے بہت کچھ سوچ کے دیکھ لیا، مگر جس مسلمان دل کو ٹٹولئے اس میں بات یہیں پر ٹھیری ہوئی ملتی ہے کہ خدا کی مدد کے بغیر چارہ سازی کی کوئی شکل یہاں نظر نہیں آتی۔ اس لیے سچی بات تو یہی ہے کہ اس مسئلہ سے نجات پانے کے لیے بھی مسلمانوں کو مسلمان بنانے اور دوسروں میں حکمت سے دعوتِ اسلام پیش کرنے کی کوششیں ہی اصل چارۂ کار ہو سکتی ہیں۔ جن لوگوں کو ان کوششوں کی اہمیت کا احساس ہو انھیں ان میں کمی نہیں آنے دینی چاہیئے۔ رہے یہ فسادات کے مسائل تو ان میں بھی مسلمانوں کی خدمت کرنے کی اگر ان لوگوں میں صلاحیت ہے تو تنظیم کار کے ذریعے ایسی صورت بنا لینی چاہیئے کہ دوسرے مستقل کام پر کوئی غیر معمولی اثر نہ پڑے۔ اس کی بڑی اچھی شکل تو یہ تھی کہ کوئی ایک ملک گیر جماعت جسے ان مسائل میں خدمت کرنے کا ذوق ہوتا اصلاً یہ خدمت اسی کے ذمہ چھوڑی جاتی اور دوسرے لوگ بس بقدر ضرورت و صلاحیت اس کی مدد کرتے، مگر افسوس یہ ہے کہ جماعتوں میں کم و بیش اجارہ داری کا سا ذہن ہے اور اس سے تعاون اور طلب تعاون دونوں کی راہ مسدود ہوتی ہے۔ اس لیے اگر یہ نہیں ہو سکتا تو جو لوگ اپنا اصل کام دین کی دعوت و خدمت سمجھتے ہیں یا مسلمانوں کو

مخالف تہذیبی لہروں سے بچا لینے کا کام انھوں نے اپنے ذمے لیا ہے اُن کے اوقات میں اسی کام کا تناسب زیادہ رہنا چاہیئے۔ اس لیے کہ یہ اصل کام بھی ہے اور اسی پر وہ رحمت الٰہی منحصر ہے جس کے سوا ان تاریک حالات میں کوئی سہارا نظر نہیں آتا۔

مولانا مسعود علی ندوی افسوس دار المصنفین کے تین معماروں میں سے جو ایک شخصیت رہ گئی تھی بالآخر وہ بھی ۲۱؍ستمبر کو اس بزم سے رخصت ہو گئی۔ علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا عبد السلام ندوی اور مولانا مسعود علی ندوی ان تین کی صلاحیتوں کا نچوڑ مسلمانانِ ہند کا وہ عظیم ادارہ ہے جسے دار المصنفین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جس کی تصنیفی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا مسعود علی صاحب ایک طویل عرصہ سے بیمار تھے۔ آخری چند مہینوں سے ہوش و حواس نے بھی جواب دے دیا تھا۔ جب تک اچھے تھے اپنے فرائض میں طاق ہونے کے ساتھ ساتھ عجب باغ و بہار بھی تھے۔ جس مجلس میں بیٹھ جاتے زعفران زار بنا دیتے۔ اور سب پر چھائے ہوئے رہتے۔ عزم و ارادہ کے دھنی تھے۔ جو طے کر لیتے اُسے کر کے چھوڑتے اور ناممکن کو ممکن بنا ڈالتے۔ دار العلوم ندوۃ العلماء کی نہایت وسیع اور حسین و جمیل مسجد بھی انھیں کے اس وصف کا ایک کرشمہ ہے۔ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ سے بیعت تھے۔ اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ دے۔

گزشتہ اشاعت میں الفرقان کی ضخامت اور قیمت سے متعلق خریداران کی رائے معلوم کرنے کا اعلان کیا گیا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ گزشتہ ماہ سے محکمۂ ڈاک نے محصول ڈاک کی شرح ایسی کر دی ہے کہ رسالہ کے صفحات اگر ۴۸ سے زیادہ ہوں تو ۲ پیسے کے بجائے کم سے کم ۵ پیسے کے ٹکٹ لگانا ہوں گے۔ اس کی بنا پر ہمارے ذہن میں دو شکلیں آئی تھیں۔ ایک یہ کہ صفحات ۴۸ کر دیے جائیں اور سالانہ قیمت سات روپے کے بجائے ساڑھے چھ روپے۔ دوسرے یہ کہ ۵۶ صفحات رکھے جائیں اور قیمت سات کے بجائے ساڑھے سات روپے سالانہ۔ اسی کے بارے میں ناظرین کی رائے معلوم کرنا تھی مگر گزشتہ شمارہ ۴۸ صفحات پر نکالنے کے بعد اندازہ ہوا کہ اس میں بڑی ناپ تول رکھنا پڑے گی اور کسی وقت بھی کاغذ کے ذرا سے فرق سے ۴۸ صفحات پر بھی پانچ پیسے کی شرح عائد ہو سکتی ہے، لہٰذا خود ہی یہ طے کر لینا پڑا کہ ۵۶ صفحات برقرار رکھے جائیں اور ہندوستان و پاکستان کے لیے قیمت کی شرح آئندہ سے

سالانہ ساڑھے سات روپے...... ششماہی سوا چار روپے اور فی کاپی ۷۰ پیسے

کر دی جائے یہ نئی شرح رجب ۸۵ھ مطابق نومبر ۶۵ء سے نافذ ہوگی۔

منیجر

کتاب الاذکار والدعوات

معارف الحدیث

(مسلسل)

چھینک آنے کے وقت کی دعا:-

آدمی کو چھینک آجانے کی بظاہر کوئی اہمیت نہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع کے لیے بھی دعا تلقین فرمائی اور اس کو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بڑھانے کا ذریعہ بنا دیا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ فَلْیَقُلْ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلْیَقُلْ لَهُ اَخُوْهُ اَوْ صَاحِبُهُ یَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَاِذَا قَالَ لَهُ یَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَلْیَقُلْ یَهْدِیْكُمُ اللّٰهُ وَیُصْلِحُ بَالَكُمْ

رواہ البخاری

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اس کو چاہیے کہ کہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" (اللہ کی حمد اور اس کا شکر) اور جو بھائی اس کے پاس ہوں انھیں جواب میں کہنا چاہیے "یَرْحَمُكَ اللّٰهُ" (تم پر اللہ کی رحمت ہو) اور جب وہ یہ کہیں تو چھینکنے والے کو چاہیے کہ وہ جواب الجواب کے طور پر کہے "یَهْدِیْكُمُ اللّٰهُ وَیُصْلِحُ بَالَكُمْ" (اللہ تم کو صحیح راہ پر چلائے اور تمہارا حال درست فرمائے) (صحیح بخاری)

(تشریح) چھینک اگر زکام وغیرہ کسی بیماری کی وجہ سے نہ ہو تو دماغ کی صفائی اور اس کے

ہونے کا ذریعہ ہے، جو مادہ چھینک کے ذریعہ خارج ہوتا ہے اگر وہ خارج نہ ہو تو طرح طرح کی دماغی بیماریاں پیدا ہو سکتی ہیں اس لیے بندہ کو چاہیئے کہ چھینک آنے پر اللہ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرے۔ اور کم از کم الحمد للہ کہے، بعض روایات میں اس موقع کے لیے "الْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ" اور بعض دوسری روایات میں "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" بھی وارد ہوا ہے — اس لیے ان میں سے ہر کلمہ کہا جا سکتا ہے۔

سننے والوں کو اس کے جواب میں "یَرْحَمُکَ اللّٰہُ" کہنا چاہیئے۔ یہ چھینکنے والے کے حق میں دعائے خیر ہوگی، اس کا جواب چھینکنے والے کو بھی دعائے خیر سے دینا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے "یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ وَیُصْلِحُ بَالَکُمْ" تعلیم فرمایا — قربان اس تعلیم کے، ایک چھینک کو خود چھینکنے والے کے لیے اور اس کے پاس والوں کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو تازہ کرنے کا اور بڑھانے کا کیسا ذریعہ بنا یا۔

اگر کسی کو نزلہ اور زکام کی وجہ سے مسلسل چھینکیں آتی ہوں تو اس صورت میں نہ چھینکنے والا ہر دفعہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کہنے کا مکلف ہے نہ سننے والے کو ہر دفعہ "یَرْحَمُکَ اللّٰہُ" کہنے کا حکم ہے۔

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَکْوَعِ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعَطَسَ رَجُلٌ عِنْدَهٗ فَقَالَ لَهٗ یَرْحَمُکَ اللّٰہُ ثُمَّ عَطَسَ اُخْرٰی فَقَالَ الرَّجُلُ مَزْکُوْمٌ ——— رواہ مسلم وفی روایۃ للترمذی اَنَّهٗ قَالَ لَهٗ فِی الثَّالِثَةِ اَنَّهٗ مَزْکُوْمٌ۔

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چھینک آئی تو آپ نے "یَرْحَمُکَ اللّٰہُ" فرمایا، وہ پھر چھینکا تو آپ نے فرمایا کہ اس آدمی کو زکام ہے (اس لیے ہر دفعہ یَرْحَمُکَ اللّٰہُ کہنا ضروری نہیں۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) اور جامع ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ یہ بات حضورؐ نے اس وقت فرمائی جب اس آدمی کو تیسری دفعہ چھینک آئی۔

ایک دوسرے صحابی عبید بن ابی رفاعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی مروی ہے۔

شَمِّتِ الْعَاطِسَ ثَلٰثًا فَمَا زَادَ فَاِنْ شِئْتَ فَشَمِّتْهُ وَاِنْ شِئْتَ فَلَا

چھینکنے والے کو تین دفعہ تک تو یرحمک اللہ کہو اس کے آگے کہو چاہے نہ کہو۔

(رواہ ابوداؤد والترمذی)

عَنْ نَافِعٍ اَنَّ رَجُلًا عَطَسَ اِلٰی جَنْبِ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَاَنَا اَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ وَلَيْسَ هٰكَذَا عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَقُوْلَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ۔ ——— (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر کے خادم نافع سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر کے پاس ایک شخص بیٹھا تھا، اُسے چھینک آئی تو اس نے کہا "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ" تو حضرت ابن عمر نے فرمایا میں بھی کہتا ہوں "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ" یعنی یہ کلمہ فی نفسہ بڑا مبارک ہے، اس میں اللہ کی حمد ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہے، لیکن اس موقع پر یہ کہنا صحیح نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع کے لیے ہمیں تعلیم دی ہے کہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ" کہیں۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے ایک بڑی اہم اور اصولی بات معلوم ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص مواقع کے لیے جو اذکار تعلیم فرمائے ہیں اُن میں صلوٰۃ وسلام کا اضافہ بھی ٹھیک نہیں ہے اگرچہ وہ فی نفسہ بہت مبارک ہے، اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری قدرشناسی و احسان مندی اور کامل اتباع نصیب فرمائے۔

بادل گرجنے اور بجلی چمکنے کے وقت کی دُعا:۔

بلاشبہ بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک اور چمک اللہ تعالیٰ کے جلال کے مظہر ہیں اور جب خدا پرست بندہ ان سے دوچار ہو تو پوری عاجزی کے ساتھ اس کو اللہ تعالیٰ سے رحم وکرم اور عافیت کی دُعا کرنی چاہیئے۔ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور آپ کا اسوۂ حسنہ ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا سَمِعَ صَوْتَ الرَّعْدِ

وَالصَّوَاعِقِ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذَالِكَ ——————— رواہ احمد والترمذی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بادلوں کی گرج اور بجلیوں کی کڑک سنتے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذَالِكَ۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

اے اللہ ہمیں اپنے غضب سے ختم نہ کر اور اپنے عذاب سے ہمیں ہلاک نہ کر اور ہمیں اس سے پہلے عافیت دے۔

آندھی اور تیز و تند ہوا کے وقت کی دعا:-

تیز و تند ہوائیں اور آندھیاں کبھی عذاب بن کر آتی ہیں اور کبھی رحمت الٰہی یعنی بارش کا مقدمہ بن کر اس لیے خداشناس اور خداپرست بندوں کو چاہیئے کہ جب اس طرح کی ہوائیں چلیں تو وہ جلال خداوندی کے خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے دعا کریں کہ یہ ہوائیں شر اور ہلاکت کا ذریعہ نہ بنیں، بلکہ رحمت کا وسیلہ بنیں۔ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَاهَبَّتْ رِيْحٌ قَطُّ اِلَّا جَثَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً وَلَا تَجْعَلْهَا عَذَابًا اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رِيَاحًا وَلَا تَجْعَلْهَا رِيْحًا ——————— رواہ الشافعی والبیہقی فی الدعوات الکبیر

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کبھی تیز ہوا چلتی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زانوؤں کے بل اللہ تعالیٰ کے حضور میں جھک جاتے اور دعا کرتے تھے کہ اے اللہ یہ ہوا ہمارے حق میں رحمت اور سامان حیات ہو، عذاب اور سامان ہلاکت نہ ہو۔ یہ وہ نہ ہو جس کو قرآن نے "ریح" کہا ہے، وہ ہو جس کو "ریاح" کہا ہے۔

(مسند شافعی والبیہقی فی الدعوات الکبیر)

(تشریح) قرآن مجید کی بعض آیات میں اس ہوا کو جو کسی قوم کو ہلاک کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئی "ریح" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا، اور بعض دوسری آیات میں ان ہواؤں کے لیے

جو رحمت بن کر آتی ہیں "ریاح" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیز ہوا کے وقت یہ دعا بھی فرماتے تھے کہ "اے اللہ یہ ریح" یعنی عذاب والی ہوا نہ ہو بلکہ "ریاح" یعنی رحمت والی ہوا ہو۔

عن عائشة قالت كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا عصفت الريح قال اللهم إني أسألك خيرها وخير ما فيها وخير ما أرسلت به وأعوذ بك من شرها وشر ما فيها وشر ما أرسلت به وإذا تخيلت السماء تغير لونه وخرج ودخل وأقبل وأدبر فإذا مطرت سري عنه فعرفت ذلك عائشة فسألته فقال لعله يا عائشة كما قال قوم عاد فلما رأوه عارضا مستقبل أوديتهم قالوا هذا عارض ممطرنا —— رواه البخاری ومسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا جب تیز و تند ہوا چلتی اور آندھی کی کیفیت ہوتی تو اس طرح دعا کرتے —— اللّٰهم إني أسألك ...... تا ...... وشر ما أرسلت به" (اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں اس ہوا کی خیر و برکت اور اس ہوا میں جو کچھ مضمر ہے اور جس کے ساتھ وہ بھیجی جا رہی ہے اس کی خیر و برکت۔ اور میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے اس ہوا کے شر سے اور جو کچھ اس میں مضمر ہے اور جس کے ساتھ وہ بھیجی گئی ہے اس کے شر اور برے اثرات سے۔ اور جب آسمان پر ابر گھر کے آتا جس میں خیر و شر اور رحمت و عذاب کے دونوں پہلو ہو سکتے ہیں، اللہ کے قہر و جلال کے خوف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہو جاتا کہ آپ کا رنگ بدل جاتا، کبھی باہر جاتے کبھی اندر آتے، کبھی آگے بڑھتے کبھی پیچھے [illegible] بیٹھتے۔ پھر جب خیریت سے بارش ہو جاتی تو آپ کی یہ کیفیت ختم ہوتی —— ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کیفیت کو محسوس کیا تو آپ سے پوچھا کہ آپ کا یہ حال کیسے ہو جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ آسمان پہ ابر دیکھ کے مجھے خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ اس قسم کا ابر نہ ہو جیسے اپنی وادیوں کی طرف بڑھتا دیکھ کر قوم عاد نے کہا تھا کہ یہ بادل ہمارے علاقے میں برس کے ہماری کھیتیوں کو نہال کرے گا، حالانکہ وہ عذاب کا بادل تھا جو ان کی مکمل تباہی و بربادی کا

سامان بن کر آیا تھا) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

بادل اور بارش کے وقت کی دُعا:۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَبْصَرْنَا شَيْئًا مِنَ السَّمَاءِ تَعْنِي السَّحَابَ تَرَكَ عَمَلَهُ وَاسْتَقْبَلَهُ وَقَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِيهِ فَإِنْ كَشَفَهُ حَمِدَ اللهَ وَإِنْ مَطَرَتْ قَالَ اللَّهُمَّ سَقْيًا نَافِعًا۔

——— رواہ ابو داؤد والنسائی وابن ماجۃ والشافعی واللفظ لہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ہم لوگ آسمان پر بادل چڑھتا دیکھتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ ہوجاتا کہ جس کام میں آپ مشغول ہوتے اس کو چھوڑ کے بادل کی طرف رُخ کر لیتے اور اللہ سے دُعا کرتے کہ "اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِيهِ" اے اللہ اس بادل میں جو شر ہو اس سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں) پھر اگر وہ بادل ہٹ کر آسمان صاف ہو جاتا تو آپ اللہ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتے، اور اگر وہ بادل برسنے لگتا تو دُعا فرماتے کہ "اَللّٰهُمَّ سَقْيًا نَافِعًا" (اے اللہ اس بارش سے پوری سیرابی کردے اور اس کو نفعمند بنا)

(سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند شافعی)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا رَأَى الْمَطَرَ قَالَ اللَّهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا ——— رواہ البخاری

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بارش ہوتی دیکھتے تو اللہ تعالیٰ سے دُعا فرماتے "اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا" (اے اللہ بھرپور اور نفعمند بارش ہو)

(صحیح بخاری)

(تشریح) بارش کا حال بھی یہی ہے کہ اس کے ذریعہ تباہیاں اور بربادیاں بھی آتی ہیں اور مخلوق کے لیے وہ سامانِ حیات بن کر بھی برستی ہے۔ اس لیے جب بارش ہو تو خدا پر ایمان رکھنے والے بندوں کو دُعا کرنی چاہیے کہ بارش نفعمند اور رحمت بن کر برسے ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بارش کی ضرورت محسوس کرکے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دُعا فرماتے جب بھی آپ کی دُعا یہی ہوتی۔

بارش کے لیے دعا:-

عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوَاكِيْ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيْثًا مَرِيْئًا مَرِيْعًا نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَيْرَ اٰجِلٍ قَالَ فَاَطْبَقَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ ——— رواہ ابوداؤد

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دفعہ ہاتھ اٹھائے بارش کے لیے اس طرح دُعا کرتے ہوئے دیکھا آپ بارگاہ خداوندی میں عرض کر رہے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيْثًا مَرِيْئًا مَرِيْعًا نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَيْرَ اٰجِلٍ۔	اے اللہ ہم پر ایسی بھرپور بارش نازل فرما جو زمین کے لیے موافق اور سازگار ہو کھیتوں میں سرسبزی اور شادابی لائے، اس سے نفع ہی نفع ہو نقصان بالکل نہ ہو اے اللہ جلدی نازل فرما دیر نہ ہو۔

حضرت جابر کہتے ہیں کہ آپ کے دعا کرتے کرتے آسمان پر گھٹا چھا گئی اور بھرپور بارش ہوئی۔

(سنن ابی داؤد)

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَسْقٰى قَالَ اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهِيْمَتَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَاَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ ——— رواہ مالک وابوداؤد

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بارش کے لیے دُعا فرماتے تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس طرح عرض کرتے

اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهِيْمَتَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَاَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ	اے اللہ اپنے بندوں اور اپنے پیدا کیے ہوئے بے زبان چوپایوں اور جانوروں کو سیراب فرما، اپنی رحمت بھیج اور تیری جو بستیاں بارش

(باقی صفحہ ۲ پر)

سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

ملفوظات

(۵)

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

ارشاد فرمایا کہ ـــــ کتاب مفتاح الفیض، شیخ حسنؒ[عہ] طاہرؒ کی تصنیف ہے انھوں نے سلوک میں یہ بڑی اچھی کتاب تحریر فرمائی ہے ـــ

فرمایا کہ ـــ وہ علوم جن کا میں نے مطالعہ کیا ہے اور اپنی بساط کے مطابق انکو یاد بھی رکھتا ہوں ـــ ڈیڑھ سو علوم ہیں ـــ

ایک عالم نے عرض کیا کہ (عام طور پر) ۱۴ علوم بتائے جاتے ہیں ـــ فرمایا یہ تحصیلِ علم کے

عہ راجی حامد شاہؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کے والد شیخ طاہرؒ ملتان سے طلب علم کے سلسلے میں نکلے تھے وہ ایک مدت تک بلدۂ بہار میں رہے۔ شیخ حسنؒ بہار ہی میں پیدا ہوئے۔ عالم شباب میں طلب علم کے زمانے ہی میں دردِ طلب معرفت دامنگیر ہو گیا تھا ـــ بنابریں درویشوں کی خدمت میں رہنے لگے بعدہٗ راجی حامد شاہؒ کی خدمت میں پہونچے اور علماء میں سب سے پہلے یہی وہ شخص ہے جو حضرت راجی حامد شاہؒ کے مُرید ہوئے۔ جونپور میں سکونت اختیار کر لی تھی بعدہٗ سلطان سکندر لودی کی درخواست پر اوّل آگرہ پھر دہلی تشریف لے آئے دہلی کو شک نجے منزل میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ سکونت اختیار کر لی تھی ۲۰ ربیع الاول ۹۰۹ھ کو وصال ہوا۔
(اخبار الاخیار)

اعتبار سے ہیں ـــــ (نہ کہ مطالعہ کے اعتبار سے)

ایک شخص نے عرض کیا کہ ایک روز ذکر تھا کہ منظوم خطبہ ہندوستان میں رواج پا گیا ہے۔ تو کیا یہ جائز ہے؟ فرمایا مکروہ ہے مگر اس صورت میں مکروہ ہے جب کہ بالکل نظم ہی نظم ہو خواہ وہ نظم اردو میں ہو خواہ فارسی میں خواہ عربی میں ـــــ اگر بعد نثر (عربی) کچھ اشعار (عربی نصیحت آمیز) پڑھ دے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے ـــــ

فرمایا کہ ـــــ فوائد الفواد (ملفوظات سلطان المشائخ) سلوک کا دستور العمل ہے ـــــ بہت ہی اچھی کتاب ہے ـــــ ہر چند کہ امیر خسرو نے بھی ملفوظاتِ سلطان المشائخ جمع کئے ہیں لیکن وہ اس قدر مقبول نہیں ہیں۔

فرمایا کہ ـــــ سلطان المشائخ عظیم الشان بزرگ تھے اور ان کے خلفاء بھی کیسے کیسے عالیشان ہوئے ہیں جیسے حضرت اخی سراجؒ (یعنی شیخ سراج الدین عثمان اودھیؒ) حضرت نصیر الدینؒ (چراغ دہلی) ـــــ

فرمایا کہ ـــــ حضرات قدماءِ چشتیہ نے سماع، مزامیر کے ساتھ نہیں سنا چنانچہ سلطان المشائخ (حضرت نظام الدین اولیاءؒ) جو کہ سماع کے عاشق تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص مزامیر سنے وہ میری محفل میں نہ آئے ـــــ

ارشاد فرمایا کہ ـــــ شیخ سدوؒ کے نام کا کھانا نہ کھانا چاہیئے۔ اس لئے کہ اس کھانے کو

ع امروہہ میں سلطان معز الدین کیقباد کے زمانے میں اب سے ٹھیک سات سو سال پہلے سب سے پہلی جامع مسجد حکومت کی جانب سے بنائی گئی۔ عہد اکبری میں سید محمد میر عدل امروہویؒ نے اس کی شان و شوکت میں اور اضافہ کیا اس مسجد میں ایک مدرسہ بھی تھا جو مدرسۂ معزیہ کہلاتا تھا ـــــ اس مسجد کے ایک موذن صدر الدین (جو سدو کہلاتے تھے) کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ عملیات کا ماہر تھا اور غلط طریقے پر یہ بھی مشہور ہے کہ اس کی روح ماری ماری پھرتی ہے۔ ہوس پرستوں اور شرک پسندوں نے سدو کے نام پر کھانے کمانے کے دھندے نکال لئے اور مسلمانان امروہہ کی روشن پیشانی پر بدنامی کا ٹیکہ لگا دیا ـــــ صحیح طور پر متعین کرکے نہیں کہا جا سکتا مگر کوئی دو سو سال سے یہ شرک کا بازار گرم تھا۔ سدو کا بکرا تو مشہور ہی ہے جس کو قتادیؒ اور تفسیر میں حضرت

(باقی اگلے صفحہ)

لوگ بھوگ کے طور پر کرتے ہیں۔ سید کی ایذا رسانی کے خوف سے ——

ایک مُرید نے عرض کیا کہ بعض جگہ بعض جنات کی پختہ یا خام چیز پر نیاز دلاتے ہیں صرف اس خیال سے کہ یہ جن، فلاں بزرگ سے تعلق رکھتا تھا ——

فرمایا —— ایسا نہیں کرنا چاہیئے ——

ارشاد فرمایا —— میرے شاگردوں میں دو شاگرد معجب ہیں ایک مولوی رفیع الدین (شاہ رفیع الدین دہلویؒ) اور دوسرے مولوی الٰہی بخش (مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ) یہ دونوں بقید حیات ہیں (مولوی) مُراد علی (جو کہ میرے شاگرد ہیں) کلکتہ میں رہتے ہیں مگر شغل تدریس چھوڑ دیا ہے۔ تجارت میں مشغول ہو گئے ہیں —— باقی (اکثر شاگرد) انتقال کر گئے ——

فرمایا کہ —— مولوی رفیع الدین (دہلوی) نے ریاضیات میں اتنی ترقی کی ہے کہ ریاضی کے موجد محمد علی نے شاید اسی قدر ترقی کی ہو ——

ارشاد فرمایا کہ —— والد ماجدؒ نے ہر ایک فن میں ایک ماہر شخص تیار کیا تھا اور ہر فن کے طالب کو اُس فن کے ماہر کے سپرد کر دیتے تھے —— خود معارف گوئی اور معارف نویسی میں مشغول رہتے تھے اور درسِ حدیث دیتے تھے (بعض مضامین) بعدِ مراقبہ اور کشف کے ذریعے معلوم کر لینے کے بعد تحریر فرماتے تھے —— بیمار کم ہوتے تھے —— عمر شریف، ۶۱ سال چار ماہ کی ہوئی ۴ شوال المکرم کو پیدا ہوئے تھے اور ۲۹ محرم الحرام کو بوقت ظہر وفات پائی —— (اس کے بعد غالباً دوبارہ معلوم کر کے جامع ملفوظات نے وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ) آپکی تاریخ تولد ۴ شوال ۱۱۱۴ھ روز چہار شنبہ ہے —— تاریخ وفات —— اوبود امامِ اعظم دین —— ہے۔ ۱۱۷۶ھ

ارشاد فرمایا کہ —— سلطنت، کفر کے ساتھ قائم رہ سکتی ہے۔ ظلم کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتی ——

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

شاہ صاحبؒ نے حرام قرار دیا ہے۔ شرک پسندوں نے جن میں سنی اور شیعہ دونوں ہیں مسجد سے باہر میلا کرتے کرتے یہ چاہا کہ اس قدیم مسجد کو اپنے مشرکانہ رسوم کا مرکز بنائیں امروہہ کے حساس مسلمانوں نے ان کے مقصد کو پورا نہ ہونے دیا۔ اسکا مقدمہ سال بھر سے چل رہا ہے ناظرین الفرقان دعا کریں کہ اہل حق کو کامیابی ہو۔

ارشاد فرمایا کہ ـــــ فی الحقیقت بیعت، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلکہ خدا سے ہوتی ہے ـــــ تمام (مرشد) نائب حضرتِ رسالتمآب ہیں اور مُرید، بشرط اجازت، نائب مرشد ہوتا ہے ـــــ

فرمایا کہ مثنوی مولانا ـــــ رومؒ کل کی کل جواہر نفیسہ کی مانند ہے لیکن اُس کا ایک شعر تو لاکھ روپیے کا ہے ؎

ور کند رد لطف او شد بیشتر   بہر تقریب سخن ، بار دگر

(یعنی اگر اللہ تعالیٰ بندے کی دعا کو قبول نہ فرمائے تو یہ بھی اس کا ایک بڑا لطف و کرم ہوتا ہے اس لئے کہ اس صورت میں دوبارہ اس سے مناجات کرنے اور گفتگو کرنے کی تقریب پیدا ہو جاتی ہے) ـــــ

ایک شخص کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ ـــــ میں نے عربی اشعار ایک مدت تک کہے ہیں، اب دو سال سے کہنے موقوف کر دئے ہیں ـــــ نیز فرمایا کہ عربی نظم و نثر کی خوبی یہ ہے کہ اس میں عجمیت بالکل محسوس نہ ہو ـــــ چنانچہ ہمارے خاندان میں (عربی نظم و نثر کے اندر) یہی بات ہے (کہ بوئے عجمیت نہیں پائی جاتی)

فرمایا کہ والد ماجدؒ کی مثل مجھے کوئی شخص نظر نہیں آیا علاوہ کمال علوم اور دیگر کمالات کے ان کو ضبط اوقات میں بھی کمال حاصل تھا کہ بعد اشراق (تحریر و تصنیف کے لئے) بیٹھتے تھے اور دوپہر کے [illegible] نہیں [illegible] تھے حتیٰ کہ جسم کو کھجاتے اور تھوکتے بھی نہ تھے ۔

ایک بزرگ نے عرض کیا کہ میں نے آپ کے جد امجد (حضرت شاہ عبدالرحیمؒ) کو خواب میں دیکھا ہے بالکل آپ کی صورت تھے ـــــ فرمایا ہاں میں اپنے دادا سے بہت مشابہ ہوں ـــــ

فرمایا ـــــ میں نے نعتِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت سے اشعار کہے ہیں اور والد ماجدؒ کے ہر دو قصیدۂ ہمزایہ و بائیہ کو مخمس کیا ہے یعنی ہر شعر پر ـــــ تین مصرعے اپنی طرف سے لگائے ہیں ـــــ ادبی تذکرے میں بیدلؔ مجنوں کا ذکر آگیا تو فرمایا کہ میں نے بھی بیدلؔ کو ایک شعر میں نظم کیا تھا وہ شعر یہ ہے ؎

زنازکی طبع غیر از خود نمائیہا نمی آید   درخت بید را دیدم کہ دائم بے ثمر باشد

(ترجمہ ہو نازک مزاج لوگوں سے سوائے خود نمائی کے اور کچھ نہیں آتا میں نے درخت بید کو (جو کہ نازک ہوتا ہے) دیکھا کہ ہمیشہ بے ثمر رہتا ہے ۔۔۔

فرمایا کہ ۔۔۔ ہر چند والد ماجدؒ نے مجھے شغل معالجہ اور طبابت سے منع فرما دیا تھا لیکن طب (فی نفسہ) ہے اچھی چیز ۔۔۔ گویا جاں بخشی ہے ۔۔۔

نیز فرمایا کہ میں ایک مرتبہ بچپن میں بیمار ہو گیا تھا ایک حکیم نے میرا علاج کیا (بفضلہ تعالیٰ) مجھے شفا ہو گئی ۔۔۔ والد صاحبؒ نے ان حکیم صاحب سے فرمایا کہ چونکہ تم نے مجھے خوش کیا ہے اس لئے بولو میں تمھارے حق میں کیا دعا کروں ۔ اگرچہ اس انداز میں بات کہنی والد ماجدؒ کی عادت کے خلاف تھی (مگر حکیم صاحب سے یہ بات فرما دی) حکیم صاحب نے عرض کیا کہ آپ دعا کر دیں کہ میں ملازم ہو جاؤں اسی زمانے میں وہ سو روپیے کے ملازم ہو گئے اور سواری بھی انکو ملی ۔۔۔ جب انہوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں (آپکی دعا سے) ملازم ہو گیا تو فرمایا کہ تمھاری ہمت بہت کم تھی کہ تم نے فقط دنیا پر اور اتنی حقیر چیز پر اکتفا کیا ۔۔۔

ارشاد فرمایا کہ ۔۔۔ مکۂ معظمہ میں اس وقت سلطان مراد (شاہ روم) کی بنوائی ہوئی عمارت ہے جس کو ۱۰۱۶ھ میں تعمیر کرایا تھا ۔۔۔

ارشاد فرمایا ۔۔۔ قطب مینار سات منزل کا تھا ، اب چھ منزل رہ گیا ہے ۔ اس پر سے ایک فقیر (تماشے کے طور پر) جست لگایا کرتا تھا اور کمال یہ کرتا تھا کہ اپنے لمبے اور گھیر دار لباس کے ساتھ ہوا میں معلق ہو جاتا تھا ، پھر انتہائی کمال یہ دکھاتا تھا کہ (نیچے کھڑے ہوئے تماشائیوں کے مجمع میں سے) کوئی انعام کے لیے روپیہ دکھاتا تھا تو اس روپے کو لینے کے لیے اوپر سے نیچے جست لگا کر اترتا تھا اور اس مجمع کثیر میں سے اسی روپیہ دکھانے والے کو پکڑ لیتا تھا ، حالانکہ اتنے جھگڑے میں ایک مخصوص شخص کا شناخت کر لینا مشکل بات ہے ۔ میں نے اس کا یہ کمال اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ۔۔۔

ارشاد فرمایا ۔۔۔ (ایک مرتبہ رمضان کے مہینے میں) ایک رات میں نے دہلی کی جامع مسجد میں شمار کیا تھا ۳۰ جگہ حفاظ ، جماعت کے ساتھ تراویح پڑھا رہے تھے ۔

فرمایا کہ ۔۔۔ اگر آدمی کردار کا سچا اور پکا ہو تو بڑی اچھی بات ہے ۔۔۔

کتب سلوک میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک چور تھا اس نے اپنے گروہ سے یہ عہد کیا تھا کہ میں بڑے بادشاہ کے گھر کے کسی کے یہاں چوری نہیں کروں گا چنانچہ ایک رات موقع پاکر وہ بام بادشاہ پر چڑھ گیا، دیکھا کہ بادشاہ جاگ رہا ہے اور اپنی بیوی سے لڑکی کی شادی کے بارے میں گفتگو کر رہا ہے۔ درمیان گفتگو میں بادشاہ نے کہا کہ میں گرد و نواح کے شاہوں میں اس لڑکی کا رشتہ نہیں کروں گا، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ کسی ایسے شخص سے اس کی شادی کروں جو صالح ہو اور دین کا بادشاہ ہو، بیوی نے کہا کہ آپ کس طرح پہچانیں گے کہ یہ دین کا بادشاہ ہے، جواب دیا کہ جو شخص ایک سال تک تکبیر اولیٰ فوت کیے بغیر نماز باجماعت پڑھے گا وہ بلاشبہ صالح ہوگا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کو کوئی عذر شرعی ہو اور اس کی وجہ سے کبھی تکبیر اولیٰ رہ جائے۔

اس چور نے جب یہ سنا تو چوری چھوڑ چھاڑ ایک مسجد میں ڈیرا ڈال لیا اور سال بھر تک اس کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی ـــــ اب سوائے اس کے کوئی ارادہ نہ تھا کہ اس کی تکبیر اولیٰ سال بھر تک فوت نہ ہوئی ہو (ایک سال گزرنے پر بعد تحقیقات) بادشاہ اس مسجد کی طرف گیا، سلام و کلام اور تعظیم و تکریم کے بعد بادشاہ نے اس شخص سے دریافت کیا کہ آپ کے پیر و مرشد کون ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ میرے پیر و مرشد تو سرکار ہی ہیں اور پورا قصہ بیان کیا ـــــ پھر (بادشاہ کے کہنے کے باوجود) اس کی لڑکی سے اپنی شادی کرنا منظور نہیں کیا ـــــ

پھر ارشاد فرمایا کہ نیت ہمیشہ ڈانواڈول رہا کرتی ہے، اسی بنا پر بزرگوں نے کہا ہے کہ عمل خیر میں مشغول رہنا چاہیئے انشاء اللہ تعالیٰ کبھی نہ کبھی نیت درست ہو ہی جائے گی۔

فرمایا کہ ـــــ حکومت نواب وزیر (حکومت اودھ) ابھی تک دار الحرب نہیں ہوئی اگرچہ دار الضعف ہے ـــــ تجربے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اس حکومت میں بے برکتی بہت ہے، اگرچہ یہ بے برکتی انگریزوں کی عملداری والے علاقوں سے کم ہے ـــــ

مولانا عبد العلیؒ (بحر العلوم فرنگی محلی) کا اور آصف الدولہ کے ان کو طلب کرنے کا ذکر آیا تو فرمایا کہ غازی الدین حیدر اگر مجھے بلا منصب و جاگیر بھی طلب کرے گا تو میں وہاں جاؤں گا، بشرطیکہ وہ میرے مسلک سے متعرض نہ ہو، اور پھر انشاء اللہ تعالیٰ دکھاؤں گا کہ ایک

مخلوق راہِ ہدایت پر آجائے گی، اپنی تقاریر کا ڈھنگ بھی بدل دوں گا، یعنی وہ تقاریر بالکل چھوٹے اور نئے انداز کی ہوں گی۔ جو سب میں مقبول ہوں گی اور لوگ متوجہ ہو کر دینِ حق اختیار کرلیں گے۔

ارشاد فرمایا ـــــ پانی کم پینے سے قوّتِ گویائی بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ حکیم سنائیؒ نے فرمایا ہے ؎

ذہنِ ہندی و نطقِ اعرابی　　بود از کم خوری و کم آبی

(یعنی ہندوستانی کا ذہن کم کھانے اور عرب کے دیہاتی کی قوتِ گویائی کم پینے کی وجہ سے ہے)

فرمایا کہ ہر قوم کا ذہن کسی نہ کسی فن میں ہوتا ہے۔ چنانچہ ذہنِ ہنود، حساب میں اور ذہنِ انگریز، جزوی صنعت و حرفت میں اور ریاضیات میں خوب ہے، اگرچہ وہ دقائقِ منطقیہ اور مسائل الٰہیات و طبیعیات کو کم سمجھتے ہیں۔ الّا ماشاء اللہ۔

فرمایا کہ ـــــ دو میوے ایسے ہیں کہ تینؔ حواس ان سے لذت یاب ہوتے ہیں۔ ولایت میں سیب اور ہندوستان میں آم ـــــ قوتِ باصرہ ان میووں کے رنگ سے، قوّتِ شامّہ ان کی خوشبو سے اور زبان انکے ذائقے سے لذت حاصل کرتی ہے۔

فرمایا ـــــ کسی شاعر نے کیا خوب فرمایا ہے۔

کیمیا خواہی، زراعت کُن کہ خوش گفت آنکہ گفت
زَرعؔ را ثلثین زراست و ثلثِ دیگر ہم زراست

(یعنی اگر تو کیمیا کا خواہشمند ہے تو زراعت کر، بقول شخصے زَرع (کھیتی) کے حروف میں دوؔ ثلث تو زَر ہے ہی، آخری ثلث بھی عین ہے جسکے معنی سونے کے ہیں)

چہل قدمی کے وقت نوابؔ فیض محمد خاں وغیرہ اُمراء، سواری سے اُتر اُتر کر ملاقات اور معانقہ کررہے تھے، ان میں بعض اُمراء ایسے بھی تھے کہ پھر سوار نہیں ہوئے، حضرت والا کے پیچھے پیچھے چلتے تھے (اسی چہل قدمی کی حالت میں) فرمایا کہ میں اس مرض سے جس کی بنا پر یہ چہل قدمی کررہا ہوں ـــــ دیگر امراض کے مقابلے میں زیادہ تکلیف محسوس کرتا ہوں۔
پھر یہ شعر پڑھا۔

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوانِ عشق
او بصحرا رفت و ما در کوچہ ہا رُسوا شدیم

(یعنی میں اور مجنوں دونوں مکتبِ عشق میں تعلیم پایا کرتے تھے۔ وہ جنگل کی طرف چلا گیا اور میں گلی کوچوں میں رسوا ہو گیا)۔

پھر فرمایا جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہو وہی بہتر ہے۔

چوں طمع خواہد زمن سلطانِ دیں　　خاک، بر فرقِ قناعت بعد ازیں

(یعنی اگر سلطانِ دیں مجھ سے بالفرض، طمع کا مطالبہ کرے تو پھر میں طمع کروں گا اور قناعت کے سر پر خاک ڈال دوں گا)

پھر امیر خسروؒ کے وہ اشعار پڑھے جو تعریفِ دہلی میں ہیں۔ (ان میں ایک شعر یہ ہے۔)

حضرتِ دہلی، کنفِ دین و داد　　جنتِ عدن است کہ آباد باد

چہل قدمی کے بعد مکان واپس آکر چارپائی پر استراحت فرما ہوئے، شاہزادہ مرزا محمد جان تشریف رکھتے تھے وہ چارپائی کے نیچے بیٹھے رہے، ارشاد فرمایا کہ معاف کرنا میں معذور ہوں، میرا خادم بھی مالشِ اعتقار کے لیے چارپائی کے اوپر بیٹھے گا۔ (یہ سُن کر) شاہزادے نے تواضع کا اظہار کیا اور اپنے ہاتھ سے بدنِ مبارک کو دابنا شروع کر دیا۔ حضرت والا نے معذرت کر کے اس کو اس خدمت سے باز رکھا۔

اسی اثنا میں ایک حافظ صاحب وارد ہوئے۔ ان کی خیریت دریافت کرنے کے بعد فرمایا۔ میں نے سُنا ہے کہ تم اچھی آواز سے اشعار پڑھتے ہو۔ مجھے اشتیاق ہے، کچھ سناؤ، مگر یہ واضح رہے کہ اگر میری مرضی کے موافق نہ ہوئے تو منع کر دوں گا، اس کو معاف کر دینا۔ پھر ایک مرید سے ارشاد فرمایا کہ کلماتُ الصادقین میں سے جو کہ صلحاءِ دہلی کے حالات پر مشتمل ہے۔ کچھ پڑھو۔ پھر ارشاد فرمایا کہ ترکِ اولیٰ یا خطائے اجتہادی کی وجہ سے کسی پر طعن و اعتراض کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ ہر معاملے میں خصوصاً کسی پر اعتراض کرنے میں طریقۂ اعتدال اختیار کرنا اچھا ہے۔

فرمایا کہ ــــــ شاہ عبد اللطیف گجراتیؒ کے متعلق عالمگیرؒ نے جب کچھ تعظیمی الفاظ

لکھے ہیں — جب عالمگیرؒ نے دکن سے اُن کو لکھا کہ اشتیاقِ قدمبوسی، غالب ہے، اگر اجازت ہو تو حاضر خدمت ہو جاؤں تو انھوں نے جواب میں تحریر فرمایا کہ آپ کے یہاں آنے میں ایک قباحت ہے اور وہ یہ کہ آپ مجھ (ناکارہ) کو دیکھ کر یہ سمجھیں گے کہ اولیائے سابق بس اسی طرح کے ہوں گے جیسا کہ یہ ہے، اس صورت میں اولیائے کبار کی طرف سے آپ کا ذہن غلط ہو جائے گا۔

بقیہ معارف الحدیث

نہ ہونے کی وجہ سے مردہ ہو گئی ہیں بارش نازل فرما کر اُن میں جان ڈال دے۔

(سنن مالک و ابوداؤد)

(تشریح) غور کیا جائے اس دُعا میں کتنی اپیل ہے اور رحمتِ الٰہی کو متوجہ کر لینے کی کتنی طاقت ہے۔

مسٹر مولوی

از جناب وحید الدین خاں

مولانا عبد الباری صاحب نہ صرف ندوی تھے بلکہ صورت اور سیرت میں پورے "مولوی" نظر آتے تھے۔ دوسری طرف وہ انگریزی بھی اتنی ہی جانتے تھے جتنا کوئی "مسٹر" جان سکتا ہے۔ چنانچہ ان کے کالج کا پرنسپل ایف ڈبلیو بین (F. W. BAIN) ان کو "مولوی صاحب" کہنے کے بجائے مسٹر مولوی کہا کرتا تھا۔ "مسٹر مولوی" کے پاس اگرچہ میٹرک کا سرٹیفکٹ بھی نہیں (انھوں نے زندگی میں پہلی بار صرف میٹرک کا امتحان دیا تھا جس میں فیل ہو گئے) مگر اللہ تعالیٰ نے انھیں وہ سب کچھ دیا جو ایم اے اور پی ایچ ڈی والوں کو ملتا ہے۔ یہاں ایک لطیفہ قابل ذکر ہے جو میں نے مولانا کی زبان سے سنا۔ الہلال کے زمانہ میں ایک بار مولانا عبد الماجد دریابادی اور مولانا ابو الکلام آزاد کے درمیان مباحثہ ہوا۔ موضوع یہ تھا کہ (PAIN AND PLEASURE) کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ مولانا دریابادی نے اس کا ترجمہ "حظ و کرب" کے الفاظ میں کیا تھا۔ اور مولانا آزاد کا خیال تھا کہ اس کا بہتر ترجمہ "لذت و الم" ہے۔ بحث شدت پکڑ گئی تو مولانا دریابادی نے کہا "آپ کی تعلیم کس درس گاہ یا یونیورسٹی میں ہوئی ہے" مولانا آزاد نے فوراً جواب دیا:

"میں رب المشرقین و المغربین کی درس گاہ کا تعلیم یافتہ ہوں۔"

حقیقت یہ ہے کہ تعلیم صرف درس گاہوں اور یونیورسٹیوں میں نہیں ہوتی۔ اگر کسی کے اندر صلاحیت اور لگن ہو تو اپنی ذاتی محنت سے وہ سب کچھ سیکھ سکتا ہے اور ڈگری کے بغیر وہ سب کچھ حاصل کر سکتا ہے جس کی امید عام حالات میں صرف ڈگری والے ہی کرتے ہیں۔

مولانا عبدالباری ندوی (سابق صدر شعبۂ فلسفہ، عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد) کی پیدائش یکم اگست ۱۸۸۹ء کو لکھنؤ کے ایک قصبہ میں ہوئی۔ آپ کا خاندان روایتی طور پر ایک نہایت خوددار اور عزت مند خاندان تھا۔ آپ کے آباد اجداد انصار سے تعلق رکھتے تھے اور غالباً ہرات سے ہندوستان آکر غالباً جون پور میں آباد ہوئے۔ مولانا نے بتایا کہ ان کو ایک خاندانی کاغذ میں یہ لکھا ہوا ملا ــــ "از ولایت مغرب آمدہ در قصبہ ابراہیم آباد چکلہ دار شدند"۔ یہ بزرگ عبدالحکیم صاحب تھے جو غالباً آپ کے دادا کے پردادا تھے۔ "چکلہ دار" اس زمانہ میں ایک بڑا مالی عہدہ تھا جس کا کام لگان وصول کرنا ہوتا تھا۔ اس کے بعد آپ کے خاندان کو ائمہ داری کا منصب ملا۔ یہ دینی خدمت کا عہدہ تھا جس کے ساتھ گزارہ کے لیے جائداد بھی ملتی تھی۔ نواب سعادت علی خاں کے زمانہ میں اس پر مال گزاری لگادی گئی۔ عبدالحکیم صاحب کو یہ چیز بہت ناگوار ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ میرے دروازہ پر آج تک کبھی حکومت کا کارندہ نہیں آیا۔ میں اس کو برداشت نہیں کرسکتا۔ چنانچہ اس کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے دہلی روانہ ہوئے۔ ابراہیم آباد پہنچے تو وہاں ایک بزرگ رسول میاں سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے کہا " اس دنیا کے لیے تم دہلی جاؤ گے "۔ چنانچہ انھیں روک لیا اور اپنی زمین پر مکان تعمیر کرکے ان کے لیے رہنے کا انتظام کردیا۔ مندرجہ بالا فارسی فقرہ میں غالباً اسی نقل مکان کی طرف اشارہ ہے۔

خودداری کی یہ روایت مولانا عبدالباری ندوی کے خاندان میں نمایاں خصوصیت کے طور پر ہمیشہ باقی رہی ہے۔ مولانا عبدالباری کے خاندانی خدام تک میں خودداری کا یہی جوہر تھا۔ آپ کے دادا کے زمانہ میں آپ کے ایک خاندانی ملازم تھے جن کا نام رحیم (؟) تھا۔ آپ کے دادا کے بھائی صاحب کی اہلیہ رخصت ہوکر آئیں تو اس وقت میاں رحیم بوڑھے ہوچکے تھے۔ اور اکثر لیٹے بیٹھے رہتے تھے۔ خاتون نے ایک روز کہا " تم بیٹھے بیٹھے کھاتے ہو اس طرح کام نہیں چلے گا "۔ میاں رحیم نے اکڑ کر کہا " سنو دلھن بی! تم ابھی نئی نئی آئی ہو۔ میں نے اس گھر میں بچپن سے پرورش پائی ہے۔ تمہارا جی چاہے چلی جاؤ۔ میں تو یہیں پلا ہوں، یہیں مروں گا "۔ دادا صاحب کے بھائی (خاتون کے شوہر) کو معلوم ہوا تو انھوں نے اپنی اہلیہ کو تنبیہ کی اور کہا انھیں نوکر نہ سمجھو۔ وہ جیسے رہتے ہیں ویسا انھیں رہنے دو۔

آپ کے دادا حکیم خادم علی صاحب کو شاہ عالم بادشاہ کی طرف سے فخر الحکما طبیب السلطان کا خطاب ملا تھا (فرمان ۱۱ جمادی الثانی ۱۲۰۹ھ) ایک بار آپ کے یہاں وہ ودی پوش (؟) آپہنچے۔

یہ مہاراجہ بڑودہ کے فرستادہ تھے۔ انھوں نے حکیم خادم علی صاحب کی خدمت میں پانچ سو روپیوں کی تھیلی پیش کی۔ اور ایک فرمان دکھایا جس میں مہاراجہ بڑودہ نے انھیں اپنا طبیب خاص مقرر کرکے بڑودہ آنے کی دعوت دی تھی۔ فرمان میں لکھا تھا کہ آپ کو پانچ سو روپے مشاہرہ کے طور پر ملیں گے اور اس کے علاوہ مکان اور سواری مفت ہوگی (واضح ہو کہ سو برس پہلے کا پانچ سو روپیہ آج کل کے پانچ ہزار سے بھی زیادہ تھا)

حکیم خادم علی صاحب اندر گئے، اہلیہ محترمہ اس وقت آنگن میں ایک کھری چارپائی پر لیٹی ہوئی تھیں۔ آپ نے روپیوں کی تھیلی چارپائی پر رکھ دی اور فرمان سے مطلع کیا۔ خاتون محترم نے کہا "ہم کہیں نہیں جائیں گے" اور تھیلی پر اس طرح پاؤں مارا کہ وہ نیچے گر پڑی۔ حکیم خادم علی صاحب خاموش باہر چلے آئے اور مہاراجہ بڑودہ کو لکھ دیا کہ گھر والوں کی رائے نہیں ہے۔ اس لیے میں حاضر ہونے سے معذور ہوں۔ مولانا عبدالباری ندوی نے مجھ سے یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا "میرے دادا خاندان میں دنیادار قسم کے آدمی تھے" میں نے کہا "پہلے زمانہ میں دنیادار ایسے ہوتے تھے اب ویسے دین دار بھی نہیں"

مولانا عبدالباری ندوی کے والد حکیم عبدالخالق صاحب پر دین داری اور خودداری کا یہ رنگ اور زیادہ غالب تھا۔ مولانا عبدالباری پیدا ہوئے تو آپ کے والد حکیم عبدالخالق صاحب اپنے پیرو مرشد جناب مولانا محمد نعیم صاحب سے بچہ کا نام رکھنے کی فرمائش کی۔ مرشد نے مسکرا کر فرمایا "خالق باری پیدا کرلو" چنانچہ آپ کا نام عبدالباری رکھا گیا۔

مولانا عبدالباری صاحب بچپن سے کمزور تھے۔ شادی کی بات چلی تو موصوف کی ہونے والی خوشدامن سے کسی نے کہا "تم کس مردہ سے اپنی لڑکی کی شادی کررہی ہو؟" خاتون نے جواب دیا "میں تو اس خدا کے بھروسہ پر شادی کررہی ہوں جو مردوں کو جلاتا ہے"۔ مولانا نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا "اسی دوران میں میری بہن کی شادی میرے سالے سے ہوئی جو نہایت تندرست اور سرخ و سپید تھے۔ مگر مدت گزری کہ ان سالے صاحب کا انتقال ہو چکا۔ اور میں اپنی عمر کی آٹھویں دہائی میں بھی یہ داستان سنانے کے لئے زندہ ہوں۔

آپ کی ابتدائی تعلیم بیترک دبارہ بنکی میں ہوئی۔ وہاں آپ کا خاندان قاضی اکرام احمد صاحب تعلقہ دار کے یہاں رہتا تھا۔ قاضی صاحب نے اپنی طرف سے ایک مکتب قائم کیا تھا جس میں مولوی

توکل حسین صاحب پڑھایا کرتے تھے۔ اس مکتب میں شرفاء کے بچے پڑھتے تھے۔ مولوی توکل حسین صاحب اگرچہ قاضی اکرام احمد صاحب کے ملازم تھے۔ مگر وہ بھی اس قدر خود دار تھے کہ کبھی تعلقہ دار صاحب سے ملنے نہیں گئے۔ مولانا عبدالباری ندوی کی ابتدائی تعلیم انھیں کے یہاں ہوئی۔

اس کے بعد آپ دار العلوم ندوۃ العلماء (لکھنؤ) آگئے۔ یہاں آپ نے ۱۱ر شوال ۱۳۱۹ھ کو عربی کے پہلے درجہ میں داخلہ لیا۔ اور ۹ برس رہ کر فراغت حاصل کی۔ مولانا اس زمانہ میں ندوہ آئے، جب ندوہ کی موجودہ عمارت تعمیر نہیں ہوئی تھی اور ندوہ خاتون منزل (گولہ گنج، لکھنؤ) میں تھا۔ "مجھے اچھی طرح یاد ہے" مولانا نے کہنا شروع کیا، "اس وقت طلبہ کی علمی، دینی، اخلاقی حالت نہایت خراب تھی۔ علمی حالت یہ تھی کہ طلبہ میں ذوقِ علم بالکل مفقود تھا۔ طلبہ عام طور پر کھیل کود کی باتیں کیا کرتے تھے۔ میرا خود یہ حال تھا کہ شرح جامی اور کافیہ تک پہنچ چکا تھا مگر عربی کی دو سطر عبارت بھی صحیح پڑھ نہیں سکتا تھا۔ دینی حالت یہ تھی کہ اکثر طلبہ کا "پیالہ" بند ہوتا تھا۔ (قاعدہ یہ تھا کہ جو طالب علم نماز میں غیر حاضر پایا جائے اس کا گوشت بند کر دیا جائے اور صرف دال کھانے میں دی جائے۔ اسی کا نام تھا پیالہ بند ہونا) مولانا حفیظ اللہ صاحب مرحوم اس وقت نماز پڑھاتے تھے۔ وہ غلس میں فجر کی نماز شروع کرتے اور لمبی نماز پڑھاتے مگر بیشتر طلبہ اخیر سجدہ میں پہنچتے تھے۔ فجر کے بعد حاضری ہوتی تھی کتنے لڑکے صرف حاضری کے لیے آخر وقت میں دوڑ کر مسجد پہنچ جاتے تھے . . . .

. . . . . . تاکہ پکار کے وقت "لبیک" کہہ سکیں۔ میں خود پیالہ والی نماز پڑھتا تھا اور اکثر لبیک پر قناعت کرتا تھا۔

اخلاقی حالت کا یہ عالم تھا کہ ہم لوگ پھاٹک پھاند پھاند کر تھیٹر دیکھنے جاتے تھے۔ اور بازار جا کر "بنگالی مٹھائی" کھاتے تھے۔ گھر سے جو روپیہ آتا تھا وہ فیس کی ادائگی کے بجائے اس طرح کی چیزوں میں خرچ ہو جاتا تھا۔ چنانچہ فیس کے تقاضے کے لئے دفتر سے گھر پر خطوط جانے لگے۔ والد صاحب نے یہ صورت دیکھی تو مجھ کو ندوہ سے اٹھا کر نگرام بھیج دیا۔

۱۹۰۵ء میں مولانا شبلی ندوہ آئے اور معتمد کی حیثیت سے یہاں مقیم ہوئے۔ ان کے بعد ندوہ کی شہرت بہت بڑھ گئی۔ چنانچہ والد نے دوبارہ مجھ کو نگرام سے بلا کر ندوہ میں کر دیا۔ اب جو میں ندوہ آیا ہوں تو یہاں کا منظر ہی دوسرا تھا۔ مولانا شبلی نے ندوہ کو بالکل بدل دیا تھا۔ ان سے پہلے

لڑکے بہت کم کسی کے یہاں بیٹھتے تھے۔ مولانا شبلی آئے تو ان کے یہاں لڑکوں کی بھیڑ لگی رہنے لگی۔ مولانا شبلی بہت اعلیٰ درجے کے (CANVERSATIONIST) تھے۔ ان کی باتیں اتنی دلچسپ ہوتی تھیں کہ جی چاہتا تھا سنا کرے۔ ان کی صحبت میں علم کا ذوق نہیں بلکہ علم کا نشہ پیدا ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں مولانا عبدالباری صاحب نے ایک دلچسپ واقعہ بتایا۔ ایک طالب علم جن کا نام عبدالعزیز تھا، ان کو مولانا کی باتیں سن کر لکھنے کا شوق ہوا، وہ نخاس جا کر بڑی سی کرسی خرید لائے اور اس پر بیٹھ کر مضمون لکھنا شروع کر دیا۔ مگر مولانا شبلی بہت مردم شناس تھے۔ ان کو جب عبدالعزیز صاحب نے اپنا مضمون دکھایا تو مولانا نے کہا "آپ مضمون نگاری کی زحمت نہ کریں"

مولانا عبدالباری صاحب نے بتایا کہ مولانا شبلی محض اندھا دھند تقریر نہیں کرتے تھے بلکہ ہر ایک کو دیکھ کر اس کی صلاحیت کے مطابق اسے کام بتاتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے مولانا مسعود علی ندوی کو بھی مضمون نگاری سے منع کر دیا تھا۔ البتہ ان کے اندر انتظامی صلاحیت دیکھ کر انتظام کے کاموں کی تربیت دیتے تھے۔ اس کے برعکس مولانا سید سلیمان ندوی کو لکھنے کی طرف بڑھاتے تھے، مولانا مسعود علی ندوی کو ایک بار کچھ دلگیر دیکھ کر فرمایا ـــــ "قوم کو سلیمانوں کی جتنی ضرورت ہے، اس سے کم مسعودوں کی ضرورت نہیں ہے"

مولانا عبدالباری ندوی نے بتایا کہ مولانا شبلی کے آنے سے پہلے جو ندوہ میں نے دیکھا تھا اس میں لڑکوں کو کبڈی اور پارٹی بازی کا ذوق تھا۔ بہاری پارٹی اور اودھ پارٹی کے نام سے جماعتیں بنی ہوئی تھیں اور ان میں باہم مقابلے ہوتے تھے۔ مگر مولانا شبلی کے آنے کے بعد لکھنے پڑھنے کا ذوق پیدا ہو گیا۔ کتب خانہ میں پہلے مشکل سے کوئی طالب علم نظر آتا تھا۔ اب کتب خانہ بھرا رہنے لگا۔ مجھ کو خود تاریخ سے کبھی تعلق نہیں تھا مگر مولانا شبلی کی صحبتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں کتب خانہ میں جا کر ابن خلدون اور ابن خلکان پڑھنے لگا۔ میں جو پہلے دو سطر عربی عبارت صحیح نہیں پڑھ سکتا تھا پہلے ہی سال اول آیا۔ میرا یہ جوہر دیکھ کر مولانا حفیظ اللہ صاحب نے تعجب سے کہا "یہ عطا آخرہ کا بچہ ہے" (مولانا عبدالباری دبلے پتلے آدمی تھے اسی لئے مولانا عبدالحفیظ صاحب ان کو عطا آخرہ کہا کرتے تھے)

مولانا شبلی کو طلبہ کی ترقی اور ان کو تعلیم میں آگے بڑھانے کا جنون تھا۔ خود مولانا عبدالباری ندوی نے بتایا کہ مجھ سے مولانا نے کہا کہ تم تقریر کیا کرو۔ میں نے کہا میں مجمع دیکھ کر مرعوب ہو جاتا ہوں۔

مولانا نے فرمایا مجمع کے سامنے کھڑے ہو تو سمجھو کہ سب گدھے بیٹھے ہیں۔ میں نے کہا "گدھے بھی اگر اتنی بڑی تعداد میں اکٹھا ہوں تو میں مرعوب ہو جاؤں گا" جب مولانا نے دیکھا کہ میرے اندر آمادگی پیدا نہیں ہو رہی ہے تو مولانا نے کہا اچھا میرے کمرہ میں آکر میرے سامنے تقریر کرو۔ چنانچہ یہ حیرت انگیز بات ہے کہ مولانا شبلی نے ان کو اپنے کمرہ میں بلا کر تنہائی میں ان سے تقریر کرائی۔ خود مجمع کی جگہ پر تھے اور مولانا عبد الباری مقرر کی جگہ پر۔ اس طرح بار بار کراتے رہے دیگر لائق طلبہ کے ساتھ بھی مولانا شبلی کا طرز عمل یہی تھا۔

مولانا عبد الباری ندوی نے بتایا کہ مولانا شبلی کو طلبہ سے بہت گہرا قلبی تعلق تھا۔ ان کی ایک خاص خصوصیت یہ تھی کہ وہ طلبہ پر نگاہ رکھتے تھے اور جس طالب علم کے اندر صلاحیت دیکھتے اس کی حوصلہ افزائی کرتے اور ہر طرح آگے بڑھانے کی کوشش کرتے۔ ایک بار جبکہ مولانا شبلی دہلی میں تھے ۔۔۔ مولانا عبد الباری ان سے ملنے گئے، جب وہاں پہنچے ہیں تو مولانا شبلی اس قدر خوش ہوئے جیسے ان کا اپنا لڑکا آگیا ہے۔ مولانا شبلی ندوہ کے لڑکوں کو گویا اپنی اولاد معنوی سمجھتے تھے۔ ان کے ذوق کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک بار ان کے لڑکے حامد نعمانی کی تعریف کرتے ہوئے کسی نے کہا "وہ فٹ بال کے مقابلہ میں اول آئے ہیں" مولانا نے فرمایا "یہ شبلی کے لڑکے کی تعریف تو نہ ہوئی" مولانا عبد الباری ندوی کا بیان ہے کہ مولانا شبلی کو ہم لوگوں سے جتنا تعلق تھا اس کا عشر عشیر بھی اپنی اولاد کے ساتھ دیکھنے میں نہیں آیا۔

"مولانا شبلی کے آنے سے طلبہ کی دینی و اخلاقی حالت کیسے بدل گئی" میں نے مولانا عبد الباری ندوی سے سوال کیا۔ مولانا نے فرمایا "مولانا شبلی کے اندر اہل اللہ والا روحانی ذوق تو نہیں تھا۔ مگر ان کے آنے سے طلبہ کے اندر ایک موڑ پیدا ہو گیا۔ جو طلبہ سطحی چیزوں میں مشغول رہتے تھے وہ علمی اور تعلیمی مشاغل میں لگے رہنے لگے۔ چونکہ یہ موڑ عربی علوم اور اسلامی تاریخ کی طرف تھا اس لیے اس کے قدرتی نتیجہ کے طور پر اخلاق اور دین میں بھی تبدیلی ہوئی۔ مولانا شبلی کی مجلسوں میں شکوہ شکایت یا غیر ضروری باتوں کے بجائے ہمیشہ علمی گفتگو ہوتی تھی۔ وہ قرآن کا درس بھی دیتے تھے جو بے حد جاذب ہوتا تھا۔ اسلامی تاریخ کے کارناموں سے ان کی گفتگوئیں بھری رہتی تھیں، ان تمام وجوہ سے طلبا کے اندر دینی و اخلاقی اثر پڑنا ناگزیر تھا۔ چنانچہ جب میں نگرام سے دوبارہ ندوہ آیا ہوں تو مجھے یاد نہیں کہ پھر کبھی میں کسی کے ساتھ پھاٹک پھاند کر تھیٹر وغیرہ کے لیے گیا ہوں۔ بیہودہ والی شرارتیں بھی بہت کم ہو گئیں۔ اخلاق میں بھی یک گونہ اسلامیت نظر آنے لگی۔

مولانا عبدالباری ندوی نے بتایا کہ اس زمانہ میں ندوہ میں انگریزی زبان کی تعلیم کے لئے دو ماسٹر مقرر تھے۔ مگر انگریزی اختیاری زبان تھی۔ مولانا عبدالباری صاحب کو چونکہ انگریزی سے ابتداً کوئی دلچسپی نہیں تھی اس لئے انھوں نے طالب علمی کے زمانہ میں انگریزی نہیں پڑھی البتہ مصر سے ایک عربی رسالہ المقتطف نام کا آتا تھا، اس کو پڑھا کرتے تھے۔ اس رسالہ میں اکثر جدید فلسفہ سے متعلق مضامین شائع ہوا کرتے تھے۔ مولانا عبدالباری ندوی کو ان مضامین سے خاص دلچسپی ہوتی تھی۔ اس دلچسپی نے بالآخر یہ رجحان پیدا کیا کہ انگریزی پڑھیں تاکہ فلسفہ جدید کو براہ راست اصل کتابوں میں دیکھ سکیں۔

ندوہ سے فراغت کے بعد مولانا عبدالباری صاحب نے اپنے والد محترم سے کہا کہ اب میں انگریزی پڑھنا چاہتا ہوں "میں اس کار خیر میں تمہارے ساتھ شریک نہیں ہو سکتا" یہ والد صاحب کا جواب تھا۔ موصوف قدیم طرز کے دین دار بزرگ تھے اور انگریزی تعلیم کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے خرچ دینا بند کر دیا۔ مولانا عبدالباری صاحب اپنے شفیق اور استاد مولانا شبلی نعمانی کے پاس آئے اور اپنے ارادہ کا اظہار کیا۔ مولانا شبلی بہت خوش ہوئے اور کہا "تم انگریزی پڑھو میں ہر طرح تمہاری مدد کروں گا۔ اور سر آغا خاں سے وظیفہ دلا کر تم کو یورپ بھیجوں گا" اس کے بعد ابتدائی انگریزی تعلیم کے لیے مولانا شبلی نے ندوہ سے ان کا وظیفہ جاری کر دیا اور ایک ماسٹر مقرر کر دیا کہ وہ روزانہ انھیں انگریزی پڑھایا کرے۔

مولانا عبدالباری صاحب نے اے بی سی ڈی سے شروع کیا اور صرف تین کلاسیں پڑھنے کے بعد براہ راست فلسفہ کا مطالعہ شروع کر دیا۔ سب سے پہلے آپ نے ہیو پاسٹ کی پرابلمز آف فلاسفی پڑھی۔ مولانا کو صرف الفاظ کے معنی معلوم کرنے کے لیے مدد کی ضرورت پڑتی تھی، اس کے بعد وہ اپنے فطری فلسفیانہ ذوق کی وجہ سے مطلب خود سمجھ لیتے تھے۔

یہ سلسلہ دو سال جاری رہا، اسی دوران میں مولانا عبدالباری صاحب نے ارسطو کے فلسفہ پر انگریزی کی ایک کتاب پڑھی جس میں لکھا تھا کہ ابن رشد نے ارسطو کی صحیح ترجمانی نہیں کی ہے۔ اس وقت ابن رشد کا نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی (کلکتہ) کی لائبریری میں تھا۔ مولانا عبدالباری ندوی نے ابن رشد اور دوسری فلسفیانہ کتابوں کو دیکھنے کے لئے کلکتہ جانے کی خواہش ظاہر کی۔ مولانا شبلی نے فوراً سفر کا انتظام کر دیا اور مولانا ابوالکلام آزاد کے نام ایک خط دے کر روانہ کیا۔

مولانا عبدالباری صاحب کلکتہ میں متعلقہ پتہ پر پہنچے، مکان کے باہر ایک شخص بیٹھا ہوا تھا، "میں مولانا ابوالکلام صاحب سے ملنا چاہتا ہوں" معتقد نے مولانا ندوی سے یہ الفاظ سنے تو ان کو خشمگیں نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس وقت مولانا آزاد اپنے والد کے جانشین تھے اور "حضرت" کے بجائے کسی اور لفظ سے انھیں یاد کرنا گستاخی سمجھی جاتی تھی۔ مولانا عبدالباری نے قصداً زور سے بولنا شروع کیا، مولانا ابوالکلام آزاد نے آواز سنی تو خود باہر نکل آئے اور اندر لے جاکر عزت سے بٹھایا۔ پھر انھیں اپنی گاڑی میں بٹھا کر اپنے ساتھ لائبریری لے گئے، اور وہاں لائبریرین سے تعارف کرایا۔ جب تک مولانا عبدالباری صاحب وہاں رہے مولانا آزاد کا یہی سلوک ان کے ساتھ باقی رہا۔

مولانا آزاد ہمیشہ مولانا عبدالباری ندوی کو بند گاڑی میں بٹھا کر نکلتے تھے، اس سلسلے میں مولانا عبدالباری صاحب نے لطیفہ بتایا کہ چونکہ شہر میں مولانا آزاد کے والد کے معتقدین کا بڑا حلقہ تھا اور مولانا آزاد اب ان کے جانشین تھے، اس لئے اگر کسی کو وہ مولانا آزاد کے برابر بیٹھا دیکھتے تو دل گیر کرتے کہ یہ کون بے تمیز ہے جو حضرت کے برابر بیٹھنے کی گستاخی کررہا ہے۔ اس لئے مولانا آزاد گاڑی کو بند رکھتے تھے۔ مولانا عبدالباری صاحب نے بہت کہا کہ میں پیچھے کی سیٹ پر بیٹھ جاؤں گا آپ گاڑی کھلی رکھیں۔ مگر مولانا آزاد راضی نہیں ہوئے اور ساتھ بٹھا کر بند گاڑی میں لے جاتے رہے۔

ایشیاٹک سوسائٹی کے نسخے سے عربی اور انگریزی ترجموں کا تقابل کرنے کے بعد مولانا عبدالباری ندوی اس نتیجہ پر پہنچے کہ مغربی مصنفین جو یہ کہتے ہیں کہ مسلمان ارسطو کی گاڑی کے قلی تھے "وہ اس قافلہ کے ساتھ صحیح ہے کہ اندھے قلی تھے جنھیں یہ خبر نہیں تھی کہ اس گاڑی پر کیا لدا ہوا ہے" مولانا کے الفاظ میں یہ مسلم فلاسفہ قال ارسطو کہہ کر اس میں کثرت سے اقوال شریک کر دیتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ ہمارے فلاسفہ کو چونکہ یونانی کتابیں براہ راست دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ اس لئے انھوں نے اس کو سمجھنے میں سخت غلطیاں کیں۔ مثال کے طور پر انھوں نے کہا کہ یہ لوگ یونان کے افلاطون (PLATO) اور مصر کے فلاطینوس (PLOTINUS) کو اکثر ملا دیتے ہیں۔ مشائی فلسفہ اصل میں فلاطینوس سے چلا ہے نہ کہ افلاطون سے۔

مولانا عبدالباری ندوی جب ایشیاٹک سوسائٹی سے فارغ ہوگئے تو مولانا آزاد نے ایک روز کہا "ابھی تک تو آپ نے یہاں کے خشک مقامات دیکھے ہیں، اب تر مقامات بھی دیکھئے" مولانا عبدالباری نے جواب دیا "اس کے لئے تو کسی رند کی رہنمائی کی ضرورت ہے" اس بے تکلفی کی وجہ غالباً یہ تھی کہ دونوں

کے درمیان کلکتہ کے سفر سے پہلے تعلقات قائم ہو چکے تھے۔ ؁ء میں جب مولانا آزاد الندوہ کے اسسٹنٹ اڈیٹر ہو کر آئے اور ندوہ میں مقیم ہوئے تو دونوں کا کمرہ بالکل ایک دوسرے سے ملا ہوا تھا۔ مولانا عبدالباری صاحب نے کہا کہ یہ بھی ایک تاریخی واقعہ ہے جس کو میرے سوا بہت کم لوگ جانتے ہوں گے۔ مولانا عبدالباری صاحب کا بیان ہے کہ ایک روز ندوہ میں ایک شخص پہنچا جس کو ہم میں سے کوئی شخص پہچانتا نہ تھا۔ اس کے ساتھ کسی قسم کا کوئی سامان نہیں تھا، بدن پر ایک جوڑا کپڑا اور ہاتھ میں کوئی کتاب غالباً ریلوے ٹائم ٹیبل۔ اس وقت مولانا شبلی کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ وہ شخص چند روز اس طرح رہا کہ دن بھر شہر میں کہیں گزارتا اور شام کو واپس آکر اپنی کتاب کا تکیہ لگا کر چارپائی پر سو رہتا۔ مولانا شبلی واپس ہوئے تو دیکھ کر سخت متعجب ہوئے، انھوں نے مولانا مسعود علی ندوی کو بلایا اور کہا کہ "یہ ابو الکلام آزاد ہیں یہ یوں ہی خالی ہاتھ چلے آتے ہیں۔ ان کے لیے فوراً کپڑا، بستر اور ہر چیز کا انتظام کرو۔" مولانا عبدالباری صاحب کا بیان ہے کہ مولانا آزاد جس شان سے آئے تھے اسی شان سے واپس بھی گئے یعنی اپنا تمام سامان کمرہ میں چھوڑ کے ایک روز اٹھے اور بدن پر جو کپڑا تھا بس اسی کو پہنے ہوئے روانہ ہو گئے۔

مولانا عبدالباری ندوی نے مزید بتایا کہ مولانا آزاد تقریباً پورا مہینہ چھت پر ادھر گھومتے گھومتے میں گزار دیتے تھے۔ وہ بہت کم پڑھنے یا لکھنے میں مشغول نظر آتے۔ جب مہینہ کی آخری تاریخیں آجاتیں تو قلم کاغذ لے کے بیٹھتے اور دو دن میں پورا رسالہ لکھ ڈالتے چنانچہ مولانا شبلی نے ان کا نام "لکھاڑ" رکھا تھا۔

کلکتہ سے واپسی کے بعد مولانا عبدالباری ندوی پھر مولانا شبلی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ علی گڑھ جا کر وہاں فلسفہ کے لکچروں میں شرکت کروں۔ مولانا شبلی یہ سن کر بہت خوش ہوئے، انھوں نے کہا تم ضرور علی گڑھ جاؤ۔ میں تمھارا سارا انتظام کیے دیتا ہوں۔ اس کے بعد مولانا شبلی نے ان کو تین خط لکھ دیے۔ ایک، مشہور جسٹس اقبال احمد کے نام جو اس وقت علی گڑھ میں وکالت کرتے تھے، ان کو یہ لکھا کہ یہ تمھارے یہاں رہیں گے۔ دوسرا خط صاحبزادہ آفتاب احمد سکریٹری ایجوکیشنل کانفرنس کے نام جس میں انھیں وظیفہ دینے کی سفارش کی گئی تھی۔ تیسرا خط نواب وقار الملک سکریٹری محمڈن کالج کے نام۔ جس میں اس بات کی اجازت کے لیے کہا گیا تھا کہ مولانا عبدالباری صاحب فلسفہ کے لکچروں میں شرکت کر سکیں۔

مولانا کے لیے علی گڑھ میں قیام کا انتظام ہو گیا۔ وظیفہ کے لیے صاحبزادہ آفتاب احمد نے پوچھا کتنا

AL LI

کتنا چاہتے ہو۔ مولانا نے کہا کہ پندرہ روپے کافی ہوں گے۔ چنانچہ انھوں نے فوراً جاری کر دیا۔ مگر لکچروں میں شرکت نہ ہو سکی۔ کیونکہ پرنسپل نے کہا کہ اگر اس قسم کا دروازہ کھولا گیا تو وہ بند کس طرح ہوگا۔

اس وقت خان بہادر شیخ مقبول حسین سی آئی ای (تعلقہ دار گدیہ) کشمیر میں ریونیو منسٹر تھے۔ مولانا نے طے کیا کہ وہ کشمیر جا کر وہاں انگریزی اور فلسفہ کی تیاری کریں۔ مولانا نے مقبول حسین صاحب کو لکھا کہ یہاں سے میرا وظیفہ ہو گیا ہے۔ آپ کے یہاں صرف قیام کروں گا اور وہاں کی پرسکون فضا میں مطالعہ کروں گا۔ مقبول صاحب نے جواب دیا "رہو گے میرے ساتھ اور کھاؤ گے اپنا" انھوں نے لکھا کہ بے تکلف چلے آؤ اور جب تک جی چاہے رہو۔ چنانچہ مولانا کشمیر پہونچ گئے اور وہاں پہونچ کر مولانا شبلی کو خط لکھا تو مولانا نے انھیں ہمت افزا جواب دیا اور لکھا کہ

"ہمت بلند دار"

مولانا عبدالباری صاحب کچھ دن کے بعد کشمیر سے واپس آگئے اور پھر مولانا شبلی کے یہاں پہنچے، مولانا بہت خوش ہوئے۔ "اب تم کیا چاہتے ہو" مولانا شبلی نے پوچھا۔ مولانا عبدالباری نے کہا میرا خیال ہے کہ میں تیاری کر کے پرائیوٹ امتحان دوں۔ مگر پرائیوٹ امتحان کی اجازت صرف ٹیچروں کو ملتی ہے۔ اس لئے اگر کسی اسکول میں جگہ مل جائے تو میں امتحانات کا سلسلہ جاری رکھ سکتا ہوں۔ اس وقت مولانا شبلی کے ایک شاگرد انسپکٹر آف اسکولس کے عہدہ پر تھے، مولانا نے ان سے کہہ کر مولانا عبدالباری صاحب کو سلطان پور کے ایک ہائی اسکول میں عربی ٹیچر مقرر کرا دیا۔ اس اسکول میں مولانا عبدالباری ندوی یکم اگست ۱۹۱۲ء سے مارچ ۱۹۱۴ء تک رہے۔ مگر مولانا عبدالباری صاحب شروع سے نہایت خوددار آدمی تھے، وہ خوشامد کرنا بالکل نہیں جانتے تھے۔ ان سے نباہ کرنے کے لئے مولانا شبلی جیسے بلند فطرت انسان کی ضرورت تھی۔ چنانچہ سلطان پور میں ایک بار ڈپٹی انسپکٹر معائنہ کے لئے آیا تو وہ کھڑے نہیں ہوئے اور اپنی جگہ کرسی پر بیٹھے پڑھاتے رہے۔ صرف یہ کیا کہ ایک مزید کرسی منگوا کر اپنے پاس رکھوا دی تاکہ وہ کلاس میں بیٹھنا چاہیں تو بیٹھ سکیں۔ اس طرح کے واقعات نے کشیدگی پیدا کی اور مولانا عبدالباری صاحب نے ہائی اسکول سے استعفا دے دیا۔

اس کے بعد مولانا عبدالباری صاحب کی دوسری زندگی شروع ہوتی ہے۔

۱۹۱۳ء میں دکن کالج پونہ میں فارسی کے لکچرر کی ایک جگہ خالی ہوئی، اس وقت پروفیسر شیخ عبدالقادر وہاں السنہ مشرقیہ کے شعبہ کے صدر تھے۔ انھوں نے مولانا شبلی سے ایک آدمی مانگا، ان کا خیال تھا کہ عربی مدرسہ کا ایک فارغ التحصیل، کالج کے تعلیم یافتہ کے مقابلہ میں عربی اور فارسی زیادہ اچھی پڑھا سکتا تھا۔ مولانا شبلی نے مولانا سید سلیمان ندوی کو تجویز کیا۔ چنانچہ ان کا تقرر ہو گیا۔ نومبر ۱۹۱۴ء میں مولانا شبلی مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو تار دے کر مولانا سید سلیمان ندوی کو بلایا:

"دیکھو سیرت میری زندگی کی آخری آرزو تھی، تم اسے پوری کرنا" استاد نے شاگرد کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

"ضرور ضرور" شاگرد نے جواب دیا۔

اس کے بعد سید صاحب پونہ سے واپس آگئے اور مولانا شبلی کے چھوڑے ہوئے کاموں کی تکمیل میں مصروف ہو گئے۔

دکن کالج (پونہ) میں مولانا سید سلیمان ندوی کی واپسی سے جو جگہ خالی ہوئی تھی اس کے لیے پروفیسر شیخ عبدالقادر نے دوبارہ مولانا سید سلیمان ندوی سے آدمی دینے کے لیے کہا۔ انھوں نے مولانا عبدالباری کا نام پیش کر دیا چنانچہ مولانا عبدالباری ندوی کا وہاں تقرر ہو گیا۔

دکن کالج میں آپ اکتوبر ۱۹۱۵ء میں آئے، وہاں اس وقت مسٹر بین (E. W. Bain) پرنسپل تھے۔ یہ ایک نہایت قابل انگریز تھا۔ وہ یونیورسٹی کی سینٹ اور سنڈیکیٹ وغیرہ کا ممبر تھا۔ مگر کبھی کسی کے اجلاس میں شریک نہیں ہوتا تھا۔ کہتا تھا کہ "یہ احمقوں کی جماعت (Body of Fools) ہے" کالج کا پورا انتظام صرف ایک کلرک سے چلاتا تھا، اور اس کلرک کا کام بھی زیادہ تر صرف یہ تھا کہ اہل تنخواہ کے بل وغیرہ بنا دیا کرے۔ "دفتریت" اور "میٹنگ" کی قسم کی چیزیں اس کے یہاں بالکل خارج از بحث تھیں۔ مولانا عبدالباری صاحب کے پاس کوئی ڈگری نہیں تھی۔ حتیٰ کہ میٹرک کا سرٹیفکٹ بھی نہیں تھا۔ چنانچہ دکن کالج میں جب بحیثیت اسسٹنٹ لکچرر ان کا تقرر ہوا تو مسٹر بین نے پروفیسر شیخ سے جواب طلب کیا۔ پروفیسر شیخ نے کہا، "ڈپارٹمنٹ کا ذمہ دار ہی زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے کہ کون شخص زیادہ بہتر کام کر سکتا ہے" انگریز پرنسپل نے اس دلیل کو قبول کر لیا اور ان کے تقرر کی تصدیق کر دی۔

مسٹر بین بھی خودداری کے معاملہ میں بالکل مولانا عبدالباری کا ہم مزاج تھا، وہ لارڈ ولنگڈن

کا ہم سبق تھا جو اس وقت بمبئی کے گورنر تھے۔ ایک بار کسی جلسہ میں پرنسپل اور گورنر دونوں جمع تھے مسٹر بین نے ہنستے ہوئے کہا "میں اور لارڈ ولنگڈن دونوں ایک ساتھ پڑھتے تھے انھیں پڑھنے لکھنے سے دلچسپی نہیں تھی، اس لئے یہ گورنر ہو گئے۔ مجھے پڑھنے لکھنے سے دلچسپی تھی اس لئے میں پرنسپل بنا" مجمع یہ سن کر ہنس پڑا اور لارڈ ولنگڈن بھی ہنسنے لگے۔

ایک بار مولانا عبدالباری صاحب کو بمبئی جانا تھا، وہ رخصت لینے کے لئے پرنسپل کے کمرہ میں پہنچے۔ مولانا نے رخصت کی درخواست پیش کی تو مسٹر بین نے کہا، میں پھر کیا کردوں؟ [illegible] am to do، مولانا کو اس جواب پر سخت حیرانی ہوئی۔ آخر مسٹر بین نے مشکل حل کی۔ اس نے بتایا کہ میرے یہاں رخصت کا کوئی قاعدہ نہیں ہے، میں ایسے لوگوں کو اپنے کالج میں رکھنا پسند نہیں کرتا جو اہلیت اور فرض شناسی سے کام کرنا نہ جانتے ہوں۔ اس کے بعد مولانا کو بٹھا کر جو کچھ کہا اس کا حاصل یہ تھا کہ میں اپنے رفقائے کار سے یہ امید رکھتا ہوں کہ بغیر کسی معقول عذر کے وہ اپنے فرائض منصبی میں کوتاہی نہ کریں گے۔ لہٰذا درخواست اور رخصت کے قانونی طریقہ کے بجائے میں نے ان کو یہ اختیار دے رکھا ہے کہ جب انھیں کوئی ضرورت ہو وہ نوٹس بورڈ پر نوٹس لگادیں کہ فلاں دن یا اتنے دن میرے لکچر نہ ہوں گے تاکہ طالب علم پریشان نہ ہوں، کلاس لینا یا نہ لینا آپ کا کام ہے، میرا کام صرف یہ ہے کہ میں دیکھوں کہ آپ نے مقررہ کورس پورا کیا یا نہیں" مولانا نے اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد مجھ سے فرمایا "دوسروں کا حال تو خدا معلوم۔ مگر اس کے بعد اپنا حال تو یہ رہا کہ تاگزیر عذر کے بغیر شاید ہی کبھی کوئی لکچر ناغہ ہوا ہو" مسٹر بین کی اس پالیسی کا نتیجہ یہ تھا کہ دکن کالج کا تعلیمی معیار نہایت اونچا تھا اور اس کا نتیجہ ہمیشہ بہت عمدہ رہتا تھا۔

"آپ وہاں کس زبان میں پڑھاتے تھے" میں نے پوچھا۔ مولانا نے فرمایا "جب تک سید صاحب تھے وہ فارسی زبان میں پڑھاتے تھے۔ مگر مجھے فارسی بولنے پر قدرت نہیں تھی، اس لیے میں نے انگریزی میں پڑھانا شروع کیا۔ مجھے انگریزی بولنے کی مشق نہیں تھی لیکن میں بخوبی پڑھ لیتا تھا۔ اگرچہ کلاس سے باہر ایک جملہ بھی انگریزی کا بولنا میرے لئے مشکل تھا۔ بعض لوگوں نے مشہور کیا کہ "مسٹر مولوی" انگریزی بول نہیں پاتے وہ کیا پڑھائیں گے؟ پرنسپل نے تحقیق کے لئے ان کے درجہ کے ایک طالب علم مسٹر منشی سے پوچھا۔ منشی نے جواب دیا "اگر مسٹر مولوی رہ گئے تو پھر سیڈنسی میں ان کے مقابلہ کا کوئی نہ رہے گا"۔

دکن کالج کے زمانہ قدیم کے تجربات میں سے ایک تجربہ پروفیسر شیخ عبدالقادر تھے۔ یہ شعبہ کے صدر تھے اور مولانا عبدالباری ان کے ماتحت اسسٹنٹ لیکچرر، وہ بیرونی ڈگری یافتہ تھے۔ نیز بمبئی یونیورسٹی کے فیلو، سنڈیکیٹ کے ممبر اور آئی، سی، ایس بھی تھے۔ مگر شرافت اور تواضع کا عالم یہ تھا کہ گو بحیثیت صدر شعبہ کی حیثیت سے لیکچروں کی تقسیم تمام تر ان کے اختیار کی چیز تھی مگر مولانا نے بتایا کہ ان کا معمول تھا کہ آغاز سال میں خود میرے پاس آتے اور کہتے "میرے سپرد کیا خدمت فرماتے ہیں" کس قدر عجیب بات ہے۔ افسر خود اپنے ماتحت سے پوچھ رہا ہے کہ میں اپنے ذمہ کون سا کام لوں اور آپ کے ذمہ کون سا کام رکھوں۔ پروفیسر شیخ عبدالقادر کا روزانہ کا معمول تھا کہ وہ گھر سے کالج کے لئے روانہ ہوتے تو ان کا تانگہ پہلے مولانا عبدالباری کے مکان کے سامنے آ کر کھڑا ہوتا۔ مولانا کو اپنے ساتھ تانگہ میں بٹھا کر کالج لے جاتے اور پھر شام کو اپنے ساتھ واپس لاتے۔ وہ عام طور پر گھر کا ضروری سامان اتوار کو یا مہینہ کے شروع میں خریدا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ بھی معمول بنا لیا تھا کہ مولانا کے یہاں ضرورت دریافت کر لیتے کہ بازار سے کچھ منگوانا تو نہیں ہے۔ کبھی کبھی اس شاپنگ میں مولانا خود بھی ساتھ ہو جاتے ورنہ عام طور پر مولانا کا ملازم پروفیسر شیخ کے ساتھ چلا جاتا اور وہ سارا سامان خرید کر بھیج دیتے۔

یہ وہ شخص تھا جس کی تعلیم تمام تر مغربی اداروں میں ہوئی تھی۔ اس کی مثال آج ان لوگوں میں بھی مشکل سے ملے گی جو دینی اداروں میں تعلیم پا کر نکلے ہیں

مولانا عبدالباری ندوی ابھی دکن کالج ہی میں تھے کہ پروفیسر شیخ کا تبادلہ ہو گیا اور وہ [illegible] بمبئی چلے گئے۔ ان کی جگہ ایک پارسی مسٹر ہوم جی شعبہ کا صدر ہو کر آیا۔ یہ تن و توش کے اعتبار سے کافی موٹا آدمی تھا۔ چنانچہ میں اس کے بارے میں یہ کہا کرتا تھا:

HE IS TOO HEAVY TO BE A SCHOLAR

اتنا موٹا آدمی اسکالر نہیں ہو سکتا۔ ہوم جی نے ایک دوست کے ذریعہ مولانا عبدالباری کے یہاں کہلایا کہ میں عربی پڑھنا چاہتا ہوں۔ "بہت شوق سے" مولانا نے جواب دیا۔ کچھ دن بعد پھر دوست آئے اور دوبارہ ہوم جی کی خواہش کا اعادہ کیا۔ مولانا نے کہا — "میں نے تو کہہ دیا تھا کہ میں حاضر ہوں پھر اس میں کیا بات ہے" پیغام رساں نے کہا "ہوم جی کی خواہش ہے کہ آپ ان کے بنگلہ پر زحمت کریں" مولانا نے صفائی سے جواب دیا:

"ہیوم جی سے کہہ دیجئے کہ میں کالج کا نوکر ہوں، ان کا نوکر نہیں ہوں۔ ان کو اگر پڑھنا ہے تو میرے یہاں آئیں۔ میں ان کے یہاں نہیں جا سکتا"

اس کے بعد ہیوم جی مولانا عبد الباری کا سخت مخالف ہو گیا۔

مولانا عبد الباری تندہی کو اس کالج میں چار سال گزرے تھے کہ مسٹر ہین کا تبادلہ ہو گیا۔ مسٹر ہین نے جاتے ہوئے مولانا عبد الباری کو بلایا۔ جب وہ اس کے دفتر میں پہنچے تو اس نے اپنی دراز کھولی اور اس میں سے چٹھوں کی ایک گڈی نکالی "یہ سب آپ کے خلاف شکایتوں کا مجموعہ ہے" مسٹر ہین نے کہا "مسٹر ہیوم جی مسلسل آپ کے خلاف شکایتیں لکھ لکھ کر بھیجتے رہے ہیں۔ صرف میں ان کے اور آپ کے درمیان روک بنا ہوا تھا۔ مگر میرے بعد آپ یہاں نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ ہین کا جانا تھا کہ اس کے بعد فوراً مولانا کا تبادلہ گجرات کالج (احمد آباد) ہو گیا۔

مسٹر ہین مولانا کے الفاظ میں اپنی قسم کا انوکھا (unique) آدمی تھا۔ مولانا عبد الباری نے فرمایا کہ اس طرح کا آدمی میں نے اپنی زندگی میں کوئی دوسرا نہیں دیکھا۔ اس نے جس کامیابی کے ساتھ اپنا کالج چلایا اس کی کوئی دوسری مثال شاید ملک بھر میں نہیں ملے گی۔ اس کی اس کامیابی کی اہم ترین وجہ ہیوم جی کو برعکس مثال میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ہیوم جی نے مولانا عبد الباری جیسے قیمتی استاد سے صرف اس لئے کالج کو محروم کر دیا کہ وہ اس کے حاضر باش نہیں بن سکے۔ اس کے برعکس مسٹر ہین مولانا عبد الباری سے اسی بنا پر خوش تھا کہ وہ اس کی خوشامد اور حاضر باشی نہیں کرتے۔ وداعی پارٹی میں تقریر کرتے ہوئے اس نے "مسٹر مولوی" کا نام لے کر ان کا اعتراف کیا۔ اس نے جو الفاظ کہے تھے وہ بے حد حیرت انگیز ہیں:

"مسٹر مولوی کبھی میرے بنگلہ پر مجھ سے ملنے نہیں آئے، انھوں نے کبھی میرے نام کرسمس کارڈ نہیں بھیجا، کبھی کوئی تحفہ میری خدمت میں پیش نہیں کیا۔ مگر اس کے باوجود میں ان سے بہت خوش ہوں، میرے طور پر ان کی بے حد قدر ہے کیونکہ وہ اپنے کام کو بہترین طور پر انجام دینے کی کوشش کرتے ہیں"

کس قدر عجیب بات ہے ایک ادارہ کا افسر اعلیٰ اس بات کی تعریف کر رہا ہے کہ اس کا ایک ماتحت اس کی خوشنودی کے لئے کوئی کام نہیں کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی چیز کسی ادارہ کی ترقی اور کامیابی کی ضمانت ہے۔

جیسے بہت حضرات انسان ہی کسی معاملہ میں اونچے درجہ کی صلاحیت کو جمع کرسکتے ہیں۔

مولانا عبدالباری ندوی احمد آباد پہونچ کر وہاں صرف ایک سیشن رہ سکے۔ ان کے جیسے قیمتی جوہر سے کام لینے کے لئے ہیں جیسے عالی ظرف اور قدر دان شخص کی ضرورت تھی، اور موجودہ زمانہ میں ایسے افراد .... نایاب ہیں۔

مولانا عبدالباری ندوی اپنی خودداری اور غیر خوشامد پسند طبیعت کی وجہ سے احمد آباد کے افسروں سے نباہ نہ کرسکے اور ایک سال کے بعد مارچ ۱۹۱۳ء میں یہاں سے استعفا دے کر وطن چلے گئے۔

جس زمانہ میں آپ گجرات کالج (احمد آباد) میں تھے۔ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا ایک اجلاس سورت میں دسمبر ۱۹۱۲ء میں ہوا۔ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کی فرمائش پر آپ نے اس موقع پر "مذہب و عقلیات" کے عنوان سے ایک لکچر دیا۔ جو بعد کو مرتب کرکے علی گڑھ سے کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ سر ابراہیم رحمت اللہ (ایجوکیشن ممبر بمبئی) جلسہ کے صدر تھے۔ وہ لکچر کو سن کر بے حد متاثر ہوئے۔ اور کہہ دیا کہ اس کو نہ صرف اردو میں بلکہ انگریزی میں بھی ضرور آنا چاہیئے۔ جلسہ کے بعد انھوں نے مولانا سے بہت ہی نیاز مندانہ بلکہ طالب علمانہ ملاقات کی۔ یہ بھی ایک زمانہ تھا جبکہ لیاقت کی قدر ہوتی تھی۔ اب لیاقت کی قدر نہیں ہوتی البتہ اس کے علاوہ ہر دوسری چیز کی ہوتی ہے۔

گجرات کالج سے واپس ہوکر مولانا اپنے وطن چلے آئے۔ اس وقت مولانا سید سلیمان ندوی دارالمصنفین میں مقیم تھے۔ مولانا نے لکھا "یہاں آجاؤ جیسے میں رہتا ہوں ویسے تم بھی رہنا" چنانچہ مولانا عبدالباری ندوی اعظم گڑھ چلے گئے۔ دارالمصنفین میں آپ تقریباً ایک سال رہے، اسی قیام کے زمانہ میں آپ نے سیرت النبی کا "معجزات" کا حصہ لکھا جو کتاب کے حصہ چہارم میں شامل ہے۔

مولانا عبدالباری ندوی نے دکن کالج (پونہ) کے قیام کے زمانہ میں برکلے کی کتاب "پرنسپل آف ہیومن نالج" کا ترجمہ اردو زبان میں کیا۔ یہ آپ کا پہلا ترجمہ تھا۔ مولانا نے فرمایا کہ میں نے فلسفہ کو بالکل آغاز سے پڑھنا شروع کیا۔ پڑھتے پڑھتے جب میں برکلے تک پہنچا تو برکلے نے مجھ کو "پکڑ لیا"۔ مولانا کو سب سے زیادہ جس فلسفی نے متاثر کیا وہ برکلے ہے۔ مولانا کا خیال ہے کہ درمیان میں مادیت کے غوغا میں برکلے کی آواز دب گئی تھی مگر بیسویں صدی میں سائنس میں جو انقلاب آیا ہے اس کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برکلے دوبارہ تاریخ میں واپس آگیا۔

بمبئی کے ایک سیٹھ روشن علی مولانا کے بے حد معتقد ہو گئے تھے۔ مولانا جس زمانہ میں بمبئی میں رہتے، وہ معتقدانہ اپنی گاڑی لے کر آتے اور مولانا کو ساتھ لے کر سیر کے لئے جاتے، ان کی اس گرویدگی کی وجہ صرف مولانا کا ایک جملہ تھا جو انھوں نے برکلے کے ترجمہ میں حاشیہ پر لکھ دیا تھا:

"صاف سمجھ میں نہیں آتا کہ برکلے کے اس فقرہ کا مطلب کیا ہے!"

مبادی علم انسانی، معارف پریس اعظم گڑھ، ۱۹۵۵، صفحہ ۸۸

یہ اب سے پچاس برس پہلے کی بات ہے، اب تو نہ ایسا اعتراف کرنے والے لوگ ہیں اور نہ اعتراف کی قدر کرنے والے۔

فلسفہ کی دوسری کتاب جس کا مولانا نے ترجمہ کیا وہ ہیوم کی ہیومن انڈرسٹینڈنگ تھی جو دارالمصنفین سے [illegible] میں شائع ہو چکی ہے۔ ان کتابوں کے ترجمے کے ذریعہ آپ کی فلسفہ دانی اور ترجمہ کی اہلیت کی شہرت ہوئی۔ ڈاکٹر اقبال نے برکلے کی کتاب کا ترجمہ دیکھ کر لکھا تھا "اب مجھے یقین ہو گیا کہ اردو میں بھی یہ صلاحیت ہے کہ جدید فلسفہ کے خیالات اس میں کامیابی کے ساتھ منتقل کئے جا سکیں"۔

اس شہرت کا نتیجہ یہ ہوا کہ دارالترجمہ حیدرآباد دکن نے آپ سے بی اے اور ایم اے کے کلاسوں کے ترجمہ کی فرمائش کی۔ اس سلسلے میں آپ نے جو سب سے پہلا ترجمہ کیا وہ میکنزی کی کتاب "مینول آف ایتھکس" تھی۔ عنایت اللہ خاں صاحب جو اس وقت دارالترجمہ کے ناظم تھے اور خود بھی ترجمہ کی غیر معمولی صلاحیت کے لئے مشہور تھے، انھوں نے ترجمہ دیکھا تو کہا "آپ نے مصنف کے ہاتھ سے کتاب چھین لی۔ میکنزی خود بھی اردو میں لکھتا تو اس سے اچھا نہیں لکھ سکتا تھا"۔

اس کتاب کے ترجمہ کے سلسلے میں مولانا نے ایک لطیفہ بتایا۔ وہ چھپ کر آیا تو ٹائیٹل پر مترجم کا نام لکھا ہوا تھا "عبدالباری ندوی، ایم اے" مولانا کا ترجمہ اتنا کامیاب تھا کہ دارالترجمہ والوں نے سمجھا کہ مترجم کم سے کم ایم اے تو یقیناً ہوگا۔ چنانچہ اس یقین کو انھوں نے کتاب کے ٹائیٹل پر منتقل کر دیا۔

اس کے بعد آپ نے بہت سی کتابوں کے ترجمے کئے، حتیٰ کہ آپ کے ترجمہ کی صلاحیت اتنی مشہور ہوئی کہ دارالترجمہ والے چاہتے تھے کہ صرف آپ کا نام ترجمہ میں آ جائے، ایک بار عنایت اللہ خاں صاحب نے یہ [illegible] کتابیں آپ کے [illegible] آپ نے کہا کہ ایسی حالت میں یہی ہو سکتا

بہ اپنے شاگردوں سے ترجمہ کرا کے آپ کو دے دوں عنایت اللہ خاں نے جواب دیا "آپ ڈپٹی کمشنر کنسلٹ کرتے ہیں تو مجھ سے پوچھنے آتے ہیں ہم کو تو آپ کا نام اور ذمہ داری چاہیئے" ایک بار آپ کو دو کتابیں ترجمہ کے لئے دی گئیں آپ نے جان چھڑانے کے لئے کہہ دیا " میں دس ہزار روپیہ لوں گا " یہ دارالترجمہ کے مقررہ اصول سے بہت زیادہ تھا۔ دارالترجمہ میں اس وقت بی اے کی کتابوں کے ترجمے کے لئے پانچ روپیہ فی صفحہ اور ایم اے کی کتابوں کے لئے سات روپیہ فی صفحہ معاوضہ دیا جاتا تھا، مولانا کی مطلوبہ رقم دس روپیہ فی صفحہ سے بھی زیادہ تھی۔ یہ ایسی شرح تھی جو اب تک سائنس کی بھی کسی اونچی سے اونچی کتاب کے لئے نہیں دی گئی تھی۔

ناظم شعبہ جناب عنایت اللہ خاں صاحب اور شمس العلما مولوی ذکاء اللہ صاحب نے پہلے اصرار کیا اور اس کے بعد خاموش ہو گئے۔ ہفتہ عشرہ کے بعد بہت خوش خوش یہ اطلاع دی کہ ہم سر اکبر حیدری (فنانس منسٹر) سے ملے اور ان کو ذہن نشین کرایا کہ فلسفہ میں ایسا ترجمہ کرنے والا کوئی اس وقت نہیں ہے چنانچہ آپ کے لئے بالکل استثنائی طور پر وہ راضی ہو گئے ہیں کہ ان دونوں کتابوں کے ترجمہ کے لئے آپ کو دس ہزار روپیہ دیا جائے۔

ترجمہ کے کام سے آپ کے بھاگنے کی وجہ یہ تھی کہ دارالترجمہ کی کتابیں عام طور پر کورس کی ہوتی ہوتی تھیں اور آپ محض کورس کی کتابوں کے لیے لفظی ترجمہ کی شدید مذمت پسند نہیں کرتے تھے۔ اس کے برعکس کلاسیکل کتابوں کا ترجمہ آپ کو پسند تھا۔ آپ کا خیال تھا کہ اس قسم کی کورس کی کتابوں میں ترجمے کے بجائے ترجمانی و تلخیص کا اصول ہونا چاہیئے۔ تاکہ مترجم کو کم محنت کرنی پڑے۔ جی۔ ایف۔ اسٹاوٹ کی کتاب مینول آف سائیکالوجی کے دیباچہ میں یہ الفاظ آپ کی کیفیت کے ترجمان ہیں:

> " درسی کتابیں بالعموم اور ان میں بھی جی۔ ایف۔ اسٹاوٹ صاحب کی مینول آف سائیکالوجی کی سی بالخصوص، ترجمہ کے بجائے اخذ و تلخیص کے لئے زیادہ موزوں ہوتی ہیں، باقی مترجم کی جان لینے کا حق اگر حاصل ہے تو صرف نہ مرنے والی کلاسیکل کتابوں کو نہ کہ حشرات الارض کی طرح اور پیدا ہو کر فنا ہونے والی کتابوں کو۔"

مدینۂ نفسیات، مطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، ۱۹۲۸ء، صفحہ ۲

آپ کی ترجمہ کی قابلیت کو دیکھ کر دارالترجمہ سے آپ کو فلسفہ کے مترجم کی جگہ کی پیش کش کی گئی مشاہرہ

پھر سو کے گریڈ (۲۰۰ ـــ ۳۰۰) کا تھا جس کو آج کل کے لحاظ سے چھ ہزار سمجھنا چاہئیے) مگر آپ نے قبول نہیں کیا کیونکہ آپ کے الفاظ میں "مترجمی کو مستقل پیشہ بنانے سے مناسبت نہیں"۔ ترجمہ میں آپ کی شہرت کی وجہ سے آپ کو علمی اصطلاحات کے ترجمے کے بورڈ کا ممبر بنا دیا گیا۔ حالانکہ آپ احتجاج کرتے رہے کہ مجھے طب سے کوئی واسطہ نہیں ہے، اسی طرح آپ نے بتایا کہ ڈاکٹر عبدالحق کی انگلش اردو ڈکشنری کی تیاری میں آپ سے مدد لی گئی ہو۔

ابتداء میں خلیفہ عبدالحکیم عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبہ فلسفہ کے صدر تھے۔ وہ ولایت چلے گئے۔ چنانچہ مولانا عبدالباری ندوی کا ان کی جگہ پر تقرر منظور ہوا۔ آپ ۱۹۲۲ء سے لے کر ۱۹۴۵ء تک حیدرآباد رہے، شعبہ فلسفہ کے صدر کی حیثیت سے ایک ایسے شخص کا تقرر جو میٹرک کا سرٹیفکٹ بھی نہیں رکھتا تھا، بظاہر ایک نعمت غیر مترقبہ تھا، مگر مولانا کے پاس تقرر نامہ آیا تو انھوں نے انکار کر دیا۔ انھوں نے لکھا کہ میرا تجربہ ہے کہ "نوکری کا کام عزت کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ خاص طور پر جب کہ آدمی ماتحت ہو"۔ پرنسپل نے جواب دیا۔ آپ بے فکر ہو کر آجائیں۔ آپ اپنے شعبہ کے بالکل مختار ہوں گے اور آپ کو کبھی ماتحتی کا احساس نہ ہونے دیا جائے گا" عثمانیہ یونیورسٹی سے تار پہ تار چلا آرہا تھا اور مولانا عبدالباری ندوی کی طرف سے انکار کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اس وقت آپ دارالمصنفین میں تھے۔ آخر مولانا سید سلیمان ندوی نے کہا عثمانیہ یونیورسٹی نے اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کا جو بیڑا اٹھایا ہے اس میں ترجمہ و تعلیم کے لئے ابتداءً انھیں مناسب آدمی نہیں مل رہے ہیں۔ اس لئے جس سے جتنا ہو سکے اس میں ہاتھ بٹانا چاہئیے"۔ چنانچہ سید صاحب کے مشورہ کے تحت مولانا عبدالباری نے حیدرآباد پہونچ کر شعبۂ فلسفہ کا چارج لے لیا۔ یہ بھی ایک حیرت انگیز واقعہ تھا کہ شعبۂ فلسفہ کی کرسی ایک ایسے شخص کو دی گئی جو انٹرنس فیل تھا جبکہ ان کے ماتحت ایم۔اے کی ڈگری رکھنے والے کام کرتے تھے۔

تاہم جب آپ کی مستقلی کے کاغذات نظام حیدرآباد کے سامنے پیش ہوئے تو کچھ لوگوں نے نظام تک یہ خبر پہونچا دی کہ شروانی صاحب نے فلسفہ کی کرسی پر ایک ایسے شخص کا تقرر کرا دیا ہے جس کے پاس سرے سے کوئی ڈگری نہیں ہے، جبکہ یونیورسٹی کا قاعدہ ہے کہ کسی شعبہ میں صدارت کے مقام پر صرف اس شخص کو رکھا جاتا ہے جو بیرونی ڈگری رکھتا ہو۔ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی اس وقت ریاست میں امور مذہبی کے صدر الصدور تھے۔ نظام حیدرآباد نے شروانی صاحب سے پوچھا کہ "کس-

ڈگری کی بنا پر عبدالباری ندوی کو شعبۂ فلسفہ کا صدر بنایا گیا ہے" مولانا شروانی نے اعتماد کیساتھ جواب دیا:

"حضور ان کی ڈگری یہ ہے کہ فلسفہ نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہے"

نظام حیدرآباد کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ چنانچہ انھوں نے خود مستقلی کے کاغذات پر دستخط کر دئے۔ یہ ایک صد فی صد غیر معمولی تقرر تھا۔ کیونکہ اس وقت عثمانیہ یونیورسٹی میں یہ قاعدہ تھا کہ ایک ہزار کے گریڈ پر صرف یوروپی ڈگری یافتہ رکھے جائیں۔

حیدرآباد پہونچنے کے بعد ہی معلوم ہوا فلسفہ کے لئے پشاور کالج کے کوئی ایم اے پروفیسر آرہے ہیں۔ اور ان کو شعبہ کا صدر بنایا جائے گا۔ یہ سنتے ہی مولانا نے استعفیٰ لکھ کر جیب میں رکھا اور پرنسپل کے کمرہ میں پہنچے۔ اور کہا کہ آخر M.As کی کیا کمی تھی جو آپ نے ان ہائی اسکول قبیل کو یہاں آنے کی زحمت دی" جواب ملا "آپ گھبرائیں نہیں۔ وہ آئیں گے مگر صدر شعبہ کا چارج آپ ہی کے ہاتھ میں رہے گا"

مولانا عبدالباری ندوی حیدرآباد پہونچے تھے کہ اس کے دوسرے سال بورڈ آف اسٹڈیز میں فلسفہ کے نصاب کی بحث چلی۔ مولانا نے تجویز کیا کہ قرآن کو اسلامی فلسفہ کے نصاب میں داخل کیا جائے۔ بورڈ میں دو عالم ممبر تھے۔ ان علماء نے خاص طور پر اس تجویز کی مخالفت کی۔ انھوں نے کہا کہ فلسفہ تو ابن سینا اور فارابی اور ابن رشد کا نام ہے۔ اس کو قرآن سے کیا تعلق۔ مولانا نے کہا کہ یونیورسٹی میں ہندو فلسفہ میں اپنشد وغیرہ مذہبی کتابیں داخل ہیں۔ پھر اسلامی فلسفہ میں قرآن کو کیوں نہ جگہ دی جائے۔ اس سلسلے میں مولانا سفر کر کے بنارس اور لکھنؤ یونیورسٹیوں میں بھی گئے۔ بنارس کے پروفیسر نے کہا "ہمارے یہاں تو فلسفہ اور مذہب میں کوئی فرق نہیں۔ آپ اگر قرآن کو فلسفہ میں داخل کرنا چاہتے ہیں تو ضرور داخل کیجئے"۔ بحث لمبی ہوئی اور بورڈ خاص طور پر اس کے ممبر علما جب اس نقطۂ نظر سے اتفاق پر راضی نہ ہوئے تو مولانا سر اکبر حیدری سے ملے۔ وہ اس وقت ریاست کے فائنانس منسٹر تھے۔ مگر عملاً اتنا چھائے ہوئے تھے کہ نظام حیدرآباد کے بعد ریاست میں انھیں کا نمبر تھا۔ سر اکبر حیدری کو مولانا نے اس پر راضی کر لیا کہ مولانا لاہور کا ایک سفر کریں اور ڈاکٹر اقبال سے اس سلسلے میں مشورہ کریں۔

مولانا لاہور کے لئے روانہ ہوئے۔ ایک واقف کار نے پہلے بتا دیا تھا کہ اقبال کو مہمانوں کے معاملے میں تکلف ہوتا ہے۔ اس لئے مولانا نے سامان کلاک روم پر رکھا اور ہوٹل میں ناشتہ سے فارغ ہوکر اقبال کے مکان پر پہونچے۔ مولانا کا بیان ہے کہ جب وہ ان کے بنگلہ پر پہونچے تو وہاں کا نقشہ یہ تھا کہ فرش ٹوٹا ہوا ہے، مکان میں کوئی آرائش وزیبائش نہیں، ایک چارپائی ہے اس پر ڈاکٹر اقبال بیٹھے ہوئے ہیں، سامنے ایک طرف حقہ ہے اور دوسری طرف ایک چھوٹی سی میز پر رسائل کا نسخہ رکھا ہوا ہے۔ مولانا کے پہنچنے سے پہلے یونیورسٹی کا تار ڈاکٹر اقبال کو پہنچ چکا تھا کہ مولانا آپ سے نصاب کے سلسلے میں مشورہ کرنے کے لئے سرکاری طور پر جا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ برکلے کا اردو ترجمہ بھی وہ دیکھ چکے تھے اس لئے اگرچہ یہ پہلی ملاقات تھی مگر ڈاکٹر اقبال نے فوراً پہچان لیا۔ بہت خوش اخلاقی کے ساتھ ملے۔ مولانا نے مقصد سفر کی تفصیل بیان کی۔ ڈاکٹر اقبال نے مولانا سے پورا اتفاق کیا۔ انھوں نے کہا
"قرآن ہی تو اسلام کا فلسفہ ہے وہ لوگ احمق ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن فلسفہ کی کتاب نہیں"

مولانا کو قرآن کے علاوہ بقیہ نصاب کے سلسلے میں بھی ڈاکٹر اقبال سے مشورہ کرنا تھا۔ ڈاکٹر اقبال نے کہا کہ میں اپنی لائبریری کو عرصے سے بند کر چکا ہوں۔ اب میری لائبریری وہی چھوٹی سی کتاب ہے جس کو آپ نے میز پر دیکھا۔ تاہم آپ کے لئے چلتا ہوں۔ لائبریری کا دروازہ کھلا تو واقعی وہاں اس قدر گرد پڑی ہوئی تھی جیسے عرصے سے اس میں کوئی داخل نہیں ہوا۔ ڈاکٹر اقبال نے مولانا کو ڈبور (DE BOER) کی کتاب دکھائی جو اسلامک فلاسفی پر ہے اور اس کو نصاب میں داخل کرنے کا مشورہ دیا۔

مولانا عبدالباری ندوی نے ڈاکٹر اقبال سے ملاقات کا قصہ بتاتے ہوئے کہا کہ اس ملاقات میں میں ڈاکٹر اقبال سے بہت متاثر ہوا مگر اسکے بعد جب وہ اس کے بعد حیدر آباد آئے اور انھوں نے الٰہیات پر اپنے لکچر دئے تو میں نے کہا "حضرت! جس اقبال کا میں نے کلام پڑھا تھا، اس اقبال کے یکچر نہیں ہیں"

مولانا مناظر احسن گیلانی جامعہ عثمانیہ میں شعبۂ دینیات کے صدر تھے۔ ایک سال وہ لمبی رخصت پر چلے گئے تو ان کا دینیات کا کلاس کسی دوسرے کے ذمہ کر دیا گیا۔ اس کلاس میں بی اے کے آرٹس اور سائنس کے تمام طلبہ ہوتے تھے جن کی مجموعی تعداد چار سو کے قریب پہونچ جاتی تھی۔ مگر جلد ہی اندازہ ہوگیا کہ دوسرے صاحب اس کلاس کو قابو میں رکھنے میں ناکام ہیں۔ کلاس میں شور اور ہنگامہ رہنے لگا۔

پرو وائس چانسلر مسٹر حسین علی جن کا دفتر اس کلاس سے متصل تھا، وہ سخت متردد تھے کہ کیا کیا جائے۔ کسی نے کہا کہ اس کا ایک ہی حل ہے۔ وہ یہ کہ اس کلاس کو مولانا عبد الباری ندوی کے حوالے کر دیا جائے۔ یونیورسٹی میں اس وقت دوسرا کوئی نہیں ہے جو ان طلبہ کو قابو میں رکھ سکے۔ چنانچہ یہ تبدیلی کر دی گئی۔ اور مولانا عبد الباری نے اس کو قبول کر لیا۔ اس کے بعد کلاس بالکل پرسکون ہو گیا۔ پرو وائس چانسلر نے ایک روز مولانا سے کہا "اب تو دینیات کے کلاس میں اتنی خاموشی رہتی ہے جیسے لڑکوں کے سر پر چڑیا بیٹھی ہوئی ہو"

چند سال ہوئے مولانا عبد الماجد دریا بادی نے حیدر آباد کا سفر کیا تھا۔ واپسی پر انھوں نے مولانا عبد الباری صاحب کو لکھا "آپکے شاگرد آپ بھی آپ کو یاد کرتے ہیں۔ بلکہ بعض وجوہ سے آپ کو مولانا گیلانی پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہو کہ "مولانا گیلانی کی باتیں ہمارے دل کو اپیل کرتی تھیں اور مولانا عبد الباری کی باتیں ہمارے دماغ کو"

حیدر آباد ہی کی زندگی کا ایک واقعہ ہے۔ ایک روز مولانا عبد الباری اور مولانا شروانی اور کچھ دوسرے لوگ گھوڑا گاڑی پر شہر کے باہر پرانی عمارتوں کی سیر کے لئے نکلے۔ ایک جگہ ایک پرانی عمارت نظر آئی۔ رائے ہوئی کہ اتر کر اسے دیکھا جائے۔ اندر داخل ہوئے تو وہاں کئی چوہے مرے پڑے تھے۔ لوگوں کو پلیگ کے چوہے کا شبہ ہوا اور فوراً وہاں سے بھاگے۔ لوگوں کی سراسیمگی دیکھ کر مولانا شروانی نے کہا:

"گھبرائیے مت۔ گھوڑا چھوٹ نہیں گیا ہے"

حیدر آباد میں مولانا جس طرح کی سرکاری ملازمت میں تھے، اس سطح کے لوگ اس وقت عام طور پر مولانا کے الفاظ میں "بنگلہ، گملا، موٹر، شوفر" کی زندگی گزارتے تھے۔ مولانا نے فرمایا کہ مولانا شیر علی مرحوم جو شعبۂ دینیات میں تھے، گھوڑا گاڑی رکھتے تھے اور اس پر یونیورسٹی تشریف لاتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد دیکھا کہ کرایہ کی گاڑی پر آرہے ہیں، پوچھا "حضرت اپنی گاڑی کیا ہوئی" فرمایا "میں تو چند گھنٹے اس پر سوار ہوتا تھا، مگر وہ چوبیس گھنٹے مجھ پر سوار رہتی تھی۔ چنانچہ میں نے یہ قصہ ہی ختم کر دیا" مولانا نے فرمایا کہ اس وقت تو مولانا شیر علی کی بات پوری طرح میری سمجھ میں نہیں آئی مگر اس کے بعد جب میں نے خود پہلے گھوڑا گاڑی اور اسکے بعد موٹر رکھی تو مجھے اندازہ ہوا کہ اس کا مطلب کیا تھا، واقعتہً وہی صورت پیش آئی کہ میں تو اس پر صرف چند گھنٹے سوار ہوتا تھا مگر وہ خود ۲۴ گھنٹے مجھ پر سوار رہتی تھی آخر ۲ ہزار روپیے کی موٹر مجھے اتنی دردسر معلوم ہونے لگی کہ میں نے ایک روز گھر کے ایک دوست کے ہاتھ اس کو ... میں فروخت کر دیا

محدثینِ عظام کا عظیم کارنامہ

فنِ اسماء الرجال

(۳)

مولانا تقی الدین ندوی مظاہری استاذ حدیث مدرسہ فلاح دارین ترکیسر (گجرات)

(سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو الفرقان ماہ ربیع الثانی)

راویانِ حدیث کی تیسری صف تبع تابعینؒ

اس طبقہ کی روایات تمام تر تابعینؒ سے ہیں، جنھوں نے حدیثِ نبوی کے ساتھ صحابۂ کرام و خلفائے راشدین کے احکام و فیصلہ کو بھی محفوظ رکھا تھا، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ و تابعین کے بعد اس طبقہ کے بارے میں بھی خیر و بھلائی کی شہادت دی ہے۔ فرمایا

خیر امتی قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم الخ[1]	میری امت میں سب سے بہترین میرے دور کے لوگ (یعنی صحابہؓ کرام) ہیں، پھر وہ جو ان کے بعد اُن سے متصل (یعنی تابعینؒ) پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ان سے متصل ہیں (یعنی تبع تابعین)

اس طبقے میں بے شک کذب کا ظہور ہوا، اور اہلِ اہواء نے حق و باطل اور صدق و کذب کو

---

[1] اخرجہ الترمذی ص۴۵ ج۲

غلط ملط کرنے کی کوشش کی، مگر حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی شریعت کی حفاظت کے لیے طبقۂ تبع تابعین میں اصحاب بصیرت ائمہ و فقہاء امصار کی ایک بڑی جماعت کو کھڑا کر دیا، جنھوں نے بالقاء ربانی و تائید یزدانی ہر راوی کے حالات معلوم کیے اور جرح و تعدیل کے ذریعہ کھرے اور کھوٹے کو الگ الگ کرکے رکھدیا۔ جیسے امام مالک، عبد الرحمٰن بن عمرو الاوزاعی، سفیان بن سعید ثوری، شعبہ بن حجاج عتکی، ابن جریج وغیرہ اسی طبقۂ تبع تابعین میں یحییٰ بن سعید قطان، عبد اللہ بن مبارک، محمد بن حسن شیبانی، ابراہیم بن طہمان کا شمار ہے[1]

ان حضرات نے حدیث و سنت کے سرمایہ کی پوری طرح پاسبانی کی، خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں ایک زندیق کو قتل کے لیے لایا گیا، تو وہ کہنے لگا کہ تم مجھے تو قتل کردو گے لیکن ان ایک ہزار حدیثوں کا کیا کرو گے جو میں نے وضع کرکے چالو کر دی ہیں، ہارون رشید نے فوراً جواب دیا کہ

فاین انت یاعدو اللہ عن ابی اسحٰق الفزاری وابن المبارک ینخلانھا فیخرجانھا حرفاً حرفاً۔	اے دشمن خدا! تو ابو اسحٰق فزاری اور ابن مبارک سے بچ کر کہاں جا سکتا ہے، جو ان کو چھلنی کی طرح چھان کر ایک ایک حرف نکال پھینکیں گے[2]

حافظ سخاوی فرماتے ہیں کہ ۲۲۰ھ کے بعد تبع تابعین میں بھی کوئی باقی نہیں رہ گیا[3]

فن جرح و تعدیل

ابتک جو تفصیل بیان کی گئی، اس سے یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آگئی کہ روایت حدیث کی خدمت جن بزرگوں نے انجام دی وہ ثقاہت و عدالت کے بہت اونچے مقام پر فائز تھے، یہ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ ہے، کہ آپ کی تعلیمات کو اس طرح محفوظ کیا گیا کہ از ابتدا تا انتہا روایت کرنے والوں کا ایک جانا بوجھا اور پرکھا پرکھایا سلسلہ ہے۔

حدیثوں کے پرکھنے کے دو معیار ہیں، ایک معیار درایت یعنی عقلی حیثیت سے روایتوں کے پرکھنے کے اصول و قوانین اور دوسرا معیار روایت، علم حدیث کے سلسلے میں محدثین نے ساٹھ سے زائد فنون ایجاد کیے ہیں، ان میں سے بعض کا تعلق درایت سے ہے، اور بعض کا روایت (اسناد) سے، جن فنون کا تعلق اسناد سے ہے ان میں فن جرح و تعدیل سب سے اہم بالشان ہے اور فن اسماء الرجال سے

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث [2] ایضاً [3] فتح المغیث

اس کا بہت گہرا تعلق ہے۔ حاکم ابو عبداللہ نیشاپوری نے اس کو علم حدیث کا بہت بڑا زینہ قرار دیا ہے[1]، اور صاحب کشف الظنون نے ان الفاظ میں تعارف کرایا ہے،

ہو علم یبحث فیہ عن جرح الرواۃ و تعدیلہم بالفاظ مخصوصۃ وعن مراتب تلک الالفاظ[2]	یہ ایسا علم ہے کہ جس میں راویان حدیث کی جرح و تعدیل سے مخصوص الفاظ میں بحث کی جاتی ہے اور ان الفاظ کے مراتب سے بھی گفتگو کی جاتی ہے۔

محمد مارماڈیوک پکتھال نے اپنے ایک لیکچر میں کہا ہے کہ اس میں پیغمبرؐ کے اقوال و افعال پوری احتیاط سے جانچنے اور پرکھنے کے بعد صرف مستند چیزوں کو تسلیم کیا جاتا ہے، اور بعد میں آنے والے ماہرین فن اگلے لوگوں کے کام پر نظر ثانی کرتے، ہر حدیث کی سند دیکھتے، اور اس میں کوئی کمزوری پاتے تو اس روایت کو کمزور کہہ دیتے"[3]

جرح و تعدیل کی شرعی حیثیت

رواۃ حدیث پر جرح و تعدیل کا معاملہ بہت پُرخطر ہے، اسکے لیے ضروری ہے کہ جرح کرنے والا ہوائے نفسانی سے خالی ہو تاکہ کسی مسلم پر افترا پردازی یا بے جا تعریف لازم نہ آئے، کیونکہ دونوں باتیں شریعت میں مذموم ہیں، اس کا معاملہ یہ ہے کہ اگر کسی راوی کو بغیر غور و فکر و واقفیت کے عادل قرار دے دیا گیا، تو پھر اندیشہ ہے کہ کہیں اس زمرہ میں شامل نہ ہو جائے، جس پر مشہور حدیث "من روی حدیثا وھو یظن انہ کذب"[4] میں وعید آئی ہے۔ اور اگر بے احتیاطی سے جرح کر دی تو بے قصور مسلمان کی آبروریزی کی، اور اس پر ایسا بدنما داغ لگا دیا جس کا عار ہمیشہ باقی رہے گا، نیز اللہ و رسول کے ساتھ آدمی کی حق تلفی بھی ہوگی، جو آخرت میں نقصان دہ، اور دُنیا میں ناراضگی اور منافرت کا سبب ہے۔ اگر اس سے مقصود اللہ، اس کے رسولؐ اور اُن کے دین و مؤمنین کی خیر خواہی ہو تو یہ بے شک حق ہے، اس پر ثواب بھی ملے گا، چنانچہ ابو تراب نخشی نے (اپنی سادگی میں) امام احمد کو اس سے منع کیا اور کہا کہ غیبت نہ کیجئے، تو امام احمد نے جواب دیا" ویحک ھذہ نصیحۃ" آپ کیا فرما رہے ہیں، یہ غیبت نہیں ہے، یہ تو عین خیر خواہی ہے،

---

[1] معرفۃ علوم حدیث صد۵۲ [2] کشف الظنون صد۳۹۰ ج۲ [3] اسلامی کشکول صد۱۸ بحوالہ دی کلچر سائیڈ آف اسلام [4] اخرجہ الترمذی صد۹۱ ج۲

خود حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے "ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا" اگر تم لوگوں کے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو خوب تحقیق کر لو۔

نیز ایک منافق کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بئس اخو العشیرۃ" (یہ قبیلہ کا برا آدمی ہے) اور تعدیل کے سلسلے میں یہ حدیث پیش کی جاتی ہے "ان عبد اللہ رجل صالح" (عبداللہ بن عمرؓ ایک صالح آدمی ہے) اس لیے علمائے محدثین و محققین نے غیبت اور جرح میں فرق کرتے ہوئے اس کو جائز قرار دیا ہے، اس پر اجماع ہے کہ یہ نہ صرف جائز بلکہ بضرورت واجب ہے۔[۱]

امام ترمذی تحریر کرتے ہیں کہ، جن اہلِ علم نے رجال پر کلام کیا ہے اور رواۃ کے ضعف کو بیان کیا ہے ان کو اس پر (واللہ اعلم) مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی نے آمادہ کیا، کیونکہ ان حضرات کے بارے میں بے جا تنقید اور غیبت کا شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا، نیز ان حضرات نے جن رواۃ کے ضعف کو بیان کیا ہے وہ یا بدعتی ہیں یا حدیث میں متہم ہیں، یا یہ لوگ مغفل تھے اور کثرت سے خطا کا صدور ہوتا تھا، پس ان حضرات ائمہ نے دین کے ساتھ خیر خواہی اور کامل احتیاط کے پیش نظر ان رواۃ کے حالات کو بیان کیا ہے۔[۲]

علامہ نووی فرماتے ہیں:

جرح رواۃ الحدیث ھو جائز بالاجماع بل واجب للحاجۃ۔[۳]	یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ رواۃ حدیث پر جرح جائز ہے، بلکہ دینی ضرورت کی وجہ سے واجب ہے۔

فن جرح و تعدیل کا آغاز

جرح و تعدیل کا سلسلہ دورِ صحابہؓ ہی میں شروع ہو چکا تھا، خوارج اور روافض کے ظہور کے بعد تحقیق و تفتیش ہی کے بعد روایت قبول کی جاتی تھی، حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری فرماتے ہیں کہ "میں نے اپنی تصنیف "کتاب المزکیین لرواۃ الاخبار" میں جن صحابہؓ و تابعین و ائمہ سے جرح و تعدیل ثابت ہے ان کو دس طبقات پر تقسیم کیا ہے، اور ہر طبقہ کے چار افراد کو لیا ہے۔ طبقۂ اولیٰ میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید بن ثابتؓ ہیں، ان حضرات نے جرح و تعدیل اور روایات کی صحت و سقم پر بحث کی ہے۔ اور دسویں طبقہ میں ابو اسحاق ابراہیم بن حمزہ اصبہانی، ابوعلی نیشاپوری، ابوبکر محمد بن عمر بن سلمہ بغدادی اور ابوالقاسم حمزہ بن علی کنانی مصری ہیں۔[۴]

---

[۱] ماخوذ از فتح المغیث صـ۴۷۹ [۲] کتاب العلل صـ۱ [۳] ریاض الصالحین الطبقۃ الاولیٰ مصر صـ۳۲۹ [۴] معرفۃ علوم الحدیث صـ۵۲۔

حافظ ذہبی فرماتے ہیں، کہ رجال پر کلام بہت سے صحابہؓ نے کیا ہے، تابعین کے عہد میں اس سلسلے میں مزید اضافہ ہوا۔[۵]

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ بہت سے ائمہ تابعین نے رجال پر کلام کیا ہے، جیسے حسن بصری و طاؤس نے معبد جہنی پر اور سعید بن جبیر نے طلق بن حبیب پر، ابراہیم نخعی و عامر شعبی نے حارث اعور پر کلام کیا ہے۔[۶]

پہلی صدی کے بعد جب دوسری صدی آئی تو اسلام میں مزید بہت سے نئے نئے فرقے پیدا ہوئے، حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں طبقۂ رابعہ کے ختم پر تحریر فرماتے ہیں: "اس طبقہ کے دور میں دولت اسلامیہ بنی امیہ سے بنی عباس کی طرف ۱۳۲ھ میں منتقل ہوئی، ...... اسی زمانہ میں بصرہ میں عمرو بن عبید عابد اور واصل بن عطا نمایاں ہوئے جنھوں نے لوگوں کو مذہب اعتزال کی طرف دعوت دی، اور خراسان میں جہم بن صفوان نمودار ہوا جو تعطیل صفات باری تعالیٰ اور خلق قرآن کا داعی تھا، اور اسی کے بالمقابل خراسان میں مقاتل بن سلیمان مفسر پیدا ہوا، جس نے اثبات صفات میں اتنا غلو کیا کہ تجسیم تک نوبت پہونچا دی، آخر علمائے تابعین اور ائمہ سلف ان مبتدعین کے خلاف اٹھے اور انھوں نے لوگوں کو ان کی بدعت میں مبتلا ہونے سے روکا۔[۷]

حافظ شمس الدین سخاوی لکھتے ہیں:۔

" جب تابعین کا دور اخیر آیا یعنی ۱۵۰ھ کے قریب قریب تو ائمہ کی ایک جماعت نے توثیق و تضعیف، (بقاعدہ) کلام کیا، چنانچہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ:

" ما رأیت اکذب من جابر الجعفی " (میں نے جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا آدمی نہیں دیکھا) اور اعمش نے ایک جماعت کی تضعیف اور دوسروں کی توثیق کی، اور شعبہ نے رجال کے بارے میں غور و فکر سے کام لیا، یہ بڑے محتاط تھے، اور بجز ثقہ کے تقریباً کسی سے روایت نہ کرتے تھے، امام مالک کا بھی یہی حال تھا۔

اور اس دور کے مسلّم لوگوں میں سے کہ جب وہ کسی کے بارے میں کچھ کہہ دیں تو ان کی بات مان لی جاتی ہے، معمر، ہشام دستوائی، اوزاعی، سفیان ثوری، ابن الماجشون، حماد بن سلمہ اور لیث وغیرہ ہیں، پھر ان کے

---

[۱] فتح المغیث ص ۴۶۹ [۵] کتاب العلل ص ۔ [۶] تذکرۃ الحفاظ ص ۱۵۱، ۱۵۲ / ۱ [۷] تذکرۃ الحفاظ ص ۱۵۱، ۱۵۲ / ۱

بعد دوسرا طبقہ ابن المبارک، ہشیم، ابو اسحٰق فرازی، معافی بن عمران موصلی، بشیر بن المفضل اور ابن عیینہ وغیرہ کا ہے، بعد کو ان ہی کے ہمزمان ایک اور طبقہ ابن علیہ، ابن وہب، اور وکیع جیسے حضرات کا ہے۔
پھر ان ہی کے دور میں دو ایسے شخص جو حدیث کے حافظ اور اس فن میں حجت گزرے ہیں، تنقید رجال کے لیے اٹھے، یہ یحییٰ بن سعید القطان اور عبدالرحمٰن بن مہدی تھے، سو جس کو یہ دونوں مجروح کہہ دیں اس کی جرح مندمل نہیں ہوتی، اور جس کی یہ دونوں توثیق کر دیں وہ مقبول ہے، اور جس کے متعلق ان کے باہم اختلاف ہو (اور ایسے بہت کم اشخاص ہیں) اس کے بارے میں اجتہاد سے کام لینا پڑتا ہے۔[1]
ان کے بعد حافظ موصوف نے مشہور ائمہ جرح و تعدیل کی ایک فہرست پیش کی ہے اور ان کا سلسلہ اپنے استاد شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی پر ختم فرمایا ہے۔
صاحب کشف الظنون فرماتے ہیں کہ:
"ائمہ جرح و تعدیل میں سب سے پہلے رجال پر کلام شعبہ بن حجاج نے کیا، حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے، کہ یہ پہلے شخص ہیں، جنھوں نے عراق میں محدثین کے بارے میں تحقیق و تفتیش سے کام لیا، اور ضعفاء و متروکین سے اجتناب اختیار کیا، اور اس فن میں لوگوں کے مقتدیٰ بن گئے، ان کے بعد اہل عراق نے ان کی پیروی کی۔
صالح بن جزرہ کا بیان ہے کہ سب سے پہلے رجال پر کلام شعبہ نے کیا، پھر ان کی پیروی یحییٰ قطان نے کی، پھر احمد و یحییٰ (ابن معین) نے۔[2]
حافظ سیوطی فرماتے ہیں، کہ یہ جو کہا گیا ہو کہ سب سے پہلے رجال پر شعبہ بن حجاج اور یحییٰ بن سعید قطان نے کلام کیا، اس سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے باقاعدہ جرح و تعدیل کو فن کی حیثیت دی اور اس کو مدون کیا۔[3]
(باقی)

۱؎ فتح المغیث ص ۴۷۹ ۲؎ مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۰ ۳؎ تدریب ص ۲۶۳

دورِ جدید میں عقیدہ کا مسئلہ

از فریڈ برتھولڈ

(۲)

تم کہہ سکتے ہو کہ فرض کرو جدید تعلیم یافتہ انسان کی مشکل کے بارے میں کم از کم عمومی طور پر ہم تمہاری تشریح کو مان لیں، اب سوال یہ ہے کہ اس کا حل کیا ہو سکتا ہے۔ میں کہوں گا کہ اگر ہم مشکل کی اس توجیہہ کو جو مسٹر کرچ کی قسم کے لوگ پیش کرتے ہیں، قبول کر لیں تو میں ذاتی طور پر کسی حل کی توقع نہیں رکھتا۔ مگر شروع ہی میں ہم نے ایک اور امکان کا تذکرہ کیا ہے یعنی یہ کہ

THE DILEMMA IS DUE TO A MISTAKEN APPROACH TO THE PROBLEM OF)

VALUE) یہ دو گونہ مشکل مسئلہ اقدار کے بارے میں ایک غلط نقطۂ نظر سے پیدا ہوئی ہے، میں اس کی وضاحت کرنا پسند کروں گا کہ کیوں میرے نزدیک یہی دوسری بات صحیح ہے اور کس طرح ایک مختلف نقطۂ نظر دوبارہ خیر کے لئے ہماری تلاش کو بامعنی بنا سکتا ہے۔ تاہم سب سے پہلے میں اپنے اس عقیدہ کا اظہار پسند کروں گا کہ جو حل میں پیش کرنا چاہتا ہوں وہ اس مفہوم میں حل نہیں ہو کہ وہ ہمارے تمام مسائل کو حل کر دے گا۔ یہ بلاشبہ وہ چیز ہے جس کے کچھ لوگ طالب ہیں — یعنی نہ صرف ایک ایسے احساس کو حاصل کرنا کہ خیر کی تلاش انسانی اعتبار سے ایک بامعنی چیز ہے بلکہ ایک طرح سے خیر کو ایک ایسے ذریعہ کے طور پر پالینا جس سے تمام مسائل ختم ہو سکتے ہوں۔ مشکل کے اس حل کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسانی زندگی کے الم ناک عناصر، غیر عقلی بہراپن (IRRATIONAL SURD) سے ہم بچ جائیں جس کے خلاف لوگ ہر زمانے میں جدوجہد کرتے رہے ہیں۔ یہ صرف

اس مفہوم میں ایک حل ہے کہ وہ ہمارے المیہ میں انسانی معنویت پیدا کرنے کی ایک کوشش ہے۔ یہ ہم کو طوفان سے نجات نہیں دیتا۔ گو وہ طوفان کے درمیان ایک خوش گوار آواز ہو۔

جدید انسان کی مشکل حقیقت (FACT) اور قدر (VALUE) کے درمیان خلیج ایک غیر واقعی شکل معلوم ہو گی جب اس چیز کو سامنے رکھیں جس کو جدید انسان نے فراموش کر دیا ہے۔ یہ کہ یہاں کوئی بھی ایسی بامعنی چیز (SIGNIFICANT FACT) نہیں ہے جو کسی قدر کے سیاق (VALUE CONTEXT) کے بغیر پائی جاتی ہو۔ یہاں آدمی کے لیے کوئی خالی از قدر ارشمیدی مقام نہیں ہو جہاں سے وہ ایک خالص اور معروضی حقیقت کا جائزہ لے سکے۔ کارٹیسی ثنویت یعنی یہ کہ ایک طرف خالص ریاضیاتی وسعت (MATHEMATICAL EXTENSION) ہے اور دوسری جانب روحانی اقدار و مقاصد کی دنیا، ایک مغالطہ آمیز اور خیالی نظریہ ہے جو کسی بھی آدمی کے واقعی تجربات سے مطابقت نہیں رکھتا۔ واقعی انسان کے لئے اس کا کوئی امکان نہیں ہے کہ وہ کسی بھی حقیقت کی معنویت اس کی قدر کا اعتبار کئے بغیر ذہن میں لا سکے۔ ۲۵

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہاں حقیقتیں نہیں ہیں۔ یہاں ایسی حقیقتیں ہیں جو قدر کی نسبت سے ماوراء ہوں۔ ہندو، عیسائی اور کمیونسٹ گیسوں کے دباؤ کے قانون پر متفق ہو سکتے ہیں۔ مخصوص مقاصد کے لئے لوگ خارجی تعلقات (OBJECTIVE RELATIONS) کے ایک نظام پر گفتگو کرنے یا اس سے متعلق ہونے کے لئے اتفاق کر سکتے ہیں جو ایک تجربی قانون میں ظاہر ہوا مگر انسان کی حیثیت سے وہ قانون کی معنویت کو اس نسبت سے الگ نہیں سمجھ سکتے جس سے وہ مجموعی طور پر اپنی قدر و قیمت متعین کرتے ہیں۔ معرا حقیقت (BARE FACT) کا اعتراف کیا جا سکتا ہے مگر مزید قابل اضافہ بات یہ ہے کہ آدمی ہمیشہ حقائق کی معنویت کی توجیہ کرتے ہیں۔ ان کو زندگی کے بارے میں اپنی مجموعی توجیہ کے لحاظ سے دیکھتے ہیں۔ یقیناً اگر ہم دیانتدار ہیں اور کسی دباؤ کے تحت نہیں ہیں تو نئے حقائق ہماری توجیہ اور ہمارے اعتبارات کی یا تو تصحیح کریں گے یا وہ ان کو چیلنج بھی کر سکتے ہیں۔ مگر میں جو کچھ کہنے کی کوشش کر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ حقیقت کی تلاش میں ہم ایسا نہیں کر سکتے کہ معریٰ حقائق کے کسی سلسلے سے اپنی کوشش کا آغاز کریں اور صرف آخر میں ان کی توجیہ اور ان کی قدر و قیمت متعین کریں۔ جب ہم معانی کی معرفت حاصل کرنا شروع کر دیتے ہیں تو ہم اقدار کے ایک ڈھانچہ کی اصطلاحات میں سوچتے ہیں۔ جو

ہماری ذات کی گہرائیوں کا ایک حصہ ہے۔ جان لاک کی روح سادہ (TABULA RASA) کہیں پائی نہیں جاتی۔

میں نے قدری تناسب (Evaluative Perspective) کا ذکر کیا ہے۔ یہ عمومی جملہ دو چیزوں سے متعلق ہو سکتا ہے۔ اگر ہمارا قدری تناسب ہمارے بزرگوں اور ہمارے سماجی گروہ میں بغیر تنقید کے جذب کر لیا جائے، خواہ غیر شعوری طور پر تو میں اس کو عصبیت (Prejudice) کہنا پسند کروں گا۔ کیونکہ اس کے بعد وہ کسی بدل سے مکمل آگہی کے بغیر پیشگی رائے قائم کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ وہ شخص جس کا قدری تناسب اس نوعیت کا ہو، وہ اس فلسفی کی مانند ہے جس کے متعلق کہا گیا تھا ــ" وہ ہر اس رجحان کو امر بدیہی کے طور پر مان لیتا ہے جس کو اس نے اس وقت جانا تھا جب وہ پانچ برس سے بھی کم عمر کا تھا۔" تاہم اگر ہمارا قدری تناسب ہماری فعال تنقیدی اور خود آگاہ معرفت کا اظہار ہو تو میں اس کو عقیدہ (Faith) کہنا پسند کروں گا۔ بعض لوگوں کو لفظ "عقیدہ" کا یہ استعمال بہت عجیب معلوم ہوگا۔ کیونکہ بہت سے لوگ اتوار کے اسکول کے اس طالب علم کے انداز میں سوچتے ہیں جس سے عقیدہ کی تعریف پوچھی گئی تو اس نے جواب دیا "عقیدہ ان چیزوں پر یقین کرنے کا نام ہے جو تم جانتے ہو۔ کیا ایسا نہیں ہے۔" ۲۹

مگر میں مطمئن ہوں کہ صاحب عقیدہ لوگوں کی زندگیوں میں بنیادی طور پر اس لفظ کے جو مظاہر پائے گئے ہیں، میرا استعمال اس سے مطابقت رکھتا ہے۔ عقیدہ اس چیز میں پوری ذات کی فعال شمولیت کا نام ہے جس کو آدمی اپنی وفاداری کے لائق سمجھتا ہے۔ مکمل ذات کے ایک اظہار کے طور پر اس کو آدمی کی تنقیدی خصوصیات کے اطمینان پر بھی مشتمل ہونا چاہیئے۔ عقیدہ ہماری بہترین فکر سے زیادہ حیثیت رکھتا ہے۔ مگر اس کو اس کا حامل ہونا بھی ضروری ہے، واقعی عقیدہ انتہائی انقلابی سوالات کو بھی ترک نہیں کرتا بلکہ وہ ان کا استقبال کرتا ہے۔ میں نے دعویٰ کیا ہے کہ ہر شخص حقیقۃً بعض قدری تناسب کے مطابق واقعات کی توجیہہ کرتا ہے۔ یہ فرض کرنا غیر حقیقی ہوگا کہ یہ صورت حال ختم ہو سکتی ہے، ہمیں امید کرنا چاہیئے کہ لوگ زیادہ سے زیادہ اپنے حقائق کی اہمیت کو عقائد کی روشنی میں دیکھیں گے نہ کہ تعصب کی تاریکی میں۔

میں دو چیزیں زمین پر گراتا ہوں۔ یہ حقیقت میرے سامنے آتی ہے کہ دونوں چیزیں ایک ساتھ

زمین پر گریں۔ اگر ہمارے درمیان کوئی ہندو، مسلمان یا کمیونسٹ ہو جس کا ذہن نارمل حالت میں ہو اور وہ اپنے قول میں سچا ہو تو میں امید کر سکتا ہوں کہ اس حقیقت کے بارے میں ان سب کی طرف سے اتفاق رائے کا اظہار ہوگا۔ مگر معرّیٰ حقائق کا معاملہ ایک معمولی معاملہ ہے، وہ اس وقت تک کوئی خاص انسانی اہمیت اختیار نہیں کر سکتا جب تک وہ عالم کی وسیع تر تصویر کا جزو نہ بن جائے۔ اب میں دونوں چیزوں کو دوبارہ لیتا ہوں۔ ایک بڑی وزنی، جامد اور بے لچک ہے۔ دوسری چیز چھوٹی، ہلکی اور لچک دار ہے۔ ایسا کیوں کر ہے کہ دونوں ایک ہی رفتار سے نیچے گرتی ہیں حالانکہ وہ باہم اتنی مختلف ہیں۔ جیسے ہی میں کہتا ہوں کہ یہ حقیقت پورے نظامِ فطرت کے لیے معنویت رکھتی ہے یعنی یہ کہ فطرت میں ایک دوسرے سے بہت زیادہ مختلف چیزیں ایک ہی کمیاتی قوانین (Quantitative Laws) کے مطابق ریاضیاتی طور پر بیان کی جا سکتی ہیں۔ اس وقت میں ایک نئے اور انقلابی تصور پر کائنات میں داخل ہو جاتا ہوں۔ انسانی معنویت جو یہ حقیقت بتاتی ہے اس کا سیاق مزید وسیع اور گہرا ہوتا جاتا ہے۔ اگر میں اضافہ کر سکوں تو میں کہوں گا کہ اس قسم کے ریاضیاتی قانون کی تلاش انسان کی جدوجہد کے لیے ایک نہایت اعلیٰ درجہ کی اہم ترین چیز ہے۔ یہ ایک مثال ہے جس میں ہم ایک حقیقت کو عقیدہ میں ملبوس پاتے ہیں:

Here we have an instance of a fact being clothed by faith (P.27)

حقیقت ایک تناظر (PERSPECTIVE) میں لائی گئی ہے جس کے بعد ہی اس نے انسان کے لیے معنویت حاصل کی ہے۔ مختصر طور پر، میں نے گلیلیو اور ڈیکارٹ کے انقلاب کو بیان کر دیا ہے۔ ۲۷

اگر ہم قدر کے سیاق (context of value) کے بغیر مجرد حقائق کے حامل ہوتے تو وہ حقائق جامد حقائق ہوتے۔ اگر قدر کی نسبت عقیدہ کے بجائے تعصب پر ہوتی جب بھی وہ بنیادی طور پر جامد ہوتے۔ انسانی زندگی میں تخلیقی عنصر عقیدہ ہے۔ عقیدے کی تخلیقی قوت کا راز اس واقعہ میں مضمر ہے کہ وہ ذات (SELF) کو دو سمتوں میں متحرک کر دیتا ہے۔ ایک ذہنی، دوسرے اخلاقی۔ ذہنی سمت کی طرف عقیدہ نئے تصورات کی جرأت کرنے اور نئے مفروضات کو تیز کرنے کی مثبت خواہش (Positive willingness) ہے جو ان چیزوں سے کہیں آگے جاتی ہے جو کہ بروقت ثابت کی جا سکتی

ہوں۔ گلیلیو نے اس امکان پر یقین کا اظہار کیا کہ بیشتر فطری مظاہر کی تشریح سادہ ریاضیاتی قوانین کے ذریعہ بیان کی جاسکتی ہے۔ وہ اس وقت تک اس بات کو نہ جان سکا جب تک اس نے عقیدہ کو اختیار نہیں کیا، اس نے اپنے عقیدہ کو صحیح سمجھتے ہوئے اس کے لیے جدوجہد کی، اس کے لیے غور وفکر کیا اور اپنے وقت اور صلاحیتوں کو اس کے لیے استعمال کیا، اس کے بعد ہی وہ اس حقیقت تک پہونچا۔ مگر عقیدہ اقدار کی دُنیا میں بھی تخلیقی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کا عمل صرف "کیا ہے" کے بارے میں ہمارے تصور پر نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ تخلیقی طور پر یہ بھی بتاتا ہے کہ "کیا ہونا چاہیئے" اسی کے ساتھ عقیدہ یہ بھی بتاتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان ایک ناقابل شکست تعلق ہے —— یہ کہ جو کچھ ہے وہ اس کی مدد کرتا ہے جو کہ ہونا چاہیئے۔ عقیدہ (Faith) محض ایک اعتقاد (Belief) نہیں، وہ جاں نثارانہ تعلق (Devotion) بھی ہے؛ (Faith is not belief merely; it is devotion.) اگر ہم معروضی حقائق کا ایک مجموعہ اکٹھا کرنا شروع کریں اور امید رکھیں کہ یہ کسی نہ کسی طرح خیر (Good) کی ایک صورت اختیار کرلیں گے تو ہم کو مایوسی ہوگی۔ مگر عقیدہ خیر کے ایک تصور اور اس کے ساتھ جاں نثارانہ تعلق سے شروع ہوتا ہے، اور وہ عالم کو اپنے تصور کے تحت کردینا چاہتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ عقیدہ حقیقت کی توہین کرتا ہے۔ کیونکہ وہ ذہن سے وفاداری کو بھی اپنے اندر شامل کرتا ہے۔ اور اس لیے اس کو ہمارے بہترین تجربہ شدہ حقائق کے مطابق ہونا چاہیے۔

جدید انسان اس طرح عمل کرنے کی کوشش کر رہا ہے، گویا کہ وہ ایک خالص ذہن (Pure Mind) ہے جو خالص حقائق (Pure Facts) کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ ایسی حد پر پہونچ کر جہاں اس نے اپنے آپ کو مطمئن کرلیا ہے کہ یہی اس کی اصل فطرت اور یہی اس کا اصل کام ہے، وہ اپنی زندگی کو ایک قابل قدر ہستی سمجھنے کے بارے میں مایوسی کا شکار ہے، اور اپنے وجود کی معنویت اور اس کے مقصد کا ٹھوس شعور حاصل کرنے میں ناکام رہا ہے۔ مگر انسان خالص عقلی نہیں ہے۔ وہ ایک مکمل شخصیت ہے جس کے لیے مکمل حوالگی زندگی کے اظہار کی زیادہ گہری اور زیادہ فطری بنیاد ہے۔ عقل، عقیدہ کی زندگی کا ایک حصہ ہے۔ یہ حقیقت کہ عقل عقیدہ کی زندگی کا ایک بڑا اہم حصہ ہے، اس کے بارے میں انسان اس لیے گمراہ ہوا ہے کہ وہ عقل کو کل سمجھ بیٹھا ہے۔ مگر جب ایک

شخص عقل کو اس کے پورے سیاق سے الگ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو انسانی زندگی کا نظام بگڑ جاتا ہے:

When one seeks to detach reason from its total context, the organism of human life sickens . (P. 29)

یہ ہے عمومی طور پر قابل لحاظ بات جس کو میں سامنے لانا چاہتا ہوں ـــ یہ کہ انسان کو ایک عقیدہ کے ساتھ زندگی گزارنے کی ضرورت ہے جو اس کے جمع کردہ حقائق کو معنویت اور مقصد عطا کرتا ہے۔ اس عمومی بات کو ختم کرنے سے پہلے میں اپنے اس دعویٰ کے لیے مزید دو وجوہ پیش کرنا چاہتا ہوں کہ عقیدہ انسان کی زندگی میں ایک ضروری چیز ہے۔ ۲۹

اولاً یہ کہ انسان ہونے کی حیثیت سے ہم وقت کے درمیان پائی جانے والی مخلوق ہیں۔ زیادہ بہتر طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وقت ہمارے اندر ہے۔ ہم جاوداں نہیں ہیں۔ ایک وقت تھا جب ہم موجود نہ تھے، اور پھر ایک وقت ہوگا جب ہم موجود نہ ہوں گے۔ کم از کم جہاں تک ہماری محدود انسانی فطرت کا تعلق ہے، صورت حال یہی ہے۔ مزید یہ کہ تاریخ میں ہمارا مخصوص مقام ہمارے لیے بہت بڑا فرق پیدا کر دیتا ہے۔ حقیقی وقت ہمارے لیے معنویت اور خاص طور پر فیصلہ کے لمحات سے بھرا ہوتا ہے۔ وہ چیزیں جو ہم سے زیادہ متعلق ہیں وہ ہم کو ایک خاص وقت میں آرام پہنچاتی ہیں۔ اور ان سے ہمارا رشتہ فیصلہ کن طور پر اس اعتبار سے متعین ہوتا ہے کہ اس وقت ہم کیسے عمل کرتے ہیں۔ جبکہ سائنس کا معیار یہ ہے کہ وقت کو غیر متعلق (irrelevant) قرار دے تاکہ کسی بھی وقت اور کسی بھی شخص کے لیے تجربہ یا مشاہدہ کو دہرانا ممکن ہو۔ وہ چیزیں جو انسان ہونے کی حیثیت سے ہم سے زیادہ تعلق رکھتی ہیں، وہ وقت سے متعلق ہیں۔ اکثر ہم کو فوری طور پر ایک خاص وقت اور خاص حالات میں فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ تمام ممکن اور متعلق اعداد و شمار کے حصول سے پہلے یا ان کو اپنے ذہن میں مرتب کئے بغیر فیصلہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ہمارے لیے عقیدہ کے اوپر زندگی گزارنا لازم ہے کیونکہ ہم کو ابھی عمل کرنا ضروری ہے۔ جب وقت ماضی بن جائے اور بہتر رائے قائم کرنے کا موقع ہو تو اس وقت کوئی نہ کوئی فیصلہ کیا جا چکا ہوتا ہے۔ آج یہ کہنا آسان ہے کہ حالیہ جنگ کے بعد امریکہ کا برطانیہ

کو ادھار پٹہ (Land-Lease) کی امداد دینا ایک صحیح بات تھی۔ مگر اس وقت جب کہ فیصلہ کرنا تھا، کوئی واضح روشنی موجود نہ تھی، اور نہ مسئلہ کا کوئی متعین حل سامنے تھا، اس وقت ہم کو عقیدہ پر عمل کرنا تھا اور یہی ہم نے کیا۔

ولیم جیمز کے مقالہ (The will to Believe) میں عقیدہ کی ضرورت کی ایک مشہور مثال موجود ہے۔ وہ ایک ایسے شخص کا نقشہ کھینچتا ہے جو ایک پہاڑی درہ پر کھڑا ہے یکایک برف کا شدید طوفان آتا ہے اور وہ اس میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ بظاہر ایسا نظر آتا ہے کہ اگر وہ درہ پر ٹھہرے رہنے کی کوشش کرے تو وہ یقیناً جم جائے گا۔ تاہم وہ جانتا ہے کہ پہاڑ کے نیچے کا راستہ پیچیدہ ہے۔ وہ جب اوپر آیا تو اس نے راستہ کی سیدھ ٹھیک سے ذہن میں نہیں رکھی۔ وہ راستہ کو پانے کے بارے میں سخت مشتبہ ہے، اب وہ کیا کرے۔ کیا وہ اپنی جگہ کھڑا رہے گا کیونکہ اسے راستہ معلوم نہیں اور اغلب یہ ہے کہ وہ بھٹک جائے گا۔ یقیناً یہ کوئی معقول بات نہیں۔ کیونکہ وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ منجمد ہو جائے گا اگر وہ کوئی عمل نہ کرے۔ نظری طور پر دیکھئے تو ایسے موقع پر ایک شخص کو اس وقت تک عمل نہ کرنا چاہیے جب تک وہ جواب کو نہ معلوم کر لے، مگر واقعہ کے اعتبار سے ان حالات میں آدمی ایک جبری اور فوری فیصلہ کی ضرورت سے دوچار ہوتا ہے عمل سے انکار بھی ایک عمل ہے۔ نہ فیصلہ کرنا بھی ایک عظیم فیصلہ ہے۔ ۳۰

ایک اور قریبی وجہ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم انسان کیوں عقیدہ کے اوپر زندگی کے لیے مجبور ہے۔ زندگی میں اہم ترین چیزیں صرف اس کے بعد معلوم ہوتی ہیں جب ہم ان میں شریک ہوں یا ان کے ساتھ اپنے کو متعلق کریں۔ عقیدہ علم سے مقدم ہوتا ہے جب کہ ہم چیزوں کے مجرد تعلقات (Abstract-Relations) کا معاملہ نہ کر رہے ہوں بلکہ زندہ حقائق (Living Realities) سے معاملہ کر رہے ہیں۔ اگرچہ یہ بات سیاسی پارٹی گروہوں وغیرہ سے ہمارے تعلق کے بارے میں بھی صحیح ہے۔ مگر میرا خیال ہے کہ مسئلہ زیادہ واضح ہو سکتا ہے اگر ہم افراد سے تعلقات کی مثال کو لیں۔ اس قسمت کے لمحہ پر غور کرو، خواہ ماضی کی روشنی میں یا آئندہ توقعات کے اعتبار سے، جب کہ تم ایک فیصلہ پر پہنچنے کی کوشش کر رہے ہو کیا میں نفیاً یا اثباتاً اس عورت کے بارے میں کوئی رائے ظاہر کر سکتا ہوں، یا اس مرد کے بارے

تجویز کو قبول کر سکتا ہوں، خواہ تم نے کتنے ہی جوش اور انہاک سے اس شخص کے بارے میں معلومات جمع کی ہوں۔ یا یہ سمجھنے کی کتنی ہی کوشش کی ہو کہ یہ آدمی حقیقۃً کیا پسند کرتا ہے، بہت سے سوالات پھر بھی بے جواب رہ جائیں گے۔ ایک شخص آخری طور پر فیصلہ نہیں کر سکتا کہ فریق ثانی اس کے لیے ایک بہتر زوج بن سکتا ہے تاوقتیکہ شادی ہو کر تجربہ نہ ہو جائے۔ یقین تک پہنچنے کے لیے ایک شخص امکانات کا اندازہ کر سکتا ہے اور اس کی بے وقوفی ہو گی اگر وہ ایسا نہ کرے۔ گر فریق ثانی کی بہت سی خصوصیات جس کو تم جاننا چاہتے ہو وہ ایسی خصوصیات ہیں جو تم پر صرف اس وقت ظاہر ہوں گی جب اعتماد اور قبولیت کے تعلقات قائم کئے جا چکے ہوں۔ ایک شخص کو عقیدہ یا اعتماد کی بنیاد پر دوسرے شخص کو قبول کرنا ہوتا ہے قبل اس کے کہ ایک شخص دوسرے کو اتنا کافی جان لے کہ فیصلہ کرنا ممکن ہو۔

مذہب کی دنیا کے بارے میں بھی ہم اسی وقت جان سکتے ہیں جب ہم اس میں حصہ لیں۔ یہ اس لیے صحیح ہے کہ خدا کوئی موضوع (OBJECT) نہیں ہے، اس کے ساتھ انسان کا تعلق اپنی نوعیت میں ذاتی ہے۔ وہ کوئی منطقی قضیوں کا مجموعہ (Sum of Propositions) نہیں ہے جس کو بس مان لیا جائے۔ بلکہ وہ ایک زندگی ہے جس کے ساتھ زندگی گزاری جائے وہ ہمارے علم میں اسی وقت آسکتا ہے جب اعتماد کے ساتھ ہم اس میں اپنے کو شریک کریں اور اس کی موجودگی کو اپنی زندگی میں موجود بنائیں۔ میں جس چیز کے خلاف استدلال کر رہا ہوں خواہ وہ عمومی زندگی میں ہو یا مذہب کے معاملے میں، وہ ہے ایک قسم کا تماشائی نقطۂ نظر (Spectator Attitude) جدید انسان کے اوپر تماشائی نقطۂ نظر چھا گیا ہے۔ یہ نقطۂ نظر کہ زندگی میں داخل ہونے سے پہلے الگ بیٹھ کر زندگی کا مشاہدہ کرنا۔ یہ معیار کہ زندگی کے اندر داخل ہونے سے پہلے زندگی کی حرکت کو ختم کر کے لے لیا جائے کیا یہ ایک قسم کی موت کی خواہش نہیں ہے؟ زندگی کے ہر اہم میدان میں عقیدہ کی معنویت کو پوری طرح سمجھنے کے لیے پیشگی طور پر ضروری ہے کہ ایک صاحب عقیدہ گروہ کے ساتھ شرکت کی جائے۔ (۲۱)

بحث کو ختم کرتے ہوئے ایک لفظ زیادہ قابل لحاظ بات کے سلسلے میں کہنا چاہتا ہوں جس کے متعلق میرا خیال ہو کہ وہ جدید انسان کی شکل کے بارے میں سوچنے کا ایک رخ دیتی ہو یہ ٹھیک ایسے مسئلے سے متعلق ہے جس کے بارے میں میرا یقین ہے کہ آپ میں سے بہت سے لوگ سوال کرتے ہونگے

یعنی یہ کہ کون سا عقیدہ؟ ایک شخص اس پر متفق ہو سکتا ہے کہ عقیدہ ایک خاص [illegible] اس وقت [illegible] میں انسانی زند[illegible]
کے لیے ضروری ہے مگر ہمارے درمیان اتنے مختلف عقیدے ہیں کہ یہ عمومی بات ہمارے [illegible] اصل مسئلہ
حل نہیں کر سکتی۔ یقیناً میں مطمئن ہوں کہ کسی قسم کا عقیدہ ضروری ہونے کے بارے میں ہماری معرفت کی [illegible] ایک
لیے راستہ کا محض پہلا قدم ہے۔ ہم یہ امید نہیں کر سکتے کہ زندگی کے ایک ایسے میدان میں جس میں ہم [illegible]
سے غافل رہے ہوں، اس میں سوچا سمجھا فیصلہ کرنے کی قوت ہمارے اندر موجود ہے۔ پہلے ہم کو اس کا اگر [illegible]
مطمئن ہونا ہے کہ اس میدان میں سچائی کی تلاش کرنا ایک اہم کام ہو۔ اگر ہم سنجیدہ نقطہ نظر اختیار کر سکیں تو نتیجہ [illegible]
بجائے خود ہم کو غیر عقلی اور غیر انسانی عقیدہ کے دھوکے میں پڑنے سے بچائے گا، اگر ہم عقیدہ سے متعلق اپنی
ضرورت کے بارے میں پوری طرح سنجیدہ ہیں۔ تو ہم تنقید کے بہترین مفہوم کے اعتبار سے عقائد پر تنقیدی
نظر ڈالیں گے، ہم ایسا نہیں کر سکتے کہ مصلحت یا ذہنی سکون کے نام پر ان حقائق سے آنکھیں بند کر لیں
یا ان کو نظر انداز کر دیں جن کو ہم انسان اور دنیا میں اس کے پر امن قیام کے بارے میں جانتے ہیں! یا [illegible] بعض
خواہش کی بنا پر کسی چیز کو قبول کر لیں۔ ۳۲

میرا یقین ہے کہ کوئی بھی عقیدہ جو سنجیدہ ہو اور جو ہماری اس دہری مشکل سے متعلق ہو، وہ لاز[illegible] ایک
الٰہی عقیدہ (Theocentric Faith) ہوگا۔ شاید جدید انسان اس دہری [illegible] مشکل
میں کبھی سے گرفتار ہی نہ ہوتا اگر اس کی وجہ یہ نہ ہوتی کہ وہ صاف طور پر دیکھ رہا ہے کہ زندگی کے لیے معنی اور قدر کا مرکز محض ایک [illegible]
داخلی چیز (Subjective Thing) نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی ایسا چیز ہو جو انسان کی وفاداری کے لیے اہمیت
رکھتا ہو تو وہ محض شخصی، جماعتی یا قومی مفاد کا انعکاس نہیں ہو سکتا۔ جدید انسان کا معروضیت (Objectivity) کے لیے
اشتیاق جس کی تربیت سائنس کے اسکول میں ہوئی ہو، اس کے لیے ہر ایسے عقیدہ کو مشتبہ کر دیتا ہو جو مخصوص عذر داری
(Special Pleading) کی حیثیت رکھتا ہو۔ تاہم اس کی یہ کوشش ناکام نظر آتی ہو کہ قدر کی معروضیت کو بھی
انھیں طریقوں کے ذریعہ پائے جو سائنس میں کامیاب رہے ہیں اسلئے وہ اس خطرہ کے درمیان کھڑا ہو کر وہ یہ رائے قائم کرلے کہ یہاں
معنی اور قدر کا ایسا کوئی مرکز نہیں ہے جو معروضی ہو۔ مجھے یہ نظر آتا ہو کہ ایک ایمانی عقیدہ اس صورت حال کی تصدیق کرتا ہو کیونکہ
اس کا دعویٰ ہو کہ یہاں معنی اور قدر کا ایک مرکز ہو مگر اس کا اصرار ہو کہ وہ سادہ طور پر کسی شخص یا کسی انسانی گروہ کی ملکیت نہیں۔ معنی
اور قدر خدا پر مبنی ہو۔ اور اسی لیے ایسے کسی ضابطہ بندی سے ماورا ہو جو صرف کسی خاص گروہ کے لیے قابل حصول ہوں۔ خدا
قدر اور معنی کے ایک معیار کی حیثیت سے کسی شخص یا گروہ کے تصور خدا کے ہم معنی نہیں ہو سکتا۔ ایک ایمانی عقیدہ کم از
کم ہمیشہ اپنی ضابطہ سازی سے اوپر کی طرف اشارہ کرتا ہو۔ وہ اپنے اندر وہ گہرائی رکھتا ہو جو اعتقادیت Dogmatism
سے اسے بچاتا ہے۔ وہ ہم کو کسی عقیدہ یا چرچ کی پرستش کی طرف نہیں بلکہ خدا کی پرستش کی طرف [illegible]۔ دوسری طرف
ایک الٰہیاتی عقیدہ، مقصدیت اور کلیت کے خلاف ایک فصیل ہے کیونکہ وہ عقیدہ میں ایک آخری معنویت
(ultimate meaning) کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ۳۳

(و۔خ)

سوانح

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ

تالیف: مولانا سید محمد ثانی حسنی ــــ مقدمہ از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی شیخ التبلیغ کی ایک ایسی مکمل و مستند سوانح حیات جس کا ماخذ اکابر تبلیغ کے خطوط، خود مولاناؒ کے مکاتیب، مستند ترین حضرات کی روایتیں، اور سب سے بڑھ کر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی کی تحریری یادداشتیں ہیں، نیز اس سوانح حیات میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے حالات زندگی بھی ہیں جن کو مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے اپنے قلم سے مرتب کیا ہے اس نے کتاب کی قیمت کو دوچند کر دیا ہے۔

کتاب کے ابواب حسب ذیل ہیں

۱۔ پہلا باب۔ (۱) اکابر خاندان (۲) حضرت شیخ الحدیث مدظلہ (۳) حضرت مولانا محمد الیاسؒ۔

۲۔ دوسرا باب۔ ولادت سے تکمیل علوم تک۔

۳۔ تیسرا باب۔ بیعت و ارادت سے خلافت و نیابت تک۔

۴۔ چوتھا باب۔ مولانا محمد الیاسؒ کے انتقال سے تقسیم ہند تک۔

۵۔ پانچواں باب۔ تقسیم ہند، ہندوستانی علاقوں میں تبلیغی کام۔

۶۔ چھٹا باب۔ ہندوستان کے دورے اور اجتماعات۔

۷۔ ساتواں باب۔ پاکستان کے دورے اور اجتماعات۔

۸۔ آٹھواں باب۔ حجاج اور اہل حجاز میں تبلیغی کام۔

۹۔ نواں باب۔ عرب ممالک میں جماعتوں کی نقل و حرکت۔

۱۰۔ دسواں باب۔ افریشیائی ممالک میں جماعتوں کی نقل و حرکت۔

۱۱۔ گیارھواں باب۔ یورپ و امریکہ اور جاپان میں جماعتیں۔

۱۲۔ بارھواں باب۔ پیدل جماعتیں اور ان کا کام و نظام۔

۱۳۔ تیرھواں باب۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے حج و عمرے۔

۱۴۔ چودھواں باب۔ پاکستان کا آخری سفر۔

۱۵۔ پندرھواں باب۔ علالت اور وفات۔

۱۶۔ سولھواں باب۔ صفات و کمالات اور خصوصی امتیازات۔

۱۷۔ سترھواں باب۔ احساسات و خیالات، دعوت و تبلیغ۔

۱۸۔ اٹھارھواں باب۔ مولاناؒ کی دعائیں۔

سائز ۲۲×۱۸ صفحات ۷۶۸، قیمت مجلد مع دو رنگا گرد پوش ۱۰/-

تاجروں کے لیے معقول کمیشن

کتب خانہ الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ

سنہ آغاز
۱۹۳۳
الفرقان
لکھنؤ
مرتب
عتیق الرحمٰن سنبھلی
مسئول
محمد منظور نعمانی

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟
تالیف۔ مولانا محمد منظور نعمانی
بلاشبہ قرآن مجید کی دعوت و تعلیم پوری انسانیت کے لئے آب حیات ہے،
لیکن ہماری دنیا اس سے ناآشنا ہے یہاں تک کہ اسکو "کلام الٰہی" ماننے والی
اُمت کی غالب اکثریت بھی اس سے بیگانہ ہے
یہ کتاب
اسی صورت حال کو سامنے رکھکر لکھی گئی ہے۔
یہ قرآنی دعوت اور اسکی اہم تعلیمات کا ایک جامع خلاصہ ہے۔
جس میں ۲۰ عنوانات کے تحت متعلقہ قرآنی آیات کو نہایت موثر اور روح پرور تشریحات کیساتھ جمع کیا گیا ہے
خاص طور پر قرآن کی دعوت توحید کا بیان اس کتاب کا شاہکار ہے۔
یہ بالکل ایک نئے طرز کی کتاب ہے، جو قرآن کی دعوت سے روشناسی کے ساتھ ساتھ
قرآن کے اعجاز بیان کا بھی لذت شناس کرتی ہے۔
نہایت اعلیٰ کتابت و طباعت، عمدہ کاغذ، ۲۰۰ صفحات، مجلد مع گرد پوش، قیمت ۳/۰
کتب خانہ الفرقان لکھنؤ

نئی قیمت 5-00

جلد ۳۵ | بابت ماہ شعبان المعظم سنہ ۱۳۸۷ھ مطابق دسمبر سنہ ۱۹۶۷ء | شمارہ ۸

اگر اس دائرہ میں سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب ہو کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہو، براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال فرمائیں، یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۲۰ دسمبر تک آجائے ورنہ اگلا شمارہ بصیغہ وی پی ارسال ہوگا۔

پاکستان کے خریدار:- اپنا چندہ ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور صرف ایک سادہ کارڈ کے ذریعہ ہم کو اطلاع دے دیں، ڈاکخانہ کی رسید بھیجنے کی ضرورت نہیں۔

نمبر خریداری:- براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا نمبر خریداری ضرور لکھ دیا کیجئے۔

تاریخ اشاعت:- الفرقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے، اگر ۲۰ تاریخ تک کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع کریں۔ اسکی اطلاع ۲۰ تاریخ تک آجانی چاہیے، اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ

(مولانا) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر ایڈیٹر و پروپرائٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نگاہِ اوّلیں

محمد منظور نعمانی

وَقَعَتِ الۡوَاقِعَةُ

ان سطروں کی اشاعت تک مصلح الامۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے سانحۂ وفات کی اطلاع اخبارات اور دوسرے ذرائع سے ناظرین کو ہو چکی ہو گی، ——— آج ۲۵ر نومبر ہے حضرت ہی دن پہلے ۲۰ر نومبر کی صبح رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور یہ ناچیز مکہ معظمہ سے واپس آتے ہوئے بمبئی پہنچے تھے۔ قریبًا ۸ بجے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، ۲۲ر نومبر کو حضرت اپنے خدام اور رفقاء کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ حج کے لئے مظفری جہاز سے حجاز پاک روانہ ہونے والے تھے رمضان مبارک حرمین شریفین ہی میں گزارنے کا ارادہ تھا، مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں رہنے والے حضرت کے خاص محبین و مسترشدین حافظ محمد صدیق صاحب الیمنی (مقیم مکہ مکرمہ) اور مولانا امجد اللہ گورکھپوری (مقیم مدینہ طیبہ) حضرت کے قافلہ کے قیام کے لئے جو انتظامات وہاں کر رہے تھے ان کا تذکرہ آیا اور وہاں کے جو خطوط حضرت کے نام ہمارے ساتھ آئے تھے وہ پیش خدمت کئے۔ اتفاق سے اسی دن بلکہ غالبًا اسی وقت حضرت کے نام "صولتیہ مکہ مکرمہ" کے مہتمم جناب مولانا محمد سلیم صاحب کا مکتوب پہنچا - جو ڈاک سے آیا تھا - جس میں انھوں نے مدرسہ ہی میں قیام فرمانے کی حضرت والا سے درخواست کی تھی - وہ حضرت کے خادم خاص مولانا جامی نے ہمارے سامنے ہی خدمت میں پیش کیا اور حضرت نے اس کو پڑھا ہم لوگوں نے بھی عرض کیا کہ مولانا محمد سلیم صاحب نے حضرت سے یہ درخواست کرنے کے لئے ہم سے بھی کہا تھا ——— جتنی دیر حاضر خدمت رہے حسب عادت انتہائی شفقت و عنایت سے

لطف اندوز ہوتے رہے، پھر رخصتی کی اجازت چاہتے ہوئے عرض کیا کہ جی تو چاہتا تھا کہ پرسوں حضرت کو رخصت کرنے کے بعد جائیں لیکن فلاں مجبوری سے جلدی لکھنؤ پہونچنا ضروری ہے اس لئے کل صبح کے طیارہ سے روانگی کا ارادہ ہے، حضرت نے فرمایا میں تو یہی سمجھتا تھا کہ آپ لوگ مجھے رخصت کرکے جائیں گے اور جی بھی چاہتا تھا لیکن جب ضرورت ہے تو کل ہی چلے جائیے۔ اس کے بعد ہم لوگوں نے دعا کی درخواست کی اور حضرت نے بھی ہم سے فرمایا اور آخری مصافحہ کرکے قیام گاہ پر واپس آگئے۔

میں حج سے متعلق اپنی دونوں کتابوں "آپ حج کیسے کریں" اور "آسان حج" کے کچھ نسخے حضرت کے قافلہ کے لئے پیش کرنا چاہتا تھا، میں نے مکہ معظمہ ہی سے لکھنؤ "کتب خانہ الفرقان" کو لکھ دیا تھا کہ اتنے نسخے بمبئی روانہ کردیئے جائیں۔ لیکن میرے بمبئی پہنچنے تک کتابوں کا پارسل بمبئی نہیں پہونچا تھا اگرچہ بلٹی اسی دن مل گئی تھی، میں نے وہ نسخے بمبئی ہی سے فراہم کئے اور عشاء کے بعد اُن کو لے کر پھر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت نے بڑی عنایت سے قبول فرمائے اور ساتھ جانے والے سامان میں رکھوا دیئے یہ ۲۰ اور ۲۱ر نومبر کے درمیان کی شب تھی اور حضرت کی خدمت میں اس عاجز کی یہ آخری حاضری تھی۔ حسب معمول رخصتی مصافحہ اور دعا کی درخواست کرکے واپس آگیا اور پروگرام کے مطابق ۲۱ر نومبر کی صبح سورج نکلنے سے پہلے بمبئی سے دہلی کے لئے ہم لوگ روانہ ہوگئے۔ اس دن دہلی قیام رہا، اگلے دن ۲۲ر نومبر کی صبح دہلی سے لکھنؤ اپنے مستقر پر آگئے۔

۲۲ ہی کو مظفری جہاز سے حضرت اپنے قافلہ کے ساتھ روانہ ہوگئے ـــــــ آج ۲۵ر نومبر کو عصر کی نماز کے بعد افواہی طور پر یہ خبر سنی کہ محلہ ماہ نگر (لکھنؤ) کے فلاں صاحب کو بمبئی سے کسی نے ...... اطلاع دی ہے کہ مظفری جہاز پر حضرت مولانا وصی اللہ صاحب کا وصال ہوگیا ـــــــ دل ودماغ یقین کرنے پر کسی طرح آمادہ نہیں ہوئے۔ جس کا بڑا سبب اپنا یہ خیال بھی تھا کہ اگر بمبئی میں اس طرح کی کوئی اطلاع آئی ہوتی تو بمبئی کے ہمارے وہ احباب ومخلصین جو حضرت سے عقیدت ومحبت کا خاص تعلق رکھتے ہیں ہم لوگوں کو ضرور اطلاع دیتے، ہم لوگوں نے طے کیا کہ بمبئی ٹرنکال کرکے تحقیق کی جائے۔ ابھی اس پر عمل نہیں ہوسکا تھا کہ اسی اثنا میں دارالعلوم ندوۃ العلماء سے بذریعہ فون اطلاع ملی کہ سیٹھ عبدالستار صاحب کا تار ابھی بمبئی سے دارالعلوم میں آیا ہے جس میں اس سانحہ کی اطلاع دی گئی ہے۔ اب ہم سب کو یقین کرلینا پڑا۔ بلاشبہ جب انبیاء علیہم السلام بھی اس دنیا میں نہیں رہے تو کون رہے گا، بقاء ودوام صرف ایک

ذات کے لئے ہے۔ کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ ۝ وَّیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ ۝

ان سطروں کی ابھی کتابت بھی نہیں ہو سکی تھی کہ بمبئی کے ایک مخلص حاجی یعقوب صاحب کے ۲۵ر نومبر کے لکھے ہوئے خط سے یہ تفصیل معلوم ہوئی کہ حضرت کے رفقاء کا منظفری جہاز سے بذریعہ وائرلیس دیا ہوا تار آج دن کے ۱۱ بجے بمبئی پہونچا جس میں بتایا گیا ہے کہ آج صبح ۶ بج کر ۹ منٹ[1] پر حضرت کا وصال ہوگیا۔ اور جہاز کے کیپٹن کا کہنا ہے کہ جہاز کے عام قانون و دستور کے مطابق نماز جنازہ پڑھ کر حضرت کی میّت کو سمندر کے سپرد کر دیا جائے اور ہم لوگوں کا اصرار ہے کہ ہم محفوظ کر کے جدّہ لے جائیں، آپ لوگ مغل کمپنی سے کیپٹن کو تار کے ذریعہ ہدایت بھجوایئے کہ وہ جدّہ تک لے جانے کی اجازت دے اور انتظام کرے۔

چنانچہ فوراً ہی اس کی کوشش کی گئی، مغل کمپنی نے منظور کر لیا اور جہاز کے کیپٹن کو بذریعہ وائرلیس اس کی ہدایت دے دی اور بمبئی کے اپنے دوستوں نے حضرت کے رفقاء کو بذریعہ وائرلیس منظفری جہاز پر اطلاع بھیجدی کہ مغل کمپنی نے کیپٹن کو ہدایت دے دی ہے کہ وہ حضرت کی میّت کو جدّہ تک لے جانے کا انتظام کرے اور ایک تار سعودی عربیہ میں حکومت ہند کے سفیر مسٹر مدحت کامل قدوائی کو بھی دے دیا گیا ہے " (حاجی یعقوب صاحب کا یہ خط ۲۷ر نومبر کو لکھنؤ پہنچا)

امید ہے کہ پروگرام کے مطابق ۲۹ر نومبر چہار شنبہ کو منظفری جہاز جدّہ کے ساحل پر پہونچے گا لیکن جہاز مقدس کے حضرت کے محبین و معتقدین جو بڑی تمنّاؤں اور مسرّتوں کے ساتھ جدّہ میں حضرت کے استقبال کی اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں حضرت کے قیام کی تیاریاں کر رہے تھے حضرت کے اس جسد عنصری کو جہاز سے اتاریں گے جس سے بے تاب روح سبقت کر کے ملأ اعلیٰ کی طرف پہلے ہی پرواز کر چکی ہے ــــــ اللہ تعالیٰ ان کو اور حضرت کے تمام ہی محبین و متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی وَکُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی ۝

---

[1] یعنی صبح صادق سے کچھ پہلے۔ کیونکہ سمندر کے جس علاقہ میں اس وقت منظفری جہاز جا رہا تھا وہاں صبح صادق ۱/۲ ۶ کے قریب ہوتی ہے ۱۲

کچھ نقوش وتاثرات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ کے ایک ممتاز اور صاحب احوال خلیفہ کی حیثیت سے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کا تذکرہ تو جہاں تک اب یاد آتا ہے۔ سب سے پہلے اب سے ۲۵۔۲۶ سال قبل ضلع اعظم گڑھ کے ایک سفر میں سنا تھا لیکن زیارت کی نوبت عرصہ تک نہیں آئی۔

حضرت کا اصل وطن ضلع اعظم گڑھ کے مشہور قصبہ کوپاگنج کے قریب "فتح پور تال نرجا" نام کے ایک گاؤں میں تھا، وہیں حضرت کا قیام رہتا تھا، یاد آتا ہے پہلی دفعہ اب سے اکیس[21] یا بائیس[22] سال پہلے غالباً ۴۶ء میں صرف زیارت کے لئے یہ عاجز تین اور دوستوں کے ساتھ وہاں حاضر ہوا تھا، اس کے بعد دوسری دفعہ ۴۹ء میں حاضر ہوا۔ اس دفعہ کسی ضرورت سے مئو ضلع اعظم گڑھ گیا تھا پروگرام میں اتنی گنجائش تھی کہ صبح کو مئو سے فتح پور تال نرجا جاؤں اور چند گھنٹے حضرت کی خدمت میں قیام کر کے شام کو مئو واپس آجاؤں۔ مئو سے کوپاگنج تک کے لئے یکے چلتے تھے۔ کوپاگنج سے فتح پور تال نرجا تک کا چند میل کا راستہ پیدل طے کرنا پڑتا تھا، میں جس یکے پر مئو سے کوپاگنج کے لئے بیٹھا اس پر چند اور آدمی بھی ساتھ بیٹھے تھے، راستہ میں میں نے یکے والے سے کہا کہ مجھے فتح پور تال جانا ہے اور شام ہی کو واپس آجانا ہے۔ وقت کم ہے اگر تم مجھے وہاں تک پہونچا سکو تو پہونچا دو، کرایہ جو تم مانگو گے میں خوشی سے دے دوں گا۔ اس نے راستہ کی خرابی کا عذر کیا اور بالآخر وہ اس پر تیار ہو گیا کہ جہاں تک راستہ زیادہ خراب نہیں ہے وہ وہاں تک مجھے پہنچا دے گا، اس یکے پر ایک تعلیم یافتہ نوجوان ہندو بھی تھا، اس نے مجھ سے پوچھا کہ آپ فتح پور تال کس کے پاس جائیں گے؟ میں نے کہا کہ وہاں ہمارے ایک بزرگ ہیں میں بس ان سے ملنے جا رہا ہوں، اس نے کہا اچھا! وہ جو شاہ صاحب ہیں آپ ان کے درشن کرنے جا رہے ہیں، میں نے کہا ہاں! میں ان ہی کے درشن کرنے جا رہا ہوں۔ میں نے اس نوجوان سے پوچھا کیا آپ ان کو جانتے ہیں؟ اس نے کہا نہیں، میں نے ان کا بس نام سنا ہے، مجھے بھی ان کے درشن کرنے کا بہت شوق ہے، میں نے کہا آپ کو کیوں ان کے درشن کرنے کا شوق ہے؟ اس نے بتایا کہ میں کانپور کا رہنے والا ہوں میرا یہاں رنگ کا بیوپار ہوتا ہے اس کے لئے میں سارے ملک میں گھومتا ہوں، ہزاروں ہندوؤں مسلمانوں سے میرا کاروباری واسطہ ہے مگر یہاں کوپاگنج میں ہمارے ایک بیوپاری ہیں (اس نے ان کا نام بھی بتایا تھا مجھے

اچھی طرح یاد نہیں رہا) میں نے ساری دنیا میں ان جیسا سچا اور ایماندار دھرمی آدمی نہیں دیکھا، میں نے ایک دن ان سے پوچھا کہ تم میں اتنی نیکی اور سچائی کہاں سے آگئی ہے، تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ مجھ میں تو کچھ بھی نیکی اور اچھائی نہیں ہے، میں تو بہت گندہ اور خراب آدمی ہوں ہاں یہاں فتح پور میں ہمارے ایک مولانا صاحب ہیں اگر تمھیں مجھ میں کوئی اچھائی نظر آتی ہے تو وہ ان کا اثر ہوگا۔ اور بھی کئی آدمیوں سے میں نے ان کا نام سنا ہے، اس لئے مجھے ان کے درشن کرنے کا بڑا شوق ہے۔ اس کے بعد وہ نوجوان بڑے جوش کے ساتھ کہنے لگا کہ میرا تو یہ ایمان دھرم ہے کہ ہمارا یہ ملک اس وقت تک نہیں سدھرے گا جب تک یہ ملنگ (درویش) لوگ اسے اپنے ہاتھ میں نہیں لیں گے۔ وہ نوجوان اور باقی لوگ جو یکہ پر سوار تھے کوپا میں اتر گئے، میں اپنے پروگرام کے مطابق حضرت کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔

بہت سے حضرات کو یاد ہوگا کہ ۴۷ء میں تقسیم کے موقع پر ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف قتل و غارت گری کا جو طوفان اٹھا تھا وہ گوڈسے کی گولیوں سے گاندھی جی کے قتل ہو جانے پر ایک دم رک گیا تھا، اس کے بعد ۴۹ء میں فسادات کی ایک طوفانی لہر بنگال سے پھر اٹھی تھی اور بہت سے مسلمانوں کے سامنے اس وقت پھر یہ سوال کھڑا ہوگیا تھا کہ وہ ہندوستان میں رہ سکیں گے یا نہیں۔ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کی خدمت میں میری یہ حاضری ٹھیک ان ہی دنوں میں ہوئی تھی۔ حضرت مولانا نے اس دفعہ تنہائی میں مجھ سے ملک کے حالات پر گفتگو فرمائی جو ایک نئی سی بات تھی اور مجھے ملکی حالات سے باخبر سمجھتے ہوئے دریافت فرمایا کہ تمھارا کیا اندازہ ہے۔ ہندوستان کے ارباب اقتدار کیا یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان تنگ ہو کر یہاں سے چلے جائیں یا یہ جو کچھ ہو رہا ہے ان کی منشا کے خلاف ہے اور وہ اس پر قابو نہیں پا سکے رہے ہیں؟ میں نے تفصیل سے اپنا خیال عرض کیا جس کا حاصل یہ تھا کہ حکومت میں جو اصل ذمہ دار ہیں یعنی پنڈت جواہرلال نہرو اور ان کے خاص رفقاء وہ نہیں چاہتے کہ مسلمانوں کے ساتھ یہاں اس طرح کی زیادتیاں ہوں لیکن پچھلے چند سالوں کی سیاسی معرکہ آرائیوں اور پھر تقسیم کے فیصلے نے ہندوؤں کے ذہن کو بہت زیادہ خراب کر دیا ہے۔ خود کانگریس کے اندر بھی مسلم دشمن عناصر کا اچھا خاصہ غلبہ ہوگیا ہے۔ اس لئے ان فسادات کو روکنے کے لئے جس قسم کے سخت اقدامات کی ضرورت ہے یہ ذمہ دار اُن کی جرأت نہیں کرتے اور اس کا کافی خطرہ ہے کہ خدانخواستہ یہ صورت حال بہت دنوں تک قائم رہے۔

پھر میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ ہندوستان میں قیام کے بارہ میں خود حضرت کا رجحان کیا ہے؟ ــــــ یہ بات میں نے خاص طور سے اس لئے دریافت کی تھی کہ بعض لوگوں نے انہی دنوں میں مجھ سے اپنا ایک خواب بیان کیا تھا جس سے انھوں نے سمجھا تھا کہ حضرت مولانا کا ارادہ ہندوستان سے چلے جانے کا ہے اور حضرت دوسروں کو بھی اس کا مشورہ دے رہے ہیں ــــــ میں نے حضرت سے اس خواب کا بھی ذکر کر دیا ــــــ حضرت نے فرمایا کہ ایسا تو نہیں ہے مشرقی پاکستان کے بعض احباب اگرچہ بہت دنوں سے اصرار کر رہے ہیں کہ میں وہاں منتقل ہو جاؤں لیکن میرا ارادہ یہیں رہنے کا ہے اور میں نے اس کا فیصلہ کر لیا ہے ــــــ حضرت کی خدمت میں یہ میری دوسری حاضری تھی۔ اس کے کئی سال بعد تک حضرت کا قیام اپنے آبائی وطن فتح پور ہی میں رہا۔

فتح پور کے زمانۂ قیام میں قرب وجوار کے اضلاع کے علاوہ دوسرے علاقوں کے بہت خاص ہی خاص اصحابِ طلب آپ تک پہونچتے رہے' اس کے بعد حکمت الٰہی نے چاہا کہ آپ کے فیوض کا دائرہ وسیع ہو تو تکوینی طور پر کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ اپنے بعض اقارب کی کسی بے عنوانی سے آزردہ اور ناراض ہو کر آپ گورکھپور تشریف لے آئے اور وہیں قیام فرمالیا۔ ایک طویل مدت تک وہیں قیام رہا لیکن اس انتقال مکانی کی یہ حکمت بعد میں ظاہر ہوئی کہ آپ کے قیام سے گورکھپور اس زمانے میں ایک دینی اور روحانی مرکز بن گیا اور طلب واستفادہ کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا۔ پھر آپ نے گورکھپور سے الٰہ آباد منتقل ہونے کا فیصلہ فرمالیا۔ یہاں پہنچ کر حضرت کی مقبولیت کا اس پیمانہ پر ظہور ہوا جو کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خواص اولیاء کے لئے ہوتا ہے۔

ادھر قریباً ۲ سال سے حضرت کی آمد و رفت بمبئی شروع ہوئی جس کا ظاہری سبب تو یہ تھا کہ حضرت کو بعض ایسے امراض لاحق ہو گئے جن کی وجہ سے زیادہ گرمی بھی سخت مُضر اور زیادہ سردی بھی سخت خطرناک، اور چونکہ بمبئی میں نہ کبھی زیادہ سردی ہوتی ہے نہ زیادہ گرمی اس لئے حضرت کے معالج اطباء نے مشورہ دیا کہ سخت سردی کے موسم میں حضرت کا قیام بمبئی رہے جس کے نتیجہ میں حضرت کے بمبئی قیام کی مقدار کافی بڑھ گئی اور پچھلے ایک سال میں تو حضرت کا قیام الٰہ آباد کم اور بمبئی زیادہ رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت کے اس قیام بمبئی کو اہل بمبئی کے لئے رحمت اور رشد وہدایت کا ایسا وسیلہ بنا دیا جس کے ظہور کے بعد محسوس ہوا کہ دراصل یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک

غیبی انتظام تھا۔ شاید ہی اللہ کے کسی بندہ سے اہل بمبئی کو اتنے وسیع پیمانے پر اور اتنا عمیق دینی فائدہ کبھی پہونچا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے بمبئی کے تاجروں اور دوسرے اونچے طبقوں میں حضرت کے سیکڑوں عشاق پیدا کر دیئے۔ جو خالص دنیادار تھے وہ اللہ والے بن گئے۔" اِنَّ رَبِّی لطیف لما یشاء۔

یہ عاجز اللہ کی توفیق سے گورکھپور کے زمانۂ قیام میں بھی ایک عقیدتمند زائر کی حیثیت سے اور طلب دعا اور استفادہ کی نیت سے حضرت کی خدمت میں چند بار حاضر ہوا اور اس کے بعد الہ آباد اور بمبئی میں بھی بار بار حاضری اور کبھی کبھی مختصر قیام کی سعادت حاصل ہوتی رہی، پھر گذشتہ فروری میں جبکہ حضرت کا قیام بمبئی میں تھا آپ کی خدمت میں قیام ہی کی نیت سے بمبئی کا سفر کیا اور دو ہفتے حضرت ہی کا مہمان رہ کر بے انتہا عنایتوں اور شفقتوں سے متمتع ہوتا رہا۔ اس کے بعد اب سے دو مہینے پہلے جب ماریشس اور حجاز مقدس جانے کے لئے بمبئی پہونچا تو بعض قانونی رکاوٹوں کی وجہ سے پورا ایک ہفتہ بمبئی رہنا پڑ گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس جبری قیام کو میرے لئے اس لحاظ سے سراسر خیر و برکت اور رحمت بنا دیا کہ ان دنوں میں زیادہ تر یہ عاجز حضرت ہی کا مہمان اور حضرت ہی کی خدمت میں حاضر رہا۔ پھر اس سفر سے واپسی پر حضرت کی خدمت میں آخری حاضری آج سے پانچ۔ چھ ہی دن پہلے ۲۰ر نومبر کو ہوئی جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ کیا خبر تھی کہ حضرت کی عمر کا یہ آخری ہفتہ ہے اور یہ آخری زیارت اور آخری مصافحہ ہے۔

مولانا مجد اللہ گورکھپوری حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خاص الخاص مرید اور عاشق ہیں، ادھر چند برسوں سے سال کے بیشتر حصہ میں مدینہ طیبہ رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے دین و دنیا کی دولتیں ایک ساتھ بھرپور نصیب فرمائی ہیں، مدینہ منورہ میں ایک چار منزلہ وسیع بلڈنگ مسجد نبوی کے بالکل قریب باب مجیدی سے بس سو سوا سو قدم کے فاصلے پر اپنے اہتمام سے بنوائی ہے، یہ عاجز اس مرتبہ اسی نومبر کے پہلے ہفتہ میں جب مدینہ منورہ حاضر ہوا تھا تو انہی کا مہمان رہا، آج سے ۲۰ ہی دن پہلے ان سے رخصت ہو کر ہندوستان واپسی کے لئے جدہ آیا تھا، الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت کی آمد کی ان کو کتنی خوشی تھی، اپنا وہ پورا مکان حضرت اور حضرت کے پورے قافلہ کے لئے خالی کر رکھا تھا، انھوں نے بیان کیا کہ گذشتہ سالوں میں جب کبھی

حضرت سے سفرِ حج کے بارہ میں عرض کیا گیا تو یہی فرمایا کہ "کس منہ سے جاؤں کچھ کر یوں تو چلوں" لیکن اس سال بظاہر کسی خاص احساس اور ادراک کی بنا پر بڑے ذوق شوق کے ساتھ خود ہی ارادہ فرمایا اور اپنے تمام قریبی متعلقین اور خاص خدام کو ساتھ لے کر چلنا طے فرمایا، شروع میں ارادہ رمضان مبارک کے بعد کسی جہاز سے جانے کا تھا، بعد میں (اواخر ستمبر میں) رمضان مبارک سے پہلے ہی جانے کا فیصلہ فرمالیا اور اسی فیصلہ کے مطابق ۲۲ نومبر کو روانگی ہوئی۔

اب معلوم ہوا کہ قضاء وقدر نے یہ فیصلہ اس لئے کرایا تھا کہ حجاز مقدس کے راستہ میں وفات اور ارض حجاز میں تدفین مقدر تھی ـــــــ اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں بشارت سنائی ہے کہ :-

وَمن یخرج من بیتہ مھاجراً الی اللہ ورسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ۔ (النساء ع ۱۳)	اور جو بندہ اپنا گھر چھوڑ کے اللہ اور اس کے رسول کی طرف چلدے پھر (منزل مقصود پر پہنچنے سے پہلے راستہ ہی میں) اس کی موت کا وقت آجائے (اور وہ درمیان ہی میں دنیا سے اٹھالیا جائے) تو اس کا پورا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ آگیا۔

اس لئے جہاں تک حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ مقدسہ اور مسجد نبوی کی حاضری کے اجر اخروی کا تعلق ہے جو اصل مقصدِ سفر تھا وہ تو بلا شبہ مل گیا اور مل جائے گا، باقی جو حکمتیں مالک الملک کے اس فیصلہ میں مضمر ہیں ان کا علم بس اسی علیم و خبیر کو ہے۔ وما اوتیتم من العلم الا قلیلاً ہ

کچھ صفات وامتیازات

حضرت کے سوانح حیات اور صفات وامتیازات پر تو ان ہی حضرات کو لکھنے کا حق ہے جن کو بہت زیادہ قریب رہنے کی سعادت حاصل رہی ہے جیسے حضرت کے خادم خاص مولانا عبدالرحمن جامی اور بعض دوسرے حضرات۔ میری واقفیت کا طول وعرض تو بس وہی ہے جو اوپر عرض کرچکا ہوں، پھر بھی اس باب میں میرے جو بعض خاص تاثرات ہیں ان کو ناظرین کی خدمت

میں عرض کر دینا نامناسب نہیں سمجھتا۔

جلال و جمال

اوپر کی سطروں میں ضمناً اس کا ذکر آچکا ہے کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے ممتاز خلفاء میں تھے اور حضرت کی حیات ہی میں حضرت کے حکم سے تربیت و ارشاد کی ذمہ داری سنبھال کے اپنے وطن فتح پور میں بیٹھ گئے تھے۔ اُس زمانہ میں اس عاجز نے ان کے جو احوال اور تربیت و ارشاد کے جو خصائص سنے تھے ان سے یہ سمجھا تھا کہ بڑے صاحب جلال بزرگ ہیں۔ پھر اب سے اکیس، بائیس سال پہلے جب اس عاجز نے پہلی دفعہ فتح پور حاضر ہو کے زیارت کی تو جلال کی وہ کیفیت تو نہیں دیکھی، لیکن اس کا کچھ رنگ ضرور محسوس کیا تھا (اگرچہ میں ان لوگوں میں سے نہیں تھا اور نہیں ہوں جن کا احساس ان امور میں کچھ زیادہ قابل اعتبار ہو) لیکن گورکھپور اور الہ آباد کے زمانۂ قیام میں جب جب حاضری ہوئی تو عنایت و شفقت اور رأفت و رحمت کا رنگ ہی غالب پایا اور گزشتہ دو تین سالوں میں تو جب حاضری ہوئی یہ محسوس کیا کہ رگ و ریشہ پیار و محبت سے بھرپور ہے۔

قرآن مجید میں "بالمومنین رؤفٌ رحیم"[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان فرمائی گئی اس لئے اہل اللہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی خلفاء اور نائبین ہوتے ہیں۔ الوان کے اختلاف کے باوجود سب ہی اس صفت کے حامل ہوتے ہیں اس گنہگار کو اللہ تعالیٰ نے اپنے جن خاص بندوں کو دیکھنا نصیب فرمایا ان سب کو اس صفت سے بھرپور دیکھا۔ لیکن حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر خاص کر حیات کے اس آخری دور میں اس صفت کا انتہائی غلبہ تھا۔ جو بھی حضرت سے قریب ہوتا محسوس کرتا کہ رگ و ریشہ میں شفقت اور عنایت بھری ہوئی ہے ـــــــ جو طالب بن کر آنا چاہتے کہ ان کے اعمال و اخلاق کی پوری پوری اصلاح ہو جائے اور اس کو تعلق مع اللہ کی دولت نصیب

[1] یعنی اہل ایمان پر بہت زیادہ شفقت اور مہربانی فرمانے والے ۱۲

ہو جائے اسی کے ساتھ بہت سوں کی دنیوی ضروریات کی بھی فکر فرماتے اور ان کی تکلیفوں اور پریشانیوں سے سخت بے چین ہوتے۔

غیر معمولی تاثیر

اس کے اظہار میں ہرگز کوئی بے ادبی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت کو ظاہری وجاہت والی شکل وصورت بالکل عطا نہیں فرمائی تھی، اسی طرح آپ صاحب زبان وبیان مقرر بھی نہیں تھے آج کل کی اصطلاح کے مطابق صاحب قلم بھی نہیں تھے۔ اگرچہ مدت سے معمول تھا۔ کہ روزانہ صبح ایک عام مجلس میں کچھ اصلاحی بیان فرماتے تھے جس کا طریقہ اکثر یہ ہوتا تھا کہ اگلے اکابر علماء محققین ومصلحین کی کوئی کتاب ہاتھ میں لے کر اس کی کوئی عبارت پڑھتے اور اس پر کچھ فرماتے، کبھی ماثورہ دعاؤں میں سے کوئی دعا پڑھتے اور اس کے مضمون کی وضاحت فرماتے، لیکن اس بیان کی زبان اور اس کا انداز اکثر وبیشتر اس قدر علمی ہوتا تھا اور اس میں درسی اور فنی اصطلاحات کا اس قدر استعمال ہوتا تھا کہ خاص مناسبت رکھنے والے اہل علم ہی سمجھ سکتے تھے، پھر آواز کبھی کبھی اتنی دھیمی ہوتی تھی کہ مائیکروفون سامنے ہونے کے باوجود بہت سے حاضرین مجلس نہیں جانتے تھے کہ کیا فرمایا لیکن تواتر کے طور پر لوگوں سے سنا اور خود محسوس بھی کیا کہ تاثیر سے شاید کوئی بھی طالب، خالی اور محروم نہیں رہتا تھا۔ اور اثر بھی ایسا جو اکثر وبیشتر کایا پلٹ کر دیتا تھا۔

اب سے دو ہی مہینے پہلے آخر ستمبر میں جب ایک ہفتہ کے قریب حضرت کی خدمت میں رہنا نصیب ہوا تو ایک دن مجلس میں حضرت اپنی جگہ پر تشریف تو لے آئے لیکن دیر تک بس خاموش بیٹھے رہے۔ مجھے وہ حدیث یاد آتی رہی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال بیان کیا گیا ہے۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طویل الصمت متواصل الاحزان یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ایک حال تھا کہ آپ بہت دیر تک خاموش رہتے اور محسوس ہوتا کہ مسلسل فکر اور غم کی حالت میں ہیں) پھر مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے حاضرین مجلس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ لوگ یہ ضروری نہ سمجھیں کہ میں ضرور کچھ بیان کروں گا، یہاں

وہی لوگ آیا کریں جو بغیر کچھ سنے صرف بیٹھنے میں بھی اپنا فائدہ سمجھیں۔

بہرحال حضرت کی مجلس اس حقیقت کی روشن دلیل تھی کہ دینی فائدہ کا زیادہ تعلق زبان و بیان سے نہیں بلکہ قلب سے ہے[1]۔ حضرت کی مجلس کے حاضرباشوں میں جو عظیم انقلاب آیا اس کو ہر آنکھوں والا صرف ایک نظر میں بھی ہی دیکھ سکتا ہے۔

علمی رسوخ اور وسعت مطالعہ:۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی عام شہرت اگرچہ ایک شیخ طریقت اور صاحب ارشاد مصلح و مربی کی حیثیت سے ہے لیکن علم میں بھی اتنا رسوخ اور استحضار تھا اور مطالعہ اتنا وسیع و عمیق تھا کہ اس دور کے اصحاب درس اور مصنفین میں بھی اس کی مثالیں کم ہی ملیں گی۔

ایک نیا انداز اور جذب و سلوک کا امتزاج:۔

مشائخ طریقت میں اکثر و بیشتر وہ ہوتے ہیں جن کا ارشاد و اصلاح کا سارا کام بالکل اپنے شیخ کے منوال اور منہاج پر ہوتا ہے لیکن بعض ایسے شہباز بھی ہوتے ہیں جو شیخ کی کامل محبت اور متابعت کے باوجود ایک مستقل انداز اور طریقہ کے بانی دیکھے جاتے ہیں اس کی مثال میں حضرت خواجہ باقی باللہ کے خلفاء میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا اور حضرت حاجی امداد اللہ رح کے خلفاء میں حضرت گنگوہی رح اور حضرت تھانوی رح کا نام لیا جا سکتا ہے۔ اگر چھوٹے منہ سے کسی بڑی بات کے کہنے کا کوئی جواز ہو تو یہ عاجز حکیم الامت حضرت تھانوی رح کے خلفاء میں حضرت مولانا شاہ وصی اللہ کا نام بھی اس کی مثال میں لے سکتا ہے — حضرت ممدوح میں جذب و سلوک کا ایسا واضح امتزاج تھا جس نے ایک نرالے قسم کا بانکپن پیدا کر دیا تھا

در دست نہ تیر ہست نہ دست کمان است — ایں سادگی او ست کہ بسمل دو جہان است

در مدرسہ از جنبش لعل تو حکایت — در بتکدہ از مستی چشم تو نشان است

اللہ تعالیٰ اپنے اس بندہ کے ساتھ مغفرت و رحمت کا خاص معاملہ فرمائے اور درجات عالیہ سے نوازے اور ان کے جانے سے جو خلا امت میں پیدا ہو گیا ہے، اپنی رحمت کاملہ سے اس کو پر فرمائے اور ملفوظات و تصانیف کی شکل میں ان کے جو فیوض محفوظ ہیں ان کی قدر اور ان سے استفادہ کی اپنے بندوں کو توفیق عطا فرمائے۔

---

[1] امام عبدالوہاب شعرانی رح کا مشہور مقولہ ہے "من لم ینفعہ سکوتنا لم ینفعہ کلامنا" یعنی جس کو ہماری خاموشی سے فائدہ نہیں ہوگا اس کو ہماری باتوں سے بھی فائدہ نہیں ہوگا۔ ۱۲

سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

ملفوظات

(۷)

(از ــــــ مولانا نسیم احمد فریدی امروہی)

نواب عبدالصمد علی خاں کے نام[عہ] ــــ جو حضرت کے مرید تھے، ایک مرید سے مکتوب گرامی تحریر کرایا، کاغذ صاف اور عمدہ نہ تھا اس پر فرمایا

شیشہ[عسہ] صاف ار نباشد گو سفال کہنہ باش
رند درد آشام با ایں تکلفہا چہ کار

ایک شخص نے ایسے درود کی درخواست کی جس کے پڑھنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں ہو جائے ــــ فرمایا کوئی سا بھی درود پڑھو اگر زیارت مقدر ہے تو ضرور ہوگی۔ بارہا تجربہ ہو چکا ہے کہ جو کوئی زیارت کے سلسلے میں زیادہ کوشش کرتا ہے زیادہ دیر میں کامیاب ہوتا ہے اور جس کے نصیب میں زیارت ہونی ہے وہ آسانی سے فیض یاب ہو جاتا ہے۔

عہ۔ نسخہ خطیہ کتب خانہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں نواب عبداللہ علی خاں، نام لکھا ہے۔

عسہ۔ اگر صاف اور عمدہ گلاس نہیں، تو پرانا مٹی کا پیالہ ہی سہی۔ بے تکلف اور آزاد مزاج آدمی کو تکلفات سے کیا تعلق ہے۔

ارشاد فرمایا کہ میں نجیب خانؒ (نجیب الدولہ) کی عیادت کو (نجیب آباد) گیا ہوں (وہاں کے بعض دلچسپ واقعات بھی سنائے) پھر فرمایا کہ نجیب الدولہ کے یہاں نو تو عالم رہتے تھے۔ جن کی پانچ روپے سے لے کر پانچ سو روپے تک تنخواہ تھی۔ تین قاضی ـــ حنفی، شافعی اور مالکی مذہب کے موجود تھے۔ ایک حنبلی قاضی کو بھی بلایا تھا، مگر وہ چلا گیا۔

ارشاد فرمایا کہ سلطان عالمگیرؒ نے میر زاہدؒ کے علم و تشرع کا شہرہ سن کر ان کو ہرات سے بلا لیا اور محتسب اکبر آباد (آگرہ) بنایا اور اس کے بعد قاضی کابل ـــ اکبر آباد کے زمانۂ قیام میں میر زاہد نے شرح مواقف وغیرہ تین کتابوں کے حواشی لکھے اور شاگرد بھی تیار کیے۔ چنانچہ دادا صاحب یعنی حضرت شاہ عبدالرحیمؒ نے جن کو میر زاہد آخوند کہا کرتے تھے (معقول کی) تمام کتابیں میر زاہد ہی سے پڑھیں اور شریک مسودۂ حواشی بھی رہے ـــ میر زاہد کو فقہ میں کم دخل تھا ایک امیر ان سے شرح وقایہ پڑھنے آتا تھا اس کو دادا صاحب کی موجودگی کے بغیر سبق نہیں پڑھاتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ میرزا جانؒ[عٰ۵] کی تقریر میری جان ہے اور آخوند کی تقریر جانِ جاں ہے۔

ایک محفل میں تحریر کی معنوی حیثیت سے اقسام بیان فرمائیں، پھر فرمایا کہ والد ماجد (حضرت شاہ ولی اللہؒ) کی تقریر درس وغیرہ میں وجد انگیز ہوتی تھی، مولوی احمد اللہ[عٰ۵] نے عرض کیا کہ حضرت والا کی تقریر بھی وجد انگیز ہوتی ہے عوام و خواص دونوں اس کو سن کر وجد میں آجاتے ہیں ـــ فرمایا کہ جو چیز ناپائدار اور فانی ہے اگر اچھی بھی ہو تو کیا ہوتا ہے پائدار چیز میں خوبی پیدا کرنی چاہئے یعنی نسبت مع اللہ میں قوت پیدا کی جائے۔

ارشاد فرمایا کہ اگرچہ تفسیر (فتح العزیز) بھی اچھی خاصی کتاب ہے لیکن تحفۂ اثنا عشریہ میں عجیب و غریب تقاریر درج ہو گئی ہیں۔

ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ جد بزرگوار (حضرت شاہ عبدالرحیمؒ) وقتِ رحلت یہ ہڑ ہندی

عٰ۵ میر زاہد کے استاد تھے۔

عٰ۵ نسخہ مطبوعہ میں نام کی جگہ بیاض ہے، نسخۂ قلمی مسلم یونیورسٹی علیگڈھ میں احمد اللہ نام درج ہے۔

بار بار پڑھتے تھے۔

پات جھڑتے یوں کہے کاری بن کے راشے[ف]

اب کے بچھڑے نا ملے دور پڑیں گے جائے

ارشاد فرمایا کہ جب والد ماجدؒ مکہ معظمہ گئے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ انھوں نے ایک چادر والد ماجد کے سر پر ڈالی اور ایک قلم عنایت کیا اور فرمایا کہ یہ میرے نانا کا قلم ہے۔ پھر فرمایا کہ ابھی ٹھہرے رہو میرے چھوٹے بھائی حسینؓ بھی آرہے ہیں، حضرت حسینؓ نے وہ قلم اپنے دست مبارک سے تراش کر والد ماجد کو دیا۔ اس وقت سے حضرت والد ماجد کا حالِ نسبت اور حالِ علم و تقریر ہی دوسرا ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس سے پہلے جن لوگوں نے آپ سے استفاضہ کیا تھا وہ آپ کے اندر نسبت سابقہ بالکل محسوس نہیں کرتے تھے۔ قبر شریف میں بھی (بذریعہ مراقبہ) ان سابقہ نسبتوں میں سے کسی کا احساس نہیں ہوتا۔ ہر چند وہ طریقت کے ہر سلسلے میں قدرتِ تعلیم رکھتے تھے لیکن نسبتِ سنتِ نبویؐ کا غلبہ ہو گیا تھا۔

جب برادر عزیز القدر، فخر فضلائے زماں مولانا مولوی شاہ رفیع الدین صاحب کو مرض وفات لاحق ہوا تو حضرت والا ایک دن دو بار عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ اثنار راہ میں ایک مرید نے عرض کیا کہ مولوی رفیع الدین صاحب کی زندگی سے تمام خاندان بلکہ دہلی بلکہ ہندوستان کی زندگی وابستہ ہے خدا ان کو سلامت رکھے، یہ سُن کر فرمایا کہ وہ جاہل بھی ہوتے تو مجھے ان کا ایسا ہی درد ہوتا مگر جبکہ وہ ایک عالم کے لیے فیض رساں ہیں تمام عالم کو ان کا درد ہے۔ پھر فرمایا کہ ہماری زندگی تو برائے نام ہی ہے اس وقت جو کچھ فیض ہے ان ہی کا ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ کے نزدیک تمام بندے چھوٹے ہوں یا بڑے یکساں ہیں وہ حیات و رزق کے معاملہ میں غنیٔ مطلق ہیں اُن کو کیا

ف مطبوعہ و قلمی نسخوں میں یہ دوہرہ قریب قریب انھیں الفاظ میں درج ہے۔ اس کے پہلے مصرعے کے بعض الفاظ کا مفہوم بھی معلوم نہ ہو سکا۔ بعض لوگوں کی زبانی پہلا مصرعہ اس طرح سنا گیا۔ پتّا ٹوٹا ڈال سے لے گئی پون اڑائے۔ بہر صورت خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جب پتے ہوا کے جھونکوں سے درخت سے گرتے ہیں تو منتشر ہو جاتے ہیں۔ کوئی کہیں اور کوئی کہیں۔ ایسے ہی موت بھی جدائی کا پیغام لے کر آتی ہے۔

پرواہ اُن کے سامنے کسی کی لیاقت اور قابلیت نہیں چلتی (کوئی لائق و فاضل ہوا کرے) —
شاہ رفیع الدینؒ کی رحلت کے وقت بہت سے لوگ جمع تھے۔ حضرت والا نے حفاظ سے فرمایا
کہ وہ تلاوتِ قرآن مجید میں مشغول رہیں، نیز سورۂ یٰسین پڑھتے رہیں — علماء، بخاری شریف
کا ختم کر رہے تھے۔ خود مراقبے میں دوزانو بیٹھے تھے (کچھ وقفے کے بعد) استفسار حال کر لیتے تھے
جب کانوں میں یہ خبر پہونچی کہ مولوی رفیع الدین نے اپنی جان، جاں آفریں کے سپرد کر دی تو
غمناک ہوئے اور دوسروں کو تسلی دینے کے لیے باہر تشریف لائے۔ قبر کے لیے جگہ تجویز ہوئی
(بعد غسل) جنازہ باہر لایا گیا۔ چہرۂ حضرت اقدس پر لگاتار آنسو بہہ رہے تھے۔ جنازے کو خود بھی
اپنے ہاتھ سے پکڑا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت والا جنازے کے آگے چلیں، ارشاد فرمایا کہ
میں یہی چاہتا تھا مگر جنازہ اٹھانے والوں کے ہجوم نے سبقت کی، لوگ آگے بڑھ چکے ہیں
میں پیچھے رہ گیا ہوں جو کچھ منظورِ الٰہی ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔ میرے تمام حالات اضطراری
ہیں۔ کوچوں میں پھراتے ہیں پھرتا ہوں، مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ — اس کے بعد نماز جنازہ ادا
کر کے لوگوں کو اذنِ عام دیا کہ جو جانا چاہے چلا جائے، پھر مقبرہ میں گئے۔ لحد تیار کی جا رہی
تھی۔ شاہ صاحبؒ جنازے کے قریب اپنے والد ماجد (حضرت شاہ ولی اللہؒ) کی قبر کے سامنے
مراقبے میں بیٹھ گئے — دفن کے بعد لوگوں کو ہٹا کر قبر پر مٹی ڈالی — جب قبر درست ہو گئی تو
بغیر چالیس قدم چلے دُعا کر کے اور السلام علیک کہہ کر رخصت ہوئے۔ بیحد غمگین تھے —
پہلے زنانے مکان میں تشریف لے گئے پھر مدرسہ میں آئے لوگوں کو رخصت کیا اور تسکین دی۔
یہ بھی فرمایا کہ میرے مرحوم سے چار رشتے تھے، ایک تو برادرِ حقیقی تھے، دوسرے والد ماجد نے
ایک موقع پر یہ فرما کر میرے سپرد کیا تھا کہ یہ تمہارا فرزند ہے۔ تیسرے میری دایہ کا دودھ انھوں
نے پیا تھا۔ چوتھے میرے شاگرد تھے۔

حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ مرحوم، حضرت والا کے مظہر علم تھے، فرمایا کیا کہوں
طاقت گفتار نہیں ہے بس اب سوائے وقت درس کے مجھ سے کچھ سوال نہ کرو۔ یہ کہہ کر گریہ طاری
ہو گیا — جب پھر جنازہ گریہ کناں جا رہے تھے تو اُس وقت بھی لوگوں سے مولانا رفیع الدینؒ
کے حالات بیان کرنے سے منع فرما رہے تھے اور فرماتے تھے کہ بس اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھو

شاہ رفیع الدین کی وفات کے بعد ایک دن فرمایا کہ ہمارے (حقیقی) بھائیوں کی وفات میں ترتیب معکوس واقع ہوئی ہے، یعنی سب سے پہلے مولوی عبدالغنی (حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ کے والد ماجد) جو سب سے چھوٹے تھے فوت ہوئے، بعد ازاں مولوی عبدالقادرؒ جو ان سے بڑے تھے اس کے بعد مولوی رفیع الدینؒ جو ان سے بڑے تھے فوت ہوئے اب میری باری ہے میں سب میں بڑا تھا۔

ایک موقع پر ایک مرید سے دریافت فرمایا کہ تم نے اچھے صاحب (مارہرویؒ) کو دیکھا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ میں ڈھاکے سے لے کر دہلی تک اکثر بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور ان کے ارشادات و توجہات سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا ہے ان میں سے ممتاز اکابر کے چند طبقات بھی میں نے قائم کیے ہیں۔ اس سلسلے میں کچھ احوال، بزرگانِ ڈھاکہ نیز حضرت شاہ غلام علیؒ کے بیان کرکے کہا کہ طبقۂ ثانیہ میں شاہ اچھے صاحبؒ کو باعتبارِ علم و عمل، اس فنِ طریقت کا ماہر سمجھتا ہوں۔ دوسرے شاہ نعمت اللہ صاحبؒ (قادری) ساکن پھلواری کو بھی ایسا ہی تصور کرتا ہوں۔ پھر تھوڑے تھوڑے حالات ہر مقام کے اکابر کے مع ان کی نسبت اور کیفیت کے بیان کیے۔

ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ عالم کو حافظ پر فضیلت حاصل ہے جس طرح الفاظ کو معانی پر فضیلت ہے۔ لیکن (خواہ مخواہ) کسی کو کسی پر فضیلت دینا کچھ اچھا شغلہ نہیں ہے۔

عہ سید آل احمد عرف اچھے صاحب مارہرویؒ اپنے والد ماجد شاہ حمزہ مارہرویؒ کے مرید و سجادہ نشین اور اپنے وقت کے مشائخ عظام میں سے تھے۔ آپ نے اپنے وصیت نامے میں شریعت کی پابندی کی خاص طور پر تاکید فرمائی ہے۔ ۱۷ ربیع الاول ۱۲۳۵ھ کو انتقال فرمایا اور مارہرہ میں اپنے اب و جد کے قریب مدفون ہوئے۔ (انوار العارفین و نزہتہ الخواطر جلد ۷)

عہ الشیخ العارف الکبیر نعمۃ اللہ بن حبیب اللہ بن ظہور اللہ الہاشمی الپھلواروی ۲ محرم الحرام ۱۱۶۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اکثر کتب درسیہ مولانا وحید الحق پھلرارویؒ سے پڑھیں، پھر اپنے والد ماجد سے طریقت کو حاصل کیا اور ان کے جانشین ہوئے۔ بہت سے علماء اور مشائخ نے آپ سے استفادہ کیا۔ آخر ماہ شعبان ۱۲۱۲ھ میں انتقال فرمایا۔ پھلواری میں آپ کا مزار مبارک ہے (نزہتہ الخواطر جلد ۷)

بس خدا بہتر جانتا ہے۔ میں نے جو عالم کو حافظ سے افضل کہا وہ موافق ظاہر ہے۔ ورنہ حدیث میں آیا ہے کہ بہت سے تلاوت کرنے والے ایسے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے یعنی وہ ظلم بھی کرتے ہیں اور قرآن بھی پڑھتے ہیں اور بعضے علما ہیں کہ جو بے عمل ہیں اُن کے حق میں بھی مذمت آئی ہے، پھر فرمایا کہ علم دین، غذا کی مانند ہے اور دیگر علوم مسالے کے مثل ہیں۔

ارشاد فرمایا کہ ایک شخص وجد و رقص کی حالت میں کہہ رہا تھا "عشقبازی مشکل ہے۔"
اس کے قریب ایک ایسا شخص تھا جو فکرِ معاش اور عیالداری میں پھنسا ہوا تھا اس نے بھی وجد کر کے کہنا شروع کیا کہ "کنبہ داری اور عیالداری مشکل ہے۔"

ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی امام لوگوں کے جماعت میں شامل ہونے کی غرض سے قرأت کو کچھ طویل کردے تو جائز ہے جیسا کہ اس کا عکس یعنی قرأت کو کم کرنا بھی جائز و ثابت ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بعض اوقات میں چاہتا ہوں کہ قرأت کو طویل کردوں، مگر کسی عورت کے بچے کے رونے کی آواز میرے کان میں آتی ہے تو قرأت کو کم کر دیتا ہوں۔

ارشاد فرمایا کہ والد ماجدؒ نے مدینہ منورہ سے رخصت ہوتے وقت اپنے اُستاد سے عرض کیا تھا کہ میں نے جو کچھ پڑھا تھا اس کو فراموش کر چکا ہوں مگر ہاں حدیث دوست کی برابر تکرار کرتا ہوں اور اسے یاد رکھتا ہوں" فرمایا کہ والد ماجد عاشقِ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے ۔۔۔ وہ ۱۴ مہینے حرمین شریفین میں رہے اور وہاں کی سند حاصل کی۔ بعض وقت اُن کے اُستاد فرماتے تھے کہ اس حدیث کے معنی تم بیان کرو۔ اور سندِ اجازت میں لکھا ہے کہ اگرچہ انھوں نے سند مجھ سے حاصل کی ہے لیکن (فہم حدیث میں) مجھ سے بہتر ہیں۔

فرمایا کہ شاہ عالمگیرؒ کے حفظ قرآن شروع کرنے کی تاریخ ایک مورخ نے اس آیت سے نکالی
سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَىٰ ۔ ۔۔۔ پھر تاریخ ختم حفظ بِىْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ سے نکالی۔

شاہ صاحب کی پہلی محراب سنانے کی تاریخ کسی نے اس طرح کہی ہے (جو ایک محفل میں خود بھی بیان فرمائی ہوگی)

عبدالعزیز آں خلفِ خاندانِ فضل — کز کود کیست لطفِ ازل را بادو شمول

در گاہوارہ بود کہ باشیر دایہ کرد ۔۔۔ انوار ایزدی بدل روشنش حلول

عــلـہ ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۔۔۔ گفتند قدسیاں کہ ترا دیج تو قبول
(۱۱۹۹)

ارشاد فرمایا کہ حضرت عــلـہ۲ راجے حامد شاہ مانکپوری جو کہ ہمارے پیران عظام میں سے ہیں اور ہمارا سلسلۂ طریقت اُن تک پہونچتا ہے۔ قریباً ساٹھ سال کا عرصہ ہوتا ہے اُن کے مزار شریف پر ایک درخت (بیدۂ حسب طریقے پر) اُگ آیا تھا اس وجہ سے قبر کے کھولنے اور اس درخت کی جڑوں اور لمبی لمبی نسوں کے نکالنے کی ضرورت پیش آئی مردم شہر مانکپور بلکہ اطراف و جوانب کے آدمی جمع تھے۔ دیکھا گیا کہ حضرت مانکپوری کی لاش بالکل سالم ہے اور کفن بھی سفید ہے۔ عجب تر یہ کہ ریش مبارک دراز ہو گئی تھی اور سر کے بالوں میں بھی قوت نامیہ کام کر رہی تھی۔۔۔۔ اس واقعے کو بہت سے اشخاص نے مجھ سے نقل کیا ہے۔ چنانچہ محمد نعمان عــلـہ۳ صاحب ساکن رائے بریلی جو خاندان سادات قطبیہ کے

عــلـہ مطبوعہ و قلمی دونوں نسخوں میں تیسرے شعر کا پہلا مصرعہ درج نہیں ہے ممکن ہے کہ خود شاہ صاحبؒ کو یہ مصرعہ یاد نہ رہا ہو۔ عــلـہ۲ مانکپور کے خاندان سادات گردیزی میں سے تھے ان کا خاندان قدیم سے معزز و مکرم چلا آتا تھا اور اس علاقے کے لوگ اس خاندان کے افراد کو راجہ کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ آپ کا حال بھی شروع شروع میں دنیادارانہ اور سپاہیانہ تھا۔ بالآخر شیخ حسام الدین عمری مانکپوریؒ کی خدمت میں پہونچے، بیعت ہوئے اور مدتوں اُن کی صحبت میں رہ کر اُن کے خلیفہ مجاز ہوئے۔ اگرچہ علم ظاہری کے لحاظ سے کم علم بلکہ بقول صاحب تذکرہ اُمّی تھے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن پر کشف و شہود کے ابواب کھل گئے تھے۔ بہت سے علماء آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر کامیاب ہوئے۔ اپنے زمانے کے کبار مشائخ چشتیہ میں سے تھے۔ اور اپنی روحانیت کی بنا پر مرجع خاص و عام بن گئے تھے۔ ۔۔۔۔۔۔۔ ۲۵ شعبان المعظم ۸۷۱ھ کو شہر مانکپور میں انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے (اخبار الاخیار، انوار العارفین، نزہتہ الخواطر جلد ۴) یہ واقعہ جس کو حضرت شاہ صاحبؒ نے بیان فرمایا انتقال سے ڈھائی سو برس بعد پیش آیا۔ ۔۔۔۔ تاریخ آئینہ اودھ میں بھی اس واقعہ کا ذکر ہے اور مکرمی شہاب الدین فریدی مانکپوری نے بھی شہرت بلدی کے مطابق یہ واقعہ سنایا۔

عــلـہ۳۔ مولانا سید محمد نعمان، سید محمد نور کے صاحبزادے اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے حقیقی چچا تھے ۔۔۔۔ متعدد بزرگوں کے علاوہ حضرت شاہ ولی اللہ سے بھی فیض یاب تھے حضرت شاہ صاحب کی وفات کے وقت یہ دہلی میں موجود تھے۔ غالباً ۱۱۹۲ھ میں انتقال فرمایا۔

متقی بزرگ، پیرزادے ہیں وہ بھی اس دیکھنے والے مجمع میں موجود تھے (انھوں نے بچشم خود یہ واقعہ دیکھا ہے اور مجھ سے بیان کیا ہے) راجے حامد شاہؒ کی اولاد میں جو لوگ شیعہ ہو گئے تھے انھوں نے اس کرامت کے معائنے کے بعد ترک رفض کیا۔

فرمایا — قرآن شریف کی اس آیت سے کسی صاحب نے بندے کا تاریخی نام نکالا تھا۔
فبشّرناه بغلامٍ حلیم —

توصیف حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنی شہادت کے وقت چھ ہزار غلام ہتھیار بند رکھتے تھے جو مستعد جنگ تھے۔ حضرت عثمانؓ نے اُن سے فرمایا کہ تم میں سے جو اپنے ہتھیار ڈال دے میں نے اس کو آزاد کیا۔ بعض دیگر صحابہؓ سے بھی جو مقابلے میں جنگ کے لیے آمادہ تھے — فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ کلمہ پڑھنے والوں پر تلوار اُٹھاؤں جبر

دشہادتِ حضرت عثمانؓ اور اُن کے "عدم قصدِ ایذائے کلمہ گویاں" کی تعریف و توصیف بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ بزرگ (یعنی صحابہؓ) سب کے سب آفتاب و ماہتاب اور اپنے اپنے کمالات میں یکتا تھے — سبحان اللہ — سبحان اللہ — پھر فرمایا کہ حضرت عثمانؓ نے سب کو قتال و جدل سے منع فرما دیا اور خود مشغول تلاوت قرآن ہو گئے اور اسی حالت میں سر کٹوا دیا۔ اُف نکی۔

فرمایا کہ مولوی عبد الحکیم کے جواب میں — جو کہ منکر وحدت وجود تھے (مولوی) رشید الدین خاں (دہلوی) نے بندے کی مرضی اور اشارے سے کچھ لکھا ہے اس کو نقل کر لینا چاہیے۔ میں بھی اس بارے میں عند الفرصت مختصر طور پر کچھ لکھواؤں گا۔ فرمایا کہ ملا جلال الدین دوانی نے اپنے زمانے کے (صوفیا و علما پر اعتراض کرتے ہوئے) یہ رباعی لکھی ہے۔

در خانقاہ و مدرسہ گشتیم بسے — انصاف کہ در ہر دو ندیدیم کسے
دیدیم بے بیہدہ گوئے چندے — فارغ شدہ از دوست بہ آنگہ جرسے

[میں خانقاہ و مدرسہ بہت کچھ گھوما ہوں، سچ یہ ہے کہ میں نے وہاں کسی کو اہل نہیں پایا۔ دونوں جگہ میں نے دیکھا کہ کچھ خواہ مخواہ کی باتیں بنانے والے جمع ہو گئے ہیں اور مادیت کی طرف راغب اور حقیقی دوست سے غافل ہیں۔]

میرے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ نے اس رباعی کا جواب اس طرح دیا ہے۔

در صحبت اہلِ دل رسیدیم بسے — در یوزہ کناں زہر کسے یک نفسے

از چشمۂ آبِ زندگانی قدحے　　　وز آتشِ وادیٔ مقدس، قبسے

(یعنی میں اہلِ دل حضرات کی صحبت میں بہت کچھ حاضر ہوا ہوں۔ میں نے ہر بزرگ سے ان کے انفاسِ طیبہ کے فیوض میں سے ایک فیض کا سوال کیا ہے۔ اُن کی برکات کے چشمۂ آبِ حیات سے ایک پیالہ پانی طلب کیا ہے اور اُن کی روحانیت کی وادیٔ مقدس کی آگ سے ایک چنگاری مانگی ہے)

فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ طریقۂ مجددیہ سے بواسطہ حضرت شیخ آدم بنوریؒ منسلک تھے، ایک مرتبہ دوسری شاخ کے بعض اشخاص نے حضرت شیخ آدمؒ پر اور ان کے سلسلے پر کچھ اعتراض اور اظہارِ ناراضگی کیا تو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا

شخصے بخوردہ گیریٔ ما اعتراض فتاد　　　زاں رو کہ در طریقۂ مخدوم آدمیم
گفتم کہ حرفِ راست بگویم ز ما مرنج　　　تو آدمی نبودی و ما آدمی شدیم

(ایک شخص نے ہمارے اوپر اعتراض کرنے کو اپنا وطیرہ بنا لیا صرف اس بنا پر کہ ہم حضرت مخدوم آدم بنوریؒ کے طریقے میں داخل ہیں ـــ میں نے اُس عیب گیر معترض سے کہا کہ میں ایک سچی بات کہتا ہوں رنجیدہ مت ہو جانا۔ وہ یہ ہے کہ تو آدمی نہیں ہم آدمی ہیں یعنی تو سلسلۂ آدمیہ میں داخل نہیں ہم اس میں داخل ہیں)

ایک شخص نے دریافت کیا کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ[عہ] کیا حدیث ہے؟ فرمایا اس مقولے کو میں نے کتبِ صوفیا میں دیکھا ہے (حدیث نہیں ہے) پھر اُس نے اس مقولے کا مطلب دریافت کیا تو فرمایا اس وقت ضعف غالب ہے ـــ پھر فرمایا کہ خیر مختصر سی بات کو تمہارے پاسِ خاطر سے کہتا ہوں اسی سے سب مضمون سمجھ لینا جس طرح تمہاری روح ہے کہ بدن کے کسی ایک حصے کے ساتھ محدود و مخصوص نہیں اور ہر جگہ ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے اور سب سے مبرّا ہے۔

نہ تو در ہیچ مکانی نہ مکانے ز تو خالی

اگر اس قدر بھی کسی نے نہ جانا تو بے شک اُس نے اللہ تعالیٰ کو کچھ نہ پہچانا ـــ

عہ علامہ سیوطیؒ نے ابن سمعانی کے حوالے سے اس کو یحییٰ بن معاذ رازی کا کلام بتایا ہے۔
(مجموعہ رسائل ستہ سیوطی صہ۲)

دارالعلوم دیوبند کے زیر سرپرستی تصنیفی ادارے "مجلس معارف القرآن" کی

اہم مطبوعات

(ضروری نوٹ) مجلس کی ہر کتاب بہترین کاغذ، معیاری کتابت، اعلیٰ طباعت اور رنگین سرورق کے ساتھ شائع شدہ ہے۔ قیمتیں علاوہ محصول ڈاک مندرج ہیں۔

(۱) **دینی دعوت کے قرآنی اصول** حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے حکمت ریز قلم سے قرآن کریم کی ایک آیت دعوت سے، دعوتی دفعات پر مشتمل نظام کی تدوین ۲/۲۵

(۲) **قرآن محکم**۔ نسخ قرآن کے موضوع پر حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے قلم سے حضرت شاہ ولی اللہؒ اور دیگر مفکرین اسلام کی تحقیقات کا نچوڑ اور اپنے موضوع پر اولیں علمی تحقیق ۲/-

(۳) **جائزہ تراجم قرآنی**۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم و تفاسیر کا پہلا تفصیلی جائزہ، مغرب و مشرق کی تقریباً پچاس زبانوں میں ڈھائی سو کے قریب قرآنی تراجم کا تعارف ۲/۷۵

(۴) **تفسیر المعوذتین** (عربی) حضرت نانوتویؒ کے نایاب قرآنی معارف! معوذتین کی حکمت ریز و دلآویز تفسیر عربی زبان میں۔ طباعت ٹائپ، مصری سائز ۱/-

(۵) **حکمت قاسمیہ**۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ، مہتمم دارالعلوم دیوبند کے حکمت ریز قلم سے حضرت نانوتویؒ کے علوم و معارف کا نہایت جامع اور مکمل تعارف ۰/۸۵

(۶) **حجۃ الاسلام مکمل**۔ حضرت نانوتویؒ کی عظیم القدر تالیف جو آج تک ناقص چھپتی رہی اب مکمل مضامین (مع ترجمہ و تسہیل) اور عام فہم تشریح و تسہیل کے ساتھ پہلی بار چھپی ہے ۳/۵۰

(۷) **انتصار الاسلام** اسلامی عقائد پر اہل شرک و باطل کے پرفریب اور لغو اعتراضات کے مدلل و مکمل دنداں شکن جوابات عقل و نقل کی روشنی میں حضرت نانوتویؒ کی کلامی بصیرت کا ایمان افروز مرقع اور حکمت قاسمی کا دل نشین نمونہ اصل متن کے ساتھ کتاب کی نہایت واضح تشریح و تسہیل کی گئی ہے۔ ۳/۲۵

(۸) **براہین قاسمیہ**۔ حضرت نانوتویؒ کے مشہور افادات "جواب ترکی بترکی" کی دل نشین تشریح و تسہیل ۳/۲۵

مطلوبہ کتب اور مفصل فہرست مجلس
حسب ذیل پتہ سے طلب فرمائیے

جناب معتمد صاحب

مجلس معارف القرآن، دارالعلوم دیوبند (یوپی)

ہندوستان و پاکستان کے حجاج

کیا جدّہ سے احرام باندھ سکتے ہیں

محمد منظور نعمانی

جو حضرات ۴-۵ سال پہلے سے "الفرقان" پڑھ رہے ہیں انھیں یاد ہوگا کہ اب سے ٹھیک ۴ سال پہلے شعبان ۸۳ھ کے شمارہ میں اس موضوع پر ایک مضمون اس عاجز نے لکھا تھا۔

واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ ذی الحجہ ۸۲ھ میں اس عاجز کو سفر حج کی سعادت نصیب ہوئی تھی اور اپنے خاص حالات کی وجہ سے یہ سفر ہوائی جہاز سے طے کیا تھا۔ برسہابرس سے میرا یہ حال ہے کہ سردی کے موسم میں اگر کچھ دیر تک سر کھلا رہے تو فوراً نزلہ اور اس کے بعد اکثر بخار بھی ہو جاتا ہے اس لئے مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر عام رواج اور تعامل کے مطابق بمبئی میں ہوائی جہاز پر سوار ہوتے وقت میں احرام باندھوں تو سر کھلا رہے گا اور ہوائی جہاز جب بلند فضا میں پرواز کرے گا تو خدا نخواستہ سردی سے متاثر ہو کر مجھے نزلہ اور بخار میں مبتلا ہونا پڑے گا، اس بنا پر میں نے سوچا کہ اگر فقہی حیثیت سے اطمینان ہو جائے تو میں بمبئی کے بجائے جدّہ پہنچکر احرام باندھوں اس کی گنجائش مجھے سب سے پہلے مولانا سید مناظر احسن گیلانی مرحوم کے ایک مضمون سے معلوم ہوئی تھی، جو اب سے ۱۸-۱۹ سال پہلے الفرقان ہی میں شائع ہوا تھا، اس کے بعد اپنے محدود

مطالعہ کی بنا پر میری بھی یہی رائے ہو گئی تھی۔ لیکن مولانا مرحوم کی تحقیق اور اپنی رائے پر مجھے اتنا اعتماد نہیں تھا جتنا عملی اقدام کے لئے ضروری تھا۔ حسن اتفاق سے انہی دنوں میں مئو اعظم گڈھ کا ایک سفر پیش آگیا، وہاں استاذ محترم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی سے میں نے اس مسئلہ میں رجوع کیا، مولانا نے فرمایا کہ میری بھی یہی رائے ہے کہ جدّہ سے پہلے سمندر میں احرام باندھنا ضروری نہیں اور میں اس پر مطمئن ہوں ـــــ اس دور کے علماء و اہل فتویٰ میں حضرت مولانا ممدوح کا جو بلند و ممتاز مقام ہے چونکہ یہ عاجز اس سے ذاتی طور پر واقف ہے اس لئے ان کے اس فتوے کو کافی سمجھا اور طے کر لیا کہ اب میں اسی پر عمل کروں گا۔ لیکن پھر کچھ اور پہلوؤں پر نظر کرتے ہوئے روانگی سے کچھ ہی پہلے میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اس وقت بنام مجھے بمبئی ہی سے احرام باندھ لینا چاہیئے اور حجاز مقدس پہنچ کر اس مسئلہ کی مزید تحقیق کر کے آخری رائے قائم کرنی چاہیئے چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔

مکہ مکرمہ پہنچ کر مشاہیر علماء و اہل فتویٰ میں سب سے پہلے مفتی پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی (سابق مفتی دارالعلوم دیوبند) سے حرم شریف میں ملاقات ہوئی، میں نے ان کے سامنے اس مسئلہ کو رکھا۔ انھوں نے فرمایا کہ پہلے کبھی اس مسئلہ پر زیادہ غور نہیں کیا تھا۔ حضرت مولانا شیر محمد صاحب سندھی مہاجر مدنی کی تحقیق یہ ہے کہ ہندوستان و پاکستان کے حجاج کو جدّہ سے پہلے سمندر میں احرام باندھنا ضروری نہیں وہ جدّہ پہنچ کر احرام باندھ سکتے ہیں۔ انھوں نے پوری تفصیل سے اور بہت مدلل بحث اس مسئلہ پر اپنی کتاب "عمدۃ المناسک" میں کی ہے، اور اس بارے میں میری ان سے گفتگو بھی ہوئی ہے، اب میں ان کی رائے سے بالکل متفق ہوں اور مجھے اس بارے میں اطمینان ہے۔

اس کے بعد مدینہ طیبہ پہنچکر حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی۔ انھوں نے بھی قریب قریب یہی فرمایا اور ساتھ ہی فرمایا کہ حضرت مولانا شیر محمد صاحب اس دور میں مناسک کے امام ہیں [1]

[1] حاشیہ صفحہ ۵۲ پر ملاحظہ فرمائیں

اس کے بعد یہ عاجز خود حضرت مولانا شیر محمد صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت میں حاضر ہوا، ان سے دیرینہ نیاز حاصل تھا، ان کے سامنے بھی میں نے یہ مسئلہ رکھا۔ انھوں نے حرمین شریفین کا ایک بڑا سا مطبوعہ نقشہ (خریطۃ الحرمین الشریفین) سامنے رکھ کر بڑی تفصیل سے مسئلہ پر روشنی ڈالی اور اس طرح سمجھایا کہ کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہی۔

اس سفر سے واپسی پر اپنی یہ پوری سرگزشت میں نے الفرقان میں لکھی تھی اور حضرت مولانا شیر محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نقطۂ نظر کے مطابق ایک مستقل مضمون بھی "ہندوستانی حجاج کے لئے میقات" کے عنوان سے لکھا تھا جس کا حوالہ اوپر کی سطروں میں دیا گیا ہے، بلکہ دراصل اس مضمون میں حضرت مہاجر سندھی مرحوم ہی کی بات کسی قدر وضاحت کے ساتھ اپنے الفاظ میں پیش کی گئی تھی۔ یہ مضمون جیسا کہ عرض کیا گیا شعبان ۸۳ھ کے شمارہ میں شائع ہوا تھا۔

پھر اب سے دو مہینے پہلے مولانا مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی نے اسی مسئلہ سے متعلق اس ناچیز کو ایک مکتوب لکھا جس میں مولانا سید غلام علی آزاد بلگرامی (متوفی ۱۲۰۰ھ) کی مشہور تصنیف مآثر الکرام کی عبارت نقل کی جس میں موصوف نے علامہ سید قادری بلگرامی کا یہ فتویٰ نقل کیا ہے کہ اہل ہند پر جدہ سے پہلے سمندر میں احرام باندھنا ضروری نہیں ہے بلکہ وہ جدہ پہنچ کر احرام باندھ سکتے ہیں۔ پھر اس کی تائید میں مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے شیخ ابن حجر مکی کی تحفہ شرح منہاج سے عبارت نقل کی ہے جس میں اس کی تصریح ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ کوئی نئی تحقیق نہیں ہے بلکہ اب سے چند صدی پہلے بھی علماء و اہل فتویٰ اس رائے کا اظہار

صفحہ ۲۴ کا حاشیہ ؎ حضرت مولانا شیر محمد صاحب سندھی اور حضرت مولانا زاہد عالم صاحب میرٹھی یہ دونوں بزرگ اس تمنا میں کہ "جنۃ البقیع" میں دفن ہونا نصیب ہو جائے مدینہ پاک ہجرت فرما گئے تھے۔ گزشتہ سال چند مہینے آگے پیچھے دونوں بزرگ اپنی مراد کو پہونچ گئے اور مدینہ پاک میں وفات پا کر جنۃ البقیع میں دفن ہو گئے۔ رحمہما اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین۔

ان دونوں بزرگوں کی وفات پر تعزیتی نوٹ رجب ۸۵ھ اور ربیع الاول ۸۶ھ کے شماروں میں ناظرین کرام ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

کر چکے ہیں۔

اگرچہ یہ واقعہ ہے کہ شیخ ابن حجر مکی اور حضرت مولانا شبیر محمد سندھی کے بنیادی نقطۂ نظر میں کچھ فرق ہے اور حضرت مولانا سندھی مرحوم کی بات زیادہ منقح اور موجہ ہے لیکن اس نتیجہ پر بہر حال دونوں متفق ہیں کہ اہل ہند کے لئے جدّہ سے پہلے احرام باندھنا ضروری نہیں ہے اور ہمارے سامنے اصلی مسئلہ یہی ہے۔

پچھلے مہینے یہ عاجز رفیق محترم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی معیت میں رابطۂ عالم اسلامی کے اجلاس کی تقریب سے مکہ معظمہ حاضر ہوا تھا، چند روز مدینہ طیبہ بھی حاضری نصیب رہی حرمین پاک میں مجموعی طور پر ایک مہینے سے کچھ زیادہ قیام رہا، اس دوران میں چند اہل علم سے ہندوستان و پاکستان کے حجاج کے میقات کے موضوع پر پھر گفتگوئیں ہوئیں اور یہ بات سامنے آئی کہ بہت سے حجاج اپنے ضعف پیری یا صحت کی کمزوری کی وجہ سے اس حال میں ہوتے ہیں کہ سمندر میں احرام باندھنے سے انھیں بڑی زحمت اٹھانی پڑتی ہے اور ان بیچاروں کی صحت متاثر ہوتی ہے، اسلئے جب اس کی گنجائش ہے کہ احرام جدّہ پہنچکر باندھا جائے اور اس سے حج و عمرہ میں کوئی خرابی نہیں آتی تو ان کو اس سہولت کا علم ہونا چاہیئے۔ اس لئے نظر ثانی کے بعد وہ مضمون پھر شائع کرنا مناسب سمجھا گیا۔ آخر میں جناب مولانا مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی کا وہ مکتوب بھی لفظ بلفظ درج کیا جا رہا ہے جس کا ابھی اوپر تذکرہ کیا گیا۔

اس عاجز کے نزدیک مسئلہ بالکل واضح ہے اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی حضرت مولانا بدر عالم مہاجر مدنی رح و حضرت مولانا شبیر محمد صاحب مہاجر مدنی رح اور سب سے آخر میں شیخ ابن حجر مکیؒ کی تصریح کے بعد اب اس مسئلہ میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں رہتی خواہ مخواہ تنگی اور مشقت کی شکل کو ترجیح دینا شریعت کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتا۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یسروا ولا تعسروا الحدیث وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ۔ اب اصل مضمون اور اس کے بعد مولانا مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی کا مکتوب ملاحظہ فرمایا جائے:

ہندوستانی حجاج کیلئے میقات

(از محمد منظور نعمانی)

سطور ذیل میں اہل ہند کے میقات کے بارہ میں جو کچھ عرض کرنا ہے اس کو سمجھنے کے لئے پہلے میقات کی حقیقت معلوم کر لینی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو اپنا مقدس بیت اور اہل ایمان کا قبلہ قرار دے کر اس کی تعظیم و تکریم اہل ایمان کے لئے لازمی اور ضروری قرار دی ہے اور جو مسلمان وہاں پہونچنے کے ضروری وسائل رکھتے ہوں ان پر عمر میں ایک دفعہ وہاں پہنچ کر حج کرنا فرض کیا گیا ہے، اس کعبۃ اللہ کا طول و عرض اور رقبہ معین اور محدود ہے، اور وہ وہی ہے جس پر کعبہ کی غلاف پوش موجودہ مربع عمارت کھڑی ہے۔ اس کے ارد گرد مسجد حرام ہے، یہ گویا کعبۃ اللہ کا چوطرفہ صحن ہے، اور اسی نسبت سے اس کے خاص احکام اور فضائل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس کا رقبہ بہت چھوٹا تھا، صرف اتنا جتنا کہ اب مطاف کا دائرہ ہے۔ آپ کے بعد اس میں وقتاً فوقتاً توسیع ہوتی رہی۔ آخری توسیع ہمارے زمانے میں سعودی حکومت نے کی ہے اور اس کے مطابق تعمیر کا کام ابھی جاری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کے مطابق مسجد حرام کے رقبہ میں قیامت تک جتنا بھی اضافہ کیا جائے گا وہ سب کعبۃ اللہ کے صحن ہی میں اضافہ ہوگا اور اس کے وہی فضائل اور احکام ہوں گے جو کتاب و سنت میں مسجد حرام کے بتائے گئے ہیں۔

پھر اس کعبہ اور مسجد حرام کے ارد گرد شہر مکہ ہے جس کو بلد اللہ الحرام کہا جاتا ہے، پھر اس شہر مکہ کے چاروں طرف کئی کئی میل تک کی زمین کو حرم قرار دیا گیا ہے

اور اس کی حدیں معین کی گئی ہیں، یہ حدیں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مقرر کی تھیں، بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد مبارک میں ان کی تجدید فرمائی۔ ان حدود کا فاصلہ کعبہ مکرمہ اور مسجد حرام سے یکساں نہیں ہے بلکہ مختلف ہے، یعنی کسی سمت میں حرم کی حد مسجد حرام سے دس میل کے قریب ہے، کسی سمت میں نو میل کے قریب ہے، کسی سمت میں سات میل اور کسی سمت میں صرف تین میل ہے، ان حدود پر خطوط کھینچنے سے ایک طویل و عریض مخمّس علاقہ بنتا ہے، اس پورے علاقے کو اللہ تعالیٰ نے حرم یعنی واجب الاحترام قرار دیا ہے اور اسکے خاص احکام ہیں مثلاً یہ کہ اس میں کسی جانور کا شکار نہیں کیا جا سکتا، کھڑے درختوں کی لکڑی نہیں کاٹی جا سکتی، ہری گھاس نہیں چھیلی یا اکھاڑی جا سکتی، وغیرہ وغیرہ۔ اس علاقہ کی یہ عظمت و حرمت ہے اور اس کے یہ احکام دراصل بیت اللہ ہی کی نسبت سے ہیں اور یہ سب کچھ دراصل اسی کا ادب و احترام ہے۔

پھر اس حرم کی حدود سے بہت دور بیسوں پچاسوں میل دور، مختلف سمتوں میں کچھ خاص مقامات مقرر کئے گئے ہیں اور حکم دیا گیا ہے کہ جو لوگ ان مقامات سے باہر رہنے والے ہیں وہ جب حج یا عمرہ کے لئے آئیں (بلکہ امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک کسی غرض سے بھی مکہ مکرمہ آئیں) تو ان کو احرام بند ہو کے ان مقامات سے آگے بڑھنا چاہیئے، بغیر احرام کے ایک قدم آگے بڑھنا بھی ان کے لئے جائز نہیں ہے —— یہی مقامات **میقات** کہلاتے ہیں۔ یہ پانچ مقامات ہیں، جو پانچ سمتوں سے مکہ معظمہ کی طرف آنے والوں کے لئے **میقات** قرار دئے گئے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔ ذُو الْحُلَیْفَہ، جُحْفَہ، ذَاتُ عِرْق، قَرْنُ الْمَنَازِل، یلملم۔

ذو الحلیفہ ۔ مدینہ طیبہ کی طرف سے آنے والوں کے لئے میقات ہے، یہ مدینہ سے صرف ۵-۶ میل ہے اور مکہ معظمہ سے سب سے زیادہ بعید یہی میقات ہے۔ قریبا دو سو میل کے فاصلہ پر ہے [1]

---

[1] بلکہ آج کل والے راستے سے قریبا پونے تین سو میل ہے۔

جُحفہ ۔ یہ شام وغیرہ مغربی علاقوں سے آنے والوں کے لئے میقات ہے، موجودہ رابغ کے قریب یہ ایک معروف بستی تھی، اب اس نام کی کوئی بستی موجود نہیں ہے لیکن یہ معلوم ہے کہ اس کا محل وقوع رابغ کے قریب تھا جو مکہ معظمہ سے قریباً سو میل کے فاصلہ پر بجانب مغرب ساحل کے قریب ہے۔

ذاتِ عِرق ۔ یہ عراق کی طرف سے آنے والوں کے لئے میقات ہے، مکہ معظمہ سے شمال مشرق میں عراق جانے والے راستے پر واقع ہے۔ مسافت مکہ معظمہ سے ۵۰ میل کے قریب ہوگی۔

قَرنُ المَنازِل ۔ یہ نجد کی طرف سے آنے والوں کا میقات ہے مکہ معظمہ سے قریباً تیس پینتیس میل مشرق میں نجد جانے والے راستے پر ایک پہاڑی ہے۔

یَلَمْلَم ۔ یہ یمن کی طرف سے آنے والوں کے لئے میقات ہے، یہ تہامہ کی پہاڑیوں میں سے ایک مشہور پہاڑی ہے۔ جو مکہ معظمہ سے قریباً چالیس میل جنوب مشرق میں یمن سے مکہ آنے والے راستے پر پڑتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پانچوں راستوں سے آنے والے حجاج کے لئے ان پانچ مقامات کو صراحت اور تعین کے ساتھ میقات قرار دیا ہے۔ فقہائے امت کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ جو شخص حج یا عمرہ کے لئے ان مقامات میں سے کسی مقام کی طرف سے آئے اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ احرام باندھ کے اس مقام سے آگے بڑھے، اگر بغیر احرام کے ایک قدم بھی آگے بڑھے گا تو بے ادبی کا مرتکب ہوگا، اگر کوئی شخص ایسے علاقہ سے آئے کہ اس کے راستے میں ان مقامات میں سے کوئی مقام بھی نہ پڑے تو وہ کہیں نہ کہیں ان کے محاذات سے ضرور گذرے گا، اس کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ اس مقام محاذات سے آگے بڑھنے سے پہلے احرام باندھ لے، اور اگر بالفرض اس کو مقام محاذات کا پتہ نہ چل سکے یعنی کسی قابل اعتماد ذریعہ سے یہ معلوم ہی نہ ہو سکے کہ اس کے رستے میں میقات کی محاذات کہاں ہوتی ہے تو اس صورت میں فقہاء نے اس کے لئے ضروری قرار دیا ہے کہ وہ مکہ معظمہ سے دو منزل پہلے (یعنی قریباً تیس۔ پینتیس میل پہلے) احرام باندھ لے یہ ہے مسئلہ کی اصولی نوعیت!

اس تمہید کے بعد معلوم ہونا چاہئے کہ قدیم زمانہ میں جب حج کا سفر بادبانی کشتیوں سے

کیا جاتا تھا تو اہل ہند عموماً علاقہ یمن سے پہلے کی بندرگاہوں مسقط، مکلا، وغیرہ پر اترتے تھے اور آگے یمن کے راستے سے مکہ معظمہ جاتے تھے، اس لئے ان کو یلملم سے احرام باندھنا ضروری ہوتا تھا کیونکہ علاقہ یمن سے آنے والوں کے لئے وہی میقات ہے، لیکن اب بحری اور دخانی جہاز جو حجاج کو لے کر جاتے ہیں وہ سیدھے جدہ جاکر لنگر انداز ہوتے ہیں، اس لئے نہ تو یلملم ان کے راستہ میں آتا ہے اور نہ اس کی محاذات کے خط سے ان کو گزرنا پڑتا ہے، اس لئے جدّہ سے پہلے سمندر میں احرام کے ضروری ہونے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

لیکن یہ عمل جاری ہے کہ جدّہ پہونچنے سے قریباً ایک دن رات پہلے بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ پہلے جہاز کے کپتان کی طرف سے اعلان ہوتا ہے کہ فلاں وقت جہاز یلملم پہاڑی کے سامنے سے گذرے گا لہٰذا حجاج اس سے پہلے احرام باندھ لیں، حجاج عام طور سے اس اعلان کے مطابق عمل کرتے ہیں خود اس عاجز نے بھی ۴۹ء اور ۵۱ء کے اپنے بحری سفروں میں اسی پر عمل کیا، لیکن یہ کھٹک ہمیشہ رہی کہ یلملم کے سامنے سے گذرنے کا کیا مطلب ہے؟ اگر مطلب یہ ہے کہ دوربین جیسے آلات کے ذریعہ اس جگہ سے یلملم پہاڑی نظر آتی ہے۔ جو وہاں سے یقیناً سیکڑوں میل کے فاصلہ پر ہوتی ہے، تو اس نظر آنے کا مسئلہ محاذات سے کوئی تعلق نہیں، اور اگر مطلب یہ ہے کہ اس جگہ سے پہاڑی تک سیدھا خط کھینچا جاسکتا ہے، تو ایسا سیدھا خط ہر جگہ سے کھینچا جاسکتا ہے، بہر حال اس عاجز کے ذہن میں ہمیشہ یہ سوال رہا اگرچہ سب کی طرح عمل خود بھی اسی پر کرتا رہا، اور اس لئے عمل کرتا رہا کہ یہاں سے احرام باندھنا ضروری ہو یا نہ ہو لیکن اس کے صحیح ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں، بلکہ اگر کوئی شخص اس سے بھی پہلے بمبئی یا کراچی میں جہاز پر سوار ہوتے ہی احرام باندھ لے یا اپنے گھر ہی سے احرام باندھ کر چلے تو اس کا احرام بھی صحیح ہوگا، بلکہ اگر وہ احرام کی پابندیاں نباہنے پر قادر ہے تو فقہا نے تصریح کی ہے کہ اس کے لئے یہی افضل ہے اور بعض صحابہ کرام سے ایسا کرنا ثابت بھی ہے۔

الغرض ہندوستانی حجاج کپتان کے اعلان پر جس جگہ سے سمندر میں احرام باندھتے ہیں، وہاں سے احرام کے صحیح ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں، ہاں غور طلب یہ ہے کہ اس

جگہ سے احرام باندھنا ضروری ہے یا نہیں؟ ——— اب سے چودہ سال پہلے ۱۳۶۹ھ کے الفرقان کے "حج نمبر" میں مولانا سید مناظر احسن گیلانی رح نے اپنے ایک مضمون میں اپنا یہ خیال ظاہر کرتے ہوئے "کہ اہل ہند کے لئے سمندر میں احرام باندھنا ضروری ہونے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی، بلکہ جدّہ پہونچ کر احرام باندھنا بھی ان کے لئے صحیح ہونا چاہئے" حضرات اہل علم اور اصحاب فتویٰ کو توجہ دلائی تھی کہ اس مسئلہ کی پوری تحقیق کرکے وہ ذہنوں کی صفائی اور یکسوئی کا سامان فراہم کریں ——— مولانا مرحوم کی اس تحریر کے شائع ہونے کے بعد سے برابر اس کا انتظار رہا کہ حج کے مسائل و مناسک پر جن علماء کرام کی نظر وسیع اور عمیق ہے وہ اس مسئلہ پر تفصیلی اور تحقیقی روشنی ڈال کر تشفی کا سامان فراہم کریں۔

گزشتہ سال ۱۳۸۲ھ کے حج کے موقع پر جب حجاز مقدس حاضری نصیب ہوئی۔ تو جیسا کہ اسی الفرقان کے کسی شمارہ میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے کہ بعد فراغ حج مدینہ طیبہ میں حکیم الامت حضرت تھانوی رح کے جلیل القدر خلیفہ حضرت مولانا شیر محمد صاحب سندھی مہاجر مدنی کی زیارت کی بھی توفیق ملی، ممدوح سے واقفیت رکھنے والے اکابر علماء کا اس پر گویا اتفاق ہے کہ ہمارے اس زمانے میں ممدوح بالخصوص حج کے مسائل و مناسک کے امام اور مرجع ہیں، ان کی تصنیف "عمدۃ المناسک" (جو الفرقان کے اسی سائز کے پانچسو سے زیادہ صفحات پر ہے) اس موضوع پر نہایت محققانہ جامع اور مستند ترین کتاب ہے اس میں موصوف نے اہل ہند کے میقات کے اس مسئلہ پر بھی بڑی تحقیق اور تفصیل سے کلام فرمایا ہے، اس کے علاوہ جب اس ناچیز نے ممدوح سے یہ مسئلہ پوچھا تو انھوں نے اپنی کتاب کا یہ مقام کھول کے اور حرمین شریفین کا ایک مطبوعہ تفصیلی نقشہ (خریطۃ الحرمین الشریفین) سامنے رکھ کے بہت تفصیل سے مسئلہ پر روشنی ڈالی اور جو کچھ فرمایا گویا اس کو نقشہ میں دکھا دیا، حضرت مولانا ممدوح کی تحقیق کا حاصل یہی ہے کہ ہندوستان و پاکستان سے جدّہ آنے والے جہازوں کے راستے میں نہ کوئی **میقات** آتا ہے نہ کسی میقات سے وہ محاذات ہوتی ہے جو شرعاً معتبر ہے، اس لئے اس راستہ سے آنے والے حجاج کے لئے سمندر میں کسی جگہ بھی احرام باندھنا ضروری نہیں، یہ جدّہ پہونچکر بھی احرام باندھ

سکتے ہیں۔ ممدوح نے یہ بھی ذکر فرمایا اور اپنی کتاب میں بھی نقل فرمایا ہے کہ ہمارے اکابر میں سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہٗ مہاجر مدنی اور حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ بھی اپنی بعض تحریروں میں اس رائے کا اظہار فرما چکے ہیں کہ ہندوستانی حجاج جدہ پہونچکر بھی احرام باندھ سکتے ہیں۔

مولانا ممدوح نے اس مسئلہ کو سمجھانے کے لئے اپنی کتاب کے پورے ایک صفحہ پر حرم، حِلّ اور مواقیت کا ایک نقشہ بھی دیا ہے، ناظرین کو اس مسئلہ کے سمجھنے میں اس نقشہ سے بہت مدد ملے گی اس لئے اس کو بھی ہم بجنسہٖ نقل کریں گے۔

آگے ہم اس مسئلے کے بارے میں مولانا ممدوح کی اصل عبارت بھی ان کی کتاب سے نقل کریں گے، لیکن اس کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ میقات کی حقیقت سمجھانے کیلئے اس مضمون کی تمہید میں جو کچھ ہم نے عرض کیا ہے اس کو آپ نے سمجھ لیا ہو اور وہ آپ کے ذہن میں محفوظ ہو ـــــــ ہم وہاں ذکر کر چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم کی جو حدیں مقرر کی ہیں ان کو خطوط کے ذریعے گھیرنے سے ایک مخمّس بنتا ہے (اس کو آپ نقشہ میں دیکھ سکتے ہیں) یہ پورا علاقہ حرم ہے اور یہ خاصہ طویل و عریض علاقہ ہے ـــــــ پھر حرم کی ان سرحدوں سے بیسیوں پچاسوں میل دور (بلکہ مدینہ طیبہ کی جانب تو قریبًا دوسو میل دور) پانچ مقامات کو میقات مقرر کیا گیا ہے جن کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، ان مقامات کو خطوط سے گھیرنے سے بھی سینکڑوں میل طویل و عریض ایک مخمّس علاقہ ہی بنتا ہے (اس کو بھی آپ نقشے سے بآسانی سمجھ سکتے ہیں) اس کے ساتھ یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ حدود حرم سے باہر یا کہہ لیا جائے کہ حدود حرم کو گھیرنے والے خطوط سے باہر، مواقیت تک اور مواقیت کو احاطہ کرنے والے خطوط تک جو درمیانی علاقہ ہے اس کو فقہی اصطلاح میں حِلّ اور حِلِّ صغیر کہا جاتا ہے۔ (مثلاً مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ کی سمت تنعیم تک حرم ہے اور وہاں سے ذوالحلیفہ تک قریبًا دوسو میل کا جو علاقہ ہے وہ حِلّ ہے اور مواقیت سے باہر کی ساری دنیا کو آفاق اور حِلِّ کبیر کہا جاتا ہے پس جو لوگ حدود حرم سے باہر اور مواقیت کے حدود کے اندر

رہتے ہیں (یعنی حِلّ میں رہتے ہیں) ان کے لئے تو یہ حکم ہے کہ وہ حج یا عمرہ کو جائیں تو حرم میں داخل ہونے سے پہلے احرام باندھ لیں، مثلاً جو لوگ مکہ کے شمال میں تنعیم اور ذوالحلیفہ کے درمیان کہیں رہتے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ تنعیم سے احرام ضرور باندھ لیں، اور جو لوگ میقاتوں کی حدود کے باہر آفاق میں رہتے ہیں ان کو حکم ہے کہ وہ ان میقاتوں سے آگے بڑھنے سے پہلے احرام بند ہو جائیں یعنی علاقہ حِلّ میں داخل ہونے سے پہلے احرام باندھ لیں، پس جو لوگ ان پانچوں میقاتوں میں سے کسی میقات سے گذر کر آئیں ان کا مسئلہ تو سیدھا ہے کہ وہ اس مقام سے آگے بڑھنے سے پہلے احرام باندھ لیں، اور جن کے راستے میں کوئی میقات نہ پڑے تو ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس خط کو عبور کرنے سے پہلے احرام باندھ لیں جو ایک میقات سے دوسرے قریبی میقات تک پہونچ کر حِلّ اور آفاق کے درمیان کا خط فاصل بنتا ہے، یہی خط دراصل میقات کی محاذات کا خط ہے، جب تک آدمی اس خط سے باہر ہے آفاق کے علاقہ میں ہے، جب اس کے اندر قدم رکھے گا تو حِلّ کی سرحد میں داخل ہو جائے گا اور آفاقی کے لئے احرام کے بغیر حِلّ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ـــــــ اور اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ جو شخص کسی ایسے راستے سے آئے جس میں کوئی میقات نہیں پڑتا اور اس کو اس کا بھی ٹھیک پتہ نہیں کہ حِلّ کی سرحد یعنی محاذات کا خط اس کے راستے میں کہاں آتا ہے تو اس کے لئے حکم ہے کہ وہ مکہ معظمہ سے دو منزل پہلے احرام باندھ لے۔

حضرت مولانا شیر محمد صاحبؒ نے اپنی کتاب "عمدۃ المناسک" میں جو کچھ اس بارے میں لکھا ہے اس کا حاصل اور خلاصہ یہی ہے ـــــــ مولانا کی زبان اور کتاب کی عبارت عام فہم اور واضح نہ ہونے کی وجہ سے عام ناظرین کے لئے اس کا سمجھنا مشکل ہوتا اس لئے متعلقہ اصطلاحات حرم، حِلّ، آفاق، میقات اور محاذات، وغیرہ کی تشریح بھی کر دی گئی اور موصوف کی تحقیق کا حاصل بھی پہلے لکھ دیا گیا، امید ہے کہ اس کے بعد عام ناظرین کے لئے بھی ممدوح کی عبارت کا سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

مولانا ممدوح نے اس ناچیز سے یہ بھی فرمایا تھا کہ ان کی کتاب میں سے کچھ شائع کیا جائے تو اس عبارت کو عام فہم کرنے کے لئے اس میں حسب ضرورت ترمیم کر دی جائے چنانچہ آگے ممدوح

کی کتاب کا جو اقتباس درج کیا جا رہا ہے اس میں مولانا کے حسب الحکم کہیں کہیں معمولی لفظی ترمیم بھی اس عاجز نے اس ضرورت کے تحت کر دی ہے ،

مولانا نے مسئلہ سمجھانے کے لئے حرم ، حِل اور سواقیت کا جو نقشہ اپنی کتاب میں دیا ہے ۔ اس کی بھی نقل پیش کی جا رہی ہے ۔ اس کے بارے میں یہ ملحوظ رہنا چاہیئے کہ یہ نقشہ پیمائشی نہیں ہے اور نہ فنّی باریکیوں کا اس میں لحاظ رکھا گیا ہے ۔ اس کا مقصد بس مسئلہ کو سمجھانا ہے اور یہ مقصد اس سے پورا ہو جاتا ہے ۔

اس کے بعد ناظرین کرام نقشہ اور مسئلہ کی تحقیق میں مولٰنا ممدوح کی اصلی عبارت ملاحظہ فرمائیں

اہل ہندو پاکستان کے میقات کے بارہ میں حضرت مولانا شبیر محمد صاحب مہاجر مدنی کی تحقیق

مولانا ممدوح اپنی تصنیف "عمدۃ المناسک" میں لکھتے ہیں : " ہندوستان اور پاکستان کے لوگ بمبئی یا کراچی سے جب سمندر کے راستے سے جہاز میں سوار ہو کر حج کو آتے ہیں تو ان کو حقیقت میں خاص کسی میقات یا ان کی محاذ سے گذرنا نہیں ہوتا اور جہاز سمندر میں حدّ آفاق ہی میں سے گذرتا ہے اور وہ یلملم سے بہت دور باہر باہر آگے آفاق ہی میں جاتا ہے اور یلملم تہامہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑی ہے جو مکہ مکرمہ کے قریب واقع ہے اس لئے جہاز یا کشتی کا اگرچہ سمندر کے ساحل ہی سے آنا ہو یلملم سے آگے حدّ حِلّ میں بڑھ جانا ممکن ہی نہیں ——— اور یہ جو حج کے بعض رسالوں میں لکھتے ہیں کہ " اس صورت میں ہم کو میقات کے محاذ کا علم نہیں ہو سکتا اور چونکہ کپتان اکثر غیر مسلم ہوتے ہیں اس لئے ان کا قول معتبر نہیں " سو یہ اور بات ہے (اس کا مسئلہ سے کوئی خاص تعلق نہیں) کیونکہ اس معاملہ میں کسی قول کے معتبر یا نامعتبر ہونے کا سوال اس وقت پیدا ہوگا جبکہ حجاج عین میقات یا اس کے محاذ سے حِلّ کی طرف بڑھنے لگیں اور ان کو میقات یا محاذ معلوم نہ ہو اس وقت میں جاننے والے مسلمان کا قول معتبر ہوگا اور غیر مسلم کا معتبر نہ ہوگا ، لیکن یہاں تو صورت یہ ہے کہ جہاز کا میقات یا محاذِ میقات سے نہ گذرنا یقینی طور پر معلوم ہے کیونکہ یلملم پہاڑی جہاز کے راستے سے پچاسوں میل دور یمن کے ملک سے بھی آگے مکہ معظمہ کے قریب دو منزل کے فاصلے پر واقع ہے اس لئے سمندر میں جہاز کا گذر نہ تو یلملم پہاڑی سے ہوتا ہے اور نہ اس

محاذات سے جو شرعاً معتبر ہے، کیونکہ سمندر میں کسی جگہ بھی وہ محاذات نہیں ہوتی، لہذا کپتان یا اس کے سوا کوئی اور یلملم کے سامنے ہونے کی خبر دیتا ہے تو اس کی وجہ سے حجاج پر احرام باندھنا لازم نہیں ہوتا، کیونکہ یہاں کا تجاوز میقات معتبر نہیں ہے اگرچہ وہاں سے میقات کا آمنا سامنا ہونا صحیح طریق سے یقینی معلوم ہو جائے، اس لئے کہ مابین جہاز اور میقات کے بہت سی مسافت ہے وہ سب آفاق یعنی حلّ کبیر ہی میں داخل ہے، اور اس محاذ سے آگے آفاق میں بڑھنا تجاوز نہ کہا جاتے گا، اور ممنوع اور حرام تجاوز وہ ہے کہ میقات یا محاذِ میقات سے بڑھ کر آگے حلّ صغیر میں (جو کہ میقات اور حرم کے بیچ میں کی زمین ہے) اس میں بلا احرام داخل ہو، .... (الغرض ہند و سندھ کے لوگوں کو سمندر میں کسی جگہ بھی احرام باندھنا ضروری نہیں کیونکہ سمندر سارا آفاق میں ہے) اور ہند و سندھ کے لوگوں کے لئے جو یلملم میقات مشہور ہو گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ پہلے زمانہ میں کشتیوں سے سمندر کے ساحل سے آتے تھے اور ساحل کے بندرگاہوں مثلاً مسقط و مکلا وغیرہ ٹھہرتے ہوئے ملک یمن کے قریب آکر اترتے تھے اور اس سے آگے جب یلملم پر آتے تھے تو وہاں سے احرام باندھتے تھے، اس زمانہ میں یا اب بھی خشکی کے راستہ سے یمن کی طرف سے جو لوگ آتے ہیں وہ اب بھی اسی طرح یلملم سے احرام باندھ کر آگے حلّ میں داخل ہوتے ہیں"

(عمدۃ النّاسک ص ۶۰-۶۱)

اسی سلسلے میں آگے اہل ہند و پاکستان کے لئے جہاز سے اتر کر جدّہ میں احرام باندھنے کا ذکر کرنے کے بعد مولانا ممدوح نے لکھا ہے کہ،

"جدّہ اگرچہ خود میقات معیّنہ میں سے نہیں ہے اور نہ کسی میقات یا اس کے محاذ کے اندر واقع ہے، پس جو حاجی بحری راستے سے اس طرف سے آئیں جو کسی میقات معیّنہ یا اسکے محاذ کے اندر حلّ میں داخل نہ ہوتا ہوا آیا ہو، جیسے یہ جہاز آتا ہے تو یہ لوگ جدّہ ہی سے احرام باندھ لیں کہ یہ مکّہ مکرمہ سے دو منزل دور ہے جیسا کہ روایات سے معلوم ہوگا"

پھر مسئلہ کی مزید وضاحت کے لئے لکھتے ہیں۔

"جاننا چاہیئے کہ مکّہ مکرّمہ کے چوگرد حدّ حرم ہے، اس حدّ کے باہر حلّ شروع ہوتی ہے۔

مواقیت تک ، بس ایک میقات سے دوسرے میقات کے محاذ میں جو لکیریں نقشہ میں دیکھو گے یہ آفاق اور حل کے بیچ میں حدّ فاصل ہے ، باہر آفاق اور اندر حل ہے ۔ بس باہر آفاق سے آنے والوں کو میقات یا ان کے محاذی لکیروں سے اندر بغیر احرام آنا حرام ہے [1]

اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ سمندر میں آنے والے حاجیوں کا جہاز جب جدّہ میں آکر لنگر ڈالتا ہے تو (سمندری راستہ میں) کسی بھی جگہ سے یلملم یا کسی اور میقات یا اس کے محاذ سے آگے نہیں گزرتا اور نہ سمندر کی خلیج کہیں مابین میقاتین یا اس کے محاذ میں واقع ہے بلکہ سب مواقیت مع محاذات کے خشکی میں واقع ہیں ۔ بس جہاز آفاق ہی میں آکر حدّ حل سے گویا باہر ہی اتارتا ہے تو ان حاجیوں پر اسی محاذ سے احرام باندھنا واجب ہوگا جو یلملم اور جحفہ کے درمیان محاذی لکیر ہے جو نقشہ سے معلوم ہوگی صـ۶۲

---

[1] مناسک حج سے متعلق علامہ دا ملا آخون جان مرغینانی کا رسالہ جو اپنے موضوع پر بہترین اور مستند ترین کتابوں میں سے ہے اور ملا علی قاری کی شرح مناسک کے حاشیہ میں جس کا حوالہ ہے اس کی یہ عبارت ملاحظہ ہو ۔

"قال اصحابنا من المواقیت الی حد الحرم مکان واحد الا ان المواقیت لہا احکام خاصۃ فی حق الآفاقی بان لا یجوزہا بلا احرام لتعظیم البیت واجلالہ کما فی المشاھد فتحصل من ذلک ان حرم الحرم ای المواقیت مثل الحرم محیط بما فی جوفہ مثل الخطوط الممتدۃ بین النقاط فکما ان النقاط مواقیت فکذلک الخطوط بینہما والا لجاز الدخول الی الحرم بلا احرام من بین المیقاتین ولو یدل کون الکل حرم الحرم ما فی بحر العمیق وامداد الفتاح وغیرہما مما قالوا فی حکمۃ کون المواقیت متفاوتۃ قربا وبعدا من انہ اھبط اللہ الحجر الاسود من الجنۃ ووضع مکانہ اضاء اطراف الحرم فکل مکان وصل الیہ ضوءہ صار میقاتا ——— انتھی

من رسالۃ علامۃ داملا آخون جان مرغینانی ۔

(حاشیہ عمدۃ الناسک صـ۶۳)

اس کے بعد ص۶۵ پر لکھتے ہیں :-

یہ یقینی بات ہے کہ جو بحری راستے سے جدہ آئے تو اس کو سمندر میں میقات یا اس کے محاذ سے نہیں گذرنا پڑتا جیسا کہ نقشہ میں معلوم ہوگا اس لئے سب کتابوں میں یہی لکھتے ہیں کہ جس کو کسی میقات یا محاذ سے گذرنا نہ پڑے اور اس کو میقات یا محاذ کے ہوتے ہوئے ان کا علم نہ ہو تو وہ دو منزل مکہ مکرمہ سے پہلے سے احرام باندھ لے اور اس کے لئے جدہ کی مثال دیتے ہیں .... حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ نے بھی یہی فرمایا ہے، امداد الفتاوی کے حصہ خامسہ کے صفحہ ۱۵۱ پر حضرت کی تحریر درج ہے ـــــــ سوال یہ کیا گیا ہے کہ حج بدل کا احرام کہاں سے باندھا جائے تو جواب میں فرمایا کہ حج بدل کا احرام جدہ سے ہوگا، مناسک ملا علی قاری میں عبارت موجود ہے " وان لم یعلم المحاذاۃ فعلی مرحلتین من مکۃ کجدۃ المحروسۃ من طرف البحر" (لباب ص۵۶) اور یہ ظاہر ہے کہ اہل ہند کے لئے یلملم کی میقات کسی معتبر طریقہ سے معلوم نہیں ہوتی لہذا جدہ بھی ان کے لئے میقات ہے - ۷ شعبان ۱۳۳۲ھ تصدیق شدہ حضرت ممدوح قدس سرہ ....

اسی طرح رسالہ "حقیقت حج" میں مولوی منظور علی صاحب نے بھی لکھا ہے جس پر بہت سے علماء کرام اور خصوصاً مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی تصدیق ہے "میقات یلملم پر ایک بحث" کا عنوان قائم کر کے اس میں لکھتے ہیں -

"یلملم سے احرام باندھنے کا ایک اصلاح طلب مسئلہ ہے جس پر اس وقت تک کچھ غور نہیں کیا گیا، یمن کی طرف سے براہِ خشکی آنے والوں کے لئے مقام یلملم میقات ہے جس کو "جبل سعدیہ" کہتے ہیں جو کہ مکہ مکرمہ سے ۳۶ میل جانب جنوب مشرق میں واقع ہے اور کنارۂ سمندر سے اسی قدر دور ہے - یہ مقام یمن والوں کے لئے تو بہتر ہے مگر جو ہندوستان یا جاوا سے براہِ سمندر آویں - یا دیگر راستوں سے آنے والوں کے واسطے ہر جانب سے مقرر شدہ میقات یا ان کے درمیان سے احرام باندھنا چاہیئے، یہ تمام میقات خشکی کے راستہ پر ہیں - اگر کوئی خشکی کے راستے سے جاوے تو وہ میقات کی حدود کے پہونچنے پر احرام باندھ سکتا ہے ہندوستان والوں کو جہاز پر سمندر میں ایسے مقام پر احرام باندھنا پڑتا ہے جہاں سے نہ تو یلملم کی پہاڑی نظر آتی ہے اور نہ وہاں سے کوئی بندرگاہ ہی قریب ہے، سیدھ کے معنی یہ نہیں جیسے کہ اس وقت اس کی سیدھ لی جاتی ہے حالانکہ جہاز وہاں سے سینکڑوں

میل کے فاصلے پر ہوتا ہے ۔ عدّ میقات یلملم سے (جدّہ سے آگے گزرتی ہوئی) رابغ اور رابغ سے ذوالحلیفہ تک چلی گئی ہے ۔ صـ ۶۵-۶۶-۶۷

حضرت مولانا شبیر محمد صاحب مہاجر دامت فیوضہم کی عبارت ختم ہوئی ، امید ہے کہ اہل علم اور اصحاب فتویٰ ممدوح کی اس تحقیق سے اتفاق فرمائیں گے ———— یہ بات الفرقان میں پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ مفتی پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی (سابق مفتی دارالعلوم دیوبند) اور حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی اور ہندوستان کے اکابر علماء میں سے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی سے اس عاجز نے اس مسئلہ پر رجوع کیا تو ان حضرات نے بھی اس بارہ میں اپنے اطمینان کا اظہار فرمایا کہ ہندوستان یا پاکستان سے جانے والے حجّاج کے لئے سمندر میں احرام باندھنا ضروری نہیں ، جدّہ پہونچ کر احرام باندھنا بھی صحیح ہے ۔" (الفرقان بابت شعبان ۱۳۸۳ھ)

مکتوب جناب مولانا محمد رضا صاحب انصاری فرنگی محلی

محترمی جناب مولانا منظور صاحب نعمانی

السّلام علیکم ۔۔۔

ہندوستانی اور پاکستانی حجّاج کے سامنے ہر سال احرام باندھنے کے سلسلہ میں یہی پریشانی آکھڑی ہوتی ہے کہ وہ یلملم کے محاذات سے گذرتے ہوئے جہاز پر احرام باندھیں یا جدّہ پہونچکر اور ساحل پر اتر کر بھی احرام باندھنا درست اور میقات سے احرام باندھنے کے حکم کی ہو بہو تعمیل ہے ،

اس دفعہ بھی (۱۳۸۶ھ مطابق ۱۹۶۷ء کے حج کے موقعہ پر) جہاز میں مسافروں کے سامنے یہی الجھن آئی اور اچھا خاصا اختلاف رائے ان علمائے کرام کے درمیان محسوس ہوا جو رفیق سفر تھے اور ان کی تعداد خاصی تھی ۔

آپ نے ماہنامہ "الفرقان" کے شعبان ۱۳۸۳ھ کے شمارے میں "ہندوستانی حجاج کیلئے میقات"

کے عنوان سے جو مضمون تحریر فرمایا تھا وہ اس موضوع پر جامع اور پوری طرح تسلی بخش تھا جن حضرات کے پیش نظر وہ مضمون ہے ان کو اس سلسلے میں یقیناً طمانیت قلب نصیب ہو چکی ہے، پھر بھی بعض ہم سفر علماء کو میں نے خود دیکھا کہ وہ یلملم سے ہی احرام باندھنے کو ترجیح دیتے رہے اور استفسار کرنے والوں کو بھی یہی مشورہ دیا کئے۔ ان کا خیال غالباً یہی رہا ہوگا کہ جدّے سے ہندوستانی حجّاج کا احرام باندھنا ذرا نئی تحقیق ہے جو فقہی دلائل کے لحاظ سے درست ہونے کے باوجود احتمال رکھتی ہے کہ قدیم تحقیق کی حد تک درست نہ ہو،

جس کو نئی تحقیق سمجھا جا رہا ہے وہ اتنی نئی نہیں ہے۔ کئی صدی پہلے دلائل و شواہد کے ساتھ سامنے آچکی ہے۔

علامہ سیّد غلام علی آزاد بلگرامی (متوفی سنہ ۱۲۰۰ھ) نے مآثر الکرام میں جس کی تصنیف سے وہ سنہ ۱۱۶۸ھ میں فارغ ہوئے تھے، سید قادری بلگرامیؒ کے احوال لکھتے ہوئے جدّہ سے احرام کے مسئلے پر بڑی مفید اور واضح عبارت لکھ دی ہے، جس سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ یلملم سے لازمی احرام باندھنے پر عمل در آمد کے عام ہونے کے باوجود نکتہ رس علماء اس لزوم کو غیر ضروری سمجھتے تھے۔

سیّد قادری بلگرامیؒ کے تفصیلی حالات لکھتے ہوئے علامہ آزاد بلگرامی نے لکھا ہے:-

روزے از زبان شریف ایشاں	ایک روز ان کی (سید قادری بلگرامیؒ کی) زبان مبارک
مسموع افتاد کہ مردم ہند و یمن چوں از راہِ	سے سننے میں آیا کہ ہندوستان اور یمن کے وہ لوگ
دریائے محیط بہ زیارت بیت اللہ می روند	جو دریائے محیط (بحر احمر) کے راستے سے حج بیت اللہ
در عینِ دریا محاذی یلملم احرام می بندند	کیلئے جاتے ہیں بیچ دریا میں یلملم کی محاذات میں احرام
حالانکہ احرام بستن از جدّہ ہم درست است	باندھ لیا کرتے ہیں حالانکہ ان کے لئے جدّے
مشقت احرام در دریا کشیدن ضرورتے نیست	سے احرام باندھنا بھی جائز ہے۔ بیچ دریا میں
	احرام باندھنے کی زحمت اٹھانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔
چہ مسئلہ این ست کہ کسے کہ از غیر راہ	اس لئے کہ مسئلہ یوں ہے کہ جو شخص کسی ایسی
میقات قصد مکہ معظمہ کند محاذی میقات	سمت سے کہ معظمہ کا قصد کرے جس راہ میں

احرام بندد ، و معنی محاذات اینست
کہ مسافت از جائیکہ احرام بستہ شود تا مکہ
برابر مسافتؔ مابین میقات و مکہ باشد ۔
یلملم میقات اہل یمن و ہند است و بہ
ثبوت پیوستہ کہ مسافت مابین جدہ و مکہ
مثل مسافت مابین یلملم و مکہ است ، و دریا
خارج از میقات است ۔ احرام بستن در
دریا چہ لازم ؟

میقات سے گزر نہیں ہوتا ہے تو اسے چاہیئے
کہ میقات کے محاذی ہونے پر احرام باندھ لے
محاذات کا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ احرام
باندھا گیا ہے وہاں سے مکہ معظمہ کا فاصلہ میقات اور مکہ معظمہ
کے درمیانی فاصلہ کے برابر ہو یلملم اہل ہند اور
اہل یمن کی میقات ہے ، اور یہ بات پایۂ ثبوت
کو پہنچ چکی ہے کہ جدّہ اور مکہ کے درمیان
وہی مسافت ہے جو مسافت یلملم اور مکہ
کے درمیان ہے اور دریا (بحراحمر) میقات سے باہر ہے ۔ پھر بیچ دریا میں احرام باندھنے
کی کیا ضرورت رہی ؟

غالباً علامہ آزاد بلگرامی کو مسئلہ کی اس وضاحت سے حیرت ہوئی شاید وہ بھی اسی خیال
کے تھے کہ بیچ دریا میں احرام اس وقت باندھ لینا ضروری ہے جب یلملم کے محاذات سے
یعنی سیدھ سے گزر ہونے لگے ،

اسی لئے وہ آگے لکھتے ہیں :۔

دراں وقت کہ ایں مسئلہ از ایشاں شنیدم
بہ خاطر نہ رسید کہ استفسار نمائم کہ از کدام
کتاب می فرمائند تا آنکہ در عین تحریر ایں
کلمات مسئلہ در تحفہ شرح منہاج از شیخ
ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ بہ نظر در آمد ۔

مسئلے کی نوعیت سید قادری بلگرامیؒ سے سنتے
وقت دھیان اس طرف نہیں گیا کہ پوچھ لیتا
کہ کس کتاب کے حوالے سے وہ یہ مسئلہ بتاتے
ہیں (سید قادری بلگرامی رح کے انتقال کے
بعد) ان کے یہ حالات قلم بند کرتے وقت ،
منہاج کی شرح تحفہ میں جو شیخ ابن حجر کی تصنیف ہے یہ مسئلہ نظر پڑ گیا ۔

اس کے بعد علامہ آزاد بلگرامی نے تحفہ کی عبارت نقل کر دی ہے ، جو حسب ذیل ہے :۔

لوجاوز المیقات یمنۃ او یسرۃ
ای لا الی جہۃ الحرم فلہ ان یؤخر

اگر کوئی شخص داہنے یا بائیں میقات سے آگے
بڑھے اور یہ آگے بڑھنا حرم شریف کی سیدھ میں

ؔ اصل عبارت میں یہاں لفظ مسافرت ہے جو یقیناً سہو کتابت ہے ۱۲

احرامه لكن بشرط ان يجرى من محل مسافته الى مكة مثل مسافة ذلك الميقات قال الماوردى وجزم به غيره۔

نہ ہو تو وہ احرام باندھنے کو مؤخر کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ (آگے بڑھ کر) جس جگہ وہ احرام باندھے اس جگہ کا فاصلہ مکہ معظمہ سے اتنا ہی ہو جتنا فاصلہ میقات کا مکہ معظمہ سے ہے یہ قول ماوردی کا ہے۔ اور ماوردی کے علاوہ دوسروں نے بھی اسی پر اطمینان کا اظہار کیا ہے۔

وبه يعلم ان الجائى من اليمن فى البحر له ان يؤخر احرامه عن محاذاة يلملم الى جدة لان مسافتها الى مكة كمسافة يلملم كما صرحوا به بخلاف الجائى فيه من مصر ليس له ان يؤخر احرامه عن محاذاة الجحفة لان كل محل من البحر بعد الجحفة اقرب الى مكة منها۔

اس سے معلوم ہوا کہ دریا (سمندر) کے راستے سے یمن سے آنے والے کو جائز ہے کہ وہ محاذات یلملم پر احرام باندھنے کے بجائے جدے پہنچ کر احرام باندھے۔ یہ تاخیر اس لئے درست ہے کہ جدے کی مسافت مکہ تک وہی ہے جو یلملم کی مسافت مکہ تک کی ہے جیسا کہ علمائے فن نے صراحت کر دی ہے۔ برخلاف اس کے مصر کی طرف سے مکہ معظمہ بذریعہ سمندر آنیوالے کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ جحفہ کی محاذات سے بغیر احرام باندھے آگے بڑھ آئے اس لئے کہ سمندر میں جحفہ کی محاذات کے بعد آگے نکل کر جس جگہ سے بھی احرام باندھے گا وہ جگہ مکہ سے بہ نسبت جحفہ کے قریب تر ہوگی۔

اس صراحت اور سند کے ساتھ اہل ہند و پاک کی میقات کے بارے میں کوئی وسوسہ رہ جانے کی گنجائش نہیں۔

اتفاق دیکھئے کہ یہ مہتم بالشان مسئلہ اتنی صراحت و وضاحت کے ساتھ متداول فقہی کتابوں میں نہیں۔ تذکرے کی کتاب میں اس طرح ضمناً نظر آگیا۔ فللہ الحمد وعلی رسولہ الصلوٰۃ والسلام

محمد رضا انصاری۔ فرنگی محل لکھنؤ

۱۷ جمادی الثانی ۱۳۸۵ھ ۱۳ ستمبر ۱۹۶۵ء

مُحدّثینِ عِظام کا عظیم کارنامہ

فنِ اسماء الرجال

(۴)

مولانا تقی الدین ندوی مظاہری
(استاذ حدیث دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر گجرات)

تاریخ رجال حدیث کی تدوین

اس سے پہلے ہم نے جو تفصیل بیان کی، اس سے حقیقت واضح ہو گئی کہ پہلی صدی جو صحابۂ کرام اور اکابر تابعین کے دور میں گذری، اس میں جرح و تعدیل کی چنداں ضرورت نہ تھی، اس زمانے میں حدیثوں کے تمام تر روایت کرنے والے صحابہ کرام تھے، جو عادل و ثقہ تھے، ان میں سے کسی فرد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی غلط بیانی نہیں کی، کبار تابعین کے عہد میں برائے نام ضعف پایا گیا، البتہ اوساط تابعین میں بلاشبہ ضعیف راویوں کی ایک جماعت ملتی ہے، مگر ان کا ضعف بھی کذب و بددیانتی کی بنا پر نہیں تھا، بلکہ قلت ضبط، حافظہ کے ضعف، یا روایت میں تساہل کی بنا پر تھا، بہرحال اس دور تک کسی دروغ گو یا ضعیف الروایہ شخص کا وجود بہت کم تھا، اس لیے تاریخ رجال کو قلمبند کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی، لیکن جب دوسری صدی کے وسط میں بعض لوگوں نے کذب بیانی سے کام لیا، تو ائمہ محدثین نے باقاعدہ جرح و تعدیل سے کام لیا، اور تاریخ کی روشنی میں ان کے بیانات کو جانچا و پرکھا۔

چنانچہ سفیان ثوری م ۱۶۱ھ فرماتے ہیں لما استعمل الرواۃ الکذب استعملنا لھم التاریخ [1] جب راویوں نے جھوٹ سے کام لیا، تو ہم نے ان کے لیے تاریخ استعمال کی قاضی حفص بن غیاث فرماتے ہیں، اذا اتھمتم الشیخ فحا سبوہ بالسنین [2] جب تم لوگ کسی شیخ کو متہم خیال کرو تو سنین کے حساب سے اس کی جانچ کرو (یعنی شیخ کے سن اور جس سے روایت کر رہا ہے، اس کے سن کو معلوم کرکے حساب لگاؤ کہ اس نے اس سے ملاقات بھی کی ہے، یا دلیے ہی ان سے روایت کا دعویٰ کر رہا ہے سخاوی زیادہ کہتے ہیں کہ کذابین کے مقابلے میں تاریخ سے بہتر کوئی چیز مدگار نہیں ہو سکتی، یہ اس طرح کہ پہلے اس راوی سے دریافت کیا جائے کہ تم کب پیدا ہوئے؟ جب وہ اپنا سال ولادت ہمیں بیان کردے اور جس شخص سے وہ روایت کر رہا ہے، اس کا سن وفات ہمیں معلوم ہو تو پھر ہمیں اس کے جھوٹ سچ کا پتہ چل سکتا ہے [3] چنانچہ اسمٰعیل بن عیاش نے ایک مرتبہ ایک شخص سے امتحاناً سوال کیا کہ بتاؤ تم نے خالد بن معدان سے کس سنہ میں حدیث لکھی تھی؟ کہنے لگا ۱۱۳ھ میں، اس پر اسمٰعیل نے اس شخص سے کہا کہ تم تو اس بات کے مدعی ہو کر خالد کی وفات کے سات سال کے بعد تم نے اس سے حدیث سنی ہے [4]

حافظ ابن عبد البر مالکی جامع بیان العلم میں لکھتے ہیں

ویلزم صاحب الحدیث ان یعرف الصحابۃ المؤدین للدین عن نبیھم صلی اللہ علیہ وسلم ویعنی بسیرھم و فضائلھم ویعرف احوال الناقلین عنھم وایامھم واخبارھم حتی یقف علی العدول منھم من غیر عدول [5]

اور صاحب حدیث کے لیے ضروری ہے کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے واقفیت بہم پہونچائے جو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے ناقل ہیں، اور ان کی سیرت اور ان کے فضائل سے اعتنا کرے، اور جو لوگ صحابہؓ سے نقل کرتے چلے آتے ہیں، ان کے بھی حالات، روز مرہ کے واقعات اور اخبار سے باخبر ہو تاکہ ان میں عادل اور غیر عادل سے واقف ہو جائے۔

محدثین کرام نے اسی ضرورت کے تحت "رجال حدیث" کے حالات کو قلمبند کیا، اور اس کو مدون و مرتب کیا

---

[1] الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ ص۴ [2] حوالہ مذکور ص۴

[3] الاعلان بالتوبیخ ص۹ [4] جامع بیان العلم ص۲۹۹

مشہور مستشرق "آدم متز" اپنی کتاب "اسلامی تہذیب چوتھی صدی ہجری میں" میں لکھتا ہے، کہ ناقدین حدیث نے شروع ہی سے راویان حدیث کے حالات اور اسمار کو ضبط کرنے اور ان کے بارے میں ثقہ ہیں یا ضعیف حکم لگانے میں خصوصی توجہ کی، پھر ان لوگوں نے اس اساس پر نظر ڈالی جس پر یہ حکم مبنی ہو، یعنی راوی کے وہ صفات جن کا پورے طور پر ایک ثقہ محدث میں پایا جانا ضروری ہے، اور اس سے واقفیت جرح و تعدیل ہی سے ہو سکتی تھی، نیز محدثین کو سند متصل کی ضرورت نے یہاں تک پہونچایا کہ وہ راویان حدیث کی زندگی سے بحث کرنے اور ان پر حکم لگانے کے علاوہ ان کی کامل تاریخ مرتب کریں، اس طرح تیسری صدی ہجری میں تاریخ کی کتابیں وجود میں آئیں جیسے تاریخ البخاری و طبقات ابن سعد۔

بہرحال دوسری صدی کے اختتام اور تیسری صدی کے آغاز میں باقاعدہ تاریخ رجال حدیث و فن جرح و تعدیل پر کتابیں لکھی گئیں، علامہ ذہبی فرماتے ہیں فن جرح و تعدیل کے سب سے پہلے مصنف امام یحییٰ بن سعید قطان م ۱۹۸ھ ہیں، جنکے بارے میں امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ان کی مثل میری آنکھوں نے نہیں دیکھا۔[۲]

علامہ طاہر جزائری لکھتے ہیں، کہ جن لوگوں نے سب سے پہلے یحییٰ بن سعید قطان کے بعد فن جرح و تعدیل پر تالیف کی، اور کلام کیا اس طبقہ میں یحییٰ بن معین م ۲۳۳ھ احمد بن حنبل ۲۴۱ھ اور محمد بن سعد کاتب الواقدی، صاحب الطبقات م ۲۳۰ھ و علی بن المدینی م ۲۳۴ھ ہیں، ان کے بعد امام بخاری و مسلم و ابو زرعہ رازی و ابو حاتم رازی و ابو داؤد سجستانی آئے ان حضرات کے بعد بکثرت لوگوں نے طبقہ بہ طبقہ ساتویں صدی ہجری کے اواخر تک رجال پر کتابیں تالیف کیں، اور اس پر بحث کی اور اس کا اہتمام کیا، یہاں تک کہ کتب حدیث میں کوئی راوی ایسا نہیں ہے، کہ ان حضرات کی تالیفات میں اس کی تاریخ بسہولت معلوم نہ ہو سکے۔[۳]

ان میں سب سے زیادہ جامع امام بخاری کی "التاریخ الکبیر" ہے، جو عرصہ ہوا حیدرآباد سے چھپ گئی ہے، اس کے مصنف نے حروف معجم کی ترتیب پر مرتب کیا ہے، اور عہد صحابہؓ سے اپنے دور تک تقریباً چالیس ہزار رجال حدیث کے حالات قلمبند کیے ہیں، ان میں مرد و عورت، ضعیف و ثقہ سب شامل ہیں۔

---

[۱] مجلہ ثقافت ... جلد دوم (مرکش) [۲] میزان الاعتدال ج ۳ [۳] توجیہ النظر ص ...

امام موصوف نے اٹھارہ سال کی عمر میں مدینہ منورہ کی چاندنی راتوں میں اس عظیم الشان کتاب کو تصنیف فرمایا۔ علامہ تاج الدین سبکی فرماتے ہیں کہ اس میں بھی امام صاحب کو (بلحاظ جامعیت) شرف اولیت حاصل ہے، ان کے بعد جن لوگوں نے تاریخ رجال، اسماء و کنی پر کتابیں لکھی ہیں، سب ان کے خوشہ چیں ہیں۔ [1]

علامہ طاہر جزائری فرماتے ہیں کہ جرح و تعدیل پر تین طرح کی کتابیں لکھی گئی ہیں، بعض لوگوں نے صرف ثقات کے ذکر پر اکتفا کیا، جیسے ابن حبان البستی کی کتاب الثقات (جو چھپ گئی ہے) اور قاسم بن قطلوبغا کی کتاب الثقات جو چار جلدوں میں ہے، اور تیسری خلیل بن شاہین کی کتاب الثقات،

بعض لوگوں نے صرف ضعیف راویوں کو اپنی کتابوں میں جمع کیا، اس موضوع پر امام بخاری، امام نسائی، ابن حبان، دارقطنی، عقیلی، ابن الجوزی اور ابن عدی نے کتابیں لکھی ہیں، ابن عدی کی کتاب اس میں سب سے زیادہ جامع ہے، انھوں نے اپنی کتاب میں ان سب رواۃ کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے، جن پر کسی نے کلام کیا گیا ہے اگرچہ وہ صحیحین کے رجال میں سے ہوں، اسی طرح انھوں نے بعض ائمہ متبوعین کا ذکر بھی کر دیا ہے، کیونکہ ان کے مخالفین نے ان کی زندگی میں کلام کیا تھا۔

بعض مصنفین نے ثقات و ضعفاء دونوں کو اپنی کتابوں میں جمع کیا ہے، اس میں امام بخاری کی 'التاریخ الکبیر' التاریخ الاوسط' التاریخ الصغیر' ابن حبان کی کتاب الجرح والتعدیل اور ابن ابی حاتم رازی کی کتاب الجرح والتعدیل (طبع ہو چکی ہے) ہے، طبقات ابن سعد (طبع ہو چکی) اس باب میں سب سے بہتر کتاب ہے، حافظ ابن کثیر کی کتاب ہے "التکمیل فی معرفۃ الثقات والمجاھیل" اس میں مصنف نے علامہ مزی کی تہذیب اور حافظ ذہبی کی میزان الاعتدال دونوں کو مع کچھ زوائد کے جمع کیا ہے، جو ایک محدث اور بعد میں آنے والے فقیہ کے لیے بہت مفید ہے۔ [2]

جرح و تعدیل میں محدثین کی دیانت داری

محدثین کرام نے رواۃ حدیث کی تحقیق و چھان بین میں انتہائی دیانت داری و حق گوئی کی مثال قائم کی ہے، اس میں انھوں نے اپنے باپ، بیٹے کسی کی رعایت

---

[1] الرسالۃ المستطرفۃ ص۱۳۹ [2] توجیہ النظر ص۱۱۴

[3] فن اسماء الرجال و جرح و تعدیل کی مشہور و مطبوعہ کتابوں کا تعارف ہم آخری باب میں تفصیل سے کرائیں گے۔

نہیں کی، جو راوی قابلِ تنقید تھا، اس پر نقد کیا، اور جو قابلِ توثیق تھا، اس کی ثقاہت کو بیان کیا، علی بن مدینی جو امام بخاریؒ کے بھی شیخ ہیں، ان سے ان کے والد کے بارے میں دریافت کیا گیا، تو فرمایا کہ ان کے متعلق کسی اور سے دریافت کرو، جب لوگوں نے اصرار کیا، تو انھوں نے اپنے سر کو جھکا لیا، پھر سر کو اٹھا کر فرمایا کہ دین کا معاملہ ہے، میرے والد ضعیف راوی ہیں،

امام وکیع بڑے محدث تھے، لیکن ان کے باپ سرکاری خزانچی تھے، اس بنا پر وہ خود ان سے جب روایت کرتے تو ان کی تائید میں کسی دوسرے راوی کو ضرور ملا لیتے، یعنی تنہا اپنے باپ کی روایت کو تسلیم نہیں کرتے تھے، امام ابوداؤد صاحب السنن نے اپنے بیٹے کے بارے میں فرمایا کہ وہ کذاب ہے[۱]

زید بن ابی انیسہ کہتے ہیں کہ میرے بھائی سے نہ روایت کرو، کیونکہ وہ ضعیف ہے،[۲] مسعودی ایک محدث ہیں، م ۱۶۰ھ امام معاذ بن معاذ نے ان کو دیکھا کہ اپنی تحریری یادداشت دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے، تو انھوں نے فوراً ان کے حافظہ سے اپنی بے اعتباری ظاہر کر دی[۳]

یہی معاذ بن معاذ وہ بزرگ ہیں کہ ان کو ایک شخص نے دس ہزار دینار صرف اس معاوضہ میں پیش کرنا چاہا کہ وہ ایک شخص کو معتبر (عدل) اور غیر معتبر کچھ نہ کہیں، یعنی ان کے متعلق خاموش رہیں، انھوں نے اشرفیوں کے اس توڑے کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا، اور فرمایا کہ میں کسی حق کو چھپا نہیں سکتا،[۴]

کیا تاریخ اس سے زیادہ احتیاط و دیانت داری کی مثال پیش کر سکتی ہے؟

محدثین کا وجدانی ملکہ

ان محدثین کرام کو حق تعالیٰ شانہٗ نے وہ نورِ باطن اور وجدانی ملکہ عطا فرمایا تھا، کہ کسی راوی کی روایت سننے دیکھنے کے ساتھ ہی سمجھ جاتے تھے کہ یہ راوی جھوٹا ہے، یا سچا، روایت صحیح ہے یا موضوع، حافظ ابن قیمؒ سے سوال کیا گیا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ بغیر سند کے دیکھے ہوئے حدیث موضوع کا علم ہو جائے، تو حافظ صاحب نے فرمایا کہ بڑا عظیم القدر سوال ہے بغیر سند کے دیکھے ہوئے وہی شخص حدیث کو پہچان

---

[۱] فتح المغیث ص۱۴۰ [۲] مقدمہ صحیح مسلم [۳] تہذیب التہذیب ج۱۰ ص۱۹۴ [۴] تہذیب التہذیب ج۱۰ ص۱۹۱

[۵] اگرچہ علامہ ذہبی نے توثیق کی ہے، ابن معین کو ابن حجر نے متہم قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو میزان الاعتدال ج۲ ص۲۳

سکتا ہے کہ جس کے گوشت و پوست میں حدیث سرایت کر چکی ہو' اور حضورؐ کے اخلاق و عادات' اوامر و نواہی اور آپؐ کے مرغوبات و مرضیات ہر وقت اس کی نظر کے سامنے ہوں' گویا کہ وہ حضورؐ پر نور کی مجلس مبارک میں صحابہؓ کرام کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے' ایسا شخص حدیث کو سنتے ہی بغیر سند کے دیکھے ہوئے سمجھ جاتا ہے کہ یہ ارشاد نبوی ہے یا نہیں؟ یہ ایسا ہے کہ جس طرح فقہاء حنفیہ یا فقہاء شافعیہ طرز کلام سے پہچان لیتے ہیں کہ یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے یا امام شافعیؒ کا۔[1]

صراف (سونار) جس طرح سونا دیکھ کر کھرے کھوٹے کا اندازہ کر لیتا ہے' اسی طرح یہ حضرات محدثین بھی حدیث پاک سے اشتغال اور طول ممارست کی وجہ سے غلط و صحیح میں امتیاز کر لیتے تھے۔[2]

ربیع بن خثیم ایک جلیل القدر تابعی ہیں' فرماتے ہیں'

إن من الحديث حديثا له ضوء كضوء النهار، وان من الحديث حديثا له ظلمة كظلمة الليل نعرفه بها[3]	بے شک بعض حدیثی' روایتوں میں ایک روشنی ہوتی ہے دن کی روشنی کے مانند' اور بعض میں ایک تاریکی ہوتی ہے۔ رات کی تاریکی کے مانند جس سے ہم اس کا صحیح و غلط ہونا پہچانتے ہیں'

عبد الرحمن بن مہدی نے فرمایا کہ حدیث کی معرفت ایک الہام ہے' بسا اوقات اگر تم کسی عالم سے جو حدیث کی علت بیان کرتا ہے' دلیل طلب کرو تو وہ دلیل نہیں پیش کر سکتا[4] علامہ ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ حدیث منکر کو سن کر محدث کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں' لہذا قلب اس سے نفرت کرتا ہے[5]

شیخ ابو الحسن علی بن عروہ حنبلی کتاب "الکواکب" میں فرماتے ہیں جس کی فطرت سلیم ہو اور قلب اس کا نور تقویٰ سے منور ہو' اور صدق و اخلاص اس کا مزاج ثانی بن چکا ہو' سنتے ہی اس کو جھوٹ و سچ کا پتہ چل جاتا ہے' بعض بزرگان دین نے فرمایا کہ جب کوئی جھوٹ بولنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا کلام پورا ہونے سے پہلے ہی میں اس کی مراد کو سمجھ جاتا ہوں' (کہ وہ جھوٹا ہے) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: ولتعرفنهم فى لحن القول۔ کہ اے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کو ایسا خاص

---

[1] قواعد التحدیث ص ۱۶۲ [2] تدریب ص ۱۶۱ و مقدمہ فتح الملہم بحوالہ فتح المغیث طبع قدیم [3] معرفۃ علوم الحدیث ص ۶۲ [4] معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۱۳ [5] قواعد التحدیث ص ۱۶۴

نورِ فراست عطا کیا ہے، کہ آپ اس کے ذریعہ منافقین کو ان کے لب و لہجہ سے پہچان لیتے ہیں کہ یہ نفاق کی بات ہے [1] حافظ تقیبیؔ کا ارشاد ہے کہ اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی انسان کی چند سالوں تک خدمت کرے گا تو وہ اس کی ان تمام چیزوں سے واقف ہو جائے گا، جو اسے پسند ہیں یا ناپسند، پس اگر کوئی دعویٰ کرے کہ وہ فلاں چیز کو ناپسند کرتا ہے جس کے بارے میں اسے معلوم ہے کہ وہ پسند کرتا ہے تو فقط اس کی بات سنتے ہی سے اس کی تکذیب کر دے گا [2] یہی حال ان محدثین کرام کا ہے، اس کے ساتھ ساتھ نقدِ روایت کے جو ضابطے و اصول ان حضرات نے مرتب کیے ہیں اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔
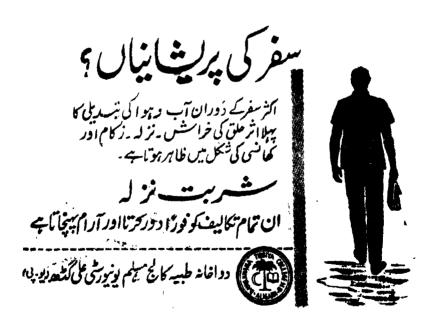
۲؎ قواعد التحدیث ص۱۴۰　۳؎ تدریب ص۹۹

انسان کیا نہیں کر سکتا!

مشنری جذبات کی ایک سبق آموز کہانی

(۲)

ایس آئی ایل کے لوگوں کو اپنا لسانی کام بے شمار بیماریوں کے درمیان کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے جب کبھی ماؤن سنڈ دو کارکن جنگل کی طرف بھیجتے ہیں تو وہ بہتر سمجھتے ہیں کہ ان میں سے ایک تربیت یافتہ نرس ہو اور دونوں کو اس کے لئے تیار رہنا چاہیئے کہ وہ بیماریوں کے حملوں کا مقابلہ کر سکیں جو کثرت سے پیش آتے ہیں نمونیا بہت عام اور مہلک ہے۔ فیل پا اور گلٹیاں نکل آنا اور قرحہ پڑجانا بھی عام ہے جن کو ——— (——— maniasis کہتے ہیں۔ جو ایک مکھی کے ذریعہ پھیلتی ہیں۔ ناک اور حلق کے راستوں سے ان کے جراثیم داخل ہوتے ہیں اور اکثر موت واقع ہو جاتی ہے۔

زبان داں نرس کی ایک اچھی مثال میں نے جینی گردوا میں پائی جو ایک شین سیجوری آنکھوں والی لڑکی ہے۔ جینی کا قبیلہ اگارونا ہے جو مردم خور جیوارونز کی ایک شاخ ہے جو پیرو کے امیزون کے علاقہ میں سب سے بڑا قبائلی حلقہ ہے جس کی مجموعی تعداد دس ہزار ہے۔ جینی اور اس کی ساتھی ملی لارسن نے اس قبیلہ میں گیارہ ایسے اسکول قائم کئے ہیں جن میں دو زبانیں پڑھائی جاتی ہیں۔ چھپر پٹے ہوئے ایک کمرہ کے اسکول جنگل کی ڈھکی ہوئی پہاڑیوں میں پھیلے ہوئے ہیں ان اسکولوں میں چھ سو لڑکے اور لڑکیاں تعلیم پا رہے ہیں اور ان کو تعلیم دینے والے خود اگارونا کے آدمی ہیں جو چند سال پہلے خود اپنی زبان بھی لکھ اور پڑھ نہیں سکتے تھے۔ مگر آج وہ اپنی زبان سے بھی واقف ہیں اور اسپینی زبان سے بھی۔ جولائی ۱۹۵۷ء

میں سے ہی میں سے گیارہ ٹیچر پیرو کے الکشن میں ووٹ دینے کے لئے گئے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو اگارونا قبیلہ کی تاریخ میں پہلی بار پیش آیا۔

جیینی اور رسلی کا جھونپڑا ایک چھوٹے سے صاف کئے ہوئے قطعہ میں ہے۔ جس کے کنارے مارانن نامی متلاطم دریا ہے اور بقیہ تین طرف گھنے جنگل ہیں۔ اگارونا قبیلہ جس میں یہ دونوں لڑکیاں ہیں اس کا حال یہ ہے کہ جس زمانہ میں یہ لوگ اپنے دشمن سے جنگ نہیں کر رہے ہوتے ہیں۔ اپنی بستی میں گھومتے ہیں، اپنے زہر میں بجھائے ہوئے برچھے اور دوسرے ہتھیار کو اچھالتے ہیں۔ قہقہے لگاتے ہیں اور باتیں کرتے ہیں۔ میں نے کہا ہے کہ اگارونا اپنی قتل وغارت گری کی شہرت کی وجہ سے بہت خوفناک معلوم ہوتے ہیں۔ یہ اسطوانہ نما سینہ والے لوگ، چھوٹے چھوٹے کپڑے پہنے ہوئے جن کے جسم کانسی کی طرح سانولے ہیں۔ جو اپنے جسم کے اوپری حصّہ میں لال رنگ پوت لیتے ہیں۔ اور آرائش کے لئے چڑیوں کے پر استعمال کرتے ہیں۔" وہ مجھے پہلے ایسے ہی لگتے تھے"، جیینی نے ہنستے ہوئے کہا۔" اب وہ زمین پر سب سے عمدہ لوگ ہیں"

ہر روز تقریباً تیس انڈین اس کے جھونپڑے میں فرسٹ ایڈ یا دوا علاج کے لئے آتے ہیں دوسرے مریضوں تک پہنچنے کے لئے اس کو ٹپکتے ہوئے جنگلوں کے درمیان سفر کرنا ہوتا ہے کیلے کا پتہ سر پر چھتری کی جگہ رکھے ہوئے اور ہاتھ میں دواؤں کا تھیلا لئے ہوئے۔ یا پھر متلاطم دریا میں اپنی چھوٹی سی کشتی کے ذریعہ۔

ایس آئی ایل کی زبان داں نرس کے اندر اس سے کہیں زیادہ طبی خدمات انجام دینے کی صلاحیت ہونی چاہیئے جو ایک اوسط درجہ کی گریجویٹ نرس کے اندر ہوتی ہے۔ مگر جب انھیں کوئی پیچیدہ کیس ملتا ہے تو اس وقت ڈاکٹر ریڈیو پر کی طرف رجوع کرتی ہیں۔ یہ اپنے کو وقف کئے ہوئے اور کبھی نہ تھکنے والا انسان اپنے ریڈیو پر بیٹھا ہوا عظیم ترین دوری تک خاموش طبی مشورے دیتا رہتا ہے۔

مثال کے طور پر ایک سہ پہر کو ایک مشنری ریڈیو پر آیا۔ اس نے خبر دی کہ پیرو کی ایک نوجوان انڈین لڑکی کو یہ حادثہ پیش آگیا ہے کہ اس کا کندھا پیچیدہ طریقے سے ٹوٹ گئی ہے۔ اور عام طریقوں کے مطابق وہ بیٹھ نہیں رہی ہے۔ ڈاکٹر نے ہدایت دی کہ ٹھیک ٹھیک بتایا کہ کس طرح اس کو بٹھائے وہ

کسی طرح ہڈیوں کو درست کرے۔ اور کسی طرح تین شاخوں کو کھپچی کی جگہ رکھ کر ہاتھ کو باندھے دس دن بعد جب وہ اپنے عام دستور کے مطابق راؤنڈ کرتے ہوئے اسی قبیلہ میں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ ٹوٹی ہوئی کہنی ٹھیک ہو رہی ہے۔

ایک کارکن جو بام بیبا قبیلہ میں کام کر رہا تھا، ایک روز اس نے نہایت بدحواسی کے ساتھ اطلاع دی کہ ایک ماں بچّہ کی پیدائش کی پیچیدگی کی وجہ سے مرنے کے قریب ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر اٹش برگر نے نہایت سکون سے اس کو ہدایت دی ''اپنے ریڈیو کو عورت کے جھونپڑے تک لے جاؤ۔ اپنے رسیور کو چالو کر دو۔ جو میں بتاؤں ٹھیک اس کے مطابق کرتی جاؤ'' ڈاکٹر کی ریڈیائی ہدایات پر عمل کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہایت کامیابی کے ساتھ پیدائش ہو گئی۔ ماں اور بچّہ دونوں سلامت رہے۔ کارکن نے دوبارہ پیغام بھیجا ''اس واقعہ کی خوشی میں سارے قبیلہ کے لوگ جشن منا رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ تم تمام جادوگروں میں سب سے بڑے جادوگر ہو''

ایس آئی ایل کے کارکن کس طرح جنگلی انڈین کے اندر یہ خواہش پیدا کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں کہ وہ پڑھیں۔ ٹاون سنڈ کا کہنا ہے کہ ''ہم ان کے ذہن کی تین خاص باتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جو تقریباً تمام قدیم انسانوں میں عام ہیں۔ اپنی زبان کے اوپر ان کا فخر، ان کا یہ شوق کہ وہ اپنے آپ کو معاشی حیثیت سے بہتر بنائیں ان کی غیر تسکین پذیر جستجو (insatiable curiosity)

ٹاون سنڈ کا نظریہ ہے کہ جنگل کے انڈین قبیلے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ تجسّس پسند ہیں۔ دوسرے قبائل کا اندیشہ۔ نیز باہر سے آنے والے ان لوگوں کا غلط پتا ؤ جو یا تو ربر مزدور، یا سونا تلاش کرنے والے یا ہم جو ہوتے ہیں۔ یہی وہ چیزیں ہیں جنھوں نے ان کو خیالات جاننے، لوگوں سے واقف ہونے اور اس ہری دیواروں سے گھرے ہوئے جیل خانہ سے باہر کی پراسرار دنیا کے واقعات معلوم کرنے سے روکا ہے۔

جیل میں میں نے بار بار دیکھا کہ یہ نظریہ بالکل صحیح ثابت ہو رہا ہے۔ ایک قبیلہ میں میں نے ایک زبان داں کو دیکھا جو ایک نئے لڑکے کو پڑھا رہی تھی۔ اس نے ایک علامت کی طرف اشارہ کیا جو اس نے لفظ ''درخت'' کے لئے بنایا تھا۔ لڑکے سے اس نے کہا کہ چند منٹ اسے دیکھو۔ اس کے بعد اس نے لڑکے کے سامنے ایک صفحہ رکھا جس پر یہی علامت بنی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ دوسری ایسی جنھوں

علامتیں تھیں۔ "اب درخت کو بتاؤ" اس نے کہا۔ لڑکے کی پرشوق نگاہیں صفحہ پر دوڑتی رہیں اس کے بعد یکایک اس کی بھوری انگلی ایک علامت پر پہنچ گئی۔ اور اس کا چہرہ روشنی سے چمک اٹھا جب اس نے کہا ـــــ "استانی! میں نے پڑھ لیا"،

"ایک بار جب وہ جان لیتے ہیں کہ پڑھنا ممکن ہے" استانی نے مجھے بتایا "پھر انھیں اس سے کوئی چیز روک نہیں سکتی۔"

زباں داں کے تمام کاموں میں، ٹاون سنڈ کہتا ہے، بائبل کا ترجمہ سب سے پیچیدہ کام ہے اس کے لئے صرف زبان سے واقفیت کافی نہیں ہے بلکہ قبیلہ کی رسوم اور ان کے محرمات سے گہری واقفیت بھی ضروری ہے۔ ایک زبان جو انگلو امریکی روایات میں بامعنی ہو وہ قدیم قبیلہ کے ایک شخص کے لئے ناقابل فہم ہو سکتی ہے۔

بائبل کی بعض تشبیہات اگر وہ لفظی ترجمہ کر دی جائیں تو مضر اثرات پیدا کر سکتی ہیں مثال کے طور پر ایک زباں داں جو ایک قبیلہ میں کام کر رہا تھا، اس قبیلہ کا عقیدہ تھا کہ دشمن کو آگ میں جلا دینا چاہیئے۔ اس کے سامنے تعلیم کے دوران بائبل کا جملہ آیا۔

(Heap coals of fire on his head)

اس نے قبیلہ کا لحاظ کرتے ہوئے اس کا ترجمہ کیا :- اپنے برادرانہ طرز عمل سے اس کو شرمندہ کرو،، اسی طرح کی بہت سی مشکلیں ہیں جس کی وجہ سے بائبل کے کسی ایک صحیفہ کا ترجمہ بھی اطمینان بخش طور پر کرنے میں کئی سال لگ جاتے ہیں۔

یارنکوچا میں ٹریننگ کے سرکاری اسکول وہاں کی سرگرمیوں کا بہت اہم حصہ بن گئے ہیں۔ یہ چند سال پہلے شروع ہوئے جبکہ ٹاون سنڈ نے پیرو کے ماہرین تعلیم کو اپنے ان جنگلی اسکولوں کا ایک سفر کرایا جہاں انڈین معلمین کام کر رہے تھے۔ علمائے تعلیم بہت متعجب ہوئے "آپ نے تو ایک مکمل تعلیمی پروگرام کی بنیاد ڈال دی ہے" انھوں نے کہا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۵۳ء میں حکومت نے یارنکوچا میں ایک مہم چلائی۔ اس وقت سے ہر سال کے ابتدائی تین مہینوں میں خاص خاص انڈین کو اسپینی زبان کی تعلیم دلائی جاتی ہے۔ زیادہ علمی مضامین پڑھائے جاتے ہیں۔ اور پڑھانے کی تربیت دی جاتی ہے۔ فارغ ہو کر وہ حکومت کے

مشاہرہ پانے والے معلم کے طور پر اپنے قبیلوں میں واپس جاتے ہیں اور اپنے جنگل کے اسکولوں میں وزارت تعلیم کے منصوبہ کے مطابق کام کرتے ہیں۔

ایک ممتاز ماہر تعلیم موروٹ بسٹ نے مجھ سے کہا "ابھی حال ہی تک کوئی مجھے مطمئن نہیں کر سکتا تھا کہ جنگلی انڈین تعلیم یافتہ ہو سکتے ہیں۔ تب ایک روز میری ملاقات دو زبان داں لڑکیوں سے ہوئی۔ جب میں نے ان کے بھرے ہوئے اسکول دیکھے۔ جہاں لڑکے آگ کی روشنی میں کتابیں پڑھ رہے تھے، بوڑھے لوگ لکھنا اور پڑھنے کی مشق کر رہے تھے۔ تو مجھے اپنی آنکھ پر یقین کرنا مشکل ہو گیا تھا میں نے اپنے جی میں کہا "ہمارے انڈین لوگوں کے لئے بھی امید کی کرن ہے۔

لیما واپس آنے کے بعد اس نے اپنے مشاہدہ کے بارے میں شاندار بیان دیا۔ "یہ نوجوان" اس نے کہا، "ہم کو بتا رہے ہیں کہ جہالت اور وحشت کو کس طرح دور کیا جا سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے قدیم باشندوں کو ملک کی عام زندگی میں لے آئیں۔ وہ ہماری مدد کے مستحق ہیں"۔

جنوری ۱۹۵۷ء میں ڈاکٹر موروٹ کو وزارت تعلیم کی طرف سے جنگل کے اسکولوں کا سپروائزر مقرر کیا گیا۔ اب ایس آئی ایل کی جنگلی چھاؤنی میں ان کا بھی ایک چھپر کا مکان ہے اور وہ اپنا زیادہ تر وقت جنگل میں سفر کر کے سائنہ کرنے میں گزارتے ہیں۔ ان کو بھی ٹاون سنڈ کی طرح یقین ہے کہ نیا تعلیم یافتہ انڈین اپنے سابقہ ذریعہ معاش، مچھلی اور جنگلی جانوروں کے شکار پر نہیں رہ سکتا ابھی تک اس کی زندگی اگرچہ نیم خانہ بدوش زندگی ہے مگر ادھر سے ادھر پھرنے کے دوران میں اس نے اس امکان کو دیکھ لیا ہے کہ مستقل بستیوں میں آباد ہو جہاں اس کے بچے اسکول جا سکیں اور وہ اپنے لئے زیادہ بہتر زندگی بنا سکے"۔

جنگل کے انڈین کے لئے اس بہتر زندگی کو قابل فہم بنانے کے لئے پیرو کی حکومت نے ایک نیا پروگرام وضع کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ ان قبائل کو زراعت کے جدید طریقے سکھائے جائیں ایس آئی ایل کے مرکز سے متصل ۲۵۰ ایکڑ زمین مخصوص کی گئی ہے جہاں انڈین طلبہ ایس آئی ایل کے ماہرین زراعت کے ماتحت کاشتکاری سیکھ سکتے ہیں۔ اس وقت ۱۲ آدمیوں نے زراعت کا کورس لے رکھا ہے اور اپنے قبیلہ کے دوسرے ساتھیوں کو دکھا رہے ہیں کہ وہ کس طرح اپنی پیداوار کو بازار میں لے جا کر فروخت کر سکتے ہیں۔

ٹاون سنڈ کا کہنا ہے کہ "انڈین کو جنگل کے باہر نہ لے جاؤ بلکہ جنگل کو انڈین سے باہر کر دو"
ایک بار جلسہ تھا جس میں ٹاون سنڈ کے پروگرام کی وضاحت کی گئی۔ بعد کو ایک شخص کھڑا ہوا
اس نے کہا "تم مشنری والوں نے مجھ کو بیمار بنا دیا۔ سیدھے سادے خوش اور مطمئن لوگوں پر
تہذیب کس لئے لادنا چاہتے ہو۔ کیوں نہیں ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے"

ٹاون سنڈ نے جواب دیا۔ "میرے دوست! میرا خیال ہے کہ تم نے سینما سے باہر ان جنگلی
قبائل کو نہیں دیکھا ہے۔ اگر تم ان کے درمیان جاؤ، جیسا کہ میں گیا ہوں، اور ان کے غموں کو ان کی
زبان سے سنو، جو انھیں جادوگروں کے ذریعہ پہنچ رہے ہیں۔ ان کے توہمات اور مصیبتوں کو دیکھو
ماؤں کی زبان سے سنو کہ کس طرح انھوں نے محض کسی بدشگونی کی وجہ سے اپنے نئے بچّوں کا گلا گھونٹ
دیا۔ بوڑھے لوگوں کو دیکھو کہ وہ کسی طرح بے کار سمجھ کر مرنے کے لئے چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ یا ان کی
اس نفرت کا اندازہ کرو جو انھیں سفید فام لوگوں سے ہے جو ان کا استحصال کرتے رہے ہیں اور
ان کو گولیوں سے مارتے رہے ہیں۔ تب اے دوست! تم انڈین کے بارے میں اپنا یہ ذہن بدل
لوگے کہ وہ اپنے ماحول میں خوشی کی زندگی گزارتے ہیں۔

اسی طرح ٹاؤن سنڈ ان حملوں کو رد کرنے میں بھی نہایت ہوشیار ہے جو مذہب کی طرف سے
کئے جاتے ہیں۔ ایسے اعتراضات کم ہوتے ہیں۔ کیونکہ ایس آئی ایل کے ممبر کسی خاص مذہبی فرقہ سے
تعلق نہیں رکھتے۔ تاہم ۱۹۵۳ء میں ایسا ہوا کہ لیما کے ایک اخبار نے رومن کیتھولک کے ایک نمایاں
شخص کا مضمون کئی قسطوں میں شائع کیا۔ اس میں ایس آئی ایل کے کارکنوں پر الزام لگایا تھا
کہ وہ "پروٹسٹنٹ بھیڑیئے ہیں (Protestant wolves) وہ طبقہ واریت پھیلاتے
ہیں۔ اس نے مطالبہ کیا کہ انھیں ملک سے نکال دیا جائے۔ ٹاؤن نے پہلی بار اسے نظر انداز کیا۔ اس
کے بعد جب اور بھی کچھ لوگوں نے اس طرح کی باتیں کیں تو اس نے اڈیٹر کے نام ایک خط لکھا جسے
کیتھولک ذمہ داروں نے "مسیحی محبت کا شاہکار" کہہ کر تعریف کی۔

اس خط کے ایک حصّہ میں ٹاون سنڈ لکھتا ہے۔ "یہ بھیڑیئے کا سوال ہی نہیں ہے۔ ایس
آئی ایل کا ہر ممبر اس بات کا عہد کرتا ہے کہ وہ محبت اور راخت کے جذبہ کے تحت کام کرے گا۔ اور
نسل اور عقیدہ کا کوئی لحاظ نہیں کرے گا۔ ہم اپنے کو پراٹسٹنٹ نہیں کہتے بلکہ محض مسیح پر ایمان

لانے والا سمجھتے ہیں۔ اور اپنی غیر فرقہ وارانہ نوعیت کی وجہ سے کسی خاص رسم و روایات کی تبلیغ نہیں کرتے۔

جبکہ خدا کے لئے کام کرنے اور انسان کی خدمت کرنے کے جذبہ نے ہمیں متحرک کیا ہے اسی کے ساتھ ہم سائنٹسٹ ہیں جنھوں نے اپنے کو زبان کے مطالعہ پر وقف کیا ہے اور جب ہم زبان پر اپنی تحقیق کو مکمل کر لیں گے تو یارنکوچا میں اپنی چھاؤنی اور تمام عمارتیں انڈین ایجوکیشن کے مرکز کے لئے چھوڑ کر چلے جائیں گے۔

ٹاون سنڈ کا یہ خط نمایاں طور پر اخبارات میں شائع ہوا۔ حملے بند ہو گئے اور ٹاون سنڈ اور اسکے کارکن رومن کیتھولک مبلغین کے ساتھ جنگل کے تبلیغی مرکزوں میں جانے لگے اور مل کر کام کرنے لگے۔ پچھلے سال لیما کے پوپ نوے سیو نے بہت خلوص کے ساتھ ٹاون سنڈ سے ملاقات کی۔ اسکے کام کیلئے دعائیں دیں۔ ٹاون سنڈ نے پوپ کو یہ بتایا کہ دو ہزار مزید زبانوں میں کتاب مقدس کو پہنچانے کی منزل ہم کس طرح حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ پوپ نے اس سے گفتگو میں بہت دلچسپی لی۔ میں نے ٹاون سنڈ سے پوچھا کہ اس منزل کو سر کرنے کے کیا امکانات ہیں جبکہ دو ہزار کی تعداد میں سے ایس آئی ایل ابھی صرف ۱۸۰ زبانوں میں کام کر رہا ہے۔ انھوں نے اس کام کی تکمیل کی جو مدت مقرر کی ہے کیا اس پر وہ نظر ثانی کریں گے۔ ٹاون سنڈ کے جواب سے اس کے جذبہ کا پتہ چلتا ہے: "بالکل نہیں" انھوں نے کہا۔ ہمارے آگے بڑھنے کی رفتار کو دیکھو، ۱۹۴۲ میں ہم صرف ایک ملک میں کام کر رہے تھے۔ آج ہم بارہ ملکوں میں کام کر رہے ہیں۔ ۱۹۴۲ کے مقابلہ میں ہمارے کارکنوں کی تعداد ۱۶۰۰ فیصدی کی رفتار سے بڑھی ہے، اس حساب سے پندرہ برسوں میں ہمارے ممبروں کی تعداد بارہ ہزار سے زیادہ ہو جائے گی۔ اس طرح منزل آ کر رہے گی۔ یہ الفاظ سن کر مجھے ایک شخص کی یاد آئی جس نے ٹاون سنڈ کے متعلق کہا تھا: "سب سے زیادہ باعزم عقیدہ کا آدمی جس کو میں نے کبھی دیکھا ہے"

ٹاون سنڈ کا رہنما اصول یہ ہے۔ "بیٹھے رہو۔ خدا تمھاری رہنمائی نہیں کرے گا چل پڑو۔ خدا کی رہنمائی تمھیں حاصل ہو جائے گی" یہ خدا کی رہنمائی کو جاننے کا طریقہ کیا ہے: "ہم بس سادہ طور پر اپنی تمنائیں خدا کے سامنے پیش کرتے ہیں، ہم کہتے ہیں" اگر یہ تیری مرضی بھی ہے، صرف ہماری نہیں ہے تو ہمارے لئے راستہ کھول دے"، سب سے بڑا خراج عقیدت جو ٹاون سنڈ کو ملا ہے وہ امیزونین جنگل کے ایک قبائلی سردار کا ہے۔ اس نے کہا۔ "تمھارے آنے سے پہلے یہاں صرف اندھیرا تھا۔ اب یہاں صرف اجالا ہے"

(ترجمہ:- وحید الدین خاں)

الفرقان لکھنؤ

سنہ آغاز ۱۹۳۳ء

35(9)

5 FEB 1968

JAMIA LIBRARY
JAMIA MILLIA ISLAMIA
DELHI

مرتب
عتیق الرحمن سنبھلی

سالانہ چندہ	ماہنامہ الفرقان لکھنؤ	سالانہ چندہ
غیر ممالک سے ۱۲ شلنگ ہوائی ڈاک سے مزید محصول ڈاک کا اضافہ	فی کاپی ۷۰ پیسے	ہندوستان سے ۵/۵۰ پاکستان سے ۵/۵۰ ششماہی ہندوستان سے ۳/- پاکستان سے ۳/-

جلد ۳۵	بابت ماہ رمضان ۱۳۸۷ھ مطابق جنوری ۱۹۶۸ء	شمارہ ۹

اگر اس دائرہ میں ○ سرخ نشان ہے، تو

اسکا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے، براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں، یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۲۰ فروری تک آ جائے ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ وی، پی ارسال ہوگا۔

پاکستان کے خریدار:- اپنا چندہ ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں! اور صرف ایک سادہ کارڈ کے ذریعہ ہم کو اطلاع دے دیں، ڈاکخانہ کی رسید بھیجنے کی ضرورت نہیں۔

نمبر خریداری:- براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا نمبر خریداری ضرور لکھ دیا کیجئے۔

تاریخ اشاعت:- الفرقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے، اگر ۱۵ تاریخ تک کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع کریں، اسکی اطلاع ۲۵ تاریخ تک آ جانی چاہئے، اسکے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ

(مولانا) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر [illegible] پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان [illegible] سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اولیں

از: محمد منظور نعمانی

دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین حضرۃ الاستاذ العلامہ مولانا محمد ابراہیم بلیاوی (رحمۃ اللہ علیہ) کے حادثۂ وفات کی اطلاع ہمارے ناظرین کو اخبارات اور دوسرے ذرائع سے ہو چکی ہوگی۔ ـــ یوں تو اس سے پہلے ان کے بڑے اور ان سے بہت بڑے بھی جا چکے ہیں، لیکن یہ واقعہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند اور جماعت دیوبند میں ان کی وفات سے، خاص کر علم و تدریس کی کائنات میں جیسا عظیم خلا محسوس کیا گیا ہے اور کیا جا رہا ہے ایسا غالباً کبھی پہلے محسوس نہیں کیا گیا۔

علمی اور تدریسی امتیاز کے علاوہ دارالعلوم کی تقریباً ایک سو پانچ سالہ تاریخ میں شاید ہی اسکے کسی استاد کو اتنی طویل مدت تک درس دینے کا موقع ملا ہو جتنا اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا۔

آج سے ٹھیک پینتالیس سال پہلے جب یہ ناچیز ایک طالب علم کی حیثیت سے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوا تھا، اس وقت بھی حضرت علامہ مرحوم وہاں کے بڑے اساتذہ میں تھے، اور ہمارے مدارس کی اصطلاح میں "معقولات" یعنی منطق، فلسفہ، اور علم کلام کی مشکل ترین اور انتہائی کتابیں، حمد اللہ، قاضی مبارک، شمس بازغہ، اور امور عامہ وغیرہ اکثر ان کے ہاں ہوتی تھیں ـــ یہ ناچیز چونکہ معقولات کی یہ سب کتابیں پڑھ کر دارالعلوم گیا تھا اسلئے اُن کے یہاں ہونے والے ان فنون کے کسی سبق میں میری شرکت نہیں تھی،

لیکن معقولات کے ساتھ اپنی مناسبت اور اپنے ذہنی رابطہ کو محفوظ رکھنے کے لئے چند اور ایسے طلبہ کے ساتھ مل کر جو معقولات کی تکمیل کر چکے تھے کوشش کی کہ منطق یا فلسفہ کی کوئی غیر نصابی اہم کتاب مولانا سے اوقات مدرسہ کے علاوہ "خارج وقت" میں پڑھی جائے، یہ کوشش کامیاب ہوگئی اور مولانا نے ان فنون سے خاص دلچسپی ہی کی وجہ سے "شرح اشارات طوسی" خارج میں پڑھانا منظور فرمالیا اور طے ہوا کہ صبح مدرسہ کا وقت شروع ہونے سے پہلے مولانا ہی کی درسگاہ میں یہ سبق ہوا کرے گا ــــ سبق شروع ہوا اور ایک مدت تک اسکا سلسلہ جاری رہا ــــ اب اس واقعہ کے اظہار میں کوئی مضائقہ نہیں کہ منطق و فلسفہ کی کتابیں میں نے خاص دلچسپی اور محنت سے ایک ایسے استاذ (حضرت مولانا کریم بخش سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ) سے پڑھی تھیں جو معقولات میں خیرآبادی سلسلہ کے شاگرد تھے اور ان فنون میں خاص دستگاہ رکھتے تھے، اسلئے مجھے اسکی کچھ زیادہ امید نہیں تھی کہ دارالعلوم دیوبند کے کسی استاذ سے میں معقولات کی لائن میں کوئی قابل قدر استفادہ کر سکوں گا (کیونکہ دارالعلوم کی خاص شہرت درس حدیث کے لحاظ سے تھی) ــــ لیکن چند ہی سبق پڑھنے کے بعد اندازہ ہوگیا کہ مولانا ان فنون میں بلاشبہ اپنے وقت کے امام ہیں اور استفادہ کی بڑی گنجائش ہے۔

دارالعلوم دیوبند جانے سے پہلے میں اگرچہ معقولات کی تمام درسی بلکہ بعض غیر درسی کتابیں بھی پڑھ چکا تھا لیکن دینیات سے بالکل کورا تھا، مشکوٰۃ تک نہیں پڑھی تھی اس لئے اس سال مجھے مشکوٰۃ المصابیح بھی پڑھنی تھی، اس زمانہ میں دارالعلوم میں اس کا سبق حضرت مولانا سراج احمد صاحب رشیدیؒ کے ہاں ہوتا تھا ــــ جس سال یہ ناچیز دارالعلوم دیوبند پہنچا ہو وہ پہلا سال تھا کہ مشکوٰۃ کی جماعت دو حصوں میں تقسیم کر دی گئی تھی اور ایک جماعت کا سبق حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب کے ہاں رکھا گیا تھا۔ اسباق شروع ہو گئے اور دفتر دارالعلوم کی طرف سے وہ نقشہ آویزاں نہیں ہوا جس سے معلوم ہوتا کہ کس طالب علم کا نام کس استاذ والی جماعت میں ہے۔ "معقولات" کی لائن سے حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب کیساتھ جو ایک خاص ذہنی مناسبت تھی اسکی وجہ سے انہی کے درس مشکوٰۃ میں شرکت شروع کردی۔ کتاب الایمان پوری حضرت مولانا ہی سے پڑھی، چند ہفتوں کے بعد دارالعلوم کے دفتری

نقشہ میں میرا نام مولانا سراج احمد صاحب کے ہاں پڑھنے والی جماعت میں آگیا اور میں وہاں منتقل ہو گیا۔ لیکن ایمانیات سے متعلق مباحث پر حضرت مولانا سے چند ہفتوں تک جو کچھ سنا تھا وہ اپنی معقولیت، سلجھاؤ اور دلپذیری کی وجہ سے ایسا ذہن نشین ہوا کہ الحمد للہ آج تک محفوظ ہے۔

میری معلومات کے مطابق یہ پہلا سال تھا جس میں حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب نے دارالعلوم میں حدیث کا درس دیا، اس کے بعد سے قریب قریب مسلسل حدیث کا کوئی نہ کوئی سبق رہا، مسلم شریف تو بہت عرصہ تک انہی کے ہاں ہوتی رہی۔ پھر حضرت مولانا حسین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد جب مولانا ہی اُن کی جگہ صدر مدرس قرار دیئے گئے تو جامع ترمذی بھی آپ ہی کے ہاں ہونے لگی، جو درسی نقطۂ نظر سے صحاح ستہ میں اہم ترین کتاب سمجھی جاتی ہے۔

حضرت علامہ مرحوم جامع ترمذی کے درس کی ذمہ داری سے کافی پہلے اس پر ایک مبسوط و مفصل حاشیہ لکھنے کا کام شروع کر چکے تھے اور جہاں تک اس عاجز کو معلوم ہے اب سے کئی سال پہلے اس کا کافی حصہ ہو چکا تھا، غالباً حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد صدر مدرسی اور نظامتِ تعلیم کی دوہری ذمہ داریاں آپڑنے کی وجہ سے وہ کام تسلسل کے ساتھ جاری نہیں رہ سکا، اگر یہ کام مکمل ہو جاتا تو مولانا مرحوم کا وہ غالباً واحد تصنیفی کام ہوتا اور اُس سے باہر کے لوگ بھی اُن کے مقام علمی کا اندازہ لگا سکتے ـــــ وکم حسراتٍ فی بطون المقابر

حضرت مولانا پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام اُن کے تلامذہ کی بے پناہ کثرت ہے، گزشتہ پچاس ساٹھ سال کی طویل مدت میں جو ہزارہا طلبہ دارالعلوم دیوبند سے عالم فاضل ہو کر نکلے جو ہندوستان و پاکستان میں یا کسی دوسرے ملک میں مختلف قسم کی دینی خدمات انجام دے رہے ہیں (اور کم از کم برصغیر ہند و پاکستان میں تو دین کی جو روشنی ہے اس میں بلاشبہ زیادہ حصہ انہی فضلاء دیوبند یا ان کے تلامذہ کا ہے) ان میں کوئی شاذ و نادر ہی ایسا ہوگا جو حضرت مولانا کا براہ راست یا بالواسطہ شاگرد اور فیضیافتہ نہ ہو۔ ان میں سے جس نے بھی حضرت مولانا کی خبرِ وفات سنی ہوگی

(باقی صفحہ ۱۲۴ پر)

کتاب الاذکار والدعوات

معارف الحدیث

(مسلسل)

جامع اور ہمہ گیر دعائیں :-

عرض کیا گیا تھا کہ کتب حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو دعائیں ماثور اور منقول ہیں، اگر ان کو مضامین اور موقع محل کے لحاظ سے تقسیم کیا جائے تو وہ تین قسم کی ہیں، ایک وہ جن کا تعلق نماز سے ہے، دوسری وہ جن کا تعلق خاص اوقات یا مواقع اور حالات سے ہے، تیسری وہ جن کا تعلق نہ نماز سے ہے نہ خاص اوقات یا مواقع سے، بلکہ وہ عمومی قسم کی ہیں ـــــ پہلی دو قسم کی دعائیں درج کی جا چکیں، تیسری قسم کی اب پیش کی جا رہی ہیں، ان میں سے زیادہ تر مضامین کے لحاظ سے ہمہ گیر اور جامع قسم کی ہیں اسی لئے ائمہ حدیث نے اپنی مولفات میں ان دعاؤں کو "جامع الدعوات" کے زیر عنوان درج کیا ہے۔ یہ دعائیں امت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص الخاص عطیہ اور بیش بہا تحفہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم امتیوں کو اس کی قدر شناسی اور شکر کی اور ان دعاؤں کو اپنے دل کی آواز اور دھڑکن بنا لینے کی توفیق دے۔ جب بندے کو یہ دولت مل گئی اسے سب کچھ مل گیا ـــــ اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی احادیث ذیل میں پڑھئے :-

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِیْ دِیْنِیَ الَّذِیْ هُوَ عِصْمَةُ اَمْرِیْ وَ اَصْلِحْ لِیْ دُنْیَایَ الَّتِیْ فِیْهَا مَعَاشِیْ وَ اَصْلِحْ لِیْ اٰخِرَتِیْ

الَّتِیْ فِیْھَا مَعَادِیْ وَاجْعَلِ الْحَیٰوۃَ زِیَادَۃً لِّیْ فِیْ کُلِّ خَیْرٍ وَّاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَۃً لِّیْ مِنْ کُلِّ شَرٍّ ۔ رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے "اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ لِیْ ...... تا ...... رَاحَۃً لِّیْ مِنْ کُلِّ شَرٍّ" (اے اللہ میری دینی حالت درست فرما دے جس پر میری خیریت اور سلامتی کا دارومدار ہے اور میری دنیا بھی درست فرما دے جس میں مجھے یہ زندگی گزارنا ہے اور میری آخرت بھی درست فرما دے، جہاں مجھے لوٹ کے جانا اور ہمیشہ رہنا ہے اور میری زندگی کو خیر اور بھلائی میں اضافہ اور زیادتی کا ذریعہ بنا دے اور میری موت کو ہر شر سے راحت اور حفاظت کا وسیلہ بنا دے ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) جیسا کہ ظاہر ہے یہ بہت ہی جامع دعا ہے۔ اس کا پہلا جزء یہ ہے ؎

اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ لِیْ دِیْنِیَ الَّذِیْ ھُوَ عِصْمَۃُ اَمْرِیْ — اے اللہ میری دینی حالت درست فرما دے جس پر میری خیریت اور میری ہر چیز کی سلامتی اور تحفظ کا دارومدار ہے۔

دراصل دین ہی وہ چیز ہے کہ اگر وہ درست اور سلامت ہو تو آدمی اللہ تعالیٰ کی ناراضی و لعنت اور اسکے غضب و عذاب سے مامون و محفوظ ہو کر اسکے لطف و کرم کا مستحق ہو جاتا ہے اور اسلامی قانون کی رو سے اسکے جان و مال اور عزت و آبرو کو ایک خاص درجہ کی حرمت و عصمت حاصل ہو جاتی ہے، اسلئے اسی پر آدمی کی سلامتی و خیریت اور صلاح و فلاح کا دارومدار ہے، اسی چیز کو اس دعاء نبوی میں "عِصْمَۃُ اَمْرِیْ" کہا گیا ہے ——— دین کی درستی کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کا ایمان و یقین صحیح ہو، اسکے افکار و جذبات اور اعمال و اخلاق درست ہوں، وہ زندگی کے ہر شعبہ میں نفس کی خواہش کے بجائے اللہ کے احکام پر چلنے والا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ اس کا دارومدار اللہ کی توفیق پر ہے، اسلئے ہر بندۂ مومن کے دل کی اولین امنگ اور پکار یہی ہونا چاہیئے

——— اس دعا کا دوسرا جزء ہے۔

وَاَصْلِحْ لِیْ دُنْیَایَ الَّتِیْ	اور میرے لئے دنیا درست فرما دے جس
فِیْهَا مَعَاشِیْ	میں مجھے زندگی گزارنا ہے۔

دنیا کی درستی کا مطلب یہ ہے کہ یہاں کی رزق وغیرہ کی ضرورتیں حلال اور جائز راستوں سے پوری ہوتی رہیں۔ بلاشبہ ہر مومن بندہ کی دوسری مانگ اللہ تعالےٰ سے یہی ہونا چاہیئے ——— تیسرا جزء دعا کا یہ ہے۔

وَاَصْلِحْ لِیْ اٰخِرَتِیَ الَّتِیْ	اور میری آخرت اچھی بنا دے جہاں
فِیْهَا مَعَادِیْ۔	مجھے لوٹ کے جانا اور ہمیشہ رہنا ہے۔

اگرچہ دین کی درستی کا لازمی نتیجہ آخرت کی صلاح و فلاح ہی ہے لیکن باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقل طور سے آخرت کی درستی کی یہ دعا کی، ایک تو غالباً اسلئے کہ آخرت کی غیر معمولی اہمیت کا یہ حق ہے، دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ دینی لحاظ سے اچھی حالت ہونے کے باوجود بندہ کو آخرت کے بارہ میں مطمئن اور بے فکر نہیں ہونا چاہیئے۔ قرآن مجید میں اچھے بندوں کی شان یہی بتائی گئی ہے۔ "وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ" (المومنون ۶۰)[1]

چوتھا اور پانچواں جزء دعا کا یہ ہے۔

وَاجْعَلِ الْحَیٰوةَ زِیَادَةً لِّیْ	اور زندگی کو میرے لئے نیکی اور بھلائی
فِیْ كُلِّ خَیْرٍ وَّاجْعَلِ الْمَوْتَ	میں اضافہ اور زیادتی کا ذریعہ بنا دے
رَاحَةً لِّیْ مِنْ كُلِّ شَرٍّ۔	اور موت کو ہر شر اور برائی سے راحت
	اور حفاظت کا وسیلہ بنا دے۔

ہر آدمی کو اس دنیا میں اپنی زندگی کا وقت پورا کر کے مرنا یقینی ہے ——— اللہ کی دی ہوئی عمر سے آدمی نیکی بھی کما سکتا ہے اور بدی بھی، وہ اسکے لئے سعادت میں

---

[1] اس آیت میں اللہ کے اچھے بندوں کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ صدقہ اور خیرات کرتے ہیں اور ان کے دل لرزتے رہتے ہیں کہ اللہ کے ہاں یہ قبول ہوتا ہے یا نہیں۔

ترقی کا وسیلہ بھی بن سکتی ہے اور شقاوت میں اضافہ کا ذریعہ بھی، اور سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین و دنیا اور آخرت کی صلاح و فلاح کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا بھی کرتے تھے کہ اے اللہ میری حیات کو خیر اور سعادت میں اضافہ اور ترقی کا وسیلہ بنا دے یعنی مجھے توفیق دے کہ میں عمر کے لمحات اور زندگی کے اوقات کو تیری رضا والے کاموں میں صرف کر کے سعادت کے راستہ میں آگے بڑھتا چلوں، اور میری موت کو شرور و فتن کی اذیتوں سے راحت کا ذریعہ بنا دے، یعنی مستقبل کے جو شر اور فتنے میرے لئے اذیت کا باعث ہو سکتے ہیں تیرے حکم سے آنے والی میری موت اُن سے میری حفاظت کا ذریعہ بن کر اُن سے مجھے راحت دیدے۔

یہ دعا بھی "جوامع الکلم" اور دریا بکوزہ کی بہترین مثال ہے، الفاظ کتنے مختصر اور مضامین کتنے وسیع!

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الْهُدٰى وَالتُّقٰى وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰى ۔۔۔ رواہ مسلم

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ ... تا ... وَالْغِنٰى" (اے میرے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں ہدایت اور تقویٰ، اور پاکدامنی اور مخلوق کی نامحتاجی ۔۔۔۔۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس دعا میں اللہ تعالیٰ سے چار باتوں کا سوال ہے۔ ایک ہدایت یعنی راہ حق پر چلنا اور استقامت کے ساتھ چلتے رہنا، دوسرے تقویٰ و پرہیزگاری یعنی اللہ سے ڈرتے ہوئے معاصی و منکرات سے بچنا، تیسرے عفت و پاکدامنی، چوتھے غنیٰ، یعنی دل کی یہ حالت کہ بندہ اپنے اندر کسی مخلوق کی محتاجی اور دست نگری محسوس نہ کرے، اپنے مالک کی عطا پر مطمئن ہو ۔۔۔ یہ دعا بھی جوامع الکلم کی اعلیٰ مثال ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعِفَّةَ وَالْاَمَانَةَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ وَالرِّضٰى بِالْقَدَرِ

رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے "اللھم انی اسألك الصحة تا...... والرضیٰ بالقدر" (اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں صحت و تندرستی، اور عفت و پاکدامنی اور امانت کی صفت اور اچھے اخلاق اور راضی بتقدیر رہنا۔ (دعوات کبیر للبیہقی)

(تشریح) اس دعا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے صحت مانگی ہے ــــــ صحت و تندرستی دین و دنیا دونوں کے لحاظ سے بلاشبہ بہت بڑی نعمت ہے، اس کی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب کسی وقت بندہ اس سے محروم کر دیا جاتا ہے اور کسی بیماری اور تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے، اس وقت اسے معلوم ہوتا ہے کہ صحت کا ایک ایک لمحہ کتنی بڑی دولت اور اللہ تعالیٰ کی کتنی عظیم نعمت ہے، عارفین کو اس کا احساس اسلئے اور بھی زیادہ ہوتا ہے کہ صحت کی خرابی کی حالت میں اکثر و بیشتر عبادت کا نظام بھی درہم برہم ہو جاتا ہے اور توجہ الی اللہ کا ذوق و کیف بھی متاثر ہوتا ہے اور یہ چیز ان کے لئے شدید روحانی کرب اور بے چینی کا باعث بنتی ہے۔

امانت قرآنی اور دینی زبان کا نہایت اہم اور وسیع المعنی لفظ ہے، اس سے مراد انسان کے اندرون کا یہ حال ہوتا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی نسبت سے اور بندوں کے تعلق سے جو ذمہ داریاں ہیں وہ ان کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے کی فکر اور کوشش کرے ــ حسن اخلاق اور راضی بتقدیر رہنا کسی تشریح کے محتاج نہیں۔ اس دعا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحت کے علاوہ عفت، امانت، حسن اخلاق اور رضا بالقدر کا سوال کیا ہے، یہ سب ایمانی صفات اور ایمان کے اہم شعبے ہیں اور ان سے محرومی بلاشبہ بڑی محرومی ہے اور ساری دینی و دنیوی نعمتوں کی طرح یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عطا ہی سے کسی کو

سکتے ہیں۔ ایں سعادت بزور بازو نیست گر نہ بخشد خدائے بخشندہ

عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ اجْعَلْ سَرِيْرَتِيْ خَيْرًا مِّنْ عَلَانِيَتِيْ وَاجْعَلْ عَلَانِيَتِيْ صَالِحَةً اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ مِنْ صَالِحِ مَا تُؤْتِي النَّاسَ مِنَ الْاَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ غَيْرِ الضَّالِّ وَالْمُضِلِّ ——— (رواہ الترمذی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک دعا تعلیم فرمائی۔ مجھ سے ارشاد فرمایا۔ اللہ کے حضور میں یوں عرض کیا کرو "اللھم اجعل سریرتی ...... تا ...... غیر الضال والمضل"

(اے اللہ میرا باطن میرے ظاہر سے اچھا کر دے اور میرے ظاہر کو بھی صلاح سے آراستہ فرما دے، اے اللہ تو اپنے بندوں کو (اپنے فضل و کرم سے) جو ایسے صالح گھر والے، صالح مال اور صالح اولاد عطا فرماتا جو نہ خود گمراہ ہوں اور نہ دوسروں کے لئے گمراہ کن ہوں، میں بھی تجھ سے ان چیزوں کا سائل ہوں (مجھے بھی اپنے فضل و کرم سے یہ چیزیں عطا فرما) (جامع ترمذی)

(تشریح) اس دعا کا پہلا جز یہ ہے کہ اے اللہ مجھے ایسا بنا دے کہ میرا ظاہر بھی صالح ہو اور میرا باطن بھی صالح ہو اور باطن کی حالت ظاہر سے بھی بہتر ہو اور دوسرا جز یہ ہے کہ میرے اہل خانہ اور میری اولاد اور میرا مال و منال یہ سب بھی صالح ہوں نہ خود ان میں ضلال و فساد ہو نہ دوسروں کے لئے یہ باعث ضلال و فساد بنیں۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ دُعَاءٌ حَفِظْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا اَدَعُهُ "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ اُعْظِمُ شُكْرَكَ وَاُكْثِرُ ذِكْرَكَ وَاَتَّبِعُ نُصْحَكَ وَاَحْفَظُ وَصِيَّتَكَ ——— (رواہ الترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر یاد کی تھی۔ (وہ دعا میں برابر کیا کرتا ہوں) اس کو میں کبھی نہیں

چھوڑتا　(وہ یہ ہے) "اللھم اجعلنی اعظم شکرك ......
......تا...... احفظ وصیتك (اے اللہ مجھے ایسا کردے کہ میں تیری نعمتوں کے شکر کی عظمت و اہمیت کو سمجھوں (تاکہ پھر شکر میں کوتاہی نہ کروں) اور تیرا ذکر کثرت سے کروں اور تیری نصیحتوں کی پیروی کروں اور تیری وصیتوں اور حکموں کو یاد رکھوں (اور ان کی تعمیل سے غفلت نہ برتوں)　(جامع ترمذی)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْ يَقُوْلُ رَبِّ اَعِنِّيْ وَلَا تُعِنْ عَلَيَّ وَانْصُرْنِيْ وَلَا تَنْصُرْ عَلَيَّ وَامْكُرْ لِيْ وَلَا تَمْكُرْ عَلَيَّ وَاهْدِنِيْ وَيَسِّرِ الْهُدٰى لِيْ وَانْصُرْنِيْ عَلٰى مَنْ بَغٰى عَلَيَّ رَبِّ اجْعَلْنِيْ لَكَ شَاكِرًا لَكَ ذَاكِرًا لَكَ رَاهِبًا لَكَ مِطْوَاعًا لَكَ مُخْبِتًا اِلَيْكَ اَوَّاهًا مُنِيْبًا رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِيْ وَاغْسِلْ حَوْبَتِيْ وَاَجِبْ دَعْوَتِيْ وَثَبِّتْ حُجَّتِيْ وَسَدِّدْ لِسَانِيْ وَاهْدِ قَلْبِيْ وَاسْلُلْ سَخِيْمَةَ صَدْرِيْ. (رواہ الترمذی وابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے " رب اعنّی ولا تعن علیّ......تا......
واسلل سخیمة صدری" (اے میرے رب میری مدد فرما، میرے خلاف (میرے دشمنوں کی کارروائیوں میں اُن کی) مدد نہ فرما، میری حمایت فرما (میرے مخالفین کی) میرے خلاف حمایت نہ فرما، اپنی لطیف خفیہ تدبیر میرے حق میں استعمال فرما، میرے خلاف استعمال نہ فرما، مجھے ٹھیک راستہ پر چلا اور صراط مستقیم پر چلنے دینا میرے لئے آسان فرما، جو کوئی مجھ پر ظلم و زیادتی کرے اسکے مقابلہ میں میری مدد فرما ـــــ اے پروردگار مجھے بنا دے اپنا شکر کرنے والا، اپنا ذکر کرنے والا، اپنے سے ڈرنے والا، سراپا اپنا اطاعت گزار و فرمانبردار، اپنے حضور میں عاجزی اور نیازمندی سے جھکنے والا، نرم دل،

اور تیری بارگاہ کرم کیطرف رجوع ہونے اور پلٹنے والا۔ اے میرے رب میری توبہ قبول فرمالے، میرے گناہوں کے میل کچیل کو دھو دے، میری دعا قبول فرما، میرا ایمان (جو آخرت میں میری حجت بننے والا ہے اسکو) مستحکم کردے، میری زبان کو ٹھیک چلنے والی بنادے، میرے دل کو ہدایت بخشدے اور میرے سینہ سے کینہ کپٹ اور ہر قسم کی کھوٹ نکال دے۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(**تشریح**) اس دعا کی جامعیت ظاہر ہے ــــــ مندرجہ بالا سب ہی دعاؤں کا خاص قابل غور پہلو یہ ہے کہ ہر دعا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کو اللہ تعالےٰ کے حضور میں اس طرح پیش کیا ہے کہ میں زندگی کے ہر معاملہ میں تیرا محتاج ہوں، خود عاجز اور بے بس ہوں، یہاں تک کہ اپنے ظاہر و باطن اور زبان و قلب پر بھی میرا اختیار اور قابو نہیں، اپنے اخلاق و جذبات اور اعمال و احوال کی اصلاح میں بھی تیری نگاہ کرم کا محتاج ہوں، میری صحت اور بیماری بھی تیرے ہی ہاتھ میں ہے، دشمنوں اور بدخواہوں کے شر سے تو ہی میری حفاظت فرماسکتا ہے، میں اس معاملہ میں بھی عاجز و بے بس ہوں، تو کریم رب اور داتا ہے اور میں سائل و منگتا ہوں ــــــ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال عبدیت ہے اور بلاشبہ یہ کمال آپ پر ختم ہے اور یہ دوسرے تمام کمالات سے بالاتر ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

بقیہ: نگارہ اولیں سے

ضرور ہی رحمت و مغفرت کی دعا بار بار کی ہوگی اور کرتے رہیں گے۔ ان میں کتنے عالم باعمل اور اولیاء اللہ بھی ہوں گے، کتنوں نے مختلف شکلوں سے ایصال ثواب کا اہتمام بھی کیا ہوگا۔ کیسے خوش نصیب ہیں وہ بندے جو اپنے پیچھے اس طرح کے سلسلے چھوڑ کے جائیں ــــ

وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون ۰

اپنے ناظرین کرام سے راقم سطور کی التجا ہے کہ حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ کے لئے مغفرت و رحمت اور رفع درجات کی اہتمام سے دعا فرمائیں۔ اس عاجز پر کرم و احسان ہوگا۔

کیا اہل کتاب کیلئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری نہیں؟

(از، مولانا امین احسن اصلاحی)

اس دور کے بعض متجددین اور منکرین سنت نے اپنی تصانیف و تحریروں میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ از روئے قرآن اہل کتاب کی نجات کے لئے صرف یہ کافی ہے کہ وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہوئے اپنے صحیفوں اور اپنے نبیوں کی تعلیمات و ہدایات پر عمل کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اسی طرح قرآن اور دوسرے ایمانیات پر ایمان لانا ان کی نجات کے لئے شرط نہیں ــــ وہ اس کی دلیل میں سورہ بقرہ کی آیت ۶۲ (اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی ..... تا وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ٥) اور اس مضمون کی دوسری آیتیں پیش کرتے ہیں ــــ ان کا کہنا ہے کہ ان آیات میں یہود، نصاریٰ اور صابئین، ان سب کی نجات کے لئے صرف ایمان باللہ وبالیوم الآخر اور عمل صالح کو شرط قرار دیا گیا ہے اور صرف اس شرط کے پورا کر دینے پر ان کو "لاخوف علیهم ولا هم یحزنون" کی بشارت سنائی گئی ہے۔

ہمارے اس دور کے مشہور و ممتاز عالم قرآن مولانا امین احسن اصلاحی (جو دراصل مولانا فراہی مرحوم کے علم قرآن کے امین و ترجمان ہیں) وہ "تدبر قرآن"

کے نام سے جو تفسیر لکھ رہے ہیں، اس کا ذکر الفرقان کے صفحات میں پہلے بھی آچکا ہے ــــ ابھی حال میں اسکی پہلی جلد لاہور سے شائع ہوئی ہے جو بسم اللہ سورہ فاتحہ، سورہ بقرہ اور آل عمران کی تفسیر پر مشتمل ہے[1] ــــ اس میں مولانا موصوف نے سورہ بقرہ کی محولہ بالا آیت ۶۲ کی تفسیر کرتے ہوئے اس مسئلہ پر جو کلام کیا ہے، وہ ذیل میں درج کیا جا رہا ہے ــــ بلاشبہ یہ ہر اس شخص کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے کافی ہے جس کے قلب میں زیغ نہ ہو اور جو قبول حق کی صلاحیت سے محروم نہ کر دیا گیا ہو ــــ

مولانا نے پہلے اپنے طریقہ کے مطابق اس آیت کے ایک ایک لفظ ہادوا، النصاریٰ، الصابئین وغیرہ کی تشریح کی ہے اسکے بعد مستقل عنوان قائم کرکے یہ بحث کی ہے۔ جو ذیل میں درج کی جا رہی ہے۔ (ادارہ)

"اس زمانہ کے بعض متکلمین اور منکرین سنت اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ جو اہل کتاب اپنے اپنے صحیفوں کی تعلیمات پر نیک نیتی کے ساتھ عمل کر رہے ہیں، قرآن مجید ان کی نجات کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری نہیں ٹھہراتا، انکے خیال میں ایسے اہل کتاب کی نجات کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے اپنے صحیفوں اور نبیوں کی تعلیم پر نیک نیتی کے ساتھ عمل کریں، ان لوگوں نے اپنے اس خیال کی تائید میں جن چیزوں سے استدلال کیا ہے ان میں بقرہ کی یہ آیت بھی شامل ہے، اس وجہ سے ضروری ہے کہ ہم اس آیت کا سیاق و سباق اچھی طرح واضح کر دیں تاکہ جو لوگ قصداً غلط فہمی میں مبتلا

---

[1] یہ جلد الفرقان سے بڑے سائز ۲۲×۲۹ کے قریباً نو سو صفحات پر ہے، نہایت اعلیٰ کاغذ پر آفسٹ سے چھاپی گئی ہے چمڑہ کے پشتہ کی مضبوط اور نہایت حسین و جمیل جلد ہے۔ یہ کتاب ہمارے تفسیری کتبخانہ میں بہت ممتاز اضافہ ہے، جنکو قرآن فہمی کا شوق ہو وہ اسکا مطالعہ ضرور کریں۔ قیمت تیس روپے پاکستان میں ملنے کا پتہ۔ دارالاشاعت الاسلامیہ مرشد آباد کرشن نگر لاہور۔ ہندوستان میں کتب خانہ الفرقان سے طلب فرمائی جا سکتی ہے۔

نہیں ہوئے ان کی غلط فہمی دور ہو جائے۔

اس آیت کو اس خیال کی تائید میں پیش کرنے کی بنیاد یہ ہے کہ اس میں ان کے خیال میں مسلمان، یہود، نصاریٰ اور صابئین تمام قابل ذکر مذہبی گروہوں کا نام لے کر تصریح کے ساتھ یہ بات کہی گئی ہے کہ ان میں جو بھی اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور عمل صالح کرتا ہے اس کے لئے اس کے رب کے پاس اجر ہے، اس کو تو نہ کوئی خوف لاحق ہوگا اور نہ کوئی غم۔ ظاہر ہے کہ اگر اس آیت کا یہی مفہوم لیا جائے تو مذکورہ فرقوں کے لوگوں کے لئے نجات حاصل کرنے کے واسطے نہ تو رسول اللہ پر ایمان لانے کی ضرورت باقی رہتی ہے اور نہ اللہ اور آخرت کے سوا ان دوسرے اجزائے ایمان پر ایمان لانے کی ضرورت باقی رہتی جن پر ایمان لانا قرآن اور حدیث میں ضروری قرار دیا گیا ہے۔

لیکن اس آیت کا یہ مفہوم صرف اس صورت میں لیا جا سکتا ہے جب کہ سیاق و سباق اس بات پر دلیل ہو کہ یہ آیت اجزائے ایمان کی تفصیل کے لئے نازل ہوئی ہے، آیت کے موقع و محل پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سوال، جیسا کہ ہم اوپر بھی اشارہ کر چکے ہیں، یہ نہیں ہے کہ نجات کے لئے کن کن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے اور کن چیزوں پر ضروری نہیں ہے، بلکہ یہ ہے کہ خدا کے ہاں کسی کو کوئی درجہ یا مرتبہ کسی مخصوص خاندان یا فرقہ یا گروہ سے نسبت رکھنے کی بنا پر حاصل ہوتا ہے یا ایمان اور عمل صالح کی بنا پر؟ اس سوال کا جواب قرآن مجید نے یہ دیا ہے کہ یہ چیز صرف ایمان اور عمل صالح کی بنا پر حاصل ہوتی ہے یہ کسی خاص خاندان یا گروہ کا اجارہ نہیں ہے اور مقصود اس سے یہود کے سامنے اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ انبیاء کے خاندان سے نسبت رکھنے کے سبب سے اپنے آپ کو وہ ایک نجات یافتہ گروہ سمجھنے لگے ہیں تو یہ سراسر ان کی غلط فہمی ہے خدا سے نسبت حاصل کرنے کے لئے اصل چیز اللہ اور آخرت پر ایمان اور عمل صالح ہے۔

اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے لئے مندرجہ ذیل حقائق بھی پیش نظر رکھیے۔

ایک یہ کہ یہ آیت اس سورہ میں وارد ہے جس کا عمود ہی، جیسا کہ ہم شروع میں تفصیل کے ساتھ واضح کر چکے ہیں[1] رسول اللہ اور قرآن مجید پر ایمان لانے کی دعوت ہے،

[1] ملاحظہ ہو فصل ۱

اور یہ دعوت خاص طور پر یہود ہی کے سامنے پیش بھی اس سورہ میں کی گئی ہے چنانچہ تلمیحات اور اشارات سے قطع نظر خاص یہ سلسلہ کلام جس کے خاتمہ پر زیر بحث آیت وارد ہے اس طرح شروع ہوتا ہے۔

یٰبَنِیٓ اسرائیل اذکروا	اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو
نعمتی التی انعمت	جو کہ میں نے تم پر کی اور میرے عہد کو پورا
علیکم واوفوا بعھدی	کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا اور
اوف بعھدکم وایای	مجھ ہی سے ڈرو اور ایمان لاؤ اس چیز پر
فارھبون ۝ وآمنوا بما	جو میں نے اتاری ہے تصدیق کرتے ہوئے
انزلت مصدقاً لما معکم	اس چیز کی جو کہ تمہارے پاس ہے اور تم
ولا تکونوا اول کافر بہ	اس کے پہلے انکار کرنے والے نہ بنو اور
ولا تشتروا بآیاتی ثمناً	میری آیتوں کو حقیر قیمت پر نہ بیچو اور
قلیلا وایای فاتقون ۝	مجھ ہی سے تقویٰ اختیار کرو۔

(۴۰ - ۴۱ بقرہ)

اس آیت میں بنی اسرائیل کو صریح الفاظ میں مخاطب کرکے قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے اور اس کے انکار کو صریح الفاظ میں کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ غور کیجئے کہ قرآن پر ایمان رسول اللہ پر ایمان لائے بغیر کس طرح ممکن ہے اور پھر اس بات پر غور کیجئے کہ جب اس آیت میں قرآن اور رسول اللہ پر ایمان نہ لانے کو کفر قرار دیا گیا ہے تو اسی سلسلۂ کلام میں چند ہی آیتوں کے بعد اس مضمون کی آیت کس طرح آسکتی ہے کہ اہل کتاب کے لئے قرآن پر یا رسول پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے۔ اس کے بغیر بھی ان کی نجات ہو سکتی ہے یہ تو نہایت ہی بھونڈے قسم کا تضاد ہوگا جو کسی عام کتاب میں بھی سخت معیوب ہے، چہ جائیکہ قرآن حکیم میں۔

دوسری یہ کہ یہی آیت تھوڑے سے تغیر الفاظ کے ساتھ سورۂ مائدہ میں وارد ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَالَّذِیْنَ	بے شک جو ایمان لائے اور جو یہودی
ھَادُوا وَالصَّابِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰی	ہوئے اور صابئی اور نصاریٰ، جو بھی
مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ	ایمان لایا اللہ پر اور یوم آخرت پر

وعمل صالحاً فلا خوف	اور اس نے عمل صالح کیا تو نہ ان پر
علیہم ولا ھم یحزنون ۔	کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین
(۶۹ ۔ مائدہ)	ہوں گے۔

وہاں ٹھیک اسکے اوپر کی آیت یہ ہے :-

قل یا اھل الکتاب لستم	کہدو ، اے اہل کتاب تمھاری کوئی بنیاد
علیٰ شیئ حتیٰ تقیموا التوراۃ	نہیں ہے جب تک تم تورات وانجیل
والانجیل وما انزل الیکم	کو قائم نہ کرو ، اور اس چیز کو قائم نہ کرو
من ربکم ولیزیدن	جو تمھاری طرف تمھارے رب کی جانب
کثیرا منھم ما انزل	سے اتاری گئی ہے اور ان میں سے
الیک من ربک طغیانا	بہتوں کے اندر وہ چیز جو تیری طرف
وکفرا فلا تاس علی	تیرے رب کی جانب سے اتاری گئی
القوم الکافرین ۔	ہے سرکشی اور کفر کو بڑھاتی ہے تو تم اس
(۶۸ ۔ مائدہ)	کافر قوم کے حال پر غم نہ کرو۔

یہاں ظاہر ہے کہ ما انزل الیکم من ربکم سے مراد قرآن مجید ہی جس کے تورات اور انجیل کے ساتھ قائم کرنے کا ان سے مطالبہ کیا گیا ہے اور جس کو قائم کئے بغیر ان کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے کہ سرے سے خدا کے نزدیک ان کی کوئی بنیاد ہی نہیں ہے، چہ جائیکہ وہ اپنے آپ کو خدا کی محبوب اور چہیتی قوم سمجھیں۔ یہاں تورات وانجیل کو قائم کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ قرآن اور پیغمبر آخرالزماں پر ایمان لاؤ، کیونکہ ان پر ایمان لانے ہی سے وہ عہد پورا ہوگا جو ان صحیفوں میں پیغمبر آخرالزماں کے بارے میں تم سے لیا گیا تھا۔

اس مضمون کی مزید وضاحت اس کی اوپر کی آیتوں سے بھی ہو رہی ہے، ارشاد ہوا ہے۔

ولو ان اھل الکتب آمنوا	اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور تقوی
واتقوا لکفرنا عنھم سیاتھم	اختیار کرتے تو ہم ان سے جھاڑ دیتے

وَلَاُدْخِلْنٰھُمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ وَلَوْ اَنَّھُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْھِمْ مِّنْ رَّبِّھِمْ لَاَکَلُوْا مِنْ فَوْقِھِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِھِمْ ؕ مِنْھُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَکَثِیْرٌ مِّنْھُمْ سَآءَ مَا یَعْمَلُوْنَ ۔ یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ۔ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ۔	ان کے گناہ اور ان کو نعمت کے باغوں میں داخل کرتے اور اگر وہ توراۃ اور انجیل کو قائم کرتے اور اس چیز کو قائم کرتے جو ان کے رب کی جانب سے انکی طرف اتاری گئی تو وہ اوپر اور نیچے ہر طرف سے خدا کا فضل پاتے، ان میں سے ایک جماعت میانہ رَو ہے لیکن ان میں زیادہ ایسے ہیں جن کے عمل نہایت بُرے ہیں، اے رسول جو چیز تم پر تمہارے رب کی جانب سے اتاری گئی ہے اس کو اچھی طرح پہنچا دو، اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو گویا خدا کا پیغام نہیں پہونچایا اور اللہ تمھیں لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا، اللہ کافروں کو راہ یاب نہیں کرتا۔

(۶۵ ۔ ۶۷، مائدہ)

اس آیت میں بھی توراۃ و انجیل کے قائم کرنے سے مراد درحقیقت قرآن (مَآ اُنْزِلَ اِلَیْھِمْ مِّنْ رَّبِّھِمْ) پر ایمان لانا اور اس کو قائم کرنا ہے کیونکہ اس پر ایمان لانے ہی سے اس عہد کی تکمیل ہوتی تھی جو ان سے آخری پیغمبر کے بارے میں توراۃ و انجیل میں لیا گیا تھا۔ ساتھ ہی اس میں یہود و نصاریٰ کو یہ اطمینان بھی دلایا گیا ہو کہ انھیں اس بات کا اندیشہ نہیں ہونا چاہیئے کہ اگر وہ قرآن پر ایمان لائے تو ان تمام دنیوی فوائد و منافع سے وہ محروم ہو جائیں گے جن سے اس وقت وہ متمتع ہو رہے ہیں۔ اگر وہ اللہ سے باندھے ہوئے عہد کو پورا کرنے کے لئے اپنے موجودہ مفادات سے دست کش ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے لئے اپنی رحمتوں اور برکتوں کے دروازے بہت سے

دروازے کھول دے گا۔

تیسری یہ کہ قرآن مجید میں اس بات کی تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اہل کتاب میں سے خدا کی رحمت میں سے وہی اہل کتاب حصہ پائیں گے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے۔ چنانچہ جب موسیٰ علیہ السّلام نے اپنی اُمّت کے لئے رحمت کی دعا کی ہے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ رحمت ان لوگوں کے لئے خاص ہو گی جو تقویٰ اختیار کریں گے۔ زکوٰۃ دیتے رہیں گے اور ہماری آیتوں پر ایمان لائیں گے اور ان میں سے جن کو پیغمبر آخر الزماں کی بعثت نصیب ہوگی وہ ان پر بھی ایمان لائیں گے، سورۂ اعراف میں ارشاد ہے:۔

وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ قَالَ عَذَابِي أُصِيبُ بِهٖ مَنْ أَشَاءُ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ۝

اور ہمارے لئے اس دنیا میں اور آخرت میں بھلائی لکھدے ہم نے تیری طرف رجوع کیا، فرمایا، میں اپنا عذاب جس پر چاہتا ہوں نازل کرتا ہوں اور میری رحمت ہر چیز کو عام ہے۔ سو میں اس کو لکھ رکھوں گا ان لوگوں کے لئے جو تقویٰ اختیار کرینگے اور زکوٰۃ دیتے رہیں گے اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لائیں گے۔

اَلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهٗ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ

یعنی جو اس رسول نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جس کو لکھا ہوا پاتے ہیں اپنے ہاں توراۃ وانجیل میں، جو ان کو حکم دیتا ہے نیکی کا اور روکتا ہو برائی سے اور حلال ٹھہراتا ہے ان کے لئے پاکیزہ چیزیں اور حرام ٹھہراتا ہے ناپاک چیزیں

الْخَبٰئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ
وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ
فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ
وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ
الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

اور ان سے دور کرتا ہے وہ بوجھ اور
پھندے جو ان پر تھے پس جو اس پر ایمان
لائے اور جنھوں نے اس کی تائید
اور مدد کی اور اس نور کی پیروی کی
جو اسکے ساتھ اتارا گیا ہے، وہی لوگ
فلاح پانے والے ہیں۔

(۱۵۵-۱۵۶ اعراف)

چوتھی یہ کہ قرآن مجید میں اس بات کی بھی تصریح ہے کہ آنحضرتؐ کی بعثت تمام دنیا کے لوگوں کے لئے ہوئی ہے اور آپ نے تمام خلق کو عموماً اور اہل کتاب کو خصوصاً اپنی نبوت پر ایمان لانے کی نہایت غیر مبہم الفاظ میں دعوت بھی دی ہے، چنانچہ اہل کتاب کو خاص طور پر مخاطب کرکے آپ نے ان الفاظ میں دعوت دی ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ
رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا
الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ
وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ
يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ
وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ

(اعراف ۱۵۸)

کہہ دو، اے لوگو میں تم سب کی طرف
اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں، اس اللہ
کا جس کے لئے ہی ہے آسمانوں اور
زمین کی بادشاہی۔ نہیں ہے کوئی معبود
مگر وہ، وہی زندہ کرتا ہے وہی مارتا ہے
پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اسکے رسول نبی امی
پر جو ایمان لاتا ہے اللہ اور اسکے کلمات پر اور
اسکی پیروی کرو تاکہ تم راہ یاب ہو۔

اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نجات کے لئے جس طرح دوسروں کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح اہل کتاب کے لئے بھی ضروری ہے بلکہ قرآن کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب کے لئے دوسروں کے بالمقابل زیادہ ضروری ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ان کے صحیفوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں اور علامتیں موجود تھیں۔

اور ان سے ان کے نبیوں کے واسطے سے عہد لیا جا چکا تھا کہ جب آخری نبیؐ کی بعثت ہوگی تو وہ اس پر ایمان لائیں گے اور سب سے آگے بڑھ کر اسکی مدد کریں گے چنانچہ اسی بنیاد پر قرآن نے ان کو مخاطب کرکے یہ کہا ہے کہ تمہارا فرض منصبی اس دعوت کو قبول کرنے میں سبقت کرنا ہے تم اسکی تکذیب میں سبقت کرنے والے نہ بنو۔

یہاں یہ حقیقت بھی واضح رہے کہ اس معاملہ میں قرآن مجید نے اچھے اہل کتاب اور برے اہل کتاب میں کوئی فرق نہیں کیا ہے، جہاں تک نجات کا تعلق ہو دونوں ہی قسم کے اہل کتاب کے نجات کے لئے آنحضرتؐ اور قرآن مجید پر ایمان لانا ضروری ہے اگر اہل کتاب کے صالح لوگوں کی قرآن نے جگہ جگہ تعریف کی ہے تو اسکے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ ان کی یہ نیکی ان کی نجات کے لئے کافی تھی، بلکہ اسکی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کا رویہ انکی حق پسندی کے سبب سے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اچھا تھا اور اس قسم کے سارے لوگ آہستہ آہستہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ دوسرے آسمانی مذاہب اور آسمانی صحیفوں کے بارے میں قرآن مجید کا یہ موقف ضرور ہو کہ وہ انکے آسمانی ہونے کی تصدیق کرتا ہے لیکن اس تصدیق کے بھی یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ وہ انکو محفوظ مانتا ہے اور اگر انکے پیرو نیک نیتی کے ساتھ انکی پیروی کرتے رہیں تو یہ چیز انکی نجات کیلئے کافی ہو جائے گی، بلکہ وہ انکے آسمانی ہونے کی تصدیق کے ساتھ بالکل غیر مبہم الفاظ میں یہ بات بھی کہتا ہے کہ ان صحیفوں میں بہت سی تحریفیں ہو چکی ہیں جن کے سبب سے یہ قابل اعتماد نہیں رہے اب خدا کی دین کا محفوظ صحیفہ صرف قرآن ہو اسکے سوا صراط مستقیم پانے کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔

آنحضرتؐ کی بعثت کے بعد دنیا کے لئے صراط مستقیم پانے اور نجات حاصل کرنے کا واحد ذریعہ اگر کوئی ہو تو یہی ہے کہ آنحضرتؐ پر ایمان لایا جائے اور آپ کی پیروی کیجائے، اسکے سوا نجات حاصل کرنے کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے اس کلیہ میں اگر کسی استثنا کی گنجائش نکلتی ہو تو صرف ان لوگوں کے لئے نکلتی ہے جن کو آنحضرتؐ کی دعوت سرے سے پہنچی ہی نہ ہو لیکن اس معاملہ کا فیصلہ ہم اور آپ نہیں کر سکتے بلکہ وہ عالم الغیب ہی کر سکتا ہو جو سب کے حالات اور ہر ایک کے ظاہر و باطن سے اچھی طرح واقف ہو، وہی جانتا ہے کہ کون لوگ مستحق ہیں کہ ان کو

حق کو ڈھونڈھنے کے لئے اپنی ذمہ داریاں ادا کیں لیکن دعوت نہ پہونچنے کے سبب وہ حق کو پانے سے محروم رہے امید ہو کہ ایسے لوگوں کے عذر کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور ان سے انکے علم ہی کی حد تک مواخذہ فرمائے۔

مسلمانوں کے لئے ایک خاص تنبیہ

آیت زیر بحث میں مسلمانوں کے لئے ایک خاص تنبیہ بھی ہو جس کی طرف یہاں توجہ دلا دینا ضروری ہو۔ اس آیت میں "إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا" سے مراد مسلمان بحیثیت ایک گروہ اور ایک جماعت کے ہیں، انکے متعلق فرمایا خواہ مسلمان ہوں یا یہود و نصاریٰ یا صابئی کوئی بھی ہو اللہ کے ہاں بحیثیت ایک گروہ کے سب برابر ہیں، ان میں سے کسی کو بھی خدا کے یہاں کوئی شرف اور عزت حاصل نہیں ہو مگر ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ سے صرف ایمان اور عمل صالح ہی ہے جو خدا کے ہاں تقرب اور عزت کا وسیلہ بن سکتا ہو۔ اس فہرست میں سر فہرست مسلمانوں کو رکھا ہو جس سے اس حقیقت کا اظہار مقصود ہو کہ اگر بحیثیت ایک گروہ کے خدا کے ہاں کسی عزت کی توقع کر سکتے تھے تو مسلمان کر سکتے تھے جنکو خدا نے دنیا کی اصلاح کے لئے آخری ملت اور خیر امت کی حیثیت سے مبعوث فرمایا ہے، لیکن ایمان اور عمل صالح سے الگ ہو کر انکے لئے بھی خدا کے ہاں کوئی مقام نہیں ہو۔ پھر آخر میں صابئین کا ذکر کیا ہو جن کی حیثیت ایک غیر معروف فرقہ کی تھی۔ یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہو کہ خواہ کوئی گروہ کتنا ہی گمنام اور بے حیثیت ہو لیکن اگر اسکے پاس ایمان اور عمل صالح کی دولت موجود ہو تو اس کو اللہ کے ہاں اونچا سے اونچا مقام حاصل کرنے سے کوئی روک نہیں سکتا۔

جس طرح یہود نے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نسبت رکھنے کے سبب سے اپنے آپ کو خدا کی ایک محبوب قوم سمجھ رکھا تھا اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کر ایمان اور عمل صالح کی ذمہ داریوں سے بے نیاز ہو گئے تھے اور سمجھنے لگے تھے کہ دوزخ کی آگ صرف دوسروں ہی کے لئے ہے ان کے لئے نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو صرف عارضی طور پر، اسی طرح مسلمان بھی امت مرحومہ میں ہونے کا یہ مطلب سمجھنے لگے ہیں کہ ان کے لئے تو بہر حال خدا کے ہاں معافی ہے خواہ ان کے اعمال کچھ بھی ہوں۔ یہ آیت اس قسم کے تمام توہمات کی جڑ کاٹتی ہے اور مسلمانوں کو تنبیہ کرتی ہے کہ خدا کے ہاں ایمان اور عمل صالح کی کسوٹی پر سب سے پہلے جو پرکھے جائیں گے ان میں مسلمان سر فہرست ہیں۔

عید کا پیغام

(از: مولانا محمد منظور نعمانی)

[امسال عید الفطر کے موقع پر حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی نے ندوۃ العلماء کی مسجد میں نماز عید کے بعد جو تقریر فرمائی تھی، ذیل میں پیش کی جا رہی ہے۔ امید ہے ناظرین اس میں خاص افادیت محسوس کریں گے۔]

میرے محترم بھائیو، بزرگو اور دوستو!

ہم اور آپ سب آج اس حال میں ہیں کہ ہم میں سے غالباً سب نے غسل کیا ہے ہم میں سے بہت کم وہ بھائی ہوں گے جو نیا کپڑا پہن کر نہ آئے ہوں، وہ بھی اپنے حالات کے مطابق آج اچھے کپڑے پہن کر ضرور آئے ہیں اور اگر اللہ نے نصیب کیا ہے تو انھوں نے خوشبو بھی استعمال کی ہے۔ ان تیاریوں کے بعد ہم اللہ کے اس گھر میں آئے ہیں اور یہاں آ کر اللہ کے حضور میں ہم نے دو رکعتیں پڑھی ہیں اُس طریقہ پر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بتلایا تھا۔

ہم اور آپ اس موقع پر یاد کریں، اِس وقت بھی یاد نہ کریں گے تو کب یاد کریں گے کہ ایک وقت وہ ہو گا جبکہ ہم اس دنیا میں آخری مرتبہ نہائیں گے، نہائیں گے نہیں بلکہ نہلائے جائیں گے۔ آج ہم نے نئے کپڑے پہنے ہیں، اُس دن ہمیں نئے کپڑے پہنائے جائیں گے، آج ہم نے خوشبو لگائی ہے، اُس دن ہمارے اُس آخری لباس پر خوشبو لگائی جائے گی۔ آج ہم نماز پڑھنے گھر سے نکل کر آئے ہیں، اُس دن ہم کو لوگ گھر سے لیکر جائیں گے اور بجائے اسکے کہ ہم نماز پڑھیں ہماری نماز پڑھی جائے گی۔ اسکے بعد ہم اس راستے پر پہونچا دیئے جائیں گے جو اللہ تعالےٰ کی بارگاہ تک جائے گا گویا قبر اُس راستے کی پہلی منزل ہے۔

۔ میرے بھائیو اور عزیزو، اگر اوراوقات میں یہ بات یاد نہیں آتی تو آج کے دن اس وقت تو ضرور یاد آنی چاہیئے کہ اس دن اور اسکے آگے کیا ہوگا؟

یہاں تک کی منزلیں تو وہ ہیں جو ہماری آپ کی جانی پہچانی ہیں، ہم نے اللہ کے بندوں کو، اپنے سے بڑوں کو اور چھوٹوں کو، اپنے سے کم عمر والوں کو، بچوں کو، جوانوں کو، بوڑھوں کو اس دنیا سے جاتے ہوئے دیکھا ہے اپنے ہاتھوں سے غسل دیا ہے اور غسل دیتے ہوئے دیکھا ہے، کفن پہنایا ہے اور کفن پہناتے ہوئے دیکھا ہے، انکی نماز جنازہ پڑھی ہے اور پڑھی جاتی ہوئی دیکھی ہے ــــ اسی طرح اللہ کے بندوں کو چھوٹوں کو، بڑوں کو، اپنے بھائیوں کو، بزرگوں اور عزیزوں کو قبر میں اتارا ہے اور اتارتا ہوا دیکھا ہے۔

تو میرے بھائیو! یہاں تک کی منزلیں وہ ہیں جو میری اور آپ کی سب کی کچھ دیکھی بھالی ہیں اور ہم میں سے ہر ایک جانتا ہے۔ اگر ہماری موت طبعی ہوئی، یعنی دریا میں ڈوب جانے جیسی کوئی غیر معمولی بات پیش نہ آئی تو بلا شبہ ان منزلوں سے مجھے اور آپ کو سب کو گذرنا ہے، بہر حال اس میں تو نہ آپ کو شک ہے اور نہ مجھے شک ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو ان منزلوں سے گذرنا ہے اور یقیناً ایک دن وہ آئے گا کہ ہمارا آخری غسل ہوگا اور آخری لباس پہنایا جائے گا، اسکے بعد آخری نماز ہوگی جو ہم پر پڑھی جائے گی۔ اور اسکے بعد اس راستہ پر پہونچا دیا جائے گا جس راستہ کی پہلی منزل قبر ہے ــــ پھر اسکے آگے کیا ہوگا؟ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں نے ان آنکھوں سے نہیں دیکھا، لیکن اللہ گواہ ہے کہ یہ اتنی یقینی بات ہے جتنی یہ سب کچھ یقینی ہے جو کچھ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا اور فرمایا حضور نے جو کچھ بتایا اگرچہ میں نے نہیں دیکھا لیکن حضور نے جو بتایا وہ میرے دیکھے ہوئے سے زیادہ یقینی ہے آپنے فرمایا۔ "القبرُ إمّا روضۃ من ریاض الجنۃ وَ إمّا حُفرۃ من حُفَرِ النّار"

اللہ کے بندو! تمھیں اندر کی خبر نہیں قبر کے نیچے پہونچنے کے بعد پھر کیا ہوتا ہے فرمایا دو حالتوں میں سے ایک حال ہے کوئی تیسرا بیچ کا نہیں۔ "إمّا روضۃ من ریاض الجنۃ"

اگر بندہ تیاری کرکے گیا ہے اور وہ مستحق ہے اپنے اعمال کی وجہ سے اپنے اخلاق کی وجہ سے رحمت خداوندی کا، تو وہ اسکے لئے جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے وہ ایک درجہ کی جنت میں پہونچ چکا اسکے لئے وہاں " فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّةُ نَعِيمٍ " اس کے لئے وہ سب کچھ ہے جو بندہ چاہتا ہے۔ اور اس کا سلسلہ یہیں سے شروع ہے، اور اسی طرح فرمایا کہ اگر یہ بات نہیں ہے اور بندہ وہ کمائی کرکے نہیں لے گیا جو قبر کو اسکے لئے جنت بنائے اور راحت کدہ بنائے اگر وہ سامان کرکے نہیں لے گیا جو یہاں کرنا چاہیئے تو آپنے فرمایا " وإما حفرة من حفر النار " پھر وہ اللہ کی پناہ دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

ایک دفعہ رسول اللہ صلعم کا گذر بعض قبروں پرسے ہوا آپ جس خچری پر سوار تھے وہ غیر معمولی طور پر بھڑک گئی جس طرح کہ گھوڑے وغیرہ کسی ڈراؤنی چیز کو دیکھ کر بھڑک جاتے ہیں اور اسکی عجیب کیفیت ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر گئے اور ساتھیوں سے فرمایا کہ تحقیق کرو یہ قبریں کس کی ہیں اور اسکے بعد فرمایا کہ یہاں بعض قبروں پر عذاب ہورہا ہے فرمایا کہ اللہ کی حکمت ہے کہ اس کو انسانوں سے مخفی رکھا گیا، اور حق یہ ہے کہ اگر انسانوں سے مخفی نہ رکھا جائے تو ایک قبر کے عذاب کو دیکھ کر زندگی حرام ہوجائے، انسان زندہ رہنے کے قابل نہ رہے خود حضور نے فرمایا کہ جو کچھ اللہ مجھے دکھاتا ہے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ حقیقتیں منکشف کی جاتی تھیں جو ہمارے اور آپکے لئے غیب ہیں، ہمیں نہیں دکھائی جاتیں، ہم انھیں سہار نہیں سکتے، حضور کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ کی سیر کرائی کہ مشاہدہ کے بعد اللہ تعالیٰ کے بندوں کو بتا سکیں اسی طرح بہت سی حقیقتیں حضور پر منکشف کی گئیں) تو آپنے فرمایا کہ اللہ کے بندو! جو کچھ اللہ تعالیٰ کبھی مجھے دکھا دیتا ہے اگر تمھیں دکھا دیا جائے تو تم گریبان پھاڑتے ہوئے اور اپنے کپڑوں کو تار تار کرتے ہوئے جنگلوں میں نکل جاؤ تمھیں بستروں پر آرام نصیب نہ ہو، بیویوں سے بھی خوش طبعی کی بات نہ کرسکو۔ تو حق یہ ہے کہ جو کچھ قبروں میں ہورہا ہے وہ ہم سے مخفی ہے لیکن جو کچھ حضور نے فرمایا وہ برحق ہے۔

دوستو! میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اللہ کے بندو! اے میرے بھائیو! اپنے نفس سے سب سے پہلے کہتا ہوں ——— اگر روز یاد نہیں آتا تو آج ضرور اس کا خیال کرو کہ آج میں نے غسل کیا تھا ایک دن مجھے غسل کرایا جائے گا آج میں نے کپڑے پہنے ہیں ایک دن مجھے کپڑے پہنائے جائیں گے آج میں یہاں تک آیا ہوں ایک دن میں قبر تک پہونچایا جاؤں گا اور قبر میں پھر کیا ہوگا میں نے بتایا کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ برحق ہے اور ہمارا ایمان ہے، اسکے لئے سوچو ......

...... کہ اسکے لئے کیا تیاری کی ہے، یہی وقت ہے سوچنے کا، اسکے بعد وقت نہیں' قرآن پاک نے پکار کر کہا یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَّاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو مرنے کے بعد کی فکر کرو اور کل کے لئے جو کچھ تیاری کی ہے اس پر غور کرو اور سوچو فرمایا حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا۔ اللہ کے بندو اپنا حساب اس وقت سے پہلے کرلو جب کہ تمھیں حساب کیلئے پیش کیا جائے، حساب والی پیشی سے پہلے اپنا حساب خود کرلو حَاسِبُوْا قبل ان تحاسبوا۔

یہ جو میں عرض کر رہا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا حکم تھا کہ اللہ کے بندوں کو یاد دلائیے' ہم اس دنیا میں رہ کر، حالانکہ حقیقت بالکل کھلی ہوئی ہے روز مرنے والوں کو مرتا ہوا دیکھتے ہیں' دوزجانے والوں کو جاتا ہوا دیکھتے ہیں اسکے بعد بھی، عادی ہیں اس بات کے کہ غفلت رہتی ہے۔ حضورؐ کو حکم ہے وَاَنْذِرْھُمْ یَوْمَ الْاٰزِفَةِ ...... اے پیغمبر انھیں قیامت کے دن سے ڈراؤ، ان میں فکر پیدا کرو، اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَی الْحَنَاجِرِ کَاظِمِیْنَ، جب کہ حال یہ ہوگا کہ کلیجے منھ کو آئیں گے کاظمین جب انسان کو ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو وہ پیچ کو کھینچتا ہے دباتا ہے مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ۔ فرمایا جو ظلم کرتے ہیں اپنے نفسوں پر جنھوں نے اللہ کو ناراض کرلے گا بھرپور سامان کیا ہے' ان کے لئے وہاں کوئی دوست نہ ہوگا نہ کوئی سفارشی جو انکے حق میں شفاعت کیلئے زبان کھول سکے اور اسکی سنی جائے۔

یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور ..... اللہ خوب جانتا ہے آنکھوں
کی چوریوں کو بھی آدمی اپنے پاس والے سے آنکھ بچا جا سکتا ہے لیکن اللہ سے نہیں
بچا سکتا جو کچھ میرے دل میں ہے میری بیوی نہیں جانتی، میرا بیٹا نہیں جانتا، میرا قریب
سے قریب دوست نہیں جانتا، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے بھی واقف ہے اس دن
کو یاد کرو، یوم تبلی السرائر۔ جبکہ سارے راز کھل جائیں گے وہ باتیں جو کہ ہم نے
رات کی تاریکی میں یہ سمجھ کر کیں کہ کوئی دوسرا واقف نہ ہو سکے گا، میرے بیٹے کو پتہ
نہیں چلے گا، میری بیوی کو پتہ نہیں چلے گا، لیکن اللہ سب کچھ جانتا ہے' زبان پر
مہر لگا دی جائے گی اور اسے بولنے کی اجازت نہ ہوگی، بلکہ ہاتھ بولے گا کہ مجھے اس کام
کے لئے استعمال کیا گیا، پاؤں بتائے گا کہ مجھ سے یہ کام لیا گیا، آنکھ گواہی دے گی
کہ مجھے اس گندے کام کے لئے استعمال کیا گیا تھا اور لب گواہی دینگے کہ مجھ سے یہ
خبیث کام لیا گیا تھا اور حقیقت ہے انکی گواہی برحق ہوگی اور سامنے ہوگی۔ قرآن شریف
میں ارشاد ہے ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید۔ جو کچھ ہم کہتے
ہیں وہ اللہ کے یہاں درج ہوتا رہتا ہے' پرانے زمانے میں اس کا سمجھنا مشکل تھا اور
سمجھا جاتا تھا کہ ادہر ہم نے بولا اور ادہر فرشتہ نے لکھا، لیکن اس زمانے میں مثال
سامنے آگئی ہے کہ جو کچھ میں بول رہا ہوں وہ ریکارڈ کر لیا جاتا ہے اور بعد میں میرے
ہی الفاظ ہو بہو اس طرح وہ مشین سناتی ہے کہ میں اسکے کسی لفظ سے منحرف نہیں ہو سکتا
اور کوئی تاویل نہیں کر سکتا نیز لب ولہجہ بھی وہ مشین بتائے گی۔ اسی طرح میرے ہاتھ
بتائیں گے کہ میں نے یہ کام کیا اور پاؤں بھی بتائیں گے اور میں منحرف نہیں ہو سکوں گا
اور نہ تاویل کر سکوں گا، ہو سکتا ہو کہ میری حرکات بالکل اصلی شکل میں میرے سامنے
ہوں اور میرے سامنے بالکل وہی منظر پیش کیا جائے تو اس دن میری کیا حالت ہوگی
جبکہ میری سیہ کاریاں میرے بھائی کے سامنے ہوں گی، میرے بیٹے کے سامنے
ہوں گی، میرے بڑوں کے سامنے ہوں گی، میرے مریدوں کے سامنے ہوں گی،
میرے تمام مقتدیوں کے سامنے ہونگی، ذرا سوچو کہ اس دن کیلئے تم نے میرے لئے کیا تیاری کی ہے؟

اگر اوراوقات میں نہیں سوچتے تو آج سوچو اگر اللہ توفیق دے تو آج کے دن دیکھا جائے، آج کے دن غور کیا جائے۔ یاد ہوگا کہ رسول اللہ کو جب اللہ تعالےٰ نے پیغمبری عطا فرمائی تو سب سے پہلا کام یہ کیا کہ آپ کوہ صفا پر چڑھے اور آپ نے ایک خاص قسم کی ندا کی، ایسی خاص ندا کہ جسے اس زمانے میں سن کر لوگ جمع ہو جاتے تھے، چنانچہ مکہ کے اکابر اور سرداران قریش جمع ہو گئے تو آپ نے ان سے سب سے پہلی بات کیا کہی تھی۔ ایک بات کہی کہ اے اللہ کے بندو! میں اس وقت یہاں اس پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہوا ہوں۔ اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک فوج آچکی ہے جو تم پر حملہ آور ہونے والی ہے تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو، تم پہاڑ کے دامن میں کھڑے ہو اور میں پہاڑ کے اوپر ہوں میری نگاہ اُدھر ہے تو تم میری بات مانو گے؟ اس مجمع نے کہا کہ بے شک ہم تسلیم کریں گے اور اس کو صحیح بات سمجھیں گے "مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ كَذِبًا" اس لئے کہ ہم نے کبھی تجربہ نہیں کیا کہ آپ نے کوئی غلط بات کہی ہو، اسکے بعد آپ نے جو بات فرمائی وہ یہ تھی کہ اللہ کے بندو! جس طرح یہ ایک حقیقت ہے میں اسی طرح تمھیں خبردار کرتا ہوں کہ مجھے اللہ نے بتایا ہے کہ سب انسانوں کو مرنے کے بعد اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے اور وہاں جزا اور سزا ہے، تو پہلی بات جو رسول اللہ نے فرمائی وہ یہ تھی میں کہتا ہوں آج ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دینے والے اس حقیقت سے غافل ہو گئے، کتنے میرے بھائی ہیں کہ انھیں ہفتہ بھر میں ایک مرتبہ بھی موت یاد نہیں آتی، کتنے میرے بھائی ہیں کہ انھیں مہینے گذر جاتے ہیں، حالانکہ یہ تو وہ چیز تھی جس سے ایک لمحہ کے لئے بھی آدمی غافل نہ ہو، قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا تھا " يَا ايها الذين امنو اتَّقُوا اللّٰهَ " اور یہ فرمایا گیا " يَا اَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ واخشوا يوماً لايجزى والد عن ولده الخ " فرمایا گیا تھا " يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِيهِ الخ " ہر ایک کو اپنی فکر ہوگی۔ ہر ایک اس وقت دوسرے کو بھول جائے گا، بلکہ اس سے بھاگے گا اپنی فکر کی آخری حد ہے کہ اللہ کے خلیل ابراہیم علیہ السلام سارے پیغمبروں میں حضور کے بعد ان کا مرتبہ ہے لیکن انکے متعلق ہے کہ وہ عرش کا پایہ تھام کے عرض کریں گے نفسی نفسی اسئلک غیرها

ان کا حال اس دن یہ ہوگا کہ عرش الٰہی کا پایہ ہاتھ میں ہوگا اور کہیں گے کہ میں اپنے نفس کی نجات کے علاوہ اس وقت تجھ سے کچھ عرض نہیں کرتا بس میری نجات کا فیصلہ فرمادے اور میری بخشش کردے، اس جلال و قہر کے وقت ابراہیم علیہ السلام جیسے خلیل کا حال یہ ہوگا کہ کہیں گے رب نفسی لا اسالك غیرھا — اے میرے بھائی اگر نہیں سوچا ہے تو اب سوچو اور سوچنے کے بعد طے کرو یہ بےفکری کی چیز نہیں رسول اللہ نے فرمایا اور ساتھ ساتھ راستہ بھی بتایا کہ مسئلہ کس طرح حل ہوگا ہم گنہگاروں کے لئے راستہ کیا ہے۔

جو دن گذر چکے، جو وقت گذر چکا اسکے لئے راستہ یہ ہے کہ سچے دل سے اللہ سے استغفار ہو کہ اے اللہ ہم گنہگار رہے ہمیں معاف فرمادے رسول اللہؐ نے فرمایا کہ بندہ جب سچے دل سے استغفار کرے اور ارادہ کرے کہ آئندہ اپنے کو سنبھالوں گا تو اللہ تعالیٰ رحیم ہیں کریم ہیں معاف فرمادیں گے۔ اور آگے کے لئے راستہ یہ ہے کہ بندہ سچے دل سے ارادہ کرلے کہ اپنی حالت بہتر بناؤں گا، بھائی میں یہ نہیں کہوں گا اور نہ میں خود اس حال میں ہوں اور نہ آپ سے امید کرتا ہوں کہ ہم معصوم صفت ہو جائیں گے، لیکن اتنی بات تو بڑی آسان ہے میرے بھائی اللہ کے معاملے کا سارا انحصار اسی پر ہے کہ سچے دل سے بندہ یہ طے کرلے کہ اے اللہ میں تجھ سے غافل نہیں رہوں گا، بندہ یہ طے کرلے کہ کم سے کم فرائض جنھیں اللہ نے لازم قرار دیا میں ان کو نہیں چھوڑوں گا، موٹے موٹے محرمات اور منکرات جن پر اللہ کا غضب ہے، جن پر قرآن مجید میں وعید آئی ہے ان سے بچنے کی کوشش کروں گا، اور خدانخواستہ اگر لغزش ہو جائے، پھر گناہ سرزد ہو جائے، کوئی فرض چھوٹ جائے، خدانخواستہ کسی حرام میں مبتلا ہو جائے، تو پھر اللہ کیطرف رجوع کرے اور پھر معافی مانگے تو بخشش کی پوری امید ہے، اللہ کا سچا وعدہ ہے۔ اگر اس رحیم و کریم سے آدمی پھر بھی بخشش نہ طلب کرے تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی ذہن نے ان حقیقتوں کو قبول نہیں کیا ہے۔

آپ غور تو کریں اگر دنیا مداری سے جنت اور دوزخ کی ان باتوں کو ہم صحیح سمجھتے ہیں جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائیں تو ہم کیسے بےفکر رہ سکتے ہیں حضورؐ نے ارشاد فرمایا

دوزخ کے بارے میں کہ سب سے ہلکے درجے کا عذاب دوزخ میں جس شخص کو ہوگا جس سے نیچے درجے کا کوئی عذاب نہیں ہے، حضورؐ نے فرمایا وہ یہ ہوگا کہ اسکے تلوے کے نیچے آگ کا انگارہ ہوگا، اور اسکے اثر سے اس کا دماغ اس طرح کھولے گا جس طرح چولھے پر ہانڈی کھولتی ہے، اگر یہ بالکل حق ہے، اگر یہ افسانے نہیں ہیں، معاذ اللہ محض ڈھکوسلے نہیں ہیں، حضورؐ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ بالکل برحق ہے، قرآن مجید میں جو کچھ فرمایا گیا وہ برحق ہے، اور واقعی اس پر ایمان ہے تو بے فکری کی کوئی گنجائش نہیں ہے میں یہ کہتا ہوں، اپنے لئے بھی کہتا ہوں اتنا آج کام کرلیں، یہ عید کا دن ہے خوشی کا دن ہے، بڑا مبارک دن ہے، اگر آج کے دن ہم اتنا کام کرلیں کہ اللہ کو راضی کرلیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا از سر نو عہد کرلیں، اب تک جو گناہ ہوئے ہیں، یہ جو آپ کے سامنے کھڑا ہوا بول رہا ہے بڑا گنہگار بندہ ہے، خدا جانتا ہے بڑا سیہ کار بندہ ہے، وہ بھی اس کا محتاج ہے، اور آپ سے بھی عرض کرتا ہے بھائی اللہ ہی جانتا ہے ہمارے حالات کیا ہیں، اس وقت یہ کام کرکے اس عید کو عید بنا کے اٹھیں جو گناہ اب تک ہوئے ہیں ان کے لئے سچے دل سے معافی مانگیں، آئندہ کے لئے ارادہ کرلیں۔ میں اتنی بات آپ سے کہتا ہوں کہ اللہ کے یہاں حقیقی معنوں میں مومن مانے جانے کیلئے یہ شرط ہے کہ آدمی سچے دل سے یہ طے کرلے کہ میں کوشش کروں گا کہ اللہ کے احکام کی تابعداری ہو، اب اسکے بعد بھی اس سے غلطیاں اور لغزشیں ہوں گی جب لغزش یا غلطی ہو تو پھر اللہ کی طرف رجوع کرکے معافی چاہے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک بندہ ، دفعہ بلکہ ...... دفعہ بھی اگر اس سے غلطی ہو اور توبہ ٹوٹے تو سچے دل سے جب بھی وہ توبہ کرے گا تو اللہ تعالے معاف کرے گا۔ اللہ تعالیٰ بے شک رحیم ہیں مگر کسی کے دھوکہ میں وہ آنے والے نہیں، اگر بندہ ہزار دفعہ بھی واقعی توبہ اپنی غلطی سے توڑے اور اسکے بعد پھر ایک ہزار ایک دیں دفعہ اللہ کے حضور میں عرض کرے کہ اے اللہ مجھ سے غلطی ہوئی آپ معاف فرما دیجئے، اور میں آگے کے لئے توبہ اور احتیاط کرونگا تو اللہ تعالیٰ کسی منزل پر یہ نہیں کہے گا کہ اے بے حیا

تو اس قابل نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا رحم اور کرم ہے اس رحم و کرم سے فائدہ اٹھانے کے لئے بھائیو! اسکی ضرورت ہے کہ اپنی جگہ یہ طے کر لیا جائے کہ اللہ کو راضی کرنا ہے۔ اگر اب تک آپ نماز کے پابند نہیں ہیں تو کم سے کم اب سمجھیں کہ یہ شرط ایمان ہے نماز کی پابندی کا عہد کر کے اٹھیں جو چھوٹے موٹے گناہ ہیں ان سے بچنے کا عہد کر کے اٹھیں انشاء اللہ اگر اتنا کر لیا تو آگے کی کمی بیشی پوری ہوتی رہے گی۔

اللہ تعالیٰ کے یہاں حساب اعمال کا بھی ہوگا اخلاق کا بھی۔ جہاں نماز کی بات کہی ایک چیز اور بہت اہم ہے وہ یہ کہ اللہ کے بندوں کے بارے میں بہت محتاط رہیں۔ ایک موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز روزہ اور صدقہ کا ذکر کر کے فرمایا، بعض چیزیں وہ ہیں جو ان چیزوں سے بھی زیادہ اہم ہیں اس موقعہ پر آپ نے بندوں کے اور حقوق کے بارے میں بات فرمائی اور وجہ اسکی یہ ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ بندہ نماز روزہ وغیرہ یہاں سے سب لے کے جائے لیکن اللہ کے بندوں کی حق تلفیاں کی ہیں ان پر ظلم کیا ہو ان کی چیزیں غصب کی ہیں ان کو ستایا ہے ان کا دل دکھایا ہے اور ساری یہ چیزیں ساتھ لے کر گیا ہے تو ایسا بھی ہوگا قیامت میں کہ ایک شخص بہت نماز روزہ لے کر گیا تھا لیکن وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ اسکے اعمال نامہ میں اس طرح کے مظالم بھی ہیں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں انصاف ہوگا اور انصاف اس طرح کہ جن لوگوں کو اس نے ستایا تھا اور جن کی حق تلفی کی تھی جن کی غیبت کی تھی جن کو گالیاں دی تھیں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں انصاف یہ ہوگا کہ اس کی نماز اسکے روزے، اسکی عبادتیں اور اسکی کمائی میں سے وہاں کی مقرر کی ہوئی شرح کے مطابق ان کو دلوایا جائے، یہاں تک حضورؐ نے فرمایا ایسا بھی ہوگا کہ ایک شخص سب کچھ لیکے گیا تھا اور وہاں اسکے پاس ایک پائی بھی نہیں رہے گی سب ان لوگوں میں تقسیم ہو جائے گا جن کی کہ اس نے حق تلفی کی تھی۔

تو بھائی میں کہتا ہوں دین کے دو بازو ہیں ایک تو اللہ نے جو چیزیں ہمارے ذمہ کی ہیں ان کا اہتمام کرنا اللہ کے فرائض ادا کرنا اور اللہ کے بندوں کے جو حقوق مقرر کئے گئے ہیں ان کے بارے میں محتاط رہنا میرے بھائی اللہ تو بڑے کریم ہیں بڑے

رحیم ہیں بندوں کو چاہئے کہ ان کے رحم وکرم سے فائدہ اٹھائیں۔
میں ابھی کہہ چکا کہ آخرت کا حال تو یہ ہوگا کہ باپ بیٹے کے کام آنے سے انکار کر دے گا اور بیٹا باپ کے کام آنے سے انکار کر دے گا نفسی نفسی کا عالم ہوگا، میرے بھائی بس اتنی ہی بات عرض کرنی ہے کہ کم سے کم اتنی بات طے کر کے اٹھیں، نمبر۱ عہد کرتے ہیں کہ فرائض نہیں چھوڑیں گے نمبر۲ جو موٹے موٹے محرمات اور منکرات ہیں جن سے اللہ اور اسکے رسولؐ نے بیزاری ظاہر فرمائی ہے اور جن پر لعنت آئی ہے اور جن کے متعلق دوزخ کی صریح وعید ہے، ان سے بچیں گے، اللہ کے بندوں کے معاملے میں محتاط رہیں گے اور آئندہ جب کبھی اس میں کوتاہی اور غلطی ہوگی تو اللہ سے معافی اور اسکی تلافی کی کوشش کریں گے۔ اگر سچے دل سے ہم یہ عہد کر کے اٹھے تو اللہ کی طرف سے رحم وکرم کا معاملہ یقینی ہے اور پھر آج ہماری عید ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

ماء اللحم خاص

غذائیت سے بھرپور ایک اعلیٰ درجہ کا مرکب ہے۔
اس کے استعمال سے جسم میں نیا خون پیدا ہوتا ہے اور بھوک خوب لگتی ہے۔ آپ کے سارے نظامِ عضوی کو دوبارہ پھرتیلا بناتا ہے۔

دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

محدثین عظام کا عظیم کارنامہ

فن اسماء الرجال

(۵)

از، مولانا تقی الدین ندوی مظاہری
(استاذ حدیث دار العلوم فلاح دارین ترکیسر گجرات)

حدیث کے پرکھنے کے اصول و ضابطے

ائمہ محدثین نے اپنے وجدانی ذوق و ملکہ سے جو انھیں حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے دیا گیا تھا، حدیث کے متن واسناد دونوں کو پرکھنے اور جانچنے کے لئے ایسے اصول ضابطے مرتب کئے کہ مستشرقین یورپ اور ان کے تلامذہ وخوشہ چیں منکرین حدیث بھی انمیں کوتاہی کا الزام نہیں لگا سکتے۔

وضع حدیث کی وہ علامات جن کا تعلق متن حدیث سے ہے

محدثین کرام نے جس طرح راویوں کی صداقت و دیانت کو ایک لازمی امر قرار دیا ہے، اسی طرح چند ایسی علامتیں مقرر کی ہیں کہ اگر وہ یا ان میں سے کوئی ایک علامت پائی جائے تو حدیث قابل قبول نہ ہوگی، ان میں سے چند یہ ہیں:-

(۱) جو حدیث ایسے ہو کہ اسکے معنی کی رکاکت وقار نبوی کے خلاف ہو وہ قابل قبول نہیں۔

(۲) جو روایت قرآن یا حدیث متواتر یا اجماع قطعی کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں،

(۳) جو عقل سلیم کے خلاف ہو وہ قابل قبول نہیں۔

(۴) اگر کوئی تاریخی واقعہ صحیح اور متواتر ذرائع سے معلوم ہے، اور کوئی روایت اسکے خلاف ہو تو وہ روایت قابل قبول نہیں۔

(۵) اگر کوئی روایت مشاہدات کے خلاف ہو، تو وہ قابل قبول نہیں،

(۶) جس حدیث میں کسی معمولی نیکی پر حج و عمرہ اور ایسے ہی بڑے امور خیر کے برابر ثواب بتلایا گیا ہو، وہ صحیح نہیں،

(۷) جس روایت میں ایسا واقعہ بیان کیا گیا ہو، جو اگر وقوع میں آتا تو سیکڑوں آدمی اسکی روایت کرتے، مگر اسکے باوجود صرف ایک ہی راوی نے اسکی روایت کی، اس صورت میں اس راوی کی یہ روایت قابل قبول نہیں،

(۸) جو حدیث انبیاء علیہم السلام کے قول سے مشابہت نہ رکھتی ہو، وہ قابل قبول نہیں،

بہرحال وہ تمام روایتیں جن میں مذکورہ بالا علتوں میں سے کوئی ایک علت بھی پائی جاتی ہو وہ محدثین کے نزدیک غیر معتبر ہیں[۱]

وضع حدیث کی وہ علامات جن کا تعلق اسناد سے ہے

(۱) راوی کذاب ہو اور کذب میں مشہور ہو، اسکے علاوہ اور کوئی ثقہ راوی اسکو روایت نہ کر رہا ہو، (محدثین کرام نے کذابین اور انکی تاریخ معلوم کرنے کی پوری کوشش کی ہے، اور اس میں ایسا استقصاء کیا ہے کہ کوئی کذاب نہیں بچ سکا ہے)

(۲) واضع خود اپنے وضع کا اعتراف کرلے، جیسے ابو عصمہ، نوح بن ابی مریم نے فضائل سُوَر میں بہت سی احادیث کے وضع کا اقرار کیا ہے[۲] اور اسی طرح کی بہت سی دوسری مثالیں موجود ہیں۔

---

[۱] ماخوذ از فتح المغیث ص۱۲۱ و تدریب الراوی ص۹۹ طبع قدیم [۲] تدریب ص۱۰۳

(۳) راوی ایسے شیخ سے روایت کرے جس سے اس کی ملاقات ثابت نہ ہو، یا اس کی وفات کے بعد پیدا ہوا ہو، یا جس جگہ سماع کا دعویٰ کر رہا ہو، وہاں کبھی گیا ہی نہ ہو، جیسے مامون بن احمد ہروی نے دعویٰ کیا، کہ اس نے ہشام بن عمار سے سنا ہے، حافظ ابن حبان نے اس سے پوچھا کہ کب تم شام میں داخل ہوئے؟ تو اس نے کہا کہ ۲۵۰ھ میں، اس پر حافظ ابن حبان نے فرمایا، ہشام جس سے تم روایت کر رہے ہو، اس کا انتقال تو ۲۴۵ھ میں ہو چکا ہے[۱]،

اسی طرح عبداللہ بن اسحاق کرمانی نے محمد بن ابی یعقوب سے حدیث روایت کی، حافظ ابو علی نیشاپوری اسکے پاس آئے اور اس کا سن ولادت معلوم کیا، تو اس نے ۲۵۱ھ بتایا، حافظ ابو علی نے کہا کہ محمد بن یعقوب تو تمہاری ولادت کے نو سال پہلے وفات پا چکے تھے[۲]،

اسی طرح محمد بن حاتم کشی نے عبد بن حمید کے واسطے سے حدیث بیان کی، تو حاکم ابو عبداللہ نے کہا، کہ اس شیخ نے عبد بن حمید کی وفات کے تیرہ سال بعد اُس سے حدیث سنی ہے[۳]

(۴) کبھی وضع کا اندازہ راوی کے حال اور اسکے ذاتی رجحانات سے لگایا جاتا ہے، مثلاً حاکم نے سیف بن عمر تمیمی سے روایت نقل کی، کہ انھوں نے بیان کیا کہ، ہم لوگ سعد بن طریف کے پاس تھے، کہ اس کا لڑکا مکتب سے روتا ہوا آیا، تو سعد نے رونے کا سبب دریافت کیا، تو اس لڑکے نے بتایا کہ استاد نے مارا ہے، اس پر سعد نے کہا کہ آج میں ان لوگوں کو رسوا کروں گا، چنانچہ ایک حدیث بنا ڈالی، حدثنی عکرمۃ عن ابن عباس مرفوعاً معلموا صبیانکم شرارکم، اقلھم رحمۃ للیتیم واغلظھم علی المساکین[۴]،

یا مثلاً محمد بن حجاج نخعی جو ہریسہ بیچا کرتا تھا، اس نے ہریسہ کی فضیلت میں ایک حدیث بنا ڈالی[۵]

اسناد پر نقد کے اصول و ضابطے

محدثین کرام نے روایان حدیث کے نقد کے لئے بھی کچھ ایسے اصول اور ضابطے مقرر کئے ہیں جن سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کس راوی کی حدیث قابل قبول ہے اور کس کی قابل ترک،

---

[۱] میزان الاعتدال ج ۳ ص ۱۴۵ [۲] میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۲ [۳] میزان الاعتدال ج ۳ ص ۴۲ [۴] تدریب ص ۱۰۱ [۵] میزان ج ۳ ص ۴۰

اور کس کی حدیث لکھی جائے گی، اور کس کی چھوڑ دی جائے گی، ان متروکین کی اہم قسمیں حسب ذیل ہیں:۔

(۱) وہ لوگ جن کے متعلق ثابت ہو جائے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی بات منسوب کر کے بیان کرتے ہیں، اس پر اجماع ہے کہ ایسے لوگوں کی روایت نہیں لی جائے گی، اور یہ کذب علی النبیؐ اکبر الکبائر ہے، بلکہ علماء کی ایک جماعت نے ایسے شخص کی تکفیر کی ہے اور ایک دوسری جماعت نے اس کو واجب القتل قرار دیا ہے۔

نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ ایسا شخص اگر توبہ کرلے تو اسکی توبہ قابل قبول ہوگی یا نہیں؟ امام احمد بن حنبلؒ اور ابوبکر حمیدی جو امام بخاری کے شیخ ہیں، انکی رائے ہے کہ اسکی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، لیکن علامہ نووی اس کی توبہ اور اسکے بعد اسکی روایت کو بھی قابل قبول قرار دیتے ہیں، ابوالمظفر سمعانی کا مسلک ہو، کہ جو شخص ایک حدیث میں کاذب ثابت ہو جائے، اسکی اس سے پہلے کی بھی ساری مرویات ناقابل اعتبار ہو جاتی ہیں۔

(۲) جو لوگ عام بول چال میں راست گفتاری کے پابند نہ ہوں اور غلط بیانی سے پرہیز نہ کرتے ہوں (اگرچہ حدیث نبوی کے بارے میں ان کا جھوٹ علم و تجربہ میں نہ آیا ہو) ان کی روایت بھی قطعاً قابل قبول نہیں۔

امام مالک کا ارشاد ہے:۔

لا یؤخذ العلم عن اربعۃ،	چار آدمیوں سے یہ علم نہیں حاصل کیا
رجل معلن بالسفہ وان کان	جائے گا، ایک وہ آدمی جس کی بیوقوفی
اروی الناس، ورجل یکذب	آشکارا ہو، اگرچہ وہ بہت زیادہ روایت
فی احادیث الناس وان	کرنے والا ہو، اور دوسرا وہ آدمی
کنت لا اتھمہ ان یکذب	جو لوگوں سے گفتگو میں جھوٹ بولتا
علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ	ہو، اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وسلم، وصاحب ھوی یدعو الناس	کے بارے میں اس پر جھوٹ بولنے کی

الی ھواہ و شیخ لہ فضل و عبادۃ اذا کان لا یعرف ما یحدث بہ، ؎	تہمت نہ ہو، تیسرا وہ مبتدع جو اپنی بدعت کی طرف داعی ہو، اور چوتھے وہ شیخ بھی جو اگرچہ صاحب فضل وعبادت ہو مگر اپنی بیان کردہ حدیث کی اس کو معرفت نہ ہو تو اس سے بھی حدیث نہیں لی جائے گی۔

عام گفتگو میں جس شخص کا کذب ثابت ہو چکا ہو ایسا شخص اگر اپنے کذب سے توبہ کر لے، اور اس کے بعد اس کی عدالت بھی ثابت ہو جائے، تو جمہور علماء کے نزدیک اس کی توبہ قابل قبول ہوگی، اور اس کی خبر پر بھی اعتماد کیا جائے گا، البتہ ابوبکر صیرفی کا اختلاف ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جس راوی کی روایت اسکے کذب کی وجہ سے چھوڑی جائے گی اسکے توبہ کر لینے کے بعد بھی اسکی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔

اصحاب البدع والاھواء اس پر تو ائمہ حق کا اتفاق ہے کہ کسی مبتدع کی حدیث جب کہ اسکی بدعت موجب کفر ہو، یا وہ کذب کو حلال سمجھے خواہ اسکی بدعت حد کفر تک نہ پہنچتی ہو، اسکی روایت قابل قبول نہیں ____ مبتدعین کی ان دو قسموں کے علاوہ باقی کے بارہ میں ایک رائے یہ ہے کہ جو مبتدع اپنی بدعت کی طرف داعی ہو اسکی بھی روایت قابل قبول نہیں۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:۔ کہ متقدمین ؒ و متاخرین کا اس میں اختلاف رہا ہے، اور جس پر اکثر لوگ ہیں، وہ یہ ہے کہ داعی و غیر داعی کے درمیان تفصیل ہے، یہی امام شافعیؒ سے بھی صراحۃً نقل کیا گیا ہے، مگر ابن حبان نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ ہمارے ائمہ کے نزدیک قاطبۃً اس سے استدلال جائز نہیں۔

ولا اعلم فیہ اختلافاً (اور مجھے اس میں کسی اختلاف کا علم نہیں)

لیکن ابن حبان کا قول صحیح نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ امام بخاریؒ نے عمران بن حطان خارجی سے جو عبدالرحمٰن بن ملجم کا مداح تھا، روایت کی تخریج کی ہے، حالانکہ عمران خارجیت کا

؎ السنۃ ومکانتہا بحوالہ تدریب الراوی

کا بہت بڑا داعی تھا، نیز امام شافعیؒ نے بھی فرمایا ہے، کہ اہل اہواء (مبتدعین) کی شہادت میں قبول کروں گا، سوائے روافض میں فرقہ خطابیہ کے، کیونکہ وہ اپنے موافقین کے لئے جھوٹی شہادت کو جائز سمجھتے ہیں[۵]

امام عبدالقادر بغدادی نے اپنی کتاب "الفرق بین الفرق" میں نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ اخیر زندگی میں اہل اہواء کے بارے میں اپنی رائے سے ہٹ گئے تھے اور استثنا میں معتزلہ کا بھی اضافہ کرلیا تھا، مبتدعین کے بارے میں ائمہ حدیث کا یہ اصول تو معلوم اور معروف ہے کہ ان کی وہ روایت قبول نہیں کی جائے گی جس سے ان کی بدعت کی تائید ہوتی ہو، اسی طرح کسی ایسے مبتدع کی روایت بھی قبول نہیں کی جائے گی جس کا تعلق کسی ایسے گروہ سے ہو جو اپنی اغراض کے لئے دروغ بیانی کو مباح سمجھتا ہو، اسی لئے ایسے اہل بدعت کی جو صدق و امانت میں مشہور تھے وہ روایتیں قبول کرلی گئی ہیں جن کا ان کی بدعات سے کوئی تعلق نہیں ہے جیسے عمران بن خطان، علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں ایک صغریٰ، دوسری کبریٰ، بدعت صغریٰ جیسے تشیع جس میں غلو و زیادتی نہ ہو (مثلاً حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کی صرف تفضیل کا عقیدہ ہو) اس طرح کی شیعیت تو بہت سے تابعین و تبع تابعین میں ان کے تدین و تقویٰ اور صدق و امانت کے باوجود تھی، اگر ان لوگوں کی حدیث کو رد کردیا جائے، تو بہت سے آثار نبوی کا سرمایہ ختم ہوجائے گا، اور اس صورت میں کھلی ہوئی خرابی ہے،

بدعت کبریٰ جیسے رفض کامل اور اس میں غلو، مثلاً حضرت ابوبکر و حضرت عمرؓ کی تنقیص کرنا، اور اسکی طرف دعوت دینا، تو اس طرح کے لوگوں کی روایات ہرگز قابل استدلال نہیں، اور نہ ان کا کوئی مقام ہے، بلکہ اس جماعت کا ایک آدمی بھی میرے سامنے ایسا نہیں ہے، جو سچا اور قابل اعتماد ہو، بلکہ کذب بیانی ان کا شعار اور تقیہ و نفاق ان

---

[۵] اختصار علوم الحدیث ص۱۰۱

محبوب مشغلہ ہے، پھر ایسے لوگوں کی روایت کو کیسے قبول کیا جا سکتا ہے، حاشا وکلا، غالی شیعی سلف کے زمانے میں اور ان کی اصطلاح میں وہ لوگ ہیں، جنھوں نے حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ و حضرت طلحہؓ، حضرت معاویہؓ اور اس جماعت پر جس نے حضرت علیؓ سے جنگ کی تنقید کی، اور انھیں برا بھلا کہا، ہمارے زمانے میں اور ہماری اصطلاح میں غالی وہ ہے، جو ان اکابر کی تکفیر کرتا ہو، اور حضرات شیخینؓ سے بیزاری اختیار کرتا ہو، (معاذ اللہ) پس وہ گمراہ و مفتری ہے[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں، تشیع متقدمین کے عرف میں نام ہے، شیخین کی تقدیم و تفضیل کے ساتھ حضرت عثمانؓ پر حضرت علیؓ کو فضیلت دینے کا،[2]

(۴) زنادقہ و فساق اور وہ مغفل لوگ جو اپنی روایات کا مطلب نہیں سمجھتے، اور نہ ان میں ضبط اور فہم کے صفات پوری طرح موجود ہیں، یہ بھی متروکین میں داخل ہیں،[3]

وہ لوگ جنکی روایات میں توقف کیا جائے گا

ایسے لوگوں کی چند قسمیں ہیں، (۱) جن کی جرح و تعدیل میں اختلاف ہو، (۲) جن سے بکثرت خطاؤں کا صدور ہو، اور ان کی اور ائمہ ثقات کی روایت میں فرق و اختلاف ہو، (۳) نسیان کی کثرت ہو (۴) حافظہ خراب ہو (۵) اخیر عمر میں اختلاط پیدا ہو گیا ہو (۶) وہ راوی جو ثقات و ضعفا ہر ایک سے روایت لے لیتا ہو، مصطفیٰ سباعی لکھتے ہیں ان مضبوط و محکم بنیادوں پر ان حضرات ائمہ نے نقد احادیث اور صحیح و سقیم [illegible] اپنی انتہائی کوششوں کو صرف کیا، بلاشبہ یہ ایسے بے داغ اصول ہیں جن کی [illegible] کوئی منصف انکار نہیں کرسکتا،[4] لیکن ہمارے [illegible] پھر ہمارے علما نے صرف اسی پر اکتفا نہیں [illegible] (اسناد) کے تمام علل سابقہ سے محفوظ ہونے کے بعد اس حیثیت سے بھی اس پر نقد کیا، کہ کیا اس میں اضطراب، شذوذ و اعلال تو نہیں، ایسے ہی انھوں نے اس پر غور کیا کہ اس میں قلب یا غلطی اور ادراج کا امکان تو نہیں ہے،[5] ان کے بہت سے شواہد و امثلہ کے لئے ملاحظہ ہوں، تدریب الراوی و توجیہ النظر وغیرہ کتب اصول۔ (باقی)

---

[1] میزان ج ۱ [2] مقدمہ فتح الملہم ص ۶۵ بحوالہ مقدمہ فتح الباری [3] اختصار علوم الحدیث ص ۹۰ [4] السنۃ و مکانتہا ص ۱۱۱

جنوب مشرقی افریقہ اور حجازِ مقدّس کا تازہ سفر

از محمد منظور نعمانی

اس سال اکتوبر اور نومبر میں اپنی زندگی کا سب سے طویل سفر کیا، پہلے افریقہ کے تین مقامات پر جانا ہوا، مارشیس، ری یونین اور نیروبی، اس کے بعد حجاز مقدس حاضری ہوئی۔

اس سفر میں ایسی بہت سی باتیں سامنے آئیں اور بہت سے ایسے واقعات پیش آئے جن کا ذکر امید ہے کہ ناظرین الفرقان کے لیے مفید اور دلچسپی کا باعث ہوگا۔

جزیرہ مارشیس اس سفر کی پہلی منزل تھی۔ یہاں کے مخلص احباب جو اب تک "الفرقان" اور "اسلام کیا ہے" "معارف الحدیث" وغیرہ کتابوں کے ذریعہ صرف غائبانہ واقفیت رکھتے تھے، عرصہ سے ان کا اصرار تھا کہ ہماری طرف سفر کا پروگرام بنایا جائے گا، اور اس دفعہ جولائی کے مہینے میں انھوں نے مجھ سے طے کیے بغیر میرے لیے ہوائی جہاز کا واپسی ٹکٹ اور حکومت مارشیس کا اجازت نامہ بھیج دیا۔ لیکن کچھ ایسے موانع پیش آتے رہے کہ میں یہ سفر شروع اکتوبر میں کر سکا۔ ۹ر اکتوبر کو میں مارشیس پہونچا تھا اور ۲۱ر تک وہاں قیام رہا۔

مارشیس جنوب مشرقی افریقہ میں مشہور جزیرہ ہے۔ اب تو ہوائی سروس نے ملکوں کے درمیان فاصلے گویا ختم کر دیے ہیں۔ لیکن پہلے جب سفر بحری جہازوں ہی سے ہوتا تھا تو ہندوستان سے مارشیش پہونچنے میں کئی ہفتے لگ جاتے تھے ——— مارشیس کا رقبہ کل سات ہزار مربع میل کے قریب ہے۔ آبادی سات لاکھ سے کچھ زیادہ ہے (گویا ہمارے ملک کے بہت سے

ضلعوں سے بھی کم) ان سات لاکھ میں مسلمان ۲لاکھ کے قریب ہیں اور سب ہندوستانی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ جن میں تجارت پیشہ عموماً گجراتی ہیں۔ دوسرے بہت سے ممالک اور مقامات کی طرح یہاں کے بھی گجراتی مسلمان دین و دنیا دونوں کے لحاظ سے ممتاز ہیں اور صاف نظر آتا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے۔

ماریشش ابتک برطانوی مقبوضات میں تھا، ابھی حال میں اس کی آزادی کا فیصلہ ہوا ہے۔ اب وہ ایک خود مختار ملک ہے۔ اس چھوٹے سے ملک میں کئی شہر ہیں، سب سے بڑا شہر پورٹ لوئس ہے وہی ملک کا دارالحکومت ہے، میرا قیام پورٹ لوئس ہی میں تھا لیکن قیام کے ان دس دنوں میں جزیرہ کے قریباً سب ہی شہروں میں بلکہ شہروں کے علاوہ اکثر بڑی بستیوں میں بھی جانا ہوا، مسلمانوں میں الحمدللہ دین کا وقار عام ہے۔ عجیب و غریب بات یہ ہے کہ افریقہ کے اس دور دراز جزیرہ کے دیہاتوں میں رہنے والے مسلمان بھی اُردو سمجھتے اور بول لیتے ہیں معلوم ہوا کہ سرکاری اسکولوں میں اردو کی تعلیم کا بھی بندوبست ہے اور مسلمان بچے بچیاں عام طور سے اردو بھی پڑھتے ہیں۔ اسی طرح ہندی بھی پڑھائی جاتی ہے اور ہندو بچے عام طور سے ہندی بھی پڑھتے ہیں۔ فرانسیسی اور انگریزی بھی مقامی زبان کی طرح بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ بلکہ فرانسیسی کا چلن نسبتاً زیادہ ہے۔

بارش یہاں سال کے ۱۲ مہینے ہوتی ہے لیکن ہمارے ملک کی برسات کی طرح بارش کا تسلسل نہیں رہتا بلکہ ہر مہینے میں ایک دو بارشیں ہو جاتی ہیں۔ اگر دو مہینے بھی بغیر بارش کے گزر جائیں تو مسلمان نماز استسقاء کے بارے میں سوچنے لگتے ہیں۔۔۔۔ موسم ہم لوگوں کے لحاظ سے تو ہمیشہ ہی معتدل اور خوشگوار رہتا ہے۔ لیکن جو مہینے ہمارے ہاں سردی کے ہوتے ہیں یعنی دسمبر، جنوری، فروری، وہاں ان مہینوں میں نسبتہً گرمی رہتی ہے اور یہ گرمی کے مہینے سمجھے جاتے ہیں۔

ملک بھر میں صرف گنا پیدا ہوتا ہے اور بہت زیادہ پیدا ہوتا ہے، ملک کی معیشت کا دار و مدار گنے ہی پر ہے۔ غلے کی قسم کی کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن ضرورت کی چیزیں عام طور سے بہت ارزاں اور سستی ہیں۔ شکر تو چیز وہاں کی خاص پیداوار ہے وہ بہت اعلیٰ قسم کی آج کل ایک روپیہ میں دو کلو سے زیادہ اور گھٹیا قسم کی جس کا رنگ زیادہ صاف نہیں ہوتا ایک روپے

کی قریباً ساڑھے تین کلو ملتی ہے۔ گیہوں کا آٹا جو دوسرے ملکوں سے آتا ہے عمدہ ایک روپے کا قریباً ۲ کلو مل جاتا ہے۔ یہی حال اکثر دوسری چیزوں کا بھی ہے۔

آبادیاں عام طور سے بہت صاف ستھری ہیں، خستہ حالی اور پسماندگی اور گندگی کے مناظر کہیں دیکھنے میں نہیں آتے، موٹروں کی بہت کثرت ہے، لیکن ان کی وجہ سے بازار میں کوئی شور اور ہنگامہ محسوس نہیں ہوتا، ہارن بجانے کا رواج بہت ہی کم ہے، عام طور سے لوگ موٹریں بڑی احتیاط اور اطمینان سے چلاتے ہیں۔ موڑ پر پہونچ کر ہر شخص موٹر روک لیتا ہے اور داہنے بائیں اطمینان حاصل کرکے اپنی موٹر آگے بڑھاتا ہے۔ اس لحاظ سے یہاں کے لوگ بڑے ہی شائستہ معلوم ہوتے ہیں، حالانکہ شہروں میں اکثریت ہندوستانیوں ہی کی ہے جن میں ہندو بھی ہیں اور مسلمان بھی، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کی آب و ہوا اور ماحول نے ان کو بہت ہی شائستہ بنا دیا ہے۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کے علاوہ وہاں عیسائی بھی ہیں، جن میں یورپین بھی ہیں اور مقامی نسل کے لوگ بھی جو مسیحی مشنریوں کی کوششوں کے نتیجہ میں عیسائیت قبول کر چکے ہیں، لیکن فرقہ وارانہ کشمکش کے زہر سے اب تک یہ سب محفوظ ہیں۔

ماریشس میں ۱۰۔۱۱ دن قیام رہا۔ بلانے والے دوستوں نے پروگرام اس طرح بنایا تھا کہ جزیرہ کا کوئی شہر بلکہ کوئی بڑی بستی ایسی نہیں رہی جہاں جانا نہ ہوا ہو، قریباً روزانہ ۲-۳ جگہ جانا ہوتا اور ہر جگہ مسلمانوں سے خطاب کرنا ہوتا۔ کہیں کہیں غیر مسلم حضرات بھی شریک ہوتے اور سنتے۔

قیام کے آخری دن جبکہ میں ری یونین روانہ ہونے والا تھا، حکومت ماریشس کے محکمہ نشریات نے نشر کرنے کے لیے ایک تقریر ریکارڈ کی جو اگلے دن ماریشس ریڈیو سے نشر کی گئی۔ اس تقریر میں پورے ملک سے خطاب کیا گیا تھا، اس کا عنوان تھا "ایک مسلمان مسافر کا پیغام اہل ماریشس کے نام"

ماریشس کے بعد ری یونین جانا ہوا۔ یہ سفر کی دوسری منزل تھی، یہ بھی ایک جزیرہ ہے براہ راست فرانس کے زیر حکومت ہے، مسلمانوں کی آبادی بتایا گیا ہے کہ صرف ۵۰۰۰ (پانچ ہزار) کے قریب ہے جو اقتصادی اور معاشی حالت کے اعتبار سے بہت ہی اچھے حال میں ہے۔ پورے

جزیرہ میں تجارت بہت کچھ ان ہی کے ہاتھ میں ہے، یہ مسلمان تاجر عموماً گجراتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہاں کے لوگ مذہبی تعصب اور فرقہ وارانہ کش مکش سے بالکل ناآشنا ہیں۔ اسی وجہ سے اتنی تھوڑی سی تعداد میں ہونے کے باوجود مسلمان بہت اچھے حال میں ہیں۔ اس میں بہت کچھ دخل ان کی کاروباری دیانت داری کو بھی ہے۔ یہ جزیرہ مارشیس سے بھی زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ بہت خوبصورت اور صاف ستھری آبادی ہے۔ بازار اور سرکاری دفاتر آٹھ بجے کھل جاتے ہیں اور ۱۲ بجے بند ہو جاتے ہیں۔ پھر ۲ بجے کے بعد کھل جاتے ہیں اور کچھ دیر رات گزرنے کے بعد بند ہو جاتے ہیں۔ یہ طریقہ بہت ہی پسند آیا۔ یہاں کی زندگی میں بڑی شائستگی اور بڑا سکون ہے۔ یہاں بھی موٹر چلاتے ہوئے ہارن بجانے کا رواج بالکل نہیں ہے، بلکہ بتایا گیا کہ یہاں ہارن بجانا قانوناً ممنوع ہے اور پوری مملکت فرانس میں یہی قانون ہے۔ یہاں موٹریں داہنی طرف چلتی ہیں جس طرح کہ حجاز مقدس میں، اور بتایا گیا کہ پوری مملکت فرانس میں یہی دستور ہے۔

یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ یہاں کے لوگ اپنی حکومت سے بہت ہی مطمئن اور اس کے حسن انتظام کے بہت مداح ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ جب کسی کام سے ہمیں حکومت کے کسی دفتر میں یا کسی افسر کے پاس جانا ہوتا ہے تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ اس کو ہمارے ساتھ انتہائی ہمدردی ہے۔ اور ہمارے لیے سہولت فراہم کرنا اور جلدی سے جلدی ہمیں فارغ کر دینا وہ اپنا فرض سمجھتا ہے، رشوت کا وہاں تصور بھی نہیں۔ دوستوں نے بتایا کہ مالی معاملات میں بھی سخت گیری بالکل نہیں۔ یہاں تک کہ دوسرے ملکوں کو روپیہ بھیجنے کے بارے میں بھی ہمیں دشواریاں پیش نہیں آتیں۔

یہاں کے تاجروں میں جو بوڑھے ہیں، میں جہاں تک محسوس کر سکا وہ بڑے دیندار ہیں۔ جو ان کے بعد کا طبقہ ہے اس کو بھی الحمد للہ دین سے لگاؤ ہے۔ لیکن بالکل نئی نسل کا دینی مستقبل بعض خاص اسباب کی وجہ سے سخت خطرہ میں ہے۔

یہاں کے ایک مخلص دوست حاجی داؤد صاحب ہیں۔ انھوں نے ہی اس عاجز کو ری یونین کے لیے دعوت دی تھی۔ یہ ہمارے حضرت اقدس شاہ عبد القادر رائے پوری قدس سرہٗ سے ۱۳۵۰ھ میں مکہ معظمہ میں بیعت ہوئے تھے جبکہ حضرت حج کے لیے گئے ہوئے تھے، انھوں نے اپنے بچوں کو ہندوستان میں رکھ کر دینی تعلیم دلائی ہے۔ سب سے بڑے مولانا احمد سعید صاحب اب سے

کئی سال پہلے یہاں سے فارغ ہو کر جا چکے ہیں۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ سے بیعت کا تعلق ہے، اردو اور عربی کے علاوہ فرانسیسی میں بھی بہت روانی سے تقریر کرتے ہیں، محسوس ہوا کہ علم و صلاح کی جامعیت کی وجہ سے وہاں کے مسلمانوں پر ان کا بہت اچھا اثر ہے۔ ان کے باتوفیق والد نے گویا ان کو دین کی فکر و خدمت کے لیے وقف کر دیا ہے۔ نئی نسل کے دینی مستقبل کے لیے جس خطرہ کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے، الحمدللہ وہ پوری طرح ان کے سامنے ہے اللہ تعالیٰ ان کی مدد و رہنمائی فرمائے اور ان سے کام لے ان کے چھوٹے بھائی مولوی شبیر اسی سال فارغ ہوئے ہیں اور حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں مقیم ہیں۔

اس جلسہ میں نے ری یونین کے مسلمان تاجروں کے سامنے جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کے تعلق کے ساتھ بھرپور دولت دُنیا بھی عطا فرمائی ہے، یہ تجویز رکھی کہ وہ طے کریں کہ اپنی اولاد میں سے کم از کم ایک بچہ کو دین کی تعلیم اور خدمت کے لیے وقف کر دیں گے جس طرح مولوی احمد سعید صاحب وقف کر دیے گئے ہیں، میں نے اُن سے کہا کہ انبیائے بنی اسرائیل کے زمانے میں یہ دستور تھا کہ بچوں کو اللہ کی نذر کر دیا جاتا تھا پھر وہ عبادت اور دین کی خدمت کے لیے وقف ہو جاتے تھے اور تبتل اور تجرد کی زندگی گزارتے تھے۔ قرآن مجید میں حضرت مریم کی پیدائش سے پہلے ان کی والدہ کی نذر و منت کا جو ذکر ہے وہ اسی طرح کی نذر تھی ـــــ امام ابوبکر جصاص رازیؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ بچوں کو اللہ کی نذر کر دینے کا یہ طریقہ اِس اُمت میں بھی باقی ہے۔ لیکن اب اس کی شکل یہ ہو کہ آدمی اپنی اولاد کو علم دین حاصل کرنے کے لیے اور پھر دین کی تعلیم و خدمت کیلئے وقف کر دے اس اُمت میں اس کے لیے تجرد اور امور دُنیا سے بے تعلقی ضروری نہیں ہیں۔ میں نے وہاں کے دیندار تاجروں سے کہا کہ آپ اگر اپنے ایک بچے کے لیے اس طرح کا فیصلہ کریں تو یہ آپ کی بہت بڑی خوش نصیبی ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں آپ کا نہایت عزیز اور محبوب نذرانہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کو ضرور قبول فرمائے گا، اور کچھ عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ان بچوں کی کوششوں سے پورے افریقہ میں، اور اس سے آگے بڑھ کر یورپ میں بھی اسلام کا نور پھیلائے اور پھر اس کے صلہ میں آخرت میں آپ کو وہ ملے جو بڑے بڑے اولیاء اللہ اور مجاہدین فی سبیل اللہ کو ملنے والا ہے اور آپ کے اس عمل کا یہ نتیجہ تو بالکل یقینی ہے کہ انشاء اللہ آپ کی نسل کا دین محفوظ رہے گا۔

مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ میری اس تجویز پر عمل کرنے کی کچھ خوش نصیبوں کو ضرور توفیق

ملے گی۔ واللہ الموفق

وقت میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے ری یونین میں صرف دو دن قیام کیا جا سکا۔ ۱۰ اکتوبر سے مکہ معظمہ میں رابطۂ عالم اسلامی کا اجلاس شروع ہونے والا تھا اور مجھے ایک دو دن پہلے پہونچنا ضروری تھا، راستہ میں ایک دن نیروبی میں ٹھہرنا تھا اس لیے ۱۴ اکتوبر کو میں ری یونین روانہ ہوگیا۔ رات کو نیروبی پہونچا ہوا۔ یہاں ۲۴ گھنٹہ سے بھی کم قیام رہا، چونکہ پہلے سے اطلاع ہوگئی تھی اس لیے وہاں کے مخلصین نے جامع مسجد میں ایک تقریر کا پروگرام بنا لیا تھا مقررہ وقت پر بس وہی ایک تقریر کی جا سکی۔ زیادہ قیام نہ کر سکنے کی وہاں کے لوگوں کو بھی شکایت ہوئی اور مجھے بھی بہت قلق ہوا۔ لیکن مجبوری یہ تھی کہ نیروبی سے جدّہ کو ہوائی جہاز اسی دن جاتا تھا اگر میں اس دن ٹھہر جاتا تو پھر کئی دن انتظار کرنا پڑتا۔

نیروبی کینیا کا دارالحکومت ہے۔ یہ افریقہ کا نو آزاد ملک ہے۔ وقت کی تنگی کے باوجود وہاں کے دوستوں نے اصرار کیا کہ میں شہر کے خاص مقامات دیکھ لوں۔ مجھے فطری طور پر شہروں اور عمارتوں کو دیکھنے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ لیکن ان کا مخلصانہ اصرار غالب آگیا اور قریباً تین گھنٹے اس میں بھی صرف ہوئے۔ انھوں نے اچھی خاصی تفصیل سے نیروبی شہر دکھایا۔ یہ بہت ہی ترقی یافتہ شہر ہے۔ معلوم ہوا کہ انگریزوں نے بڑی دلچسپی سے لندن کے نقشہ پر اس کو بڑا حسین و جمیل بنایا تھا۔ ان دوستوں نے بتایا کہ یہ لندن کا چھوٹا نمونہ ہے۔ یہاں کے اصل باشندے سیاہ فام نسل سے ہیں۔ موسم ہمیشہ یکساں اور خوشگوار رہتا ہے سال کے کسی حصہ میں ہونے کی جگہ بدلنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد دنیا کے حالات میں کچھ ایسی تبدیلیاں آگئی ہیں کہ ایک ملک کا دوسرے ملک پر حکومت کرنا بہت مشکل ہوگیا ہے۔ اسی لیے برطانیہ کو جو اس جنگ سے پہلے دنیا کی سب سے بڑی اور طاقتور حکومت تھی اپنے بہت سے زیر حکومت علاقوں سے دستبردار ہونا پڑا کینیا بھی ان ہی ملکوں میں سے ہے۔ وہاں انگریزوں کے آثار اور انگریزی حکومت کے نشانات ہمارے ملک ہندوستان کے بہ نسبت بہت زیادہ محسوس ہوتے ہیں۔ غالباً انگریز مدبرین کے وہم و گمان میں بھی پہلے نہ ہوگا کہ انھیں اس طرح اپنے بنائے ہوئے ملکوں اور شہروں سے

دستبردار ہونا پڑے گا — اب انگلستان کے سفید فاموں کی جگہ حکومت کی کرسیوں پر کینیا کے سیاہ فام بیٹھے ہوئے ہیں۔ کَمْ تَرَكُوا مِن جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ وَنَعْمَةٍ كَانُوا فِيهَا فَاكِهِينَ. كَذَٰلِكَ وَأَوْرَثْنَاهَا قَوْمًا آخَرِينَ ۝ مسلمان بہت تھوڑی تعداد میں ہیں لیکن اولوالعزمی کا حال یہ ہو کہ شیخ ظہور علی صاحب جو میرے میزبان تھے اور انکے چند رفقا اسلامی یونیورسٹی قائم کرنے کی بات سوچ رہے ہیں۔

نیروبی سے جدّہ مجھے جس ہوائی جہاز سے سفر کرنا تھا یہ پی، آئی، اے کا یعنی پاکستانی طیارہ تھا۔ یہ ہفتہ میں ایک دفعہ نیروبی سے جدّہ ہو کر کراچی جاتا ہے اور اسی طرح کراچی سے جدّہ ہو کر نیروبی آتا ہے۔ وہ دن اسی طیارہ کا تھا۔

جن لوگوں نے ہوائی سفر کیے ہیں انھیں معلوم ہوگا کہ مسافروں کی میزبانی کے لیے ہوائی جہازوں میں بالعموم نوعمر خواتین ہوتی ہیں (ان کو ہوسٹس کہتے ہیں) یہ گویا بین الاقوامی دستور ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے بہت نامناسب اور افسوسناک ہے۔ پھر ان کا جو لباس ہوتا ہے وہ جدید مادہ پرستانہ تہذیب کے نقطۂ نظر سے تو غالباً بہت موزوں اور مناسب ہوتا ہوگا لیکن اسلامی نقطۂ نظر سے وہ بہت ہی قابل اعتراض ہوتا ہے۔ نیروبی کے ہوائی اڈہ پر جب میں اس پاکستانی طیارہ پر پہونچا تو معمول کے مطابق میزبان خواتین دروازہ پر مسافروں کا استقبال کر رہی تھیں۔ میں نے اس سے پہلے بھی دو ایک دفعہ پی۔ آئی۔ اے کے طیارہ سے سفر کیا ہے اس وقت وہاں کی میزبان خواتین کا لباس اُسی طرح کا ہوتا تھا جو اسلامی نقطۂ نظر سے سخت قابل اعتراض ہے۔ لیکن اس دفعہ یہ دیکھ کر ایک درجہ میں خوشی ہوئی کہ اس طیارہ کی میزبان خواتین کا لباس بہت سادہ اور ساتر قسم کا تھا اور اس میں اسلامی اصول و تعلیمات کی پوری رعایت کی گئی تھی۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ کچھ ہی عرصہ پہلے حکومت پاکستان کے حکم سے یہ تبدیلی ہوئی ہے۔

غروب آفتاب کے قریباً دو گھنٹہ کے بعد یہ طیارہ جدّہ کے ہوائی اڈہ پر اترا۔ میں نے ری یونین سے رابطہ کو اپنے پہونچنے کی اطلاع دے دی تھی اس لیے رابطہ کے ایک نمائندے مطار پر میرے منتظر تھے۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ اگر میں اسی وقت مکہ معظمہ جانا چاہوں تو کار موجود ہے اور اگر رات جدّہ ہی میں گذارنا پسند کروں تو فندق بہاؤ الدین[۱] میں میرے لیے

---

[۱] جدّہ کا ایک جدید طرز کا عالیشان ہوٹل۔ ۱۲

کمرہ محفوظ ہے۔ میں نے یہی مناسب سمجھا کہ رات کو جدّہ ہی میں آرام کروں اور صبح مکۂ معظمہ حاضر ہو کر عمرہ ادا کروں۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ ان صاحب سے یہ مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ رفیق محترم مولانا علی میاں دو دن پہلے پہونچ چکے ہیں اور ان کا اور رابطہ کے دیگر تمام ارکان کا قیام فندق شبرا[1] میں ہے اور مجھ کو بھی وہیں قیام کرنا ہے۔

رات میں نے فندق بہاؤالدین میں گزاری۔ یہیں عمر میں پہلی دفعہ ٹیلی ویژن دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس میں جو مناظر میں نے دیکھے اور جو کچھ سنا اس میں افادیت والا حصہ بہت ہی کم اور غیر مؤثر اور عوام کی تفریح اور لہو ولعب کا حصہ بہت زیادہ اور غالب تھا اور افسوس ہے کہ میری رائے میں وہ بہت گھٹیا قسم کا تھا۔ بلکہ اس کے بعض اجزاء سے سخت روحانی تکدّر ہوا۔

صبح چونکہ مکۂ معظمہ جانے کی عجلت تھی اس لیے جدہ میں کسی سے ملاقات بھی نہیں کر سکا۔ سویرے ہی مکۂ معظمہ روانہ ہو گیا۔ شبرا پہونچ کر اس کمرے میں جو میرے لیے محفوظ تھا سامان رکھوایا مولانا علی میاں کے بارے میں دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ بالکل برابر والے کمرے میں مقیم ہیں لیکن آج صبح طائف تشریف لے گئے ہیں انشاء اللہ شام تک واپس تشریف لے آئیں گے۔ اس کے بعد میں حرم شریف آیا عمرہ کا طواف کیا اور اس کے بعد سعی کی۔

رات کو نماز عشاء سے فارغ ہو کر جب میں حرم شریف سے ہوٹل اپنے کمرہ پر آیا تو معلوم ہوا کہ مولانا ابھی تک واپس تشریف نہیں لائے۔ میں نے خیال کیا کہ طائف ہی میں قیام کر لیا ہوگا اور غالباً اب کل تشریف لائیں گے میں آرام کرنے کے ارادے سے لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد مولانا تشریف لائے۔ عمرہ کا احرام باندھے ہوئے تھے۔ مصافحہ اور معانقہ کیا اور فرمایا اللہ کی شان ہے کہ میں آپ سے اس وقت اس طرح مل رہا ہوں۔ راستہ میں اب سے کچھ ہی دیر پہلے ایک ایسا حادثہ پیش آیا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل نہ ہوتا تو بجائے ملاقات کے اس وقت حرم میں میری نماز جنازہ پڑھی جاتی۔ اس کے بعد بتایا کہ طائف سے عصر کی نماز پڑھ کر ہم موٹر سے روانہ ہوئے۔ ڈرائیور کے علاوہ موٹر میں بس میں تھا اور مولوی محمد میاں (مولانا کے حقیقی بھتیجے جو اس سفر میں مولانا کے رفیق تھے) راستہ میں سخت بارش ہونے لگی۔ طائف سے مکۂ مکرمہ آنے والی نئی سڑک پہاڑیوں کے راستہ سے گزرتی ہے اور اس کا کچھ حصہ بہت خطرناک ہے لیکن خدا کے فضل سے ہماری موٹر کو کوئی حادثہ

---

[1] مکۂ مکرمہ کا مشہور ہوٹل جو حرم شریف کے بالکل قریب ہے۔

پیش نہیں آیا۔ جب وہ خطرہ کا علاقہ ختم ہو گیا اور موٹر میدانی علاقہ میں آگئی تو ڈرائیور نے مجھ سے کہا "ابشر یا شیخ قد جاوزنا الخطر" (مبارک ہو ہم خطرہ کے علاقہ سے نکل آئے۔)

مولانا نے بتایا کہ اس بیچارے کے اس کہنے کے بعد ہماری موٹر بس دو چار منٹ ہی چلی ہوگی کہ اچانک وہ سڑک کے کنارے کی طرف کو غالباً پھسلی ڈرائیور نے اس کو موڑنا چاہا لیکن وہ کنٹرول نہیں کر سکا اور موٹر الٹ گئی، اس وقت ہم نہیں سمجھ سکے کہ یہ کیا ہوا بس ایسا معلوم ہوا کہ موٹر الٹ پلٹ رہی ہے اور کسی کھڈ میں جا رہی ہے۔ پھر جب اس کی مشین بند ہوئی تو وہ رک گئی، سب سے پہلے مولوی محمد میاں اس کی کھڑکی کا شیشہ توڑ کر باہر نکلے۔ ان کے بعد اسی سے میں نکلا تو دیکھا کہ موٹر اس طرح الٹی ہوئی ہے کہ اس کی چھت زمین پر ہے اور پہیے اوپر ہیں۔ خدا کا شکر ادا کیا اور اس کے فضل و کرم پر حیرت ہوئی کہ موٹر کے اس طرح الٹ جانے کے باوجود ہم لوگ صحیح سلامت ہیں۔ جب ڈرائیور (جو بے قابو ہو کر اپنی سیٹ سے نیچے گر گیا تھا) نکلا تو اس نے سب سے پہلے یہی کہا "یا شیخ انت حیٌّ؟" (بزرگوار آپ زندہ ہیں؟) جو موٹر سڑک سے گزرتی وہ ہماری موٹر کو الٹا ہوا دیکھ کر رک جاتی اور ہر ایک یہی پوچھتا "انتم احیاء؟ کلکم احیاء؟" (تم لوگ زندہ ہو، تم سب بچ گئے، کوئی ختم تو نہیں ہوا) الغرض اللہ تعالیٰ نے اس طرح حیرت انگیز اور نہ سمجھ میں آنے والے طریقہ پر ہماری حفاظت فرمائی۔ مولانا نے بیان فرمایا کہ مجھے موٹر کو الٹا ہوا دیکھ کر اس لیے مزید حیرت ہوئی کہ میں اپنی سیٹ سے گرا بھی نہیں تھا بلکہ تسبیح کے جس دانے پر میری انگلی تھی باہر نکلنے تک انگلی اسی دانے پر رہی۔ اسی طرح مولوی محمد میاں سلمہ بھی صحیح سالم رہے۔

یہ اکتوبر کی ۱۲ تاریخ تھی اور ۱۰ اکتوبر سے رابطہ کے اجلاس کا سلسلہ شروع ہو گیا جو ۲۰ اکتوبر تک جاری رہا۔ اس دفعہ رابطہ کی مجلس تاسیسی کے سامنے مشرق وسطیٰ کا حادثہ ہی رہا۔ قریباً ایک ہفتہ کے غور و فکر کے بعد مجلس نے جو فیصلے اس سلسلے میں کیے وہ اس روداد سفر کے خاتمہ پر انشاء اللہ درج کر دیئے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حجاز مقدس میں اس سے پہلے بھی ۸ مرتبہ حاضری نصیب ہوئی، لیکن یہ سب حاضریاں حج کے موقع پر ہوئی تھیں، غیر موسم حج میں حاضری کا یہ پہلا اتفاق تھا۔

اس دفعہ بہت سی ایسی چیزیں سامنے آئیں جن کا بالکل اندازہ نہ تھا، ان میں سے بعض کا ذکر انشاء اللہ مفید ہوگا۔

حرم شریف کی غیر معمولی وسعت کو دیکھ کر گمان تھا کہ موسم حج کے علاوہ یہ بالکل خالی خالی رہتا ہوگا۔ لیکن دیکھا کہ بالخصوص مغرب اور عشاء اور فجر میں حرم شریف روزانہ بھرا رہتا ہے۔ اسی طرح رات دن کے ۲۴ گھنٹوں میں کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا کہ مطاف طواف کرنے والوں سے خالی ہو۔ خصوصاً عصر کے بعد سے عشاء کے کافی بعد تک تو طواف کرنے والوں کی تعداد روزانہ اتنی رہتی ہے۔ کہ ہر شخص کے لیے طواف میں حجر اسود کا استلام (چومنا) آسان نہیں ہوتا۔ بہرحال میرے لیے یہ بات حیرت انگیز تھی کہ غیر موسم حج میں بھی حرم شریف میں اتنی چہل پہل رہتی ہے کہ کوئی خلا محسوس نہیں ہوتا۔ عمرہ کرنے والے بھی قریب اور دور کے علاقوں سے روزانہ اچھی خاصی تعداد میں آتے رہتے ہیں۔ مسعیٰ کی طرف سے دن یا رات میں جس وقت بھی گزر ہوا اللہ کے کچھ بندوں کو سعی کرتا ہوا پایا۔ اپنے بعض دوستوں کا یہ حال دیکھ کر بڑا ہی رشک آیا کہ اگرچہ وہ برسہا برس سے وہاں مقیم ہیں مگر روزانہ بلکہ دن رات میں کئی کئی بار طواف اس ذوق سے اور اتنی کثرت سے کرتے ہیں کہ گویا ان کی حاضری کا آج پہلا دن ہے اور آج ہی انھیں یہ دولت نصیب ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندہ کو بھی یہ چیز نصیب فرمائے بڑی دولت ہے۔ وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون ۔

مقام ابراہیمؑ اور اس کی زیارت

اس دفعہ کی حاضری میں ایک خاص الخاص نعمت اللہ تعالیٰ نے یہ نصیب فرمائی کہ مقام ابراہیم کی بالکل کھلے طور پر زیارت میسر آئی جس کو خواب میں دیکھنے کی بھی کبھی امید نہیں کی تھی۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مقام ابراہیم کے متعلق کسی قدر تفصیل سے پہلے کچھ عرض کر دیا جائے۔ اس کے بعد زیارت کا اپنا واقعہ عرض کیا جائے۔

جامع ترمذی اور مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ "حجر اسود اور مقام ابراہیم، یہ دونوں جنت کے یاقوت ہیں ان میں اتنی نورانیت اور روشنی تھی کہ اس سے یہ پوری دنیا روشن ہو سکتی تھی لیکن حکمت خداوندی نے ان کو اس دنیا میں بے نور کر دیا ہے"۔

حجر اسود تو شروع ہی سے خانۂ کعبہ کے ایک گوشہ میں نصب ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی نسبت سے اور اسی کے حکم سے چوما جاتا ہے اور یہ چومنا جس کو اصطلاح میں "استلام" کہا جاتا ہے، مناسک حج میں داخل ہے، اور مقام ابراہیم ایک بالکل مربع پتھر ہے جس کا طول و عرض ایک فٹ سے کچھ زیادہ ہے۔
اس کے متعلق روایات میں یہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام جب خانۂ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے اور اس کی دیواریں اتنی بلند ہوگئیں کہ زمین پر کھڑے ہو کر اب آگے تعمیر نہیں کی جا سکتی تھی تو یہ خاص پتھر ان کو عطا فرمایا گیا، وہ اس پر کھڑے ہو کر تعمیر کا کام کرتے تھے، پھر جس جانب تعمیر کرنا چاہتے تھے یہ اس طرف اللہ کے حکم سے خود منتقل ہو جاتا تھا اور حسب ضرورت خود ہی اوپر اٹھ جاتا تھا۔ پھر روایات میں یہ بھی ہے کہ جب خانۂ کعبہ کی تعمیر مکمل ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ "وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ الخ" (یعنی ہمارے بندوں کو ہمارے اس گھر کی زیارت اور حج کے لیے پکارو وہ تمہاری پکار پر سواریوں پر اور پیادہ پا ہر طرف سے آئیں گے) تو ابراہیم علیہ السلام نے اسی پتھر "مقام ابراہیم" پر کھڑے ہو کر اللہ کے بندوں کو حج کے لیے پکارا تھا۔

روایات میں یہ بھی ہے کہ خانۂ کعبہ کی تعمیر کے وقت اور اس ندا کے وقت پتھر پر کھڑے ہونے سے معجزانہ طور پر اس پتھر میں حضرت ابراہیم کے قدموں کے نشان اس طرح پڑ گئے جس طرح موم جیسی کسی نرم چیز میں پڑ سکتے تھے

روایات کی ان تفصیلات سے قطع نظر اتنی بات تاریخی تواتر کی روشنی میں یقینی ہے کہ حجر اسود کی طرح یہ مقام ابراہیم بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے اس وقت تک ایک خاص بابرکت اور مقدس یادگار کی حیثیت سے بعینہٖ محفوظ ہے۔

مشہور تفسیر کی بنا پر اسی کے بارے میں قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے

فِيهِ اٰيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ اِبْرَاهِيْمَ ۝ (آل عمران)	خانۂ کعبہ میں کھلی نشانیاں ہیں جن میں سے ایک "مقام ابراہیم" ہے

مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ یہ "مقام ابراہیم" پہلے خانۂ کعبہ کے اندر رہتا تھا کبھی کبھی عام زیارت کے لیے باہر نکال کر دیوار کعبہ کے بالکل متصل بھی رکھا جاتا تھا — کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طائفین کی سہولت کے پیش نظر یہ مناسب سمجھا کہ اس کو مطاف کے کنارہ پر رکھا جائے اس زمانہ

میں بابِ کعبہ کی جانب مطاف کا دائرہ مقامِ ابراہیم کی موجودہ جگہ تک تھا، اس لیے اس کو اس جگہ پر رکھوا دیا گیا، اس پر کوئی عمارت نہیں تھی۔ صدیوں تک یہ اسی طرح رہا بعد میں (بعض مورخین کے بیان کے مطابق نویں صدی ہجری میں) اس کو ایک تابوت میں محفوظ کر کے اس کے اوپر ایک حجرہ تعمیر کر دیا گیا جس کے بعد اس کی زیارت کا عام زائرین کے لیے کوئی امکان نہیں رہا۔ یہ حجرہ خانۂ کعبہ سے قریباً ۸۔۱۰ گز کے فاصلے پر تھا اور اس جانب میں مطاف کی وسعت بس اتنی ہی تھی جبکہ دوسری جانبوں میں اس سے کئی گنی وسعت ہو گئی تھی۔

اِدھر دس بارہ سال سے حجاج کی تعداد میں جو بہت زیادہ اضافہ ہو گیا ہے اس کی وجہ سے ایک سنگین مسئلہ یہ پیدا ہو گیا تھا کہ ایامِ حج میں مطاف کے اس حصہ میں جو کعبۃ اللہ اور مقامِ ابراہیم کے درمیان تھا طواف کرنے والوں کی کثرت اور جگہ کی تنگی کی وجہ سے خاص کر ضعفا کو بڑی زحمت ہوتی تھی جو بعض اوقات جان لیوا ہو جاتی تھی۔ پچھلے سالوں میں کئی ایسے حادثے ہو گئے کہ بعض ضعفا اژدحام کے دباؤ میں اپنے کو نہ سنبھال سکے، یہ بیچارے گر گئے اور پھر اژدحام کے پاؤں تلے روندے گئے اور اللہ کے گھر میں وہ ہو گیا جو جنگل اور بازار میں بھی نہ ہونا چاہیے۔ حکومتِ حجاز بھی اس کے لیے فکرمند ہوئی اور اب سے قریباً ۳ سال پہلے ۱۳۸۴ھ (۱۹۶۵ء) کے حج کے موقع پر رابطۂ عالمِ اسلامی کی مجلس تاسیسی نے بھی اس پر غور کیا اور اپنی ایک تجویز کے ذریعہ حکومت سے استدعا کی کہ طائفین کو اس زحمت سے بچانے کے لیے اور ایسے حادثات کے سدباب کے لیے اس حجرہ کو ختم کر دیا جائے جو بزرگوں کے زمانہ میں حفاظت کے لیے بنا دیا گیا تھا اور اس کے متبادل کوئی ایسی صورت کر دی جائے جس کے بعد مطاف دوسری جانبوں کی طرح اس جانب میں بھی وسیع ہو جائے تاکہ اس طرح کے حوادث کا خطرہ نہ رہے۔ رابطہ کی اس تجویز میں وہ متبادل صورت تفصیل سے پیش بھی کر دی گئی تھی۔

حکومت نے اس تجویز کو منظور کر لیا اور رابطہ کے مشورہ کی روشنی میں مقامِ ابراہیم کے لیے ایسی متبادل صورت تجویز کی جس سے مذکورۂ بالا مقصد بھی حاصل ہو جائے اور وہ حسین و جمیل اور خوش منظر بھی ہو۔ اور عام زائرین محفوظ ہونے کے باوجود اس کی زیارت بھی کر سکیں — لیکن یہ تجویز عمل میں اس وقت آئی جب کہ اس سال گزشتہ ماہ رجب میں رابطہ کی مجلس تاسیسی کا اجلاس ۱۵ رجب سے شروع ہونے والا تھا۔ یہ عاجز ۱۳ رجب کی صبح کو جب مکۂ معظمہ پہنچا اور حرم شریف کی پہلی حاضری ہوئی تو دیکھا

و مقام ابراہیم کے چاروں طرف لکڑی کی عارضی دیواریں قائم ہیں۔ اور ایک جانب جو دروازہ ہے اس پر لیس کا پہرہ ہے۔ معلوم ہوا کہ مقام ابراہیم والے حجرہ کو ختم کر کے اس کی جگہ رابطہ کی تجویز کے مطابق ئی نئی چیز بنائی جا رہی ہے اور اندر صرف وہی لوگ جا سکتے ہیں جن کا جانا اس کام کے لیے ضروری ہے ــــ یہ کام شیخ صالح قزاز کی نگرانی میں ہو رہا تھا وہی اس کے خاص ذمہ دار تھے۔ مکۂ معظمہ کی ایک بہت باوقار شخصیت ہیں۔ رابطۂ عالم اسلامی کے خاص ذمہ داروں میں ہیں حکومت کے بھی معتمد ہیں۔ اسم بامسمّٰی شیخ صالح ہیں۔ رفیق محترم مولانا علی میاں سے ان کو گہری عقیدت ہے۔ مولانا کے تعلق سے اس عاجز کے ساتھ بھی بڑی عنایت فرماتے ہیں۔ ایک دن پہر کے وقت یہ ناچیز طواف کر رہا تھا۔ طواف سے فارغ ہو کر دوگانہ طواف پڑھنے لگا۔ یہ ہندستانی ائم کے لحاظ سے قریبًا ۱۱ بجے کا وقت تھا یعنی نصف النہار سے قریبًا ایک گھنٹہ پہلے۔ دن کے وقات میں یہی وہ وقت ہے جس میں حرم شریف میں آدمی کم ہوتے ہیں۔ میں نے جب نماز سے سلام پھیرا تو مولوی رضوان بہرائچی میرے انتظار میں کھڑے تھے، انھوں نے مجھ سے کہا کہ صالح قزاز صاحب ابھی گزر رہے تھے، انھوں نے آپ کو دیکھ کر مجھ سے فرمایا ہے کہ میں آپ سے عرض کروں کہ اگر آپ مقام ابراہیم کی زیارت کرنا چاہیں تو خاموشی سے اسی وقت اندر تشریف لے آئیں، میں فورًا پہونچ گیا۔ پہرہ دار سپاہیوں کو شیخ صالح قزاز صاحب نے ہدایت فرما دی تھی کہ میں اندر داخل ہونا چاہوں تو مجھے ان کے پاس پہونچا دیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے میرے لیے دروازہ کھول دیا اور اللہ تعالیٰ نے مقام ابراہیم کھلے طور پر دیکھ لینے کی سعادت نصیب فرمائی۔ صرف اوپر ہی کی سطح نہیں دیکھی بلکہ ہر طرف سے دیکھنا اور اپنے ہاتھوں کو اس سے لگانا بھی نصیب ہوا۔ اسوقت وہ اس جگہ پر رکھا گیا تھا جہاں اسکو رکھا جانا تھا۔ اسکے کسی طرف سے بھی چنائی نہیں ہوئی تھی۔ جیسا کہ عرض کیا گیا یہ "مقام ابراہیم" قریبًا ایک فٹ مربع ہے اور قریبًا اتنا ہی اونچا ہے۔ یہ سفید نرم قسم کا پتھر ہے اس میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے قدمین مبارکین کے نشان ہیں۔ یہ قدم قریبًا اتنے ہی بڑے ہیں جتنے کہ آج کل اچھے قد و قامت والے آدمی کے ہوتے ہیں، اس سے یقین کے ساتھ معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا قد ہمارے زمانے کے انسانوں سے بہت بڑا نہیں تھا۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس وقت قدموں کے دونوں نشان اصلی حالت میں باقی نہیں رہے ہیں اس سے میرا مطلب یہ ہے کہ کسی نرم چیز پر پاؤں رکھنے سے جس طرح کا نشان ہوتا ہے کہ ایڑی اور آگے کا پنجہ اور انگلیاں سب ہی چیزیں نشان میں نمایاں ہوتی ہیں اور پاؤں کے تلوے کی گہرائی کے حساب سے نشان کا درمیانی حصہ ابھرا ہوا ہوتا ہے۔ مقام ابراہیم کے نشانوں میں ان میں سے کوئی چیز بھی نمایاں نہیں رہی ہے۔

اس صورت حال کو دیکھ کر مجھے ابتداءً بہت ہی تردد ہوا کہ ان نشانوں کی اس وقت جو صورت ہے اس سے کس طرح یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ کسی کے قدموں کے نشان ہیں، مجھے یہ بھی فکر ہوئی کہ آئندہ جب اس کو ہر شخص باہر سے دیکھ سکے گا تو "مقام ابراہیم" کے بارے میں بہت سے ان لوگوں کے دلوں میں شکوک اور وساوس پیدا ہوں گے جو آزادانہ طور پر سوچنے کے عادی ہیں ۔۔۔ میں نے اپنی اس ذہنی خلش کا کسی سے ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا، خود ہی سوچتا رہا اور دعا کرتا رہا کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسی بات سمجھا دے جس سے یہ خلش زائل ہو جائے۔ الحمد للہ اسی رات میں غور و فکر کرتے ہوئے ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ "مقام ابراہیم" سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے اس وقت تک ۔۔ جبکہ اس پر حجرہ بنا کر اس طرح اس کو محفوظ کر دیا گیا کہ زائرین کی رسائی اس تک ممکن نہیں رہی، الغرض کم و بیش چار ہزار سال کے اس طویل دور میں "مقام ابراہیم" اس طرح کھلا رہتا تھا کہ زائرین اس کی زیارت کرتے تھے۔ برکت کے لیے اس کو ہاتھ لگاتے اور خاص کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے نقش پا کی جگہ پر ہاتھ پھیرتے بلکہ ملتے تھے، تو جس نقش پا پر چار ہزار سال تک مسلسل ہاتھ لگانے اور ملنے کا عمل ہوا ہو بلاشبہ اس کو ایسا ہی ہو جانا چاہیے جیسا مقام ابراہیم اس وقت ہے بلکہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بعد کے زمانہ کا مصنوعی نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو بنانے والا نقش پا کو اس طرح بناتا کہ ہر دیکھنے والا اس میں قدم کا صحیح نشان اور نقش دیکھتا۔ الحمد للہ اس کے بعد وہ خلش باقی نہیں رہی۔ پھر یہاں ہندوستان واپس آنے کے بعد روزنامہ "الندوہ" مکہ مکرمہ کی ۲۷ شعبان کی اشاعت میں شیخ محمد طاہر کردی کا ایک مضمون مقام ابراہیم کے بارے میں نظر سے گزرا، موصوف مکہ معظمہ کے ممتاز علماء میں ہیں، مقام ابراہیم کی تاریخ کے بارے میں ان کو تخصص اور امتیاز حاصل ہے۔ اب سے ۲۰ سال پہلے [illegible] میں انہوں نے ایک مستقل کتاب اسی موضوع پر "مقام ابراہیم" ہی کے نام سے لکھی تھی جو اپنے موضوع پر [illegible] کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس کتاب کا ذکر اس عاجز سے

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے چھوٹے بھائی مولانا سید محمود صاحب نے مدینہ طیبہ میں کیا تھا، ابھی تک میں خود اس کو نہیں دیکھ سکا ہوں ___ شیخ محمد طاہر کردی نے اپنے تازہ مضمون میں جس کا حوالہ اوپر دیا گیا، مؤطا ابن وہب کے حوالے سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے مقام ابراہیم کو دیکھا، اس میں حضرت ابراہیم کی انگلیوں اور تلووں کے نشانات محسوس ہوتے تھے لیکن لوگوں کے ہاتھ پھیرنے اور ملنے کی وجہ سے اب وہ نشانات اس طرح باقی نہیں ہیں" جب یہ روایت نظر سے گزری تو بڑی خوشی ہوئی کیونکہ جو کچھ اللہ کی توفیق سے خود غور و فکر کر کے میں نے اس بارے میں سمجھا تھا، حضرت انسؓ کے اس ارشاد سے اس کی پوری توثیق اور تصدیق ہو گئی۔

شیخ صالح قزاز کی عنایت سے جس دن اس عاجز کو اور پھر اسی روز رات میں رفیق محترم مولانا علی میاں کو مقام ابراہیم کی زیارت نصیب ہوئی۔ یہ غالباً شنبہ کا دن تھا۔ شیخ ممدوح نے بتلایا تھا کہ تجویز یہ ہے کہ مقام ابراہیم پر بلور کا ایک مضبوط قبہ نما فانوس رکھ دیا جائے گا۔ جو خاص اہتمام سے تیار کرایا گیا ہے۔ اس میں سے مقام ابراہیم نظر آئے گا اور حفاظت کے لیے اسکے گرد جالی لگا دی جائے گی۔

جمعرات کے دن معلوم ہوا کہ مقام ابراہیم کا تعمیری کام کل جمعہ کو بالکل مکمل ہو جائے گا اور پرسوں شنبہ کے دن (بتاریخ ۱۸ رجب) اس کا باقاعدہ افتتاح ہو گا اور شاہ فیصل بن عبد العزیز آکر افتتاح کریں گے اور یہ ایک عظیم تقریب ہو گی۔ جمعرات ہی کو سعودی حکومت کے وزیر مالیہ کی طرف سے اس تقریب کا دعوت نامہ بھی رابطہ کی وساطت سے ملا، یہ تقریب شنبہ کے دن عصر اور مغرب کے درمیان ہونے والی تھی۔ اُس دن ظہر کی نماز کے لیے جب حرم شریف جانا ہوا تو دیکھا کہ مقام ابراہیم کی جانب میں دور تک قالینوں کا فرش ہو رہا ہے۔ مقام ابراہیم کی نئی تعمیر کے لیے لکڑی کی جو عارضی چہار دیواری پردہ کے طور پر قائم کی گئی تھی آج وہ نہیں تھی اور نئی عمارت پر (اگر اس کو عمارت کہنا صحیح ہو) سبز کپڑے کا غلاف چڑھا ہوا تھا۔

اس کے بعد جب عصر کی نماز کے لیے حاضری ہوئی تو غیر معمولی قسم کے انتظامات دیکھے، موجودین میں ہزاروں عام مسلمانوں کے علاوہ اعیان حکومت، اکابر علماء، دوسری حکومتوں کے مسلمان سفراء اور سینکڑوں کی تعداد میں مکہ مکرمہ اور مملکت کے دوسرے شہروں کے مختلف طبقوں کے خواص

داعیان جن کو اس تقریب کے لیے مدعو کیا گیا تھا موجود تھے ــــ تھوڑی دیر کے بعد شاہ فیصل اپنے ساتھیوں کے ساتھ غالباً باب السود سے حرم شریف کے اندر آئے۔ عصر مغرب کے درمیان طواف کرنے والوں کی تعداد روزانہ ہی زیادہ ہوتی ہے۔ آج اس تقریب کی وجہ سے اور بھی زیادہ تھی کیونکہ بہت سے لوگ باہر سے بھی آئے ہوئے تھے۔ شاہ فیصل اور ان کے سب ساتھی جن میں غالباً ان کے محافظ دستہ کے سپاہی بھی ہوں گے۔ پہلے سیدھے حجر اسود کے سامنے آئے اور قاعدہ کے مطابق استلام کر کے عام طائفین کے ساتھ طواف کرنے لگے۔ تقریب کے منتظمین نے مقام ابراہیم کے پیچھے متصلاً ایک خوبصورت مخملی مصلیٰ بچھا دیا تھا۔ ان کا مجوزہ پروگرام یہ تھا کہ ملک طواف پورا کرنے کے بعد دوگانۂ طواف اس مصلے پر پڑھیں گے اور اس کے بعد یہ سبز غلاف اپنے ہاتھ سے اتار دیں گے، اس مصلے کے پیچھے مختلف طبقات کے خواص داعیان صفیں بنائے ہوئے بیٹھے تھے۔ سب سے اگلی صفوں میں اکابر علماء اور وزراء حکومت اور سفراء اور ارکان رابطہ اور اسی طرح کے دوسرے طبقوں کے اعیان و خواص تھے۔ یہ سب منتظر تھے کہ "جلالۃ الملک" طواف سے فارغ ہو کر یہاں ہمارے قریب اور ہمارے سامنے اس مصلے پر رکعتین طواف پڑھیں گے۔ اسی اثنا میں منجانب اللہ ایک عجیب و غریب اور ہم جیسوں کے لیے ایمان افروز اور سبق آموز واقعہ پیش آیا۔ ایک سیاہ فام جو غالباً کوئی غریب سوڈانی تھا، میلا سا احرام باندھے مطاف میں اپنا طواف پورا کر کے مجمع میں سے سیدھا مقام ابراہیم کے پاس آیا اور جو نہایت قیمتی اور خوبصورت مخملیں مصلیٰ وہاں شاہ کے لیے بچھایا گیا تھا بے تکلف اس پر کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہہ کر اس نے نماز شروع کر دی اور بڑے اطمینان سے نماز پڑھنے اور سلام پھیر کے بعد مختصر سی دعا کر کے اسی طرح بے تکلفی سے اٹھا اور چلا گیا۔ وزراء اور اعیان حکومت بھی موجود تھے پولیس کے افسران اور سپاہی بھی، کوئی اشارہ سے بھی اُسے نہیں روک سکا۔ سب نے بالکل خاموشی کے ساتھ یہ منظر دیکھا اور اس عاجز کا خیال ہے کہ یہ دیکھ کر سب ہی کو روحانی خوشی ہوئی کہ اس گھر میں شاہ و گدا کی کوئی تفریق نہیں، یہاں سب بندے ہیں اور صرف بندے ــــ ایک صاحب نے کہا کہ شاید اللہ کا یہ بندہ "رجال غیب" میں سے تھا اور بس یہی دکھانے اور جتلانے کے لیے آیا تھا۔ واللہ اعلم۔

یہ بات ذکر کرنے سے رہ گئی کہ مقام ابراہیم میں اس تبدیلی کے بعد مطاف کو اس جانب

میں بھی اتنا ہی وسیع کر دیا گیا ہے جتنا وہ دوسری سمتوں میں وسیع کیا جا چکا ہے اور اس کی وجہ سے اب مقام ابراہیم گویا مطاف کے وسط میں آگیا ہے۔ اب ایام حج میں جب طواف کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہوا کرے گی تو کسی کو مقام ابراہیم کے متصل نماز پڑھنے کی گنجائش نہیں ملے گی اس لیے اب ان لوگوں کے واسطے جو مقام ابراہیم کے پیچھے ہی رکعتین طواف پڑھنا چاہیں گے مطاف کے دائرہ سے باہر مقام ابراہیم سے قریباً بیس گز کے فاصلے پر ایک مسقف جگہ بنا دی گئی ہے گویا اب تک جس طرح مقام ابراہیم کے پیچھے بالکل متصلاً لوگ نماز پڑھا کرتے تھے اب اس کے بجائے اس مسقف حصہ میں پڑھا کریں گے۔

شاہ فیصل نے جب اپنا طواف پورا کر لیا تو وہ اس مخملی مصلّے کے بجائے جو خاص ان کے لیے مقام ابراہیم کے بالکل متصل بچھایا گیا تھا اُس مسقف جگہ پر آئے جو رکعتین طواف ادا کرنے ہی کے لیے سب کے واسطے بنائی گئی ہے، اور انھوں نے اور ان کے ساتھیوں نے بھی دوگانۂ طواف وہیں ادا کیا اور سلام کے بعد بہت دیر تک دُعا میں مشغول رہے۔ دلوں کے راز تو اللہ علام الغیوب ہی جانتا ہے بظاہر حال سے یہی محسوس ہو رہا تھا کہ دُعا دل کی گہرائی سے کی جا رہی ہے۔

میرے بالکل قریب ہی ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے یہ غالباً کوئی صالح اور صاحب دل عالم تھے۔ میں نے دیکھا کہ شاہ فیصل نے جس وقت سے طواف شروع کیا اور اس کے بعد رکعتین طواف پڑھ کر جب تک دُعا کی وہ اللہ کا بندہ بڑے الحاح کے ساتھ اور بظاہر بڑی قلبی توجہ کے ساتھ شاہ فیصل کے حق میں توفیق خیر کی، شر ور و فتن اور بے راہ روی سے حفاظت کی، ٹھیک ٹھیک چلنے اور حق و عدل پر قائم رہنے کی اور دینی و شرعی واجبات اور حاکمانہ ذمہ داریوں کو صحیح طور پر ادا کرنے کی اس طرح دُعا کرتا رہا جس طرح کوئی شفیق و دیندار باپ اپنے حاکم بیٹے کے حق میں کرتا ہوگا۔ میں اس شخص کو بالکل نہیں جان سکا۔ اس دعا میں اس کا انداز کچھ نیم مجذوبانہ تھا۔

شاہ فیصل رکعتین طواف اور اس کے بعد کی دُعا سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم کی طرف آئے اور وہ ڈوری کھولی جو سبز غلاف کے اوپر لپٹی ہوئی تھی اور اب سب دیکھ سکے کہ مقام ابراہیم پر کس طرح کیا چیز بنائی گئی ہے۔

(باقی)

Regd. No. L-353
Monthly 'ALFURQAN' Lucknow
Vol. 35 No. 6 OCTOBER 1967

پکوان کے
عمدہ تیلوں میں
آپ کی خاص پسند۔

پوسٹ مین برانڈ
صاف کیا ہوا مونگ پھلی کا تیل
۱، ۲، ۴ اور ۵ر۱۵ کیلو
عمدہ وناسپتی
۱، ۲، ۴ اور ۵ر۱۶ کیلو
ستلولا، تل کا تیل
۲، ۴ اور ۵ر۱۵ کیلو
اؤ برانڈ خالص ناریل کا تیل
۲، ۴ اور ۱۶ کیلو
کوکوجار
صاف کیا ہوا ناریل کا تیل
۲، ۴ اور ۵ر۱۵ کیلو
امی سلاڈ تیل
۲، ۴ اور ۵ر۱۵ کیلو

احمد ملز، بمبئی ۸

AHM. 2078 URD

Only cover printed at PRINTERS & PRINTERS Lucknow-3

سنہ آغاز
۱۹۳۳ء

الفرقان لکھنؤ

1-50

35 (10 — 12)

JAMIA LIBRARY
6.3.68
JAMIA MILLIA ISLAMIA.
DELHI.

مسئول
محمد منظور نعمانی

مرتب
عتیق الرحمٰن سنبھلی

بابتہ ماہ شوال، ذیقعدہ و ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ ۔ فروری و مارچ ۱۹۶۶ء

جلد ۳۵ ——— شمارہ ۱۰ - ۱۱ - ۱۲

اس شمارہ کی قیمت ۱/۵۰

سالانہ چندہ } برائے ہندوستان و پاکستان ——— ۵/۵۰ ششماہی ۳/-
" دیگر ممالک ——— ۱۵ شلنگ ۔ ہوائی ڈاک کیلئے ضروری اضافہ ہوگا۔

اگر اس دائرہ میں ◎ سرخ نشان ہو تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے، براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں، یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۲۰ مارچ تک آجانی چاہئے ورنہ اگلا شمارہ بصیغہ وی پی ارسال ہوگا۔

پاکستان کے خریدار :- اپنا چندہ ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں، اور ہم کو فوراً اطلاع دیدیں، نئے خریدار بھی اسی طریقہ سے چندہ بھیجیں۔

نمبر خریداری :- براہ کرم خط و کتابت و منی آرڈر کوپن پر اپنا نمبر خریداری ضرور لکھ دیا کیجئے جو پتہ کی چٹ پر چھپا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت :- الفرقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے، اگر ۲۰ تاریخ تک کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع کریں، اس کی اطلاع ۲۰ تاریخ تک آجانی چاہئے، اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر الفرقان — کچہری روڈ لکھنؤ

(مولوی محمد [illegible] پرنٹر و پبلشر [illegible] پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

عتیق الرحمٰن سنبھلی

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد

ذی الحجہ کا عشرۂ اول شروع ہونے پر الفرقان کا یہ شمارہ نکل رہا ہے اور بہت سے ناظرین کے ہاتھ میں شاید ایام تشریق شروع ہو جانے پر پہنچے گا، اس لئے افتتاحیہ کے طور پر اس شمارہ کے لئے اس سے زیادہ موزوں کوئی اور کلمہ نہیں ہو سکتا۔ خدا ہمیں توفیق دے کہ ابراہیمی روح و انابت کے ساتھ یہ کلمات ان دنوں میں ہماری زبان پر زیادہ سے زیادہ آئیں۔ اور زبان سے زیادہ دل ان کی حقیقت کا لذت شناس ہو۔

ملت اسلامیہ کا حال آج جس پہلو سے بھی دیکھئے، خسارہ کا حال ہے۔ لیکن سب سے بڑا خسارہ اور تمام خساروں کی جڑ اس روح کا فقدان ہے جسے نسبت ابراہیمی چاہتی تھی۔ نسبت ابراہیمی کا نام رہ گیا ہے، ملت اسلامی کا عنوان رہ گیا ہے۔ لیکن وہ روح باقی نہیں جو اس نام اور عنوان کی جان تھی۔

رہ گئی رسم اذاں روح بلالیؓ نہ رہی

عشق اور عبدیت کے مظاہر کی شان جن دینی رسموں میں پائی جاتی ہے، ان میں بھی روح کا فقدان خسارہ تو جتنا بڑا ہے، ہے۔ لیکن نا سمجھی کا بھی کیا عجیب و غریب مظاہرہ ہے کہ آدمی وقت، محنت اور مال و دولت ان رسموں پر خرچ کرے، جن کا فائدہ رضائے رب اور اجر آخرت کے سوا کچھ نہیں، لیکن اندر کی اس روح کے بغیر جس پر یہ فائدہ موقوف ہے۔

قربانی کی سنت انھیں مظاہر عشق و عبدیت میں سے ہے جو سیدنا ابراہیم علیہ السّلام کی رب آشنا روح کو ہدایت ربانی سے نصیب ہوئے۔ ایک جانور کا خون بہا کر اور اپنا پیسہ لگا کر ___ خصوصاً آج کے دورِ گرانی میں ___ ایک آدمی کیا حاصل کرتا ہے، اگر اُسے خدا کی رضا نہ ملی اور آخرت کا اجر واجب نہوا؟ قرآن مجید میں صاف ہے کہ نہ خون کا بہنا اجر دلاتا ہے، نہ گوشت کے ڈھیر خدا کو راضی کرتے ہیں۔ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۤؤُهَا ___ نہ تمھارے ذبیحوں کا خون خدا کو پاتا ہے نہ ان کے گوشت وہاں پہنچ پاتے ہیں ___ وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ۔ اُس تک پہنچنے والی چیز تو تمھارے دل کا تقویٰ ہے، اس کی رضا پانے کا وہ جذبہ ہے جو اس رسم اور عمل کے اندر کام کر رہا ہو ___ اگر یہ جذبہ اور حالِ دل موجود نہیں ہے تو اس کی رضا اور اس کی جزا سے محرومی کے سوا دہرا خسارہ یہ ہے کہ آدمی نے اپنا کچھ مال بھی ضائع کر دیا۔

پورے چوبیس گھنٹے پہلے سے آدمی اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا الٰہ الا اللّٰہ، واللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد کہنا شروع کرے اور پھر بھی اس کلمہ کی روح آدمی کے اس عمل میں نہ پیدا ہو، تو اس سے بڑھ کر ناسمجھی اور بے شعوری اور کیا ہوگی۔

ان الفاظ کو صرف زبان سے نہ نکالئے، دل کو بھی ان کی ادائیگی میں شامل کیجئے اور خدا کی معبودیت و کبریائی کے پورے شعور کے ساتھ کہئے کہ "اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اس کے سوا کوئی الٰہ و معبود نہیں! وہ سب سے بزرگ و برتر ہے اور اسی کی ذات کو تمام حمد و ثنا زیبا ہے!" ___ اُمید ہو کہ اس کلمہ کی روح دل میں اُتر آئے گی اور قربانی کا عمل پھر اس سے خالی نہ رہے گا ___ شاید یہ مصلحت بھی شارع کے پیش نظر ہو کہ 9 ذی الحجہ کی فجر ہی سے اس ترانہ عبدیت کو پورے عالم اسلام کے لئے مشروع کر دیا گیا۔

ہندوستان میں جہاں جہاں انسانی بداعمالیوں اور بدتدبیری کی بنا پر اشیاء ضرورت خصوصاً غذائی اجناس کی قلت بڑھتی جا رہی ہے، حکمراں طبقہ پر خدائی منصوبہ بندی

یک دو ساعت صحبتے با اہلِ دل

مجلس حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی مدظلہ العالی

مرتبہ :- مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی

[حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی مدظلہ العالی کے مجلسی ملفوظات کا ایک سلسلہ اس سے پہلے پانچ قسطوں میں ہمیں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی عنایت سے شائع کرنے کا موقع ملا تھا۔ ناظرین نے اس سلسلہ کو بہت ہی مفید پایا، خوش قسمتی سے مولانا ندوی کا پھر ایک سفر بھوپال کی سمت ہوا۔ اور ان جواہر حکمت کا پھر ایک ذخیرہ مولانا کی عنایت سے دستیاب ہوگیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجلس مجددی کا فیض تا دیر قائم رکھے]

۱۹ شوال المکرم ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۰ جنوری ۱۹۶۷ء مابین عصر مغرب

خانقاہ شریف بھوپال

حاضرینِ مجلس :- مولانا حافظ محمد عمران خاں صاحب ندوی، مولنا جمیل احمد صاحب حیدرآبادی۔ مولنا حافظ نعمان خاں صاحب ندوی حافظ منظور صاحب، مولوی علی آدم صاحب افریقی اور مولوی محمد حمزہ حسنی وغیرہما

راقم السطور اسی روز حاضر ہوا تھا طائف کی واپسی میں جو حادثہ پیش آیا تھا اسکے باقی اثرات کو پوچھتے ہوئے جس کے لئے حضرت نے مالش کے لئے ایک روغن ارسال فرمایا تھا، ارشاد فرمایا کہ قریب قریب اسی زمانے میں مجھے بھی دورانِ سر شدید ضعف اور قلب کی تکلیف پیش آئی۔ میں اکثر صبح سے کچھ کھائے پئے بغیر مجلس میں آکر بیٹھ جاتا ہوں اور کہنے سننے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے تک

یہ سلسلہ جاری رہا، جب میں اٹھ کر مکان میں جانے لگا تو مجھے چکر آ گیا میں سمجھا کہ ضعف کا اثر ہے کھانا کھا لوں گا تو جاتا رہے گا، لیکن کھانے کے بعد بھی وہ نہ گیا، دن بھر برا زور رہا، شدید ضعف تھا، قلب پر بھی اثر محسوس ہوا، میں نے اکثر کبیرالسن لوگوں کو دیکھا ہے کہ چٹ پٹ ختم ہو گئے، لوگوں نے کہا کہ ابھی تو بات کر رہے تھے، ابھی تو فلاں جگہ دیکھا تھا لیکن اس عمر میں یونہی ہوتا ہے، اس لئے جو کوئی بوڑھا آدمی آج کا کام کل پر اٹھا رکھے اس کو میں غلطی دماغ سمجھتا ہوں، میں نے مولوی عمران صاحب کو بلا کر وصیتیں کر دیں، اتفاق سے اسی دن مولوی عبدالماجد صاحب دریابادی تشریف لائے تھے اگلے روز صبح ان کو خانقاہ میں آنا تھا، مولوی عمران صاحب کو تامل تھا کہ اس حالت میں ان کو لائیں۔ میں نے کہا کہ یہی وقت مغز کی بات کا ہے، جب ظاہری قویٰ ضعیف ہو جائیں تو اصل خالص بات نکلتی ہے، جب بادام کا خول توڑا جاتا ہے اور اس کی گری نکلتی ہے تو پھر روغن بادام حاصل کیا جاتا ہے، میں نے مولوی صاحب کو اندر ہی بلا لیا اور دیر تک کہتا رہا، مولوی صاحب نے اپنی بلند نظری سے ان باتوں کو بہت اہمیت دی۔ مجھے کچھ یاد نہیں کہ میں نے کیا کہا؟ اتنا یاد ہے کہ ان پر رقت طاری تھی انھوں نے ان باتوں میں سے ایک بات "صدق" میں بھی لکھی ہے۔

فرمایا ہر چیز کے مقدمات اور آثار ہوتے ہیں، اہل بصیرت مقدمات اور آثار سے صحیح نتائج نکالتے ہیں، بعض مرتبہ عذاب کی شکل میں رحمت اور بعض مرتبہ رحمت کی شکل میں عذاب ہوتا ہے۔ عذاب الٰہی آنے سے پہلے قدرت کی جو نشانیاں اور خوف و دہشت پیدا کرنے والے جو واقعات پیش آتے ہیں وہ اپنی ظاہری شکل کے اعتبار سے عذاب معلوم ہوتے ہیں، لیکن آنے والے عذاب سے بچانے کے لئے وہ تازیانۂ عبرت کا کام دیتے ہیں۔ پہلے صبح کاذب ہوتی ہے پھر صبح صادق پھر آفتاب نکلتا ہے۔ سمجھنے والے صبح کاذب کو دیکھ کر سمجھ جاتے ہیں کہ صبح صادق ہونے والی ہے، اور دیکھنے والے صبح صادق کو دیکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ سورج نکلنے والا ہے۔ میں حیدرآباد میں تھا کہ سخت طاعون آیا موت کا بازار گرم تھا شاہ علی بندہ سے لے کر چارمینار تک کوئی آدمی نظر نہیں آتا تھا اگر کوئی نظر آتا تو گردن میں جھولی ڈال کر کسی مردے کو لیجاتا ہوا دکھائی دیتا، شہر میں ہو کا عالم تھا، لوگ شہر چھوڑ چھوڑ کر بھاگ رہے تھے، کچھ عرصہ کے بعد

انفلوئنزا آیا اس میں بھی موت کی گرم بازاری ہوئی، پھر کچھ عرصہ کے بعد موسیٰ ندی کا طوفان آیا اس نے قیامت برپا کردی، شہر میں کہرام مچا ہوا تھا، کتنی باراتیں بہہ گئیں، کتنے خاندانوں کا پتہ نشان نہ رہا، کوئی کہتا تھا کہ میرے سات بیٹے تھے سب طوفان کی نذر ہوگئے، کوئی کہتا تھا کہ میں بھی ڈوبتے ڈوبتے بچا، غرض لوگوں کی داستانوں سے دل ٹکڑے ہوتا تھا اس کے بعد مجھے ایسی وحشت سوار ہوئی کہ میرے لئے ایک منٹ ٹھہرنا مشکل ہوگیا، یا تو حیدرآباد سے ایسا انس تھا کہ کہتا تھا کہ مجھے موت مدینہ میں آئے گی یا حیدرآباد میں، یا ایسی وحشت ہوئی کہ وہاں رہنا دوبھر ہوگیا، میں گلبرگہ میں تھا، لوگوں نے ہزار ٹھہرایا' نہ ٹھہرا بالآخر پولیس ایکشن ہوا گلبرگہ اور اس کے اطراف میں بھی بڑی تباہی آئی، ان واقعات کو لوگ عذاب الٰہی کہتے تھے میں ان کو رحمت سمجھتا تھا کہ بڑے عذاب سے ڈرانے کے لئے جگایا اور جھنجھوڑا جا رہا ہے۔

ایک شخص سردی کے زمانے میں موٹا سا لحاف اوڑھے ہوئے میٹھی نیند سو رہا ہے، ایک شخص سختی کے ساتھ پکڑ کر اس کو نیچے گھسیٹ لیتا ہے، اس سے اس کو چوٹ بھی لگتی ہے، غصہ بھی آتا ہے، لیکن جب وہ ہشیار ہوتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اس کے پہلو میں سانپ تھا اگر اس کو پکڑ کر گھسیٹ نہ لیا جاتا تو وہ اس کو ڈس لیتا اور اس کا کام تمام کردیتا، اس سانپ کو دیکھ لینے کے بعد اس کا یہ فعل سراسر ہمدردی اور شفقت نظر آئے گا۔ کبھی عذاب کی شکل میں رحمت ہوتی ہے اور کبھی رحمت کی شکل میں عذاب، نمرود کی آگ کی شکل عذاب کی تھی لیکن اس میں رحمت تھی اور سمندر کی شکل رحمت کی تھی لیکن اس میں فرعون کے لئے عذاب تھا۔

فرمایا کہ ظاہری الفاظ سے بہت دھوکا ہوتا ہے' ان الفاظ کو ان کے محل میں رکھ کر اور ان کے سیاق و سباق میں دیکھنا چاہیئے، الفاظ مشترک ہوتے ہیں لیکن اشخاص اور اوقات کے لحاظ سے ان کے معانی بدلتے رہتے ہیں پہلے بھوپال کے جیل میں دریاں اور جانمازیں اچھی بنتی تھیں' میں دریاں اور جانمازیں خریدنے کے لئے کبھی کبھی جیل جاتا، ایک صاحب مجھے دیکھ کر کہتے ہیں' اچھا پیر صاحب آپ بھی جیل پہونچ گئے؟ حالانکہ میں آزاد ہوں، عارضی طور پر ایک ضرورت سے جیل گیا تھا اور ایک قیدی کسی کام کے لئے شہر میں لایا جاتا ہو'

اگر اس سے کوئی پوچھے کہ تم آزاد ہوگئے؟ وہ کہے گا نہیں صاحب میں جیل ہی میں ہوں! تو میں نہ جیل جاکر قیدی بنا اور نہ وہ شہر میں آکر آزاد ہوا، مگر الفاظ و اشکال کے مشترک ہونے سے لوگ دھوکا کھاتے ہیں، یہی دھوکا کفار کو ہوا کہ آنحضرتؐ کے ضرورت سے بازار میں جانے اور بشریت کے تقاضے سے کھانے پینے سے ان کو دھوکا ہوا تو انھوں نے آپ کو عام انسانوں کی طرح سمجھ لیا اور کہا کہ "مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ"[1]

پانی کی اصل فطرت اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ٹھنڈا ہو اور ٹھنڈک پہنچائے، لیکن جب وہ آگ پر گرم کیا جاتا ہے یا اس کو گرمی پہنچتی ہے تو وہ گرم ہو جاتا ہے اور اس کو گرم پانی کہنے لگتے ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہمیشہ گرم ہی رہتا ہے، جب گرمی کا اثر زائل ہو جائے گا تو وہ پھر ٹھنڈا ہو جائے گا اور اپنی فطرت پر واپس آجائے گا، اسی طرح عبادات، مجاہدات کیفیات اور تجلیات سے سالک مغلوب ہو جاتا ہے اور کبھی اس کی زبان سے اس طرح کے نعرے نکلنے لگتے ہیں "سبحانی ما اعظم شانی" "یا لیس فی جبتی الا اللہ" لیکن یہ سب عارضی اور اضافی چیزیں ہیں، گرم پانی ہزار کہے کہ میں گرم ہوں اور میں آگ ہوں وہ پانی ہی ہے گا اور اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا آخر ٹھنڈا پانی بن جائے گا جو پہلے تھا۔ کوئی کہتا ہے کہ میں عبادت کرتا ہوں میں کہتا ہوں کہ وہ کیا عبادت کرتا یوں کہنا چاہئیے کہ جب خدا مجھ سے عبادت کراتا ہے، جب مجھے عبادت کی توفیق دیتا ہے، عبادت اس کی دائمی صفت اور اس کا لازمہ نہیں، ایک خارجی اور عطائی صفت ہے ؎

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنم
منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

فرمایا کہ لوگ الفاظ پر گرفت کرتے ہیں یہ نہیں دیکھتے کہ وہ الفاظ کن حالات میں صادر ہوئے، ایک شخص کہتا ہے کہ بلی میرے قد سے اونچی ہے لوگ کہتے ہیں کہ کوئی بلی ایسی دیکھنے میں نہیں آئی جو انسان کے قد سے اونچی ہو اس پر جھگڑا ہو رہا ہے، لیکن

---

[1] یہ کیا رسول ہے کہ کھاتا پیتا ہے اور بازار بھی آتا جاتا ہے۔

بلی کو اگر زمین پر اتار لیا جائے تو سارا جھگڑا ختم ہو جائے، ایسے ہی بزرگوں کے بہت سے اقوال جو خاص حالات میں کسی چیز کے مشاہدہ کرنے سے صادر ہوئے اس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتے جب تک کہ ان کے محل کو نہ دیکھا جائے۔

فرمایا کہ لوگوں کو اپنے ذوقی دائرہ کے اندر محنت و ترقی کرنا بہت آسان معلوم ہوتا ہے، جس کو ذکر و شغل کا شوق ہے وہ ذکر و شغل میں اضافہ کرتا چلا جاتا ہے، جس کو عبادات کا شوق ہے وہ عبادات میں اور اضافہ کر لیتا ہے اور کچھ معلوم نہیں ہوتا، تبلیغ میں ایک چلہ دینے والوں کو تین چلّے بہت آسان معلوم ہوتے ہیں، لوگ وظائف پر وظائف پوچھتے رہتے ہیں، ختم پر ختم پڑھتے رہتے ہیں، لیکن اگر کسی مرغوب چیز کو چھوڑنے یا شریعت کے کسی حکم کو اختیار کرنے کے لئے کہا جائے یا کسی رسم کو ترک کرنے کے لئے، تو نہایت دشوار معلوم ہوتا ہے، حالانکہ قرآن مجید سب سے زیادہ تغیر کا مطالبہ کرتا ہے' مولانا عبد الشکور اور حاجی مشتاق علی خاں مرحوم نے حضرت مولانا عین القضاۃ کی ایک بات سنائی میں نے اس کو اپنی عادت کے مطابق لکھ لیا اور میں نے کہا کہ عمر بھر کے لئے یہی ایک بات کافی ہے انھوں نے نقل کیا کہ حضرت مولانا فرماتے تھے کہ اگر کسی کا دین دیکھنا ہے تو اس کی دنیا دیکھو یعنی اگر دنیا شریعت کے مطابق ہے تو دین بھی شریعت کے مطابق ہوگا۔

ایک مرزا صاحب ہیں سالہا سال سے خانقاہ و ذکر و شغل سے تعلق رکھتے ہیں اور ختموں کو پوچھتے رہتے ہیں کہ فلاں ختم بھی شروع کر دوں؟ میں ان سے شروع میں بھی کہتا تھا کہ مرزا صاحب آپ کے اس ذکر و شغل سے زیادہ ضروری اور مفید یہ ہے کہ آپ ایک حدیث روز پڑھ لیا کریں اور اس پر عمل کریں آپ کے لئے علم زیادہ ضروری ہے، لیکن ان کو ذکر و شغل سے زیادہ دلچسپی رہی، بیٹے کی شادی کا وقت آیا، اس نے کہا میں گھوڑے پر بیٹھوں گا اور باجہ اور گانا ضرور ہوگا، انھوں نے سمجھایا اس نے کہا میں گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا اور شادی نہ کروں گا، عورتوں نے بھی اصرار کیا آخر وہ مان گئے اور بارات اسی شان سے نکلی یہاں آئے تو میں نے ان سے کہا کہ تم نے سخت گناہ کیا' وہ بہت نادم ہوئے اور کہا کہ میں توبہ کرتا ہوں' میں نے کہا کہ ہاں حجرے میں گھونگھٹ ڈال کر چھپ کر توبہ کر لو، تم نے گناہ تو علانیہ

کیا ہے اور سارے قصبہ میں ایک مثال قائم کردی کہ دیندار گھروں سے بھی ایسی باتیں نکلتی ہیں اور تو یہاں چپ چاپ بیٹھ کر کر لوگے، علانیہ گناہ کے لئے علانیہ توبہ چاہئیے، قصبہ میں جاکر کہو کہ مجھ سے سخت غلطی ہوئی اور میں نے بہت برا کیا۔ اس کے بالمقابل یہ غریب قاضی جو بیٹھے ہوئے ہیں ایک مجلس نکاح میں شریک تھے، کچھ خلاف شرع ایسی باتیں ہونے لگیں، جن سے دین کا استخفاف اور اہانت معلوم ہوتی تھی یہ اٹھنے لگے اور کہا کہ میں ایسی مجلس میں نہیں بیٹھ سکتا، لوگوں نے خوشامد کرکے بٹھایا اور اس طرح باتیں کرنا چھوڑ دیں پھر نوشہ آیا اس کے منہ پر سہرا تھا یہ پھر اٹھنے لگے اور کہا کہ خلاف شرع ہے عورتوں نے بہت شور مچایا کہ بے سہرے کے نوشہ کیسا؟ یہ پھر اٹھنے لگے لوگوں نے پھر بٹھایا، کہا کہ میں منع نہیں کرتا خود جاتا ہوں آخر لوگوں نے ان کو بٹھایا اور سہرا نکال دیا آخر انھیں کی بات چلی۔

فرمایا دین جب جاپانی ہوتا ہے دنیا سے ٹکرا کر ٹوٹ جاتا ہے، لیکن جب وہ پختہ مال اور اصلی ہوتا ہے تو کسی ٹکر سے نہیں ٹوٹتا، بازار میں سوا روپیہ کی گھڑی بھی بکتی ہے جن کے پرزے اور دیکھنے بھر کی گھڑی، وہ ذرا بھی صدمہ برداشت نہیں کر سکتی۔

دینداروں کو شطرنج کھیلنے والوں سے سبق لینا چاہئیے، کہ وہ اپنے اصولوں کے کتنے پابند ہوتے ہیں، کتنا ہی کہئے کہ اس موقع پر فیل کو آگے بڑھا دیجئے، گھوڑا ڈھائی خانے چلتا ہے اس کو آگے چلا دیجئے، وہ نقصان پر نقصان برداشت کریں گے، مات پر مات کھائیں گے مگر ایسا نہیں کریں گے، پوچھئے گا کیوں نہیں کرتے؟ کہیں گے کہ یہ شطرنج کے اصول و ضوابط کے خلاف ہے، اللہ اکبر! کھیل اور بازی کے اصول و ضابطے کی اتنی پابندی! ہم لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہئیے، دین کیا ہے؟ شریعت کے اصولوں کی پابندی، اپنی خواہشات و مصالح کو شریعت کے احکام اور آسمانی تعلیمات کے ماتحت کر دینا ہے۔ فائدہ ہو چاہے نقصان، جیت ہو چاہے ہار، یہی مضمون ہے اس حدیث پاک کا جو کل مکتوبات شریف میں پڑھی جا رہی تھی کہ "لا یومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ" (تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش نفسانی اس ہدایت کے تابع نہ ہو جائے جس کو میں لے کر آیا) میدانی کھیلوں میں بھی یہی دیکھا ہے کہ جو جس جگہ کھڑا کر دیا گیا

کیا مجال جو اس جگہ سے ہٹے، جو وزدی مقرر ہے، ضرور پہنی جائے گی، کھیل کے جو ضوابط ہیں ضرور پورے کئے جائیں گے، کیا دین کا معاملہ کھیل سے بھی کم اہم ہے؟

فرمایا کہ ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ نماز میں جی نہیں لگتا، دعا کیجئے! میں نے کہا جیب میں روپیہ ڈیڑھ روپیہ ہے؟ انھوں نے کہا جی ہاں، میں نے کہا جامع مسجد چلے جائیے اور موذن کو یہ روپیہ دیدیجئے کہ آپ کو مسجد کے منارے پر چڑھنے کی اجازت دیدے، پھر منارے کی چوٹی پر پہونچ کر اس کا دروازہ کھول دیجئے اور بالکل کنارے پر کھڑے ہو کر نیچے جھانکئے تو کیا اس وقت آپ پکار کر لوگوں سے کہیں گے کہ میرے لئے دعا کرو میں کود نہ پڑوں، اسی طریقہ سے اگر آپ جہنم کی گہرائی دیکھئے کہ نماز نہ پڑھنے سے آدمی کہاں گرا دیا جائے گا تو پھر یہ کہنے کی ضرورت نہ ہوتی کہ دعا کرو میں نماز پڑھوں۔

فرمایا کہ میں اجین میں ایک بڑے وکیل صاحب کے یہاں ٹھہرا ہوا تھا، شہر میں کچھ غریب لوگ بھی تھے جن کا ہمارے سلسلہ اور خانقاہ سے قدیم تعلق تھا، میں نے بہت چاہا کہ میں انکے یہاں منتقل ہو جاؤں، غریبوں کے یہاں آرام زیادہ ملتا ہے، مگر وکیل صاحب نے اصرار کیا کہ ایک رات تو ٹھیر جائیے، پھر دستر خوان بچھا، کھانا بہت پر تکلف اور انواع و اقسام کا تھا یہ حضرات پہلے خاطر کرتے ہیں، آدمی کو ممنون بناتے ہیں، پھر سوال کرتے ہیں تاکہ جواب مرضی کے مطابق ملے، کھانے کے دوران انھوں نے پوچھا کہ حضور عالم الغیب تھے یا نہیں؟ میں نے کہا پہلے غیب کی حقیقت سمجھ لیجئے کہ غیب کسے کہتے ہیں؟ غیب ایک اضافی چیز ہے۔ آپ اپنے گھر کے غیب کے عالم ہیں میں اپنے گھر کے غیب کا عالم ہوں، آپکے گھر کے اندر کی چیزیں آپ کے لئے شہود ہیں، میرے لئے غیب، میرے گھر کے اندر کی چیزیں میرے لئے شہود ہیں، آپ کے لئے غیب۔ اس طرح ایک معنی میں آپ کو کچھ مغیبات کا علم ہے، مجھے بھی کچھ مغیبات کا علم ہے۔ پھر یہ بتائیے کہ حضور اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں یا خود پیدا ہو گئے۔ انھوں نے کہا کہ اللہ نے آپ کو پیدا فرمایا میں نے کہا کہ آپ خدا کے پیدا کئے ہوئے ہیں تو آپ کی تمام صفات بھی خدا کی پیدا کی ہوئی ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ ذات حادث ہو اور صفت قدیم اسلئے آپ کی صفات اللہ کی صفات کیطرح قدیم نہیں ہیں، وہ خاموش ہو گئے۔

فرمایا، ہر چیز کا ایک ذہنی تصور ہوتا ہے، ضروری نہیں کہ وہ حقیقت کے مطابق ہی ہو

کلکتہ کا نام آتے ہی ایک تصور آتا ہے، اکثر کلکتہ اس سے بالکل مختلف ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح مکہ معظمہ کا نام آتے ہی ایک تصور ذہن میں آتا ہے، جب زیارت نصیب ہوتی ہے تو وہ اس سے بہت مختلف نکلتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ کی ذات و صفات کا تصور لوگوں نے اپنے اپنے طور پر قائم کر رکھا ہے، مگر جب تک اللہ کی صحیح معرفت اسکے صفات کا صحیح علم نہ ہو اس کا اثر مکمل طور پر کیسے مرتب ہو، میرے پاس ایک صاحب آئے کہا میرا بیٹا بہت بیمار ہے چلکر دیکھ لیجئے، میں نے کہا آپ کا بیٹا کون ہے؟ کہا آپ نہیں جانتے؟ عنایت! میں نے کہا کہ خاں صاحب میں نے آپ کو نہیں پہچانا، کہا آپ نے مجھ کو نہیں پہچانا؟ میں عنایت کا باپ ہوں! اسی طرح تعریف المجہول بالمجہول ہوتی ہے۔ اگر تعلیم و تبلیغ خدا کی صحیح معرفت اور اس کی ذات و صفات کے صحیح علم اور تعریف کے ساتھ ہو تو وہ اپنا صحیح اثر دکھاتی ہے، شریعت کے احکام اور قرآن شریف عمل کے لئے ہیں جب تک ان پر عمل نہ کیا جائے گا ان سے فائدہ نہ ہوگا۔ ایک شخص نے مجھ کو عطر دیا کہ یہ ایک بہت نفیس اور قیمتی عطر ہے، دوسرے روز میں نے اس کو چکھا تو کڑوا تھا میں نے کہا کہ کیا عطر دیا کہ کڑوا ہے، عطر کا تعلق تو قوت شامہ سے ہے اور اس کا استعمال یہی ہے کہ اس کو لگایا جائے، اسکی خوشبو سے فائدہ اٹھایا جائے، جب تک قوت شامہ بیدار نہ ہو، نظر سے یا ذائقہ سے وہ فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔

فرمایا، میں نے ایک کتاب میں منڈی کی تعریف دیکھی مصنف نے اسکے فوائد بہت سے گنائے تھے، اسکے فوائد گناتے گناتے یہاں تک لکھ دیا تھا کہ اس سے حضور ﷺ کی زیارت ہو جاتی ہے، مجھے بہت تعجب ہوا کہ منڈی کو زیارت سے کیا واسطہ؟ کچھ عرصہ بعد مجھے معلوم ہوا کہ منڈی سے خون کا تصفیہ اور دماغ کا تنقیہ ہو جاتا ہے اور چونکہ معاملہ دماغ کی صفائی کا ہے اگر دماغ صحیح اور ذہن صاف ہو جائے تو پھر زیارت کچھ بعید نہیں۔

فرمایا مولانا سید سلیمان ندوی یہاں ایک دن بیٹھے ہوئے تھے، میرے بچے عربی زبان کی ابتدائی کتابیں پڑھ رہے تھے، فرمایا کیا بلی کتے کے قصے آپ پڑھا رہے ہیں؟ قرآن و حدیث کے ذریعہ زبان سکھائیے۔ میں نے کہا قرآن و حدیث کا یہ موضوع نہیں قرآن شریف میں آتا ہے (فذکر بالقرآن من یخاف وعید[1]) جو لوگ قرآن و حدیث کے ذریعہ زبان سیکھتے ہیں انکے ذہن سے قرآن مجید کی عظمت نکل جاتی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ بھی ایک بات کا نمونہ ہے ہزاروں لاکھوں عرب عربی زبان کے بڑے ادیب ہیں اور ان پر قرآن و حدیث کا کوئی اثر نہیں۔

---

[1] پس یاد دہانی کرو قرآن کے ذریعہ (اس کو) جو ڈرتا ہو وعید سے۔

۲۰ شوال سنہ [illegible]ھ مطابق ۲۱ جنوری سنہ [illegible]ء (۱۰ بجے صبح تا ۱۲ بجے دن)

آج اتوار ہونے کی وجہ سے حاضرین کی بڑی تعداد تھی، خانقاہ کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، کم و بیش سو آدمیوں کا اندازہ ہے، حاضرین میں متعدد عمائد شہر، جدید تعلیم یافتہ نوجوان، اور ملازمین اسٹیٹ، ای۔ ایل افسران وغیرہ تھے۔

گنے اور دوسرے درختوں کا وہ فرق بیان کرتے ہوئے جو ایک پچھلے ملفوظ میں آ چکا ہے فرمایا، جس طرح گنے کا پھل نہ ہونے کی وجہ سے حلاوت و شیرینی اس کے سارے جسم میں سرایت کر جاتی ہے، اور وہ سراپا ثمر، اور مجسم حلاوت بن جاتا ہے، اسی طرح جو اہل دل تقریر نہیں کرتے اور زبان سے زیادہ کام نہیں لیتے، وہ سراپا فیض و مجسم افادہ بن جاتے ہیں۔ فرمایا، ایک مرتبہ ہمارے یہاں مزدور لگے ہوئے تھے، میری عادت ہے کہ میں بھی کام کرنے والوں کے ساتھ شامل ہو جاتا ہوں، اکثر تجربہ ہوا ہے، کہ ان غریب اور بے پڑھے آدمیوں کی گفتگو سے بعض مرتبہ کوئی بڑا نکتہ، اور بڑے کام کی بات ہاتھ آ جاتی ہے، چنانچہ میں بھی ان کے کام میں شریک ہو گیا، جب میں ان میں گھل مل گیا، اور کچھ بے تکلفی ہوئی، تو انھوں نے کہا، باباجی! ہم کچھ کہنا چاہتے ہیں، میں نے کہا کہو، میں اسی لئے تو گھلا ملا ہوں، انھوں نے کہا کہ، ہم اگر فلاں جگہ کام کرتے تو ہم کو زیادہ مزدوری ملتی، میں نے کہا کہ تم اطمینان رکھو، یہاں مزدوری خاک نہ ملے گی، یہاں تو صرف دعائیں ملیں گی، وہ کام کرتے رہے، شام کو جب چھٹی ہوئی، تو میں نے ان کو حساب سے زیادہ، اور ان کی توقع سے بڑھ کر مزدوری دی، اس پر وہ خوش ہو کر کہنے لگے، باباجی! ہمارا رونگٹا رونگٹا آپ کے لئے دعا کرے گا، میں نے کہا، یہی تو چاہئے، زبان سے دعا کرنے سے رونگٹوں کا دعا کرنا کہیں بڑھ کر ہے، زبان کی دعا میں تو تصنع و ریاکاری بھی ہو سکتی ہے، اور غفلت کا شائبہ بھی، لیکن اس میں خلوص کے سوا کچھ نہیں، میں ایسے ہی جملوں کا شائق رہا کرتا ہوں، ان سے بڑے بڑے سبق لیتا ہوں۔

مجمع زیادہ تھا، جدید تعلیم یافتہ، اور خوش پوش نوجوان بھی تھے، آپ نے انکی طرف

مخاطب ہو کر فرمایا، کہ آپ حضرات ہم جیسے لوگوں کو بزرگ، اور خدا رسیدہ سمجھتے ہیں، حالانکہ آپ کے پاس بہت بڑی دولت ہے، آپ کو قرب اور ترقی کے جو مواقع حاصل ہیں، ان سے ہم لوگ محروم ہیں، دیکھئے، اگر کسی کے پاس قربانی کے لئے بہت جانور ہوں، اور وہ انکی راہ خدا میں قربانی کرے، تو اس کا درجہ زیادہ ہوگا، یا اس کا جس کے پاس نہ کوئی جانور ہو، نہ وہ قربانی کر سکے؟ ایک شخص کے پاس بڑے فربہ اور تر و تازہ دُنبے اور بکرے ہیں، اور وہ ان کو سال بھر کھلاتا اور پلاتا ہے، اور عید الاضحیٰ میں ان کی قربانی کرتا ہے، ایک شخص کے پاس مریل بکری ہے، جس کا پیٹ پیٹھ سے لگا ہوا ہے، کس کو تقرب الی اللہ کا زیادہ موقع ہے؟ قربانی کے جانور اور فربہ دُنبے، یہ معاصی اور عادات و مالوفات اور مرغوبات ہیں، جن کی راہ خدا میں قربانی کی ضرورت، اور احکام شریعت کے ماتحت کرنے کا موقعہ ہے، ہم لوگوں کی زندگی کا ایک لگا بندھا نظام ہے، ہم تو ایک ہی ڈگڈگی بجاتے رہتے ہیں، ہم معصیتوں کو چھوڑ کر، اور اپنے مالوفات و مرغوبات کو قربان کرنے کے ذریعہ کہاں یہ قرب و ترقی حاصل کر سکتے ہیں، جو آپ کو ہر وقت میسّر ہے، یہ بھی میں آپکے نظریہ کو تسلیم کر کے کہہ رہا ہوں، کہ آپ ہم کو پارسا اور پاکباز سمجھتے ہیں، ورنہ ہم سب گنہگار ہیں، لیکن آپکے خیال کو صحیح جان کر میں یہ عرض کرتا ہوں، کہ آپ کو جو دولت حاصل ہے وہ ہم کو حاصل نہیں، اسی سے تو انسان کو فرشتوں پر فضیلت حاصل ہے کہ وہ ذکر و طاعت کے سوا نہ کچھ جانتے ہیں، نہ کچھ ان کے امکان میں ہے، لیکن انسان میں خواہشات ودیعت کی گئی ہیں، اور انکی تکمیل کے ذرائع و مواقع بھی اسکو عطا کئے گئے ہیں، اس لئے اگر وہ اپنی خواہشات کی قربانی کرتا ہے اور اطاعت و عبادت کا راستہ اختیار کرتا ہے، تو اسکے درجہ کو فرشتے نہیں پہنچ سکتے۔

" وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ	اور جو ڈرا اپنے ربکے حضور پیشی سے اور
وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى	روکا اس نے اپنی خواہش کو تو بے شک
فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى "	اس کا ٹھکانا جنّت ہے۔

فرمایا میں جب کسی تندرست جوان، اور صحیح القوی آدمی کو دیکھتا ہوں، تو بڑا رشک آتا ہے، آپ کو عبادت کے کتنے مواقع حاصل ہیں، آپ چاہیں تو رمضان میں ایک قرآن مجید روز ختم کر سکتے ہیں، پچھلے برسوں میں میں کبھی تین، کبھی چار رمضان کو قرآن شریف ختم کر لیتا تھا، اس سال تو بیسؔ کو ختم کر سکا، لیکن ان قوی کے ساتھ اگر کوئی طاعت وعبادت نہ کرے، اور اپنی مرغوبات اور معاصی کی قربانی نہ دے، اور کوئی اپنے نحیف و نزار جسم کے ساتھ عبادت و مجاہدہ کرے، تو اسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک شخص کے یہاں خوب تیار دُنبے بندھے ہوئے ہوں، اور وہ روز دال کھائے، اور ایک شخص کے یہاں کوئی جانور بھی نہ ہو اور وہ روز قورمہ، قلیا اڑائے، کون خوش قسمت ہی؟

مجمع میں متعدد حفاظ اور قراء موجود تھے، فرمانے لگے ابھی کچھ روز ہوئے شہر کے ایک صاحب میرے پاس آئے، اور کہا کہ وہ حفاظ اور قاریوں کا ایک انعامی مقابلہ کرنا چاہتے ہیں، اس میں وہ اپنے فن کا مظاہرہ کرینگے اور اس میں انکو انعامات دیئے جائیں گے، میں نے کہا کہ آپ کیا انعام دیں گے، کسی کو دسؔ روپئے، کسی کو پندرہؔ روپئے، کیا یہ قرآن مجید کے ایک حرفؔ پڑھنے کا بھی معاوضہ ہے؟ حدیثوں میں آتا ہے کہ قرآن مجید کے ایک ایک حرف پڑھنے کا ثواب تیس تیس نیکیاں ہیں، اور یہ تیس بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں کے تیس ہیں، یہاں کے تیس نہیں، وہاں کے اوزان و مقادیر کا یہاں کے اوزان و مقادیر پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، کسی زمانہ میں بھوپال کا سیر ایک سوؔ بیس تولہ کا تھا، اور ریاست کے باہر اسّیؔ تولے کا سیر چلتا تھا، اب یہاں کا سیر بول کر دوسری جگہ کا سیر مراد نہیں ہو سکتا تھا، دونوں میں بڑا فرق تھا، پھر اللہ تعالیٰ اپنے شایان شان عطا فرماتا ہے، حاتم کا قصہ ہو کسی نے اس سے پانچ تاشے مانگے، اس نے دو تھیلے بھرنے شروع کئے، کسی نے کہا کہ اس نے تو پانچ مانگے تھے، کہا وہ تو مانگنے والا کا حوصلہ تھا، یہ دینے والے کا حوصلہ ہے، یہ جب حوصلہ مندانسانوں کا حال ہے، تو اللہ تعالیٰ کی شان عطا کا

کیا ٹھکانا!

فرمایا، ایک مرتبہ لکھنؤ میں ایک برادری کے چودھری مجھ سے بیعت ہوئے، بیعت ہونے کے بعد وہ گھر میں چلے گئے اور وہاں سے چند نوٹ لے کر آئے اور کہا، یہ آپ کے خرچ کے لئے ہے، میں نے کہا گھر میں اتنے ہی نوٹ ہیں، یا اور بھی؟ انھوں نے کہا اللہ کا دیا بہت کچھ ہے، میں نے کہا کہ سب نقدی میرے حوالہ کر دو، گھر کا قبالہ بھی مجھے دے دو، اور تم سب بیوی بچے خط غلامی لکھ دو، تم نے اللہ کا نام سیکھا ہے اور سب گناہوں سے توبہ کی ہے، اور اسکے حکم ماننے کا عہد کیا ہے اسکی قیمت یہی چند روپے ہیں؟ تمھیں اس موقع پر اس کا تصور ہی کیوں آیا، کہ تم چند ٹکلیاں اس کے بدلے میں پیش کرو، کیا اللہ کے نام کی اور اس تعلق کی یہی قیمت ہے؟ اسی طرح بمبئی کے ایک سیٹھ تشریف لائے، اور مہمان ہوئے، بیعت کے بعد کہنے لگے اجازت ہو تو کچھ عرض کروں؟ میں نے کہا، فرمائیے، کہنے لگے، میں کچھ پیش کرنا چاہتا ہوں، میں نے کہا، میں نے آپ کو جو کچھ دیا ہے اگر اس سے زیادہ قیمتی چیز آپ پیش کر سکیں، تو بسم اللہ! فرمایا، اسکی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص کسی سے پورا مکان خرید لے، اور وہ سب پر تو قابض رہے، ایک کھونٹی اکھیڑ کر اسکے حوالہ کر دے، خریدار اس کو کیا سمجھے گا، یا کوئی کسی کو اشرفیاں اور جواہرات دے، اور وہ اس سے کہے شاید آج آپ کا چولھا نہ جلا ہو میں آپ کی خدمت میں کنڈے (اُپلے) پیش کروں گا، یہ ان جواہرات کی قدر ہوئی یا نا قدری؟ کلمہ کا مطلب کیا ہے، جس نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا وہ اپنی ہر چیز سے دست بردار ہو گیا، اور سب کچھ خدا کی نذر کر دیا۔

"اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ۔	بے شک اللہ نے خرید لیا ہے، اہلِ ایمان سے اُن کو اور اُن کے اموال کو اس وعدہ پر کہ اُن کا بدلہ جنت ہے۔

فرمایا، خدا کا نام لینا آسان نہیں، ایک قصہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے ایک

شخص کو دیکھا کہ ہر وقت اسم ذات ہی کا ورد کرتا ہے، ایک منٹ کے لئے اس کی زبان نہیں تھمتی، اور ایک لمحہ بھی اپنے وقت کا ضائع نہیں کرتا، حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو اس سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہوا، جب اس کو معلوم ہوا کہ یہ حضرت موسیٰؑ ہیں تو وہ بہت خوش ہوا، اور کہا کہ مجھے عرصہ سے اللہ کے نبی کی زیارت کا اشتیاق تھا، خوب ہوا کہ آج دیدار ہو گئے، اگر اللہ تعالیٰ سے مناجات، اور شرف ہم کلامی کا موقع ہو تو یہ دعا کر لیجیئے گا کہ اللہ مجھے ایک بار اپنا نام لینے کی توفیق دیدے، اور مرنے سے پہلے ایک مرتبہ وہ پاک نام لینا نصیب ہو جائے، حضرت موسیٰؑ کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ تو ہر وقت اللہ کا نام ہی لیتا رہتا ہے اب اور کیا چاہتا ہے؟ غرض جب حضرت موسیٰؑ کو باریابی ہوئی اور ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا، عرض کیا، خدایا تیرے فلاں بندہ نے مجھ سے یہ خواہش کی کہ میں تجھ سے عرض کردوں، کہ تیرا نام لینا نصیب ہو جائے، فرمایا اچھا، اسکی دعا قبول ہوئی، اسکو میرا نام لینا نصیب ہو جائے گا، جب حضرت موسیٰؑ اسکے پاس پلٹ کر آئے، اور کہا تمھاری دعا قبول ہوئی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم کو نام لینا نصیب ہو جائے گا، بس اس پر اس نے ایک نعرہ لگایا اور اللہ کا نام لیا، اللہ کا نام لیتے ہی جاں بحق تسلیم ہو گیا، حضرت موسیٰؑ کو بڑا تعجب ہوا، اور بارگاہ الٰہی میں رجوع فرمایا، ارشاد ہوا، کہ اسم سے مانوس تھا، مسمّیٰ تک نہیں پہونچا تھا، اب مسمّیٰ تک پہونچ گیا، حقیقت یہی ہے کہ پہلے کثافت کو دور کرتے ہیں، پھر حقیقت تک پہونچتے ہیں، پہلے تخلیہ ہوتا ہے پھر تحلیہ، کسی کو نماز کے لئے کہا جائے، اور اس کو بشری ضرورت کا تقاضہ ہو تو پہلے وہ اپنی ضرورت رفع کرتا ہے یہ نماز ہی کی تیاری ہے۔

فرمایا، کہ تمام عارفین کا کلام سر آنکھوں پر، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت کا کیا کہنا! سب نے اپنے اپنے مرتبے کے مطابق علوم و معارف لکھے ہیں، لیکن مجھے شیخ سعدی کے کلام سے بہت نفع ہوتا ہے، پہلے تو خیال تھا کہ یہ میرا ہی تاثر ہے، لیکن جب سے حضرت شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول دیکھا کہ شیخ سعدیؒ نے دو شعروں میں سارے تصوف کا خلاصہ بیان کر دیا ہے، تو میرے خیال

بھی تقویت اور تائید ہو گئی، اور مجھے سند مل گئی، وہ شعر یہ ہیں:۔

مرا پیر دانائے مرشد شہاب — دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش — دوم آنکہ در کس تو بد بیں مباش

(سعدیؒ)

شیخ سعدیؒ کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ پہلے کپڑے دھونے کی تلقین کرتے ہیں، کپڑے دُھلے ہوئے ہوں، تو جو چاہو رنگ چڑھا دو، چاہے سُرخ، چاہے سیاہ، چاہے نیلا، چاہے کچھ اور، میلے اور سیاہ کپڑوں پر کوئی رنگ نہیں چڑھتا، ان دو شعروں میں بھی انھوں نے یہی تلقین کی ہے کہ دل کو کبر و غرور، اور عُجب و خود پسندی سے، اور دوسروں سے بدگمانی، بدبینی، اور بغض و حسد سے پاک کر لو، جب دل اس طرح سے پاک و صاف ہو جائے گا، تو اس پر ہر اصلاح و تزکیہ کا رنگ چڑھ جائے گا، فرمایا کہ ایک صاحب نے مجھے لکھا کہ میں "الفرقان" میں آپ کے ملفوظات پڑھ کر بہت متاثر ہوا، مجھے پہلے بھی طریقہ نقشبندیہ سے عقیدت تھی، اور میں اسی میں مسلک ہونا چاہتا ہوں، میں نے جواب دیا کاش کہ آپ لکھتے کہ میں مسلمان بننا چاہتا ہوں مسلمان بن جانا کپڑے دھو لینے کے مرادف ہو، جب آدمی مسلمان ہو گیا تو چاہے اس پر چشتیت کا رنگ چڑھا دیا جائے، چاہے نقشبندیت کا، مجھے یہ تعصب اور گروہ بندی کبھی پسند نہیں، ان طریقوں میں بھی بڑی مغایرت پیدا ہو گئی ہے، چشتی کا دل نقشبندی سے نہیں کھلتا، نقشبندی کا چشتی سے، اسی طرح جب میں بعض کتابوں میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے مذہب میں اس طرح ہے، یعنی مذہب حنفی میں، تو مجھے یہ بات چبھتی ہے، چاروں مذاہب حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی، ہمارے ہی ہیں، میں نے یہ بھی لکھا کہ یہ بھی ضعیف الاعتقادی کی بات ہے کہ کسی کے اقوال اور کلام دیکھ کر اتنی جلدی معتقد ہو جائے، اصل چیز زندگی اور عمل ہے، حکمت کی باتیں دوسرے مذاہب کی کتابوں میں بھی بہت ہیں۔

فرمایا کہ میں ایک مرتبہ دہلی میں قطب صاحب گیا، میں ہمیشہ بزرگوں کے مزارات پر تنہا حاضر ہونا چاہتا ہوں، تاکہ فقیرانہ شان ظاہر ہو، جس سے فائدہ ہوتا ہے، یہ

مخدومیت و مشیخت کا موقعہ نہیں، لیکن لوگ نہیں مانتے، ایک ایک، دو دو کرکے بہت سے آدمی ساتھ ہو گئے، وہاں خدام نے جب یہ جمگھٹا دیکھا تو سمجھے یہ کوئی بہت بڑے صاحب سجادہ اور شیخ طریقت ہیں، ایک صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت کا کیا طریقہ ہے؟ میں نے کہا میرا طریقہ آپ پوچھتے ہیں؟ میرا طریقہ ہے ضرورت سے زیادہ بولنا، ضرورت سے زیادہ کھانا، ضرورت سے زیادہ سونا، میں اسی طریقہ میں مرید ہوں، پھر میں نے کہا کہ آپ اس سے زیادہ اور آسانی سے سمجھ جائیں گے کہ میں ایک ایسا کُتا ہوں جو کیچڑ میں لت پت ہے، اس کو جس کی گود میں بٹھا دیجئے گا اس کو گندہ کردے گا، اسی طرح جس طریقہ میں داخل ہونگا اس کو گندہ کردونگا۔

فرمایا کہ یہاں ایک صاحب تھے مولوی لطف اللہ بڑے زاہد، بڑے تارک الدنیا روپیہ پیسہ اپنے پاس نہیں رکھتے تھے، اور پیسہ پر رات گزرنے نہیں پاتی تھی، حضرت ابوذر غفاریؓ کی دلیل دیا کرتے تھے، لیکن ان کے پاس تو روپیہ رہ بھی جاتا تھا، اور انتقال کے وقت بھی انھوں نے کچھ چھوڑا، لیکن یہ حضرت کچھ رکھنے کے بھی روادار نہ تھے، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق تھا، جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تھا، تو میں انہی کی ترجیح کرتا تھا کہ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو اپنے ہی ہیں، یہ غیر ہیں، ایک مرتبہ جماعت میں شریک تھے، انھوں نے اقامت کہنی شروع کی اشھدان محمد رسول اللہ ایسی عجلت اور غیر واضح طریقہ کے ساتھ کہا کہ اچھی طرح الفاظ ادا نہیں ہوتے تھے، والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مُڑ کر فرمایا، کہ مولوی صاحب آپ عالم ہیں ان الفاظ کو تو ذرا صفائی کے ساتھ ادا کرنا چاہئے، ان کو ناگوار ہوا، اور کہنے لگے کہ میں اس سے اچھے طریقہ پر نہیں کہہ سکتا، اس سے طرفین میں کچھ انقباض ہوا، والد صاحب کا تخاطب کم ہوا، انھوں نے اپنا بستر خانقاہ سے اٹھایا اور باہر چلے گئے، بس اتنی سی بات پر اتنے برہم ہوئے کہ اتنے پُرانے تعلق کی بھی پروا نہ کی، اسی طرح سے جالنہ کی ایک مسجد میں ایک مولوی صاحب تھے نور محمد نامی، ملتان کی طرف کے رہنے والے، پستہ قد تھے، اور نہایت زاہد متقشف، قبرستان جایا کرتے تھے، جہاں کوئی خلاف شرع چیز سامنے آئی،

خادم نے ذرا سا ہاتھ دبایا فوراً آنکھیں بند کرلیں کہ خلاف شرع چیز پر نظر نہ پڑنے پائے، ایک دن پڑھاتے پڑھاتے غصہ آیا، ایک طالب علم کو اتنا مارا کہ توبہ توبہ یہ سب دماغ کی خشکی، اور لوگوں سے الگ تھلگ رہنے اور دور بھاگنے کا نتیجہ ہے، ان حضرات کے واقعات کو دیکھ کر وہ حدیث سمجھ میں آئی جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن حضرت عائشہؓ کو حبشیوں کا کھیل اور کرتب دکھلائے، اور آپ کبھی کبھی حضرت عائشہؓ کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ بھی فرماتے تھے، اصل یہ ہے کہ مٹھائیوں کے ساتھ چٹنیوں کی بھی ضرورت ہے، حیات طیبہ اور صحابہ کرامؓ کی زندگی میں مٹھائی کے ساتھ چٹنی بھی تھی، جس سے طبیعت کا اعتدال، اور مزاج کی شگفتگی باقی رہتی ہے، ان حضرات نے مٹھائیاں تو لے لیں، چٹنی چھوڑ دی، میں نے اکثر گوشہ نشین زاہدوں، اور صحبت و اختلاط سے بچنے والوں کو غیر متوازن اور سنکا ہوا پایا، مٹھائی کے ساتھ چٹنی ضروری ہے، ورنہ معدہ خراب ہو جائے گا اور طبیعت اعتدال سے ہٹ جائے گی۔

فرمایا کہ انسان کے جسم کی ساری قدر و قیمت روح سے ہے، روح نہیں تو انسان کا جسم بے قیمت اور بے حقیقت ہے " قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ " کی تفسیر میں لوگوں نے صفحے کے صفحے لکھے ہیں، لیکن مجھے تو ایک مثال سے اسکے معانی خوب سمجھ میں آئے، سب سمجھتے ہیں کہ مجھے نوٹ سے دلچسپی ہے مگر مجھے نوٹ سے دلچسپی نہیں، حکم سے دلچسپی ہے، اگر حکم ہو جائے کہ فلاں نمبر کے نوٹ بیکار ہیں، تو نوٹ ردّی کاغذ سے زیادہ نہیں، پھر نہ کوئی اس کو رکھے گا، نہ کوئی اس کی حفاظت کرے گا، میں نے ایک صاحب سے کہا کہ میں ایسی ترکیب بتاؤں کہ تیرہ ہزار روپئے تجوری میں رکھے ہیں اور قفل بھی نہ ٹوٹے، اور چوری چلے جائیں، سب کو اس پر تعجب ہوگا، لیکن یہ بات بہت آسان ہو، حکم آجائے کہ فلاں نشان کے نوٹ بیکار ہیں، وہ نہیں چلیں گے، بس تجوری میں رکھے رکھے وہ نوٹ بے جان، اور بے قیمت ہو جائیں گے، گویا چوری چلے گئے، اسی طرح حکم صادر ہوا، کہ روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے، اگر وہ آہنی برجوں اور بڑے بڑے قلعوں میں بھی ہوں تو لاشہ بے جان

اور مٹی کا ڈھیر، اسی کو قرآن مجید میں کہا گیا ہے :-

" اَيْنَمَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ جہاں کہیں بھی تم ہو پالے گی تم کو موت
وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ" اگرچہ تم مضبوط برجوں میں کیوں نہ ہو۔

تجوری میں نوٹ ہیں مگر بے قیمت کاغذ کا ڈھیر، آہنی برجوں اور سنگین قلعوں میں انسان ہیں، مگر جسد بے جان، اور خاک کا ڈھیر، دونوں میں کیا فرق ہوا؟

فرمایا، مجھے یہ جملہ بہت کھٹکتا ہے کہ قرآن مجید ختم ہو گیا، فلاں کا سلوک ختم ہو گیا، فلاں کو خلافت مل گئی، کہیں قرآن بھی کسی کا ختم ہوا ہے؟ اور سلوک بھی کبھی تمام ہوا ہے؟ کہنے والے نے صحیح کہا، کہ ؎

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
واز ہر چہ گفتہ ایم و شنیدیم، و خواندہ ایم
منزل تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر
ما ہم چناں در اوّلِ وصف تو ماندہ ایم

یہاں ترقی کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے، ہر منزل کے بعد ایک منزل ہے تمدنی ترقیات کا بھی یہی حال ہے، پہلے میٹھے تیل کا دیا جلتا تھا، ہمارے یہاں خانقاہ میں جب کوئی بہت معزز آدمی آنے والا ہوتا تھا، تو دو بتیوں کا دیا جلاتے تھے، اور ہم بہت خوش ہوتے تھے، کہ خانقاہ چمک اٹھی، پھر مٹی کا تیل نکلا، اور گیس آئی، اور پھر بجلی آئی، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی معرفت اور سلوک کے اس ارتقاء کا ذکر کیا ہے، وہ وحدۃ الوجود کا انکار، اور اس کے ماننے والوں پر طنز و تعریض نہیں کرتے، فرماتے ہیں کہ یہ ایک مقام ہے جو سالک کو پیش آتا ہے اور میں بھی اس پر مدّت تک رہا ہوں، پھر اللہ نے اس سے آگے بڑھایا، اپنے پیر حضرت خواجہ باقی باللہؒ کا بھی حوالہ دیتے ہیں اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کو گواہ بناتے ہیں کہ شیخ بھی اس مقام پر تھے، لیکن پھر اس سے آگے بڑھ گئے، اور حضرت مجددؒ کے کلام کی تصدیق فرمائی، سلوک ایک بے نہایت اور بے پایاں چیز ہے،

ہر شخص بقدر ظرف اور بقدر حوصلہ اس سے حصّہ پاتا ہے، اور اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، کسی ہندی شاعر نے خوب کہا ہے :۔

مصری کا پربت بھیو چیونٹی لے لے جائے
ان منکھ اپنا بھر لو پربت لئے نہ جائے

قرآن مجید میں ہے :۔

"وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ"

اور اگر زمین کے تمام درخت قلم ہوں اور سمندر سیاہی ہو اور اسکے بعد سات سمندر اور سیاہی بن جائیں تو اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں گے۔

ایک مبارک شخصیت، ایک تابندہ حیات
شیخ الاسلام حضرت عبداللہ بن مبارکؒ

تلخیص و ترجمہ از ——— مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

فخر المجاہدین، قدوۃ الزاہدین، شیخ الاسلام امام عبداللہ بن مبارکؒ کی کتاب زندگی کے یہ چند اوراق، محقق شہیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمی دامت برکاتہم کے مقدمے سے اخذ کر کے پیش کر رہا ہوں۔ یہ مقدمہ کتاب الزہد والرقائق" کے شروع میں ہے۔ جو حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی مبارک تصنیف ہے اور جس کو حضرت مولانا مدظلہٗ نے اپنی مثالی تحقیق و تعلیق اور غیر معمولی تلاش و محنت کے ساتھ مرتب کیا ہے اور آپ ہی کی قائم کردہ مجلس احیاء المعارف مالیگاؤں نے بڑے اہتمام سے اور بہترین شکل میں اس کو شائع کر کے ایک نادر علمی و ایقانی شاہکار سے اہل علم کو فائدہ اٹھانے کا موقع دیا ہے۔ اس سے پہلے بھی آپ نے مسند امام حمیدی جیسے اہم مجموعۂ حدیث کو جو صحیح بخاری کا سب سے بڑا ماخذ ہے اسی طرح مرتب کر کے شائع کرایا تھا۔ اور ابھی حال میں سنن سعید بن منصور کو تحقیق و تعلیق کی پوری خصوصیت کے ساتھ شائع کرا کے شائقین علم حدیث پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ حدیث کے یہ سب نایاب ذخائر تھے۔ مختلف ممالک کے کتب خانوں کی فہرستوں میں صرف ان کے نام ملتے تھے۔ مولانا ممدوح نے ان کے عکسی فوٹو حاصل کرا کے اپنی محققانہ تعلیقات کے ساتھ شائع کرایا ہے۔ سچ یہ ہے کہ حضرت محدث اعظمی مدظلہ ضعف پیری اور

مستقل صحت کی خرابی کے باوجود اپنی خداداد بلند ہمتی اور عالی حوصلگی کو بروئے کار لاکر تنہا ایک اکیڈمی اور علمی جماعت کا کام انجام دے رہے ہیں ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء — اللہ تعالیٰ آپ کی ان مساعی اور خدمات کو قبول فرمائے اور تادیر یہ سلسلۂ فیض باقی رکھے۔ آمین!

اتفاق کی بات میں لکھنؤ آیا ہوا تھا کہ حضرت مولانا اعظمی بھی دیوبند جاتے ہوئے لکھنؤ تشریف لے آئے چند گھنٹے اُن کی برکات علمیہ سے مستفید ہوا۔ حضرت مولانا نعمانی مدظلہ کے پاس کتاب الزہد کا نسخہ موجود تھا مجھے مطالعہ کے لیے ملا۔ اس کے مقدمہ میں مولانا اعظمی مدظلہ نے متعدد تذکروں اور تاریخوں سے اخذ کر کے صاحب کتاب امام عبداللہ بن مبارکؒ کا تذکرہ بھی لکھا ہے اور جو چیز جہاں سے لی ہے اس کا حوالہ بھی دیا ہے۔ میں مولانا نعمانی کے ایماء سے تلخیص کے ساتھ اس کا ترجمہ پیش کر رہا ہوں۔ حوالے دینے کی میں نے ضرورت نہیں سمجھی۔ اللہ تعالیٰ بزرگوں کے طفیل ہمیں صحیح علم و عمل کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

ولادت اور نسب امام جلیل عبداللہ بن مبارک بن واضح مروزی بعہد خلافت ہشام بن عبدالملک ۱۱۸ھ میں یا اس کے ایک سال بعد پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد ترکی النسل تھے اور والدہ خوارزمی تھیں۔

آپ کا زرّیں عہد آپ نے بہت سے تابعین کو پایا — یہ وہ مبارک زمانہ تھا جس میں اسلام اور اہل اسلام کو فروغ حاصل تھا۔ جہاد فی سبیل اللہ کے پھریرے فضائے آسمانی میں لہرا رہے تھے۔ سنتیں رائج و سربلند اور بدعات سرنگوں تھیں۔ آوازِ حق بلند کرنے والے اور عبادت میں زندگی گزارنے والے کثیر تعداد میں تھے امن و امان کا دور دورہ تھا اور جیوشِ محمدیہ دور دور تک پہونچ چکے تھے۔ اس وقت صالحین و عارفین میں سے ابراہیم بن ادہمؒ، داؤد طائیؒ، سفیان ثوریؒ اور فقہا و مجتہدین میں سے امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ جیسے اکابرِ اُمت موجود تھے۔

شوق علم اور طلب علم ابو اُسامہ کا بیان ہے کہ میں نے عبداللہ بن مبارکؒ سے زیادہ شوقِ علم رکھنے والا کوئی نہیں دیکھا، مختلف مقامات پر متعدد

اساتذہ سے آپ نے علمی فیض حاصل کیا۔ ۱۴۱ھ میں عراق سے طلب علم کے لیے نکلے تھے۔ شام، مصر اور یمن پہونچے اور کثیر التعداد اساتذہ سے بہت کچھ احادیث سنیں۔ آپ نے خود فرمایا ہے کہ میں نے چار ہزار شیوخ سے علم حدیث حاصل کیا ہے اور ایک ہزار سے روایت کرتا ہوں۔ ابن معین کا قول ہے کہ عبداللہ بن مبارک نے بیس اکیس ہزار کتابوں سے حدیث بیان کی ہے۔

حافظہ صخر نامی آپ کے ایک دوست بیان کرتے ہیں کہ بچپن کے زمانے میں میرا اور عبداللہ بن مبارک کا گزر ایک خطیب کے پاس سے ہوا۔ اس نے ایک طویل تقریر کی۔ جب وہ تقریر ختم کر چکا تو ابن مبارک نے کہا میں نے اس تقریر کو یاد کر لیا۔ اس بات کو ایک شخص سن رہا تھا اس نے کہا اچھی بات ہے تقریر کو یاد کر لیا ہے تو اس کو سناؤ۔ آپ نے وہ تقریر من و عن سنا دی۔

نعیم بن حماد کا بیان ہے کہ مجھ سے خود عبداللہ بن مبارک نے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ میرے والد نے مجھ سے فرمایا کہ اگر تیری کتابیں میرے ہاتھ لگ گئیں تو میں ان سب کو جلا دوں گا میں نے ان سے عرض کیا کہ اس سے میرا کوئی بڑا نقصان نہیں ہوگا کیونکہ جو کچھ میری کتابوں میں مکتوب ہے وہ میرے سینہ میں بھی محفوظ ہے۔

آپ کا مرتبہ سفیان ثوریؒ کی نظر میں ایک شخص حضرت سفیان ثوریؒ کی خدمت میں ایک مسئلہ دریافت کرنے آیا۔ دریافت فرمایا کہاں سے آئے ہو؟ اُس نے کہا مشرق کے علاقے سے۔ حضرت ثوریؒ نے فرمایا کہ کیا تمہارے یہاں مشرق کے سب سے بڑے عالم موجود نہیں ہیں جو یہاں آئے ہو۔ اُس شخص نے دریافت کیا وہ کون ہیں۔ فرمایا کہ عبداللہ بن مبارک ——— اُس نے تعجب سے دریافت کیا کہ کیا وہ تمام اہل مشرق میں بہتر اور ممتاز عالم ہیں۔ حضرت ثوریؒ نے فرمایا کہ وہ مشرق ہی نہیں مغرب کے بھی تمام لوگوں میں زیادہ عالم ہیں۔

عبدالرحمٰن بن ابی جمیل کہتے ہیں کہ ہم مکہ معظمہ میں ابن مبارکؒ کے ارد گرد بیٹھے تھے ہم نے اُن سے عرض کیا کہ اے عالم مشرق آپ ہم سے حدیث بیان کیجئے۔ حضرت سفیان ثوریؒ ہم سے قریب ہی بیٹھے تھے۔ اُنھوں نے یہ بات سنی تو فرمایا ——— یہ صرف مشرق ہی کے عالم نہیں ہیں، مشرق و مغرب اور اُس کے درمیان کے تمام علاقوں کے ممتاز عالم ہیں۔"

حضرت سفیان ثوریؒ نے خود فرمایا ہے کہ میری تمام عمر یہ خواہش رہی کہ کاش میری زندگی کا ایک سال ہی عبداللہ بن مبارک جیسا گزر جائے مگر میں اس پر قادر نہ ہو سکا۔ ایک سال تو بڑی بات ہے میں تو اُن جیسے تین دن گزارنے کی دسترس نہ پا سکا۔

آپ کی شخصیت کی عکاسی ایک سچے شعر کے آئینے میں

عمار بن حسن نے آپ کی مدح میں جو اشعار کہے ہیں اُن میں سے ایک شعر یہ ہے۔

اذا سار عبد اللہ من مرو لیلۃ فقد سار منہا نورہا وجمالہا

(یعنی جب عبداللہ بن مبارک مَروَ سے ایک رات کے لیے بھی کہیں چلے جاتے ہیں تو شہر مرو کا سارا نور و جمال آپ کے ساتھ ساتھ چلا جاتا ہے)

اسناد کا اہتمام

امام ابن مبارکؒ سے دریافت کیا گیا کہ علم حدیث کس سے حاصل کیا جائے؟ فرمایا اُس شخص سے جس نے اللہ کے لیے علم حاصل کیا ہو اور اسناد میں بہت شدید ہو۔ نہ وہ ایسے ثقہ سے روایت کرتا ہو جو غیر ثقہ سے روایت کرے اور نہ ایسے غیر ثقہ سے روایت کرے جو ثقہ سے روایت کرتا ہو، بلکہ اس کی روایت ثقہ عن ثقہ ہو۔

صحت اسناد کے ساتھ اتصال اسناد کا بھی بڑا اہتمام تھا۔ ابو اسحاق طالقانی کہتے ہیں کہ میں نے ابن مبارکؒ سے دریافت کیا کہ کیا کوئی شخص اپنے والدین کی طرف سے نماز پڑھ سکتا ہے؟ آپ نے استفساراً فرمایا اس مسئلے کی روایت کون کرتا ہے؟ میں نے کہا کہ شہاب بن خراش۔ فرمایا یہ خود تو ثقہ ہیں۔ آگے چلو یہ کس سے روایت کرتے ہیں؟ میں نے کہا حجاج بن دینار سے۔ کہا خیر یہ بھی ثقہ ہیں، یہ کس سے روایت کرتے ہیں؟ میں نے کہا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ اس کو سُن کر فرمایا کہ میاں، حجاج بن دینار اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اتنا بڑا فاصلہ اور اتنا وسیع میدان ہے کہ اونٹ چلتے چلتے تھک جائیں یعنی درمیان کے اور راوی کہاں ہیں، جب درمیانی وسائط غائب ہیں تو روایت بھی قابل اعتبار نہیں۔

حدیث سے شغف

علی بن حسن بن شقیق بیان کرتے ہیں کہ سردی کی ایک رات میں نمازِ عشاء سے فارغ ہو کر میں عبداللہ بن مبارکؒ کے ہمراہ مسجد سے باہر نکلا، اُنھوں نے دروازے پر حدیث کا مذاکرہ شروع کر دیا مجھے بھی اس میں دلچسپی ہوئی

پھر یہ سلسلہ رات بھر اسی طرح چلتا رہا حتی کہ موذن نے فجر کی اذان دے دی۔

توقیر علم حدیث ایک شخص نے راستہ چلتے عبداللہ بن مبارک سے ایک حدیث کے متعلق سوال کیا آپ نے فرمایا کہ یہ بات توقیر علم کے خلاف ہے کہ یوں سرسری طور پر چلتے چلتے معلوم کرو۔

تلامذہ ذہبی کہتے ہیں کہ آپ سے مختلف ممالک کے جن اشخاص نے روایت کیا ہے اُن کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔

تصانیف ابن سعد کہتے ہیں کہ آپ نے طلب و شوق کی رہنمائی میں کثیر روایات کو حاصل کیا اور مختلف علوم میں بہت سی کتابیں لکھیں اُن کتابوں کو لوگ ہاتھوں ہاتھ نقل کر کے لے گئے اور اُن سے دوسروں نے نقل کیں۔ ابن ندیم نے لکھا ہے کہ آپ کی تصنیفات میں کتاب السنن فی الفقہ، کتاب التفسیر، کتاب التاریخ، کتاب الزہد اور کتاب البر والصلۃ ہیں۔

درس و تدریس کے ساتھ ساتھ طلبا کی اصلاح و تربیت آپ کا یہ طریقہ تھا کہ آپ طلباء کے سامنے فقط روایات، احادیث اور تعلیم و تدریس ہی پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ بسا اوقات اپنے اصحاب و تلامذہ کو اُن کی باتوں کی طرف بھی توجہ دلاتے رہتے تھے جن میں اُن کے لیے رشد و فلاح اور خیر مضمر ہو۔ بعض اوقات بعض طلبہ کی تادیب، وقتی طور پر ترک تعلق اور ترک کلام سے بھی فرمایا کرتے تھے۔

حارث جو ان کے اصحاب اور تلامذہ میں سے ہیں، بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے ایک مبتدع کے ہاں کھانا کھا لیا۔ عبداللہ بن مبارک کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ اب میں ایک مہینہ تک تم سے بات نہیں کروں گا۔

مروزی جو کہ کتاب الزہد کے راوی ہیں بیان کرتے ہیں کہ

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ شہرت سے بچنے کے لیے گوشۂ گمنامی کو پسند کرو اور یہ بات بھی خواہ مخواہ لوگوں کے سامنے ظاہر نہ کرو کہ تم گوشۂ گمنامی کو پسند کرتے ہو اور اسے بھی نفس کو ابھرنے اور گھمنڈ کرنے کا موقع ملے گا۔ اگر تم زہد و تقویٰ کا دعویٰ کرو گے تو یہ دعویٰ ہی زہد و تقویٰ سے بے تعلق ہونے کی دلیل ہو گا کیونکہ اس ترکیب سے تم لوگوں کی تعریف و تحسین حاصل کرتا

چاہو گے۔

حُسنِ احترام

اسمٰعیل بن علی بیان کرتے ہیں کہ مجھے عبداللہ بن مبارک کا یہ واقعہ معلوم ہوا ہے کہ وہ ایک مرتبہ حماد بن زید کی خدمت میں سلام کرکے حاضر ہوئے (یہ حماد بن زید عبداللہ بن مبارک کے شیوخ واساتذہ میں سے تھے) حماد کے حلقۂ درس میں بیٹھے ہوئے طالبین حدیث نے اپنے استاد سے عرض کیا کہ آپ ابو عبدالرحمٰن (عبداللہ بن مبارک) سے فرمائیے کہ وہ ہمارے سامنے حدیث بیان کریں، شیخ نے عبداللہ بن مبارک سے فرمایا کہ ان طلبہ کو حدیث سنائیے۔ یہ سب اس بات کے خواہشمند ہیں اور مجھ سے تقاضہ کر رہے ہیں، آپ نے استاد سے عرض کیا سبحان اللہ! اے ابو اسمٰعیل (حماد) میں اور آپ کے سامنے حدیث بیان کروں۔ حماد بن زید نے اصرار کے ساتھ فرمایا کہ آپ کو حدیث ضرور بیان کرنا ہوگی ابن مبارکؒ نے فرمایا اچھی بات ہے بسلسلۂ تعمیل حکم حدیث بیان کرتا ہوں۔ پھر تو آپ نے حدثنا ابو اسمٰعیل حماد بن زید کہہ کر احادیث بیان کرنا شروع کردیں یعنی ادباً استاد کے سامنے استاد کے مرویات ہی کو دہرادیا۔

اصلاح میں حکمت کا لحاظ

محمد بن حُمید کہتے ہیں کہ ایک شخص کو جو عبداللہ بن مبارک کے پاس بیٹھا تھا ـــــ چھینک آئی، اس نے الحمدللہ نہیں کہا تو، آپ نے اس سے فرمایا کہ جب چھینک آئے تو کیا پڑھنا چاہیے اس نے جواب دیا الحمدللہ اس کو سن کر آپ نے یرحمک اللہ ـــ کہا ـــ سب نے اس طریقۂ تنبیہ کو پسند کیا۔

خلوت پسندی اور ذوقِ گمنامی

علامہ ابن جوزی حسن سے روایت کرتے ہیں کہ مرو میں حضرت عبداللہ بن مبارک کا مکان بڑا وسیع تھا، صرف صحن کا طول وعرض تقریباً ۵۰×۵۰ ہاتھ تھا۔ علماء ومشائخ اور اعیان شہر کا ہر وقت ایک مجمع آپ سے ملنے کے انتظار میں موجود رہتا لیکن جب کوفہ کا قیام اختیار فرمایا تو ایک چھوٹے سے مکان میں رہائش پسند فرمائی، صرف نماز کے لیے مکان سے باہر تشریف لاتے اور فوراً واپس ہو جاتے ـــــ حسن کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے عرض

کیا کہ کیا آپ کو یہاں مردوں کے مقابلہ میں وحشت نہیں محسوس ہوتی ـــــ فرمایا کہ میں نے مردوں کو اسی چیز کی وجہ سے تو چھوڑا ہے جو تمہاری نظر میں اچھی تھی۔ وہاں ہر معاملہ میرے پاس آتا تھا، ہر مسئلہ کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ ابن مبارک سے پوچھو۔ یہاں خلوت اختیار کر لینے کی وجہ سے بڑی عافیت پاتا ہوں۔

اسی دور کا ایک واقعہ حسن بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عبداللہ بن مبارک کے ساتھ ایک سقایہ (سبیل) پر سے گزر ہوا ہے۔ جہاں پانی پینے والوں کا ایک مجمع تھا۔ آپ بھی پانی نوش فرمانے کیلئے سقایہ کے پاس پہونچے لیکن بھیڑ میں سخت زحمت پیش آئی۔ اس لیے کہ آپ کو وہاں کوئی پہچانتا نہ تھا۔ مگر واپس ہو کر فرمایا کہ بس زندگی تو یہ ہے۔ یعنی نہ کوئی پہچانے اور نہ منہ کو لگے۔

خلوت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین کی معیت

نعیم بن حماد کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارک (علاوہ اوقات نماز و درس کے) گوشہ خلوت میں زیادہ رہتے تھے آپ سے کہا گیا کہ آپ اپنے گھر میں تنہا رہتے ہیں اس سے آپ کی طبیعت نہیں گھبراتی، فرمایا کہ میری طبیعت گوشۂ تنہائی میں کیوں گھبرائے جبکہ مجھے وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت معنوی حاصل ہوتی ہے (یعنی میں وہاں احادیث کے مطالعے میں رہتا ہوں)

شفیق بن ابراہیم کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارک سے ایک مرتبہ کہا گیا کہ آپ ہمارے ساتھ نماز پڑھنے کے بعد (کچھ دیر) ہمارے پاس کیوں نہیں بیٹھتے؟ اس کا انھوں نے یہ جواب دیا کہ میں یہاں سے جا کر صحابہ و تابعین کی مجلس میں بیٹھتا ہوں۔ لوگوں نے تعجب سے دریافت کیا کہ اب یہاں صحابہ و تابعین کہاں ہیں ـــــ اس پر ارشاد فرمایا کہ میرے پاس جو احادیث ہیں اور جن کو میں دیکھتا رہتا ہوں اُن میں صحابہ و تابعین کے آثار و اعمال ہیں (اسی لحاظ سے میں اُن کی ہم نشینی کا لطف اُٹھاتا ہوں) میں تمہارے پاس بیٹھ کر کیا کروں تم خواہ مخواہ میرے سامنے لوگوں کی غیبت کروگے۔

تقویٰ اور خشیت

علی بن حسن بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مبارک کو یہ کہتے سُنا ہے کہ اگر میں شبہے والا ایک درہم صاحب

حق کو واپس کر دوں تو یہ میرے لیے اس سے اچھا ہے کہ ایک لاکھ بلکہ چھ لاکھ درہم خیرات کر دوں"

نعیم بن حماد بیان کرتے ہیں کہ ابن مبارک جب کتاب الرقاق پڑھتے تھے تو خدا اور آخرت کے خوف سے اس طرح روتے اور تڑپنے لگتے کہ گویا قربانی کا جانور ذبح کیا گیا ہے اور وہ تڑپ رہا ہے۔ اس وقت ہم میں سے کسی کی جرأت نہیں ہوتی تھی کہ ان کے قریب چلا جائے یا کچھ سوال کرے۔

قاسم بن محمد بیان کرتے ہیں کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کرتا تھا کہ عبداللہ بن مبارک کی لوگوں میں اتنی مقبولیت اور شہرت کیوں ہے۔ وہ نماز پڑھتے ہیں تو ہم بھی پڑھتے ہیں، وہ روزہ رکھتے ہیں تو ہم بھی رکھتے، وہ حج کرتے اور جہاد میں حصہ لیتے ہیں تو ہم یہ سب بھی کرتے ہیں، ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ہم سفر میں شام کے راستہ میں تھے۔ رات کو ایک گھر میں کھانا کھا رہے تھے کہ چراغ گل ہوگیا، ہمارا ایک ساتھی چراغ لے کر باہر گیا تاکہ کہیں سے اس کو روشن کرکے لائے چنانچہ وہ روشن کر لایا تو میں نے چراغ کی روشنی میں دیکھا کہ عبداللہ بن مبارک کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہے اور وہ زار زار رو رہے ہیں۔ چراغ گل ہونے سے ان کو قیامت کا اندھیرا یاد ہوگیا اور ان کی یہ حالت ہوگئی۔ اس وقت میں نے سمجھا کہ ان کی مقبولیت کا راز ——— ان کی یہ خشیت کی کیفیت ہے۔

حسن بن عرفہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن المبارک ایک دفعہ شام گئے ہوئے تھے۔ وہاں ایک دن انھوں نے لکھنے کے لیے کسی سے قلم مانگ لیا، پھر واپس کرنا بھول گئے اور اپنے وطن مرو آگئے، یہاں آکر قلم دیکھا تو اس کو واپس کرنے کے لیے شام کا مستقل سفر کیا اور وہاں جاکر قلم واپس کیا۔

تواضع ایک مرتبہ آپ کوفے میں تھے۔ پڑھنے والے نے کتاب المناسک آپ کے سامنے پڑھی۔ ایک حدیث آئی جس کے آخر میں یہ جملہ تھا قال عبد اللہ بہ ناخذ یعنی عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ اس کو سن کر فرمایا کہ حدیث کے بعد یہ جملہ کس نے لکھا ہے؟ قاری نے عرض کیا کہ جس کاتب نے کتاب لکھی ہے اسی کے قلم سے یہ جملہ لکھا ہوا ہے ——— آپ نے یہ جملہ

ہاتھ سے کاٹ دیا اور فرمایا بھلا میں کون ہوتا ہوں کہ یہاں میرا قول لکھا جائے۔

آپ کی تواضع کے سلسلے میں ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ نضر بن محمد نے اپنے لڑکے کی تقریب نکاح میں آپ کو دعوت دی آپ جب محفل میں آئے تو دوسرے آنے والوں کی خدمت کے لیے کمر بستہ ہو کر کھڑے ہو گئے۔ صاحب خانہ نے قسم دے کر آپ کو اس کام سے روکا۔

کرم و مُروّت اس سلسلے میں آپ کے تذکرہ نویسوں نے بہت سے واقعات لکھے ہیں، اُن میں سے چند بیان لکھے جاتے ہیں۔

(۱) آپ طرسوس کو بہت جایا کرتے تھے۔ رقہ میں جب اُترتے تھے تو ایک سرائے میں قیام ہوتا تھا وہاں ایک جوان تھا جو آپ کے پاس آتا جاتا تھا اور حدیث سنتا تھا۔ ایک مرتبہ جب آپ رقہ پہونچے تو اُس جوان کو نہیں پایا، آپ کو بھی عجلت تھی۔ ایک غزدے میں جا رہے تھے۔ غزدے سے واپس ہوئے اور رقہ پہونچے تو اُس جوان کے بارہ میں معلوم فرمایا کہ وہ کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا کہ وہ کسی قرض خواہ کے قرضے کی وجہ سے جیل خانے میں محبوس ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اُس پر کتنا قرضہ تھا۔ جواب دیا گیا کہ دس ہزار درہم ـــــ یہ سُن کر آپ نے قرض خواہ کو تلاش کیا اور اُسے رات کو بلا کر دس ہزار درہم قرضدار جوان کی طرف سے ادا کیے اور صاحب مال سے قسم لی کہ وہ میری زندگی میں اس بات کو کسی سے بیان نہیں کرے گا اور صبح تک اُس جوان کو قید خانے سے رہائی دلا دے گا ـــــ یہ کام کر کے آپ رات ہی کو چلے گئے ادھر وہ جوان قید سے آزاد کر دیا گیا اور اُس سے لوگوں نے کہا کہ عبداللہ بن مبارک یہاں تشریف لائے تھے وہ تم کو یاد کرتے کرتے چلے گئے، وہ جوان آپ کی تلاش میں چلا اور دو تین منزل چل کر آپ سے ملاقات کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ آپ نے بالکل انجان بن کر اُس سے دریافت کیا اے میاں تم کہاں تھے ہم نے اس مرتبہ رقہ کی سرائے میں تم کو نہیں دیکھا۔ اُس نے کہا کہ حضرت! میں قرضے کی وجہ سے محبوس تھا ـــــ فرمایا خلاصی کس طرح ہوئی؟ اُس نے عرض کیا کہ اللہ کے کسی بندہ نے اپنا نام اور پتہ ظاہر کیے بغیر میری طرف سے قرضہ ادا کر دیا اور میں قید سے چھوٹ گیا، مجھے معلوم نہیں کہ وہ کون تھا؟ فرمایا الحمد للہ

تمہارے قرضے کی ادائیگی کا انتظام غیب سے ہوگیا ـــــ اس واقع کی اطلاع قرض خواہ نے حسب وعدہ آپ کی وفات کے بعد کی۔ وفات سے پہلے یہ بھید نہیں کھل سکا۔

(۲) ایک شخص آپ کے پاس آیا اس نے آپ سے درخواست کی کہ میرے اوپر اتنا قرضہ ہے ادا کر دیں۔ آپ نے اپنے وکیل کو لکھا کہ اس کو اتنی رقم ادائیگی قرض کے لیے دیدی جائے۔ جب وکیل کے پاس رقعہ پہونچا تو اس نے قرضدار سے خود بھی معلوم کر لیا کہ تجھ پر کتنا قرضہ ہے جس کی ادائیگی کا سُوال تو نے کیا ہے، اس نے کہا سات سو درہم ـــــ وکیل نے آپ کو لکھا کہ اس شخص نے تو آپ سے سات سو درہم کا سُوال کیا تھا اور آپ سات ہزار درہم دینے کے لیے مجھے لکھا ہے۔ مال اس طرح کی داد و دہش سے ختم ہوتا چلا جا رہا ہے۔ آپ نے وکیل کو لکھا کہ اگر مال ختم ہو رہا ہے تو عمر بھی تو ختم ہوتی جا رہی ہے اگر میرے قلم کی سبقت سے سات ہزار لکھے گئے ہیں تو سات ہزار ہی اس کو دیدو۔

(۳) ایک معمولی سائل نے آپ سے سُوال کیا۔ آپ نے اس کو ایک درہم دیا جب وہ سائل چلا گیا تو آپ کے بعض اصحاب نے عرض کیا کہ یہ لوگ مانگنے کا پیشہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔ بھنا ہوا گوشت اور مزیدار کھانے کھاتے ہیں۔ ایسوں کو تو ایک درہم سے بھی کم مقدار میں دینا چاہیے ـــــ یہ سُن کر آپ نے فرمایا۔ خدا کی قسم میں تو یہ سمجھتا تھا کہ یہ معمولی طریقے سے روٹی ترکاری کھاتا ہوگا۔ بقول تمہارے اگر یہ اچھا کھانا کھاتا ہے تو ایک درہم اس کے لیے ناکافی ہوگا پھر آپ نے خادم سے فرمایا کہ اس سائل کو واپس لوٹاؤ اور دس درہم اس کو دو۔

(۴) ابن کثیر نے اس سلسلے میں ایک بہت ہی غیر معمولی واقعہ نقل کیا ہے۔ آپ ایک بار نفلی حج کے لیے روانہ ہوئے۔ حسب معمول اہل تعلق کا قافلہ ساتھ تھا۔ کافی سفر طے کیا جا چکا تھا کہ ایک منزل پر دباورچی خانہ کے پرندوں میں سے، ایک پرندہ مر گیا۔ آپ نے اُسے کوڑی پر پھنکوا دیا۔ قافلہ نے کوچ کیا تو آپ نے اس کوڑی سے گذرتے ہوئے دیکھا کہ ایک لڑکی قریب کے ایک مکان سے نکل کر آئی اور مردہ پرندہ کو چپکے سے اُٹھا کر گھر میں چلی گئی آپ فوراً اُس کے پیچھے پیچھے پہونچے اور دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ لڑکی نے کہا کہ

میں ہوں اور میرا ایک بھائی ہے۔ کوئی چیز ہمارے پاس نہیں ہے۔ اور کئی دن سے ہم اس حال میں ہیں کہ مردار ہمارے لیے حلال ہے۔ ہمارے والد کے پاس کافی مال تھا لیکن حال ہی میں اُن کو قتل کر کے سارا مال لوٹ لیا گیا ـــــ قافلہ آگے جا چکا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نے سب کو لوٹانے کا حکم دیا ـــ خزانچی سے پوچھا کتنی رقم تحویل میں ہے۔ اُس نے کہا ایک ہزار دینار موجود ہیں۔ فرمایا اس میں سے بیس گن کر الگ کر دو کہ یہ ہماری واپسی کے لیے کافی ہیں باقی اس لڑکی کو دیدو۔ یہ کام ہمارے اس حج سے افضل ہے۔ چنانچہ وہیں سے واپسی اختیار فرمالی۔

علماء و فقراء پر خرچ اور اُن کے لیے کسب حلال

آپ نے فضیل ابن عیاض سے فرمایا ـــ آپ اور آپ کے اصحاب نہ ہوتے تو میں تجارت نہ کرتا۔ یعنی یہ سارا کاروبار آپ حضرات کی خدمت کے لیے کر رکھا ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ آپ فقراء پر ہر سال ایک لاکھ درہم خرچ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اہل وطن نے آپ سے شکایت کی کہ یہ کیا بات ہے کہ آپ دوسرے شہروں میں جتنا مال تقسیم کرتے ہیں اپنے وطن والوں پر اتنا مال تقسیم نہیں کرتے۔ فرمایا کہ مجھے اُن لوگوں کا پتہ ہے جو فضل و صدق کے ساتھ ساتھ طلب حدیث میں مشغول ہیں اور سچی طلب اُن میں ہے وہ ضرورت مند ہیں اگر ہم اُن کو یوں ہی بے سہارا چھوڑ دیں گے تو اُن کا علم ضائع ہو جائے گا۔ ہم اُن کی امداد و اعانت کریں گے تو وہ علم کو اُمتِ محمدیہ میں رائج کریں گے۔ نبوت کے بعد میں اشاعت علم دین سے اونچا کوئی کام نہیں سمجھتا۔

علی بن فضیل کہتے ہیں کہ میرے باپ نے آپ سے عرض کیا اور میں سُن رہا تھا ـــــ کہ اے عبداللہ آپ ہم کو تو زہد اور کم سرمایگی کی تعلیم دیتے ہیں اور ہم آپ کو دیکھتے ہیں کہ آپ کا سامانِ تجارت خراسان سے مکہ معظمہ جاتا ہے ـــ یہ کیا بات ہے؟ آپ نے جواب دیا اے ابو علی! میں ایسا اس لیے کرتا ہوں تاکہ جائز کمائی سے اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کر سکوں اور اس کے ذریعے طاعت رب میں تقویت حاصل ہو۔ نیز جہاں اللہ کے راستے میں ضرورت ہو خرچ کر سکوں۔

جہاد اور شجاعت

صاحبِ قلم ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ سیف بھی تھے۔ غزوات

میں شرکت فرماتے رہتے تھے۔ اور وہاں آپ کی خداداد شجاعت کے نمونے دیکھنے میں آتے۔

عزت و محبوبیت اشعث بن شعبہ کا بیان ہے کہ ہارون رشید ایک مرتبہ رقہ میں آئے عبداللہ بن مبارک بھی اتفاق سے تشریف لے آئے تو اُن کے پیچھے معتقدین کا ایک جم غفیر تھا۔ امیرالمومنین کی باندی نے قیام گاہ سلطانی کے بالاخانے سے جھانک کر یہ حیرت انگیز جلوس دیکھا تو لوگوں سے دریافت کیا یہ کون صاحب ہیں؟ اس کو بتایا گیا کہ یہ خراسان کے ایک عالم ہیں ان کو عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں۔ لونڈی نے کہا خدا کی قسم حقیقت میں تو یہی شخص بادشاہ ہے۔ ہارون رشید کی کیا بادشاہت ہے۔

وفات اور اکابر ملت کے تاثرات رمضان ۱۸۱ھ میں آپ نے وفات پائی۔ ابن عیینہؒ کو جب آپ کی خبر وفات پہونچی تو فرمایا عبداللہ ـــــ فقیہ، عالم، عابد زاہد، شیخ، شجاع، شاعر سب کچھ تھے ـــــ فضیل بن عیاض نے جب آپ کی وفات کی خبر سنی تو فرمایا کہ عبداللہ نے اپنے بعد اپنا جیسا نہیں چھوڑا حاکم کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارک آفاق میں اپنے زمانے کے امام تھے۔ علم و زہد، شجاعت و سخاوت میں سب سے افضل تھے ـــــ نسائیؒ کہتے ہیں کہ میں کسی کو نہیں جانتا کہ وہ فضیلت میں عبداللہ بن مبارک سے اعلیٰ ہو اور جس نے تمام خصائل محمودہ کو اپنے اندر جمع کر رکھا ہو ـــــ اسود بن سالم کہتے ہیں ـــــ اگر تم کسی کو دیکھو کہ وہ ابن مبارک پر اعتراض و تنقید کر رہا ہے تو اُس کے کمال اسلام میں شبہ کرو ـــــ خلیلی نے کہا ہے کہ ابن مبارک متفق علیہ امام تھے۔ ان کی کرامات اتنی ہیں کہ احاطۂ شمار سے باہر ہیں ـــــ

تذکرۃ الحفاظ میں ذہبی نے لکھا ہے خدا کی قسم میں عبداللہ بن مبارک سے محبت کرتا ہوں اور اس محبت کی وجہ سے مجھے اپنے لیے خیر کی پوری اُمید ہے اس لیے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے ـــ تقویٰ، عبادت، اخلاص، جہاد، وسعت علم، اتقان، مواساۃ و مروۃ اور تمام صفات حمیدہ سے نوازا تھا۔

آپ کے چند کلمات طیبات آپ سے دریافت کیا گیا ـــــ تواضع کیا ہے؟

فرمایا کہ افتقار کے ساتھ خودداری کا مظاہرہ کرنا ۔۔۔۔۔۔

آپ نے فرمایا کہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے کے لیے کسب حلال اور جہاد فی سبیل اللہ مساوی کوئی چیز نہیں ۔۔۔۔۔۔

آپ سے دریافت کیا گیا کہ انسان کہلانے کے مستحق کون ہیں، فرمایا، علماء ۔۔۔۔۔۔ دریافت کیا گیا ملوک کون ہیں۔ فرمایا، زاہد لوگ ۔۔۔۔۔۔ دریافت کیا گیا کہ کمینہ اور گھٹیا کردار والا کون ہے ۔۔۔۔۔۔ فرمایا وہ جو دین کے عوض دُنیا کمائے ۔۔۔۔۔۔

آپ نے فرمایا کہ ادب، قریب قریب دین کا دو ثلث ہے ۔۔۔۔۔۔

آپ کا مقولہ ہے کہ ہم نے شروع میں علم کی طلب، دُنیا کے لیے کی تھی، مگر آخر کار علم ہی نے ہم کو دُنیا سے کنارہ کشی کا راستہ بتایا ۔۔۔۔۔۔

آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ آخرت کے نفع کی فراوانی، دُنیا کے نقصان کے بغیر نہیں ہو سکتی اور دُنیا کی فراوانی آخرت کے نقصان کے بغیر نہیں ہو سکتی ۔۔۔

فرمایا ۔۔۔۔۔۔ کہ دُنیا کی محبت دل میں موجود ہے اور گناہ دل پر محیط ہیں پھر دل میں خیر کی گذر کیسے ہو؟ ۔۔۔۔۔۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ اہل دنیا، دنیا سے اس کے اندر کی مزے دار چیز کا ذائقہ چکھے بغیر چلے گئے ۔۔۔ لوگوں نے کہا کہ یہاں کی مزے دار چیز کون سی ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کی معرفت ۔۔۔۔۔۔

آپ کا ارشاد ہے کہ مساکین کے ساتھ بیٹھو اور بدعتی کی صحبت سے پرہیز کرو۔ ابو الغیہ اسود کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مبارک کو یہ کہتے سُنا ہے کہ میں صالحین سے محبت کرتا ہوں اگرچہ ان میں سے نہیں ہوں، اور بدکاروں سے نفرت کرتا ہوں اگرچہ خود ان سے زیادہ بُرا ہوں ۔۔۔۔۔۔

اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب کا تقابل

انسانی مساوات کے آئینے میں

تحریر: ـــــــ شیخ مصطفیٰ السباعی مرحوم

ترجمہ: ـــــــ جناب معروف شاہ شیرازی

ہماری لازوال تہذیب کی انسان دوستی کا ایک پہلو یہ ہے کہ اس نے بغیر یہ لحاظ کئے کہ کس کا رنگ کیا ہے اور کس کا نسبی تعلق کس سے ہے، انسانوں کے درمیان حقیقی مساوات کی بنیادیں مضبوط کیں۔ چنانچہ قرآن مجید کے اس اعلان کے بعد کہ "إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ" (بیشک اللہ کے ہاں تم سے زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں زیادہ متقی ہو) الحجرات ۱۲، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے زندہ جاوید خطاب میں فرمایا "الناس من آدم وآدم من تراب، لا فضل لعربي على أعجمي ولا لأبيض على أسود إلا بالتقوى"[1] (تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ کوئی فضیلت نہیں کسی عربی کو کسی عجمی پر اور نہ کسی سفید کو سیاہ پر مگر تقویٰ کے لحاظ سے)

یہ مساوات کوئی ایسی مساوات نہ تھی جس کا، چند رسمی مواقع پر، صرف اعلان کر دیا جاتا ہو جیسا کہ آج کل عام طور پر مغربی تہذیب کے فرزند کر دیا کرتے ہیں، بلکہ یہ ایک حقیقی اور زندگی کے

---

[1] ابن سعد بروایت ابوہریرہ۔

مختلف حالات پر منطبق ہونے والی مکمل مساوات تھی، جو روزمرہ کے معمولات میں اس طرح کارفرما تھی، کہ جس پر نہ کسی کو کوئی تعجب ہوتا تھا، اور نہ اس میں کسی قسم کے تصنع اور بناوٹ کو کوئی دخل تھا چنانچہ اس مساوات نے اس صحنِ مساجد میں قدم رکھا، جہاں اللہ کی بندگی کے لئے لوگ حاضر ہوتے، ان میں ہر رنگ و نسل کے لوگ ہوا کرتے اور سب ایک ہی فرش پر شانہ سے شانہ ملائے اللہ کی بندگی اور اس کے حضور خشوع و خضوع میں مصروف رہتے، اور کوئی سفید رنگ والا اپنے اندر کسی قسم کی دل گرفتگی نہ پاتا تھا کہ اس کے پہلو میں، ایک سیاہ فام حبشی کیوں کھڑا ہے۔ اسی طرح اس مساوات نے حج میں بھی سرایت کیا، جب مختلف انسانی طبقات، خواہ سفید رنگ سے تعلق رکھتے ہیں یا سیاہ سے، جمع ہوتے ہیں اور ایک ہی جگہ مناسک حج ادا کرتے ہیں، ایک ہی لباس میں ملبوس ہوتے ہیں، کسی گورے اور کالے کے درمیان کوئی امتیاز نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی گورے کو کالے پر کوئی برتری حاصل ہوتی ہے۔ اور زمانے کی آنکھوں نے اس مساوات کے عروج کا یہ منظر بھی دیکھا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم، فتح مکہ کے موقع پر بلال حبشیؓ کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اعلان حق کے لئے کعبہ کے اوپر چڑھ جائیں اور اذان دیں۔ سوچنے کی بات یہ کہ کعبہ، اللہ کا گھر ہے جسے جاہلیت میں بھی حرم مقدس ہونے کا مرتبہ حاصل تھا اور اسلام میں بھی قبلہ معظمہ قرار پانے کا اعلیٰ مقام حاصل ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایک حبشی غلام اس کے اوپر چڑھ جاتا ہے اور ایسے مقدس مقام کے اوپر اپنے قدم رکھتا ہے۔ یہ ایک ایسی مثال ہے جس کے متعلق آج کسی مہذب دنیا میں بھی نہیں سوچا جا سکتا۔ مثلاً امریکہ میں (جہاں گوروں اور کالوں کے گروہ آج بھی علیحدہ علیحدہ ہیں) لیکن اسلام نے آج نہیں، بلکہ آج سے چودہ سو سال پہلے اسے عملاً کرکے دکھایا ہے۔ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا کعبہ پر چڑھ کر کھڑا ہونا، درحقیقت اس بات کا اعلان عام تھا کہ انسان کو کائنات کی ہر چیز پر فضیلت حاصل ہے۔ اور انسان اس عزت و تکریم کا مستحق اپنے ایمان، اپنے علم، اپنے اخلاق اور اپنی عقل کی بنا پر ہوتا ہے نہ کہ اپنے گوشت پوست یا رنگ و نسل کی بنا پر۔ لہٰذا کسی ایسے انسان کو محض اس کی رنگت آگے نہیں بڑھا سکتی جسے اس کے عمل نے پیچھے پھینک دیا ہو۔ اور نہ کسی کی سیاہ فامی اسے پیچھے دھکیل سکتی ہے، اگر اس کی عقل و فراست اور قوت اجتہاد (اعمال و اخلاق) نے اسے آگے بڑھایا ہو۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ باوجود کہ ایک جلیل القدر صحابی تھے، ایک مرتبہ جب غصہ کی حالت میں انھوں نے حضرت بلال کو "او حبشن کے بیٹے" کہا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل کو برداشت نہ کیا اور انھیں تنبیہ کی اور فرمایا کہ "تم میں ابھی جاہلیت کی بوباس باقی ہے، جبھی تو تم نے اس کی ماں کے سیہ فام ہونے کا طعنہ دے کر اسے ذلیل وشرمندہ کرنا چاہا؟"

یہ وہ مقام ہے جو علم اور جہل کے درمیان نقطۂ امتیاز ہے۔ دوسرے لفظوں میں حقیقی انسانی تہذیب اور جاہلی تہذیب کے درمیان حد فاصل ہے۔

یہ کارنامہ کون انجام دے سکتا ہے؟

ایسی تہذیب، ایک وسیع النظر اور کریم النفس انسان ہی برپا کر سکتا اور پروان چڑھا سکتا ہے۔ جس میں کسی نسل کو دوسری نسل پر فوقیت حاصل نہ ہو۔ کسی رنگ کو دوسرے رنگ پر برتری حاصل نہ ہو۔ اور یہی تہذیب عزت وتکریم والی انسانیت کے لئے سعادت کا باعث بن سکتی ہے۔ اور وہ تہذیب جس میں سفید فام کو برتری حاصل ہو اور سیاہ فام ذلیل وخوار ہو، سفید پوست رکھنے والے عیش وآرام کی زندگی بسر کرنے کے مستحق قرار پائیں، اور سیاہ فام خستہ حالی اور درماندہ ہوں، ایسی تہذیب جاہلی تہذیب ہے، جو انسانیت کو ہزار سال پیچھے کے، قرون مظلمہ میں ڈھکیل دیتی ہے، یہ اندھی، جاہل، متکبر اور احمقانہ تہذیب ہوتی ہے اور کہنے کو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر سے یہ فرمایا تھا کہ "انك امرؤ فيك جاهلية" (تمھارے اندر جاہلیت کا اثر باقی ہے) لیکن یہ فقرہ دراصل اس خمیر کی نشان دہی ہے، جس سے ہر وہ جاہلی تہذیب ترکیب پاتی ہے جو انسان اور انسان میں خاک وخون یا زبان و رنگ کی بنا پر امتیاز و تفریق کرتی ہے۔ ایسی ہی جاہلی تہذیبوں کا، اسلامی تہذیب نے زندگی کے ہر میدان میں مقابلہ کیا ہے۔ مسجد میں، مدرسہ میں، عدالتوں میں، قیادت کے میدان میں، دوستوں اور دشمنوں دونوں کے ساتھ اس نے اس معاملہ میں مساویانہ برتاؤ کیا ہے۔

ایک مثال

جب مسلمانوں نے مصر پر لشکر کشی کی، اور وہ مصر کے اندر دور تک بڑھتے گئے یہاں تک کہ وہ قلعہ بابلیون تک پہنچ گئے۔ تو مقوقس مصر نے مسلمانوں کے ساتھ بات چیت کرنے کے لئے ایک وفد بھیجا کہ وہ کیا چاہتے ہیں؟ اس نے یہ خواہش بھی ظاہر کی کہ مسلمان بھی اپنا ایک وفد بھیجیں۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاص رضؓ نے اس کے پاس دس آدمیوں پر مشتمل ایک وفد بھیجا، جس کا سربراہ حضرت عبادہ ابن الصامت رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا اور انہی کو مقوقس سے گفتگو کرنے کا مجاز ٹھیرایا۔ حضرت عبادہؓ کا رنگ بے حد سیاہ تھا اور وہ طویل القامت بھی تھے، جب یہ وفد مقوقس کی ملاقات کے لئے پہنچا اور حضرت عبادہؓ آگے بڑھے تو ان کی شکل و شباہت اور قامت دیکھتے ہی مقوقس پر ہیبت طاری ہو گئی اس نے ارکان وفد سے کہا "خدا کے لئے اس سیاہ فام کو مجھ سے دور ہی رکھو، اور مجھ سے بات چیت کرنے کے لئے کسی دوسرے شخص کو سامنے لاؤ"۔ ارکان وفد نے یک زبان ہو کر کہا۔ "یہ ہم سے علم و فہم، رائے اور بصیرت ہر لحاظ سے افضل ہیں، یہ ہمارے سربراہ ہیں، ہم سب ان کی بات مانتے ہیں اور ان کی رائے کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ نیز ہمارے امیر نے انھیں کچھ خاص ہدایات دی ہیں اور ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ان کی رائے کی خلاف ورزی نہ کریں"۔ اس پر مقوقس نے وفد سے کہا "تم لوگ اس پر کس طرح راضی ہو گئے کہ ایک سیاہ فام تمہارا سربراہ ہو جائے۔ حالانکہ اسے تمھارا ماتحت ہونا چاہیئے تھا"۔ اس پر وفد نے جواب دیا "بھلا یہ کس طرح ممکن ہے؟ جب کہ یہ علم و شرف کے لحاظ سے بھی ہم سے فائق ہیں اور رائے و بصیرت کے لحاظ سے بھی ہم سے افضل ہے؟ رہی سیاہ فامی، تو یہ ہمارے ہاں کوئی عیب نہیں ہے"۔ چنانچہ لاجواب ہو کر مقوقس نے حضرت عبادہؓ سے کہا "اے سیاہ فام آگے آؤ لیکن بات ذرا نرمی سے کرنا اس لئے کہ ایک تو تمھاری سیاہ رنگت سے بدن میں جھرجھری پیدا ہو رہی ہے۔ اس پر اگر تم نے گفتگو بھی کرخت لب و لہجہ میں کی تو میرے خوف میں اضافہ ہو جائے گا"۔ حضرت عبادہ ابن الصامت نے مقوقس کے اس خوف کو دیکھ کر کہا۔ "بھائی ہماری

نوج میں تو ایک ہزار ایسے سیاہ فام موجود ہیں جو مجھ سے بھی زیادہ سیاہ فام ہیں۔

سوچئے کہ اسلامی تہذیب کا یہ پہلو کس قدر روشن ہے اور انسان کا مقام اس تہذیب میں کس قدر بلند ہے۔ لوگ سب کے سب سیاہ فامی کو عیب تصور کرتے تھے۔ اور آج کے نام نہاد تہذیب یافتہ تو اس کو بیسویں صدی میں بھی' ایک عیب ہی سمجھتے ہیں۔ اور کالوں کو گویا انسان میں شمار ہی نہ کرتے تھے۔ ان کو آگے بڑھانا اور علم اور رائے میں انکو ایک مقام عطا کرنا تو ایک بڑی بات تھی۔ لیکن جب ہماری تہذیب آئی تو اس نے ان سب باطل معیاروں کا قلع قمع کر دیا اور ان باطل افکار کو حقارت کی نظر سے دیکھا اور حالت یہ ہوئی اگر کسی سیاہ فام کو اس کا علم' اس کی رائے اور اس کی جرأت آگے بڑھا سکتی تھی تو اسلامی سوسائٹی نے' اسے بڑھانے میں بخل نہیں برتا۔ حضرت عبادہ بن الصامت کوئی ایک منفرد مثال نہ تھے جن کو اسلامی تہذیب نے قائد اور زعیم کے درجے تک پہنچا دیا بلکہ اس کی ہزاروں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

دوسری مثال

عبدالملک بن مروان، موسم حج میں منادی کراتے تھے کہ عطاء بن ابی رباح کے علاوہ کوئی اور فتوی نہ دے جو اہل مکہ کے امام و عالم اور فقیہ تھے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ عطا، کس شکل و شباہت کے تھے؟ ایک سیاہ فام، بھینگے، لنگڑے' اور چپٹی ناک اور حلقہ دار بالوں والے ایک انسان تھے جن کے سامنے چھ منٹ بیٹھنے سے بھی وحشت ہو۔ اور جب وہ اپنے ہزاروں شاگردوں کے درمیان، حلقۂ درس میں بیٹھے ہوئے ہوتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی سیاہ کوّا، کپاس کے کھیت میں بیٹھا ہوا ہے لیکن انہی کالے' بھینگے اور چپٹی ناک والے کو ہماری تہذیب نے ایک امام کا درجہ دیا اور لوگ ان کی طرف فتوے میں رجوع کرنے لگے۔ ان کی ذات بجائے خود ایک مدرسہ فکر بنی، جس سے روشن چہرے والے ہزاروں علماء اور فضلاء فیضیاب ہو کر نکلے اور وہ ان کے نزدیک ایک باعزت بلند اور محبت کا مقام رکھتے تھے۔

ز فرق تا بہ قدم ....

ہماری تہذیب اور معاشرے میں، علم و ادب کے کئی ایسے ماہرین گذرے ہیں جو جو نسلاً حبشی اور سیاہ فام ہوئے ہیں، لیکن ان کی یہ سیاہ فامی ان کو اس بات سے نہ روک سکی تھی کہ وہ علم و ادب کے میدان میں ترقی کریں اور ایسے ادیب بن جائیں جن کو وقت کے نازک مزاج خلفا تک کی ہم نشینی حاصل ہو، یا وہ فقیہ بن جائیں، اور ایسی کتابیں تصنیف کریں جو اسلامی علوم و ادب میں مستند ترین مراجع قرار پائیں۔ مثلاً عثمان بن علی زیلعی جنھوں نے فقہ حنفی میں کنز الدقائق کی مستند شرح لکھی، یا جمال الدین ابو محمد عبد اللہ بن یوسف زیلعی (۷۶۲ھ) جنھوں نے نصب الرایہ جیسی مستند اور مشہور کتاب تصنیف کی۔ یہ دونوں حضرات حبشہ کے مقام زیلع کے رہنے والے تھے۔ پھر کافور اخشیدی سے بھی کوئی ناواقف نہیں ہے، جو ایک سیاہ فام غلام تھے اور چوتھی صدی ہجری میں مصر کے حکمراں رہے اور جن کے نام کو متنبی نے اپنی ہجو اور مدح کے ذریعہ رہتی دنیا تک کے لئے بقا سے ہم کنار کر دیا۔

مختصر یہ کہ ہماری تہذیب نے سیاہ فاموں اور گورے رنگ والوں کے درمیان کسی قسم کا کوئی طبقاتی فرق یا امتیاز روا نہیں رکھا اور نہ اسلامی تہذیب میں سیاہ فاموں کے لئے کوئی ایسی آبادی قائم کی گئی جو سفید فاموں سے دور اور الگ تھلگ ہو اور نہ ان کے حقوق میں کوئی ایسی کمی روا رکھی گئی جس کی وجہ سے سفید فاموں کو ان پر بالادستی حاصل ہو اور وہ سفید فاموں کے تشدد اور ان کی زیادتیوں کو جبراً قہراً گوارا کرنے پر مجبور ہوں۔ بلکہ ہماری تہذیب ایک ایسی حقیقی انسانی تہذیب ہے جس کی نظر میں انسانیت کی قدر و قیمت ہے، وہ تمام انسانوں کو صرف حق اور خیر کے معیار سے دیکھتی ہے۔ اور اس کی نگاہوں میں صرف اعمال کی سیاہی اور سفیدی کا اعتبار ہے، پوست کی سیاہی اور سفیدی معتبر نہیں، فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ (زلزال ۸،۷) "جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی اسے دیکھ لے گا اور جس نے

ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔"

اگرچہ یہ صحیح ہے کہ پچھلے پچاس سالہ دور کے بعد اب یہ حقیقت کسی کے لئے ڈھکی چھپی نہیں رہی ہے کہ سفید و سیاہ نسلوں میں محض رنگ کی بنا پر فرق کرنا ایک احمقانہ حرکت ہے اور کوئی ترقی یافتہ تہذیب، اپنے معاشرے میں اس کو ہرگز برداشت نہیں کرسکتی اور ہماری تہذیب سے تو اس کی ہرگز توقع نہیں کی جاسکتی، جس نے محبت اور مساوات میں، دنیا کی تمام تہذیبوں سے زیادہ شہرت حاصل کی۔ اس لئے آج ہمارا اپنی تہذیب کی اس خصوصیت پر گفتگو کرنا عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ہم مجبور ہیں کہ اس دور ترقی کے اندر اور اقوام متحدہ کی تشکیل اور بنیادی حقوق کے چارٹر کے اعلان کے باوجود ہمیں ایسے مسائل پر لکھنے کی ضرورت پیش آرہی ہے کیونکہ جنوبی افریقہ میں نسلی امتیاز کی لعنت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور ہم آئے دن اس کے متعلق دل خراش باتیں سنتے رہتے ہیں۔ کینیا میں استعمار کے خوفناک مظالم دنیا کے سامنے ہیں، امریکہ میں حبشیوں کی جو حالت ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں اور اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہو کہ جو لوگ جنوبی افریقہ میں نسلی امتیاز کے داعی ہیں اور جو لوگ کینیا کے سفید فاموں پر اقتصادی مظالم کر رہے ہیں اور جو امریکہ کے حبشیوں کو سخت ترین عذاب دے رہے ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی شرقی اقوام کا فرد نہیں ہے، تاکہ اسے رجعت پسندی، پس ماندگی اور حماقت کا طعنہ دیا جاسکے۔ بلکہ یہ سب لوگ یورپ کی بزم خویش متمدن اور ترقی یافتہ اقوام کے فرزند ہیں اور جو اقوام متحدہ میں شامل اہم ممالک میں شمار ہوتے ہیں۔ یورپ کے یہ نام نہاد فرزندان تہذیب ہمیشہ اہل مشرق کو پس ماندگی، رجعت پسندی اور تعصب کا طعنہ دیتے رہتے ہیں لیکن وہ خود اپنے ہاں جو کچھ کر رہے ہیں وہ کسی کی نظروں سے اوجھل نہیں۔ جو حکومتیں یہ مذموم حرکت کر رہی ہیں وہ اقوام متحدہ کے اہم ممبروں میں شمار ہوتی ہیں۔ امریکہ اس وقت پوری اقوام متحدہ کو کنٹرول کر رہا ہے، برطانیہ یورپ کی وہ بڑی حکومت ہے، جس کو اپنی جمہوریت پر ناز ہے، جنوبی افریقہ ایک یورپی نوآبادی ہے اور سفید فام وہاں حکومت کر رہے ہیں، یہ بھی مہذب دنیا میں اہم ملک شمار ہوتا ہے۔

جنوبی امریکہ بھی اقوام متحدہ کا ایک اہم ملک ہے اور اقوام متحدہ کے متوسط طبقے کی
ہیں، اس کی بات کافی چلتی ہے تہذیب کی علم بردار یہ وہ حکومتیں ہیں، جو بیسویں
ہیں، تاریخ انسانیت کے اس بدترین جرم کا ارتکاب کر رہی ہیں جس کا تاریخ انسانیت
میں دور تک پتہ نہیں چلتا۔ یعنی خود انسان کا اپنے بھائی انسان پر ظلم و ستم توڑنا
لئے نہیں کہ وہ ناتواں اور جاہل ہے بلکہ محض اس لئے کہ وہ سیاہ فام ہے۔

مغربی افریقہ میں

حکومت مغربی افریقہ نے نسلی امتیاز کی پالیسی اختیار کر رکھی ہے اور اس نے سیاہ
سفید اقوام کے لئے علیحدہ علیحدہ حقوق و فرائض مقرر کر رکھے ہیں اور اقوام متحدہ کے
ایشیائی افریقی گروپ کے مسلسل احتجاج اور پرجوش مخالفت کے باوجود وہ اپنی پالیسی
پر مصر ہے۔ برطانیہ، کینیا میں وطن پرست اور حریت پسند تحریک ماؤ ماؤ پر مظالم ڈھا
ہے اور ان کا اجتماعی قتل ہو رہا ہے۔ وہاں وہ ۱۹۱۵ء کے نافذ شدہ قانون اراضی
اصرار کر رہا ہے، جس کی روسے، صرف ۲۹ ہزار سفید فاموں کو چالیس لاکھ پچپن ہزار
افریقیوں سے بھی زیادہ زمین کا مالک قرار دے دیا گیا ہے۔ اور ان کی حالت یہ ہے
کہ ان بیچاروں پر، ان کے گھروں، زمینوں اور کام کے دوران حملہ کر دیا جاتا ہو حالانکہ
وہ ملک کے اصل باشندے ہیں اور ملک کی دولت اور حکومت کے صحیح حق دار ہیں۔
ہیں۔ مسٹر "سیرالیوٹ" جو کینیا کے پہلے اور آزاد مندوب تھے، جن کا تقرر ۱۹۵۵ء
میں ہوا، اپنے ایک بیان میں کینیا کی حکومت کی پالیسی کی وضاحت یوں کرتے ہیں:
"زیر تولیت کینیا کی اندرونی حالت یہ ہے کہ وہاں تمام زمین سفید فاموں کے لئے ہے
یہ ایک قسم کی منافقت ہوگی اگر ہم صاف صاف نہ کہیں کہ کینیا میں سفید فاموں کے
کو غلبہ حاصل ہے۔ کینیا کی سیاست، اس کی پالیسیاں، اس کی قانون سازی، ہر چیز
صاف صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وہاں ایک سفید استعمار قائم کیا جا رہا ہے۔ آج تک
کینیا کے مغربی حکمراں ایسی پالیسی پر گامزن ہیں کہ زمین تمام سفید فاموں کو حاصل ہو جائے

اور وہ اس کی پیداوار اور برکات کو جس طرح چاہیں استعمال کریں۔

وہاں کے نرالے قوانین اراضی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس زمین کا رقبہ ...۵ ایکڑ سے زائد نہ ہو، حکمرانوں کو یہ اختیار ہے کہ وہ اسے بالکل ایک معمولی معاوضے کے بدلے ۹۹۹ سال کی لیز پر دیدیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ وہاں یوروپین اقوام کے پاس اوسط زمین ..۵ ایکڑ فی کس ہے۔ لیکن اس کے بالمقابل وہاں کے اصل باشندوں کے پاس صرف ۸ ایکڑ فی کس ہے۔ حالانکہ وہ اس ملک کے اصل مالک ہیں۔ اس کے علاوہ وہاں سیاہ فاموں اور گوروں کو علیحدہ رکھنے کے لئے، سیاہ فام آبادی کے لئے بالکل جداگانہ رہائشی علاقے متعین کر دئے گئے ہیں اور وہ کسی وقت بھی سفید فاموں کے علاقے میں نہیں جاسکتے۔ اور جب ان سفید فاموں کو اس کی اشد ضرورت پڑتی ہے اور وہ ان سیاہ فاموں سے محنت و مشقت اور بیگار لینا چاہتے ہیں تو کام ختم ہوتے ہی انھیں سفید فام زمینداروں کے ٹھکانوں سے دور اپنے علاقوں میں، اپنی جھونپڑیوں کی طرف بھاگنا پڑتا ہے اور یہ بھی اس لئے کہ ان کے کام کی اجرت بہت ہی کم دی جاتی ہے ورنہ ان کو اس حال میں بھی جانے نہ دی جاتی۔

یہ امریکہ ہے

جب ہم امریکہ کے سیاہ فاموں کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں انتہائی دردانگیز مظالم کا پتہ چلتا ہے اور ایک دفعہ تو انسان پر دہشت طاری ہو جاتی ہے۔ امریکہ ایک نیا براعظم ہے۔ اور مہذب ہونے کا مدعی ہے۔ امریکہ پہنچتے ہی، ہر آنے والے کو نیویارک کی بندرگاہ میں آزادی کا ایک ایک مجسمہ نظر آتا ہے، جو ہر آنے والے کا استقبال کرتا ہے۔ اس مجسمے کے نیچے یہ لکھا ہے۔

"اپنے بے کس، مصیبت زدہ، اور غلام عوام کو ہمارے حوالے کیجئے تاکہ وہ آزادی کی زندگی بسر کرسکیں ...... وہ لوگ جن کا نہ کوئی ٹھکانہ ہے اور نہ وطن، لیجئے میں حاضر ہوں اور سنہری دروازے کے قریب اپنی مشعل لئے کھڑا ہوں۔"

ہاں انسانی حریت کے اس دعوے دار ملک کے اندر، جس کی تمام بندرگاہوں اور شہروں

میں سے، سب سے بڑے شہر میں آزادی کا یہ مجسمہ نصب ہے۔ سیاہ فاموں پر مظالم ہو رہے ہیں یہ انسانی تاریخ کا بدترین جرم ہے۔ ہم اس سلسلے میں اپنی جانب سے کچھ کہنا نہیں چاہتے بلکہ خود اس قوم کو اعتراف ہے کہ وہ جو یہ سب کچھ کر رہی ہے امر واقعہ ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ سوچ سمجھ کر کیا جا رہا ہے۔ جیمز بیرنز امریکی سینٹ کے ممبر کہتے ہیں۔

"کسی سیاہ فام کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ سیاسی مساوات کے خیالات کو ذہن میں بھی لائے جیسا کہ جنوبی ریاستوں میں ہو رہا ہے۔ یہ ملک سفید فاموں کا ہے اور اسی پوزیشن میں رہے گا۔

تن ہمہ داغ داغ شد

امریکہ میں حبشیوں پر ڈھائے جانے والے مظالم مختلف قسم کے ہیں اور یہ مختلف میدانوں میں کئے جاتے ہیں۔ مثلاً ثقافت کے میدان ہی کو دیکھئے کہ امریکہ کی قریباً بیس ریاستوں میں سیاہ آبادی کو اجازت نہیں ہے کہ سفید آبادی کے ساتھ ایک ہی مدرسہ میں یا ایک ہی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر سکے اس کے دستور کی دفعہ ۲۰۵ میں صاف صاف لکھا ہے۔

اس میدان ۔ یعنی تربیت و تعلیم کے میدان میں اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ گوروں کے بچوں اور حبشیوں کے بچوں کی تعلیم کا بند و بست علیحدہ علیحدہ ہو، لہٰذا اس سلسلہ میں دونوں کے مدارس علیحدہ ہوں گے۔

فلوریڈا کی ریاست نے تو نصاب تعلیم میں بھی امتیاز ضروری سمجھا ہے اور وہاں گوروں اور کالوں کو پڑھائی جانے والی کتابیں تک علیحدہ ہیں۔ امریکہ کی تمام ریاستوں میں کسی سفید فام کا کسی حبشی عورت سے نکاح نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کسی حبشی مرد کا کسی سفید فام عورت سے نکاح ہو سکتا ہے۔ میسیسی میں یہ نکاح آئینی طور پر باطل ہے بلکہ وہاں کسی سفید فام کا ایسے فرد سے بھی نکاح نہیں کیا جا سکتا جس کی رگوں میں دوڑنے والے خون کا ⅛ حصہ بھی کسی سیاہ فام کا ہو۔

مزدوروں کے میدان میں جو امتیاز ہے، اس کی حالت یہ ہے کہ کارخانہ میں کسی حبشی کا کسی سفید فام کے ساتھ ایک میز پر بیٹھنا تو درکنار، وہ ان دروازوں سے بھی آ جا نہیں سکتا

جو سفید فاموں کے آنے جانے کے لئے مخصوص ہیں۔

سماجی لحاظ سے نسلی امتیاز کا حال یہ ہے کہ قریباً ۲۰ ریاستوں میں، ریل کے سفر کے دوران، قانوناً حبشیوں کو گوروں سے علیحدہ بیٹھنا پڑتا ہے۔ ریل گاڑیوں، بسوں اور ٹیلیفون کے کمروں میں حبشیوں کے لئے علیحدہ انتظامات ہوتے ہیں۔ ہسپتالوں میں حبشیوں کے کمرے علیحدہ ہوتے ہیں یہاں تک کہ دماغی امراض کے ہسپتالوں میں بھی سفید پاگلوں کو گویا پاگلوں کے مقام میں امتیازی شان حاصل ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب وہ اعلان ہے جو واشنگٹن کے کتوں کے مقبرے کے انچارج صاحب نے کیا کہ آئندہ وہ مقبرے میں، ان کتوں کو دفنانے کی اجازت نہ دیں گے جن کے مالک سیاہ فام ہوں گے۔ مالک مقبرہ کو یہ اقرار ہے کہ مرنے کے بعد کتوں کو اس بات پر کوئی "اعتراض" نہیں۔ تاکہ ان سب کو پہلو بہ پہلو بلکہ ایک ہی گڑھے میں دفن کر دیا جائے۔ لیکن ان کے مہذب آقاؤں کو کب گوارا ہے کہ ان کے معزز کتے بھی کسی کالے کے کتے کے پہلو میں دفن ہوں اور اس طرح پر بھی مساوات جیسی "قبیح" حرکت سرزد ہو جائے۔

محض ڈھٹائی

بعض اوقات امریکہ کے سیاست داں، اس شرمناک صورت حال کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ نسلی امتیاز کی شدت صرف جنوبی ریاستوں ہی میں پائی جاتی ہے اور جنوبی ریاستیں ابھی اتنی مہذب نہیں ہیں جس قدر شمالی ریاستیں مہذب ہیں۔ لیکن قطع نظر اس سے کہ یہ گناہ بدتر از گناہ ہے، واقعات اسے غلط ٹھیراتے ہیں اور ملک کی صحیح صورت حال اس کی تکذیب کرتی ہے۔ امریکہ کے تمام شمالی شہروں میں، حبشی آبادی ایسے گندے علاقوں میں بانسوں اور تختوں سے بنے ہوئے مکانوں میں رہائش پذیر ہے جہاں غلاظت کے ڈھیر پڑے ہوتے ہیں اور مکھیوں اور مچھروں کی بھرمار ہوتی ہے۔ لکڑی کے مکانات میں اکثر آگ لگتی رہتی ہے۔ نیویارک کے محلہ ہارلم میں، جو وہاں کے حبشیوں کا محلہ ہے، صرف ایک کمرے میں قریباً انیس حبشی رہائش پذیر ہوتے ہیں۔ وہاں کا ایک اخبار لکھتا ہے "اگر ہم محلہ ہارلم کی گنجان آبادی کی نسبت سے

تمام امریکی باشندوں کو بسانا شروع کر دیں تو امریکہ کی تمام آبادی شہر نیویارک کے موجودہ نصف حصے میں آباد ہو سکتی ہے۔" واشنگٹن کے وائٹ ہاؤس کے عین بالمقابل اور ابراہم لنکن کے مشہور اور خوبصورت مجسمے کے زیر سایہ ایک ایسا محلہ آباد ہے جس میں ڈھائی لاکھ حبشی رہتے ہیں۔ یعنی دارالخلافہ کی تمام آبادی کا ایک چوتھائی حصہ۔ ان کی زندگی بالکل اسی طرح گذر رہی ہے جس طرح چوپائے اپنے باڑوں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور اسی دارالخلافہ میں ان کو ان مدارس، ہسپتالوں، سیرگاہوں، ہوٹلوں اور ریسٹورانوں میں داخلہ کی اجازت نہیں ہے، جو سفید فاموں کے لئے مخصوص ہیں۔ یہاں تک کہ وہ سفید فاموں کے مخصوص گرجوں میں بھی داخل نہیں ہو سکتے۔ ایک دفعہ واشنگٹن میں جمہوریہ پاناما کا کوئی حبشی کسی کیتھولک گرجے میں داخل ہو گیا اور عین اس وقت جب کہ وہ اپنی نماز میں مشغول تھا، اس کو کسی پادری نے کاغذ کا ایک پرزہ دیا، جس پر واشنگٹن کے اس کیتھولک گرجے کا پتہ درج تھا جو سیاہ فاموں کیلئے مخصوص تھا اور جب اس نے پادری سے اس حرکت کے متعلق دریافت کیا تو اس نے جواب دیا اس شہر میں حبشی کیتھولک لوگوں کیلئے مخصوص گرجے موجود ہیں حبشی وہاں اپنے رب کی عبادت کر سکتا ہے" یہ طرز عمل ان لوگوں کا ہے جو انسانیت کو یہ بشارت دیتے پھرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام عالم انسانیت کے نجات دہندہ ہیں۔

ایسی حقارت آمیز فضا میں، غربت و بدحالی سے دوچار اور مختلف امراض کی شکار قریباً ڈیڑھ کروڑ حبشی آبادی ممالک متحدہ امریکہ میں زندگی کے تلخ ایام گذار رہی ہے۔ یہ پوری آبادی کا قریباً دسواں حصہ ہیں۔ لیکن اس کے باوجود امریکہ اقوام متحدہ میں، اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ وہ حریت اور آزادی کا علمبردار ہے اور تمام قوموں کی سلامتی اور آزادی چاہتا ہے۔

شہد شاہدٌ من اھلھا

یہاں بطور شہادت ایک امریکی مصنف ہیری ہیورڈ کی کتاب "حبشیوں کی آزادی" سے چند اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں، جو اس حریت و آزادی کی حقیقت بتا رہے ہیں، جس کا امریکہ بڑے طمطراق سے دعویٰ کرتا ہے۔

"اس میں شک نہیں کہ سوائے جنوبی افریقہ کے، نسلی بنیادوں پر کسی قوم کو اپنا

غلام سمجھتے ہوئے اس قدر ذلیل و خوار نہیں کیا گیا جس قدر ہمارے ملک کے اندر حبشی آبادی کو کیا گیا ہے، اگرچہ غلامی اپنے معروف معنی کے لحاظ سے ختم ہو چکی ہے کہ مالک اپنے غلام کا اس طرح مالک ہو جیسا کہ وہ سامان کا مالک ہوتا ہے۔ لیکن ایک طبقاتی نظام کی کارفرمائی کی بنا پر غلامی اب بھی موجود ہے اور آج غلام سازی کی شکل یہ ہو گئی ہے کہ گوروں کے لئے تو خوش گوار و خوش حال زندگی بسر کرنے کے سارے لوازم جمع ہوں اور سیاہ فام آبادیوں کو ان سے پست تر درجے کے مقامات میں رکھا جائے اور اس پالیسی کے استحکام کے لئے مختلف ذرائع سے کام لیا جاتا ہے۔ چنانچہ بعض اوقات تو قتل اور ہلاکت کے احکام کی صورت میں ایسی پالیسی کا نفاذ ہوتا ہے، جو اقتدار سے بہرہ مند دنیا حبشی آبادی کے متعلق جاری کرتی رہتی ہے یا ظالمانہ اور غیر منصفانہ قانونی احکام کی شکل میں اور کبھی ایسے رسم و رواج کی شکل میں جس کے حق میں خدا نے کوئی دلیل نہیں نازل کی ہے۔"

امریکہ کے مشہور ماہر معاشیات "مسٹر مکوڈ بیرلو" کہتے ہیں۔ "اس میں شک نہیں کہ شمالی ریاستوں کے صنعت کار جنھوں نے امریکہ کی خانہ جنگی کے زمانے میں فیڈرل گورنمنٹ پر قبضہ کر لیا تھا۔ حبشی آبادی کو فی الحقیقت آزاد کرنا ہی نہ چاہتے تھے، بلکہ وہ چاہتے تھے کہ امریکہ کی جنوبی ریاستیں جو سیاہ فام غلاموں کی واحد مالک بن بیٹھی ہیں، اور ان سے بے انتہا فائدے حاصل کر رہی ہیں، تنہا یہ استحصال نہ کریں بلکہ وہ بھی اس میں شریک ہو جائیں، حقیقت یہ ہے کہ ڈیماکریٹک پارٹی اور فوج نے جنوبی ریاستوں میں یہ سیاسی چال چلی کہ غلاموں کے سابق مالکوں سے گٹھ جوڑ کر کے سیاہ فاموں کو نئے سرے سے غلام بنایا جائے۔"

یہی مصنف کہتا ہے:۔

"نسلی امتیاز کا زہر ملک کے طول و عرض میں بری طرح پھیل چکا ہے اور امریکی زندگی کے رگ و ریشہ میں اس قدر سرایت کر چکا ہے کہ اب جمہور عوام اس بات کے عادی ہو گئے ہیں کہ حبشی اقوام اور دوسری اقلیتوں کی تحقیر و تذلیل کے کسی موقع کو ہاتھ

سے نہ جانے دیں اور اس تحقیر و استخفاف کے لئے نت نئی تعبیریں اور طرح طرح کے شاٹے وضع کرتے رہتے ہیں۔

"مسٹر جاک لیسٹ" اور "لی مور" کہتے ہیں۔ "امریکہ کا اقوام عالم میں اس لحاظ سے شہرہ ہے کہ اس کا نشان امتیاز "تمثال حریت" ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم اپنے ملک میں ہر آنے والے اور پناہ لینے والے کو خوش آمدید کہیں، خواہ وہ ظلم و ستم کی سخت گیریوں سے بھاگ کر آیا ہو یا مظالم و مصائب کی دسترس سے دور بھاگنا چاہتا ہو۔ لیکن یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ جب سے آزادی کا یہ مجسمہ نصب ہوا ہے امریکہ سے آزادی اور مساوات کے یہ معنی ختم ہو چکے ہیں۔"

سب سے آخری بات قابل لحاظ ہے کہ ۱۹۴۶ء میں، شہر کولمبیا میں، ایک حبشی اور اس کی والدہ اپنے ریڈیو کی خرابی درست کرانے کے لئے ریڈیو کے پرزوں کی مرمت کرنے والی کسی دوکان پر گئے۔ پھر جب دوکان دار کی مطلوبہ اجرت ادا کر چکے اور ریڈیو چلانا چاہا تو دیکھا کہ خرابی علی حالہ باقی ہے، اور کسی طرح کی کوئی مرمت نہیں کی گئی ہے۔ اس پر حبشی کی والدہ نے کہا کہ تیرہ ڈالر لے لئے اور ریڈیو ہنوز لنگولنگا ہے اس گستاخی پر صاحب دکان نے حکم دیا کہ اسے دکان سے باہر نکال دیا جائے۔ نوکر نے اس غریب عورت کو پاؤں سے ٹھوکر ماری اور وہ منہ کے بل گر پڑی۔ اس پر حبشی کو غصہ آگیا اور اس نے نوکر کو مارا اور اسے زمین پر گرا دیا۔ اب کیا تھا۔ پاس پڑوس کے سفید فاموں نے چیخ پکار شروع کر دی کہ قتل کر دو اس بدکار کو۔ ایک بھیڑ اکھٹی ہو گئی جو چیخ کر کہہ رہی تھی کہ ہم ان دونوں سے بدلہ لے کر رہیں گے، یاد رہے کہ امریکیوں کی زبان میں حبشیوں سے بدلہ لینے کا مطلب یہ ہے کہ بغیر کسی عدالتی کارروائی کے فوراً ان کا سر تن سے جدا کر دیا جائے اور کسی دوسری سزا کے سوچنے کا سوال نہیں۔ بہرحال ان حملہ آوروں سے انھیں بچا لیا گیا اور جیل بھیج دیا گیا۔ لیکن سفید فاموں کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ وہ حبشیوں کے ایک محلہ پر ٹوٹ پڑے تاکہ کسی حبشی عورت اور اس کے بیٹے سے انتقام لیا جائے اور پولیس اُس بدقسمت محلہ کا محاصرہ کئے رہی اور غریب حبشیوں کو ان گھروں سے نکلنے نہ دیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ بپھرے ہوئے سفید فاموں کے غول نے توڑ پھوڑ شروع کردی، ان کے مکانات میں آگ لگادی اور غریب حبشیوں پر گولیاں چلائیں۔ چنانچہ بہت سے حبشی زخمی اور ہلاک ہوئے اور یہ سب مظالم محض اس لئے توڑے گئے کہ اس حبشی عورت نے ایک جائز شکایت کا اظہار کیوں کیا کہ اجرت تو لے لی اور مٹھائیوں کا تول واپس کردیا۔ یہ ہے آزادی و مساوات کی وہ سنہری مثال جو بیسویں صدی کی روشن دماغ مغربی تہذیب پیش کرتی ہے۔

ہماری تہذیبی روایات

اب اس کے بالمقابل [illegible] یعنی تیرہ سو سال قبل کا ایک واقعہ سنئے۔ ایک سیاہ فام لڑکی فرتونہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو ایک خط لکھا کہ میرے گھر کی دیوار بہت نیچی ہے، اور لوگ اس سے داخل ہو کر میری مرغیاں چرا کر لے جاتے ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس کو اطلاع دی کہ اس کی شکایت کے متعلق والی مصر کو لکھ دیا گیا ہے کہ وہ دیوار کو اونچا کر دے اور گھر کی حالت درست کر دے۔ اور والی مصر کو لکھا گیا کہ خط ملتے ہی وہ بذات خود جا کر اپنی نگرانی میں اس عورت کی دیوار کو بلند کرادیں۔ اس وقت والی مصر، ایوب بن شرحبیل تھے۔ خط کا متن یہ تھا۔

"فرتونہ ذی اصبح کی آزاد کردہ لونڈی نے مجھے لکھا ہے کہ اس کے صحن کی دیوار بہت نیچی ہے اور رات کو چور داخل ہو کر اس کی مرغیاں چرا لیتے ہیں۔ وہ چاہتی ہے کہ اس کو مضبوط کرکے بلند کر دیا جائے۔ لہٰذا میرا یہ مکتوب دیکھتے ہی تم خود سواری کسو، خود روانہ ہو جاؤ اور اپنے سامنے اس کی دیوار بلند اور مضبوط کرادو۔"

جب ان کو خط پہنچا تو وہ گئے۔ بڑی تلاش کے بعد فرتونہ کا مکان ملا۔ معلوم ہوا کہ ایک سیاہ فام غریب عورت ہے۔ گورنر نے اپنی نگرانی میں امیرالمومنین کے حکم کی تعمیل کی۔

یہ ہے وہ سلوک جو ہم آج سے تیرہ سو سال قبل حبشیوں سے کرتے رہے تھے۔ ہماری تہذیب کی شاندار روایات کی یہ ایک مثال ہے۔

(بشکریہ چراغ راہ۔ خفیف تصرف کے ساتھ)

قول بلا عمل

سید قطب شہید کی تفسیر قرآن کا ایک ورق

ترجمہ ابو الحسن ندوی مغفورہ

"أتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم الآیہ۔
کیا تم لوگوں کو تو نیکی اور وفاداری کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم کتابِ الٰہی پڑھتے ہو، تو کیا سمجھتے نہیں ہو، اور صبر اور نماز کے ذریعہ مدد چاہو۔"

قرآنِ مجید کی اس آیت کے مخاطب اوّلین اگرچہ بنی اسرائیل ہیں۔ لیکن انسانی نفسیات بالخصوص حاملین دین کی نفسیات کی طرف اس آیت میں جو اشارات کیے گئے ہیں وہ دائمی اور عالمگیر قدر و قیمت کے حامل ہیں۔

جب دین ایک حیات بخش اور ولولہ انگیز عقیدہ کے بجائے محض ایک پیشہ اور ذریعۂ معاش بن کر رہ جاتا ہے اس وقت اربابِ دین جس بیماری میں بالعموم مبتلا ہو جاتے ہیں وہ یہی "قول بلا عمل" کی بیماری ہے۔ ان کی زبانیں جن عقائد و نظریات کا پرچار کرتی ہیں، ان کے دل، ان نظریات کے اعتقاد سے یکسر خالی ہوتے ہیں، عام لوگوں کو وہ جن اخلاقیات کا درس دیتے نہیں تھکتے۔ خود ان کی زندگی ان سے قطعاً تہی ہوتی ہے، وہ دین کی مخلصانہ

اطاعت کے علمبردار بنتے ہیں، لیکن خود پیشہ ورانہ انداز میں دین کی بیروی کا ڈھونگ رچاتے ہیں۔
اپنے مفاد کے لیے الفاظ کی الٹ پھیران کا محبوب مشغلہ بن جاتا ہے۔ نصوص قطعیہ کی تاویل و توجیہ اس چابکدستی سے کرتے ہیں کہ ان کی اغراض نفسانی عین کتاب الٰہی کا تقاضا نظر آنے لگیں۔ سرمایہ داروں اور ارباب اقتدار کی خواہشات کی تکمیل کے لیے اپنی "زنبیل علم" سے ایسے فتاویٰ نکال کر لاتے ہیں، جو نصوص شرعیہ کے ظاہری الفاظ کے خواہ خلاف نہ ہوں، لیکن روح دین کے قطعی منافی ہوتے ہیں۔ علماء یہود ان تمام فنون میں پوری مہارت رکھتے تھے۔

زبان سے نیکی اور پرہیزگاری کی دعوت اور عمل سے اس کی مخالفت ایسی مصیبت ہے، جس کی وجہ سے لوگ صرف "مدعیانِ حق" ہی سے بدظن نہیں ہوتے، بلکہ نفس حق بھی ان کی نگاہوں میں مشتبہ بن جاتا ہے۔
اس "قول بلا عمل" سے ان کے قلوب اضطراب اور افکار پراگندگی کا شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ باتیں جتنی اچھی سنتے ہیں، عمل اتنا ہی قبیح پاتے ہیں۔ قول و فعل کا تضاد دیکھ کر وہ حیرت زدہ رہ جاتے ہیں۔ ان کی روحوں میں شعلہ اعتقاد نم خوردہ ہو جاتے ہیں اور نور ایمان افسردہ ہو جاتا ہے۔ چناں چہ اہل دین کے ساتھ بد اعتمادی کی وجہ سے خود دین پر سے ان کا اعتماد اٹھ جاتا ہے۔

بے عمل انسان کا کلام خواہ فصاحت و بلاغت کے سانچوں میں کیسا ہی ڈھلا ہوا کیوں نہ ہو، جب وہ روح ایمانی سے خالی دل سے نکلتا ہے تو وہ بے روح ہی رہتا ہے۔ الفاظ کا کوئی شکوہ، بندش الفاظ کی کوئی چستی اور کلام کا کوئی ظاہری طمطراق اس "روح" کے فقدان کا مداوا نہیں بن سکتا۔
حقیقت یہ ہے کہ کوئی انسان اسی وقت اپنی بات پر کامل یقین کا دعویٰ کر سکتا ہے جبکہ وہ خود اپنے قول کے سانچے میں ڈھل کر اس کا جیتا جاگتا عملی نمونہ بن جائے تبھی دوسرے لوگ اعتماد بھی کرتے ہیں اور ایمان بھی لاتے ہیں۔ چاہے ایسے شخص کے الفاظ میں نہ شکوہ ہو نہ آہنگ کیونکہ اس وقت الفاظ کی قوت و شوکت، خلوص و حقیقت کا کرشمہ ہوتی ہے نہ کہ فسوں طرازی

کلام کا، الفاظ کی دل کشی صداقت کی عطا کردہ ہوتی ہے۔ نہ ان کی ظاہری تراش خراش کی چونکہ وہ ایک دھڑکتے ہوئے دل سے نکلتے ہیں، اس لیے خود ان میں زندگی جلوہ گر ہوتی ہے۔

قول و عمل کے تضاد کے نقصانات اور ان کی مطابقت کے فوائد اور اس کی اہمیت کون نہیں جانتا لیکن کتنے ہیں جن کا عمل ان کے قول کی واقعی تفسیر ہو۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہ بڑی خارزار وادی ہے۔ اس وادی سے گزرنے کے لیے محنت، کوشش اور جانگسل کشمکش کی ہمت درکار ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ سے تعلق اور اس سے استعانت اور توفیق کی طلب کے بغیر اس وادی کا طے کرنا محال ہے کیونکہ ——— بسا اوقات زندگی کے نشیب و فراز اس کی ضروریات اور مجبوریاں انسان کو عمل کے میدان میں اس کے عقیدے سے دور بہت دور پہونچا دیتی ہیں۔ وہ جس حقیقت کا داعی اور علمبردار رہا ہے عملی دنیا میں اس کی مخالفت کرنے پر مجبور ہو جایا کرتا ہے۔

شر اور طغیان کی قوتوں کے سامنے یہ فانی انسان سخت ضعیف و ناتواں ہے، جب تک کہ وہ "قوت کے لازوال خزانے" سے وابستہ نہ ہو جائے، اس وقت تک وہ شر کے حملوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ ممکن ہے کہ وہ ان پے در پے حملوں سے ایک بار، دو بار، سہ بار اپنے آپ کو بچالے جائے۔ لیکن جونہی اس کے قویٰ میں ذرا سا ضعف یا اضمحلال پیدا ہوا اسی وقت اس پر بدی کی طاقتیں غلبہ پالیتی ہیں اور وہ بے سہارا ہو کر شر کی گہری خندقوں میں جا گرتا ہے اور اپنے ماضی، حال اور مستقبل سب کی بازی ہار جاتا ہے۔

لیکن اگر وہ "قوت کے ابدی اور لازوال سرچشمہ" سے وابستہ ہو جائے تو یہی کمزور ناتواں انسان ہر طاقتور سے بڑھ کر قوی ہو جاتا ہے۔ وہ قوی تر ہو جاتا ہے اپنی شہوات کے مقابلہ میں ——— اپنی ضرورتوں اور مجبوریوں کے مقابلے میں اور جبر و ظلم کی ان تمام طاقتوں کے مقابلے میں جن سے اس کو نبرد آزما ہونا پڑے۔

"ان عبادی لیس لک علیھم سلطان۔
بے شک "میرے بندوں" پر تیرا کوئی بس نہیں چل سکتا۔"

اسی لیے قرآن مجید ــ مخاطب اولین کی حیثیت سے یہود کو اور بالواسطہ طور پر تمام انسانوں کو ــــ توجہ دلاتا ہے کہ اس کٹھن منزل میں وہ صبر و صلوٰۃ کو ذریعۂ قوت بنائیں۔

یہود اس وقت جس مقام پر کھڑے تھے، اس کے لحاظ سے ان سے مطالبہ یہ تھا کہ مدینہ میں ان کو جو سیاسی اور معاشی برتری حاصل ہے یا وہ اپنی دینی پیشوائی کے ذریعہ جو منافع کما رہے ہیں، ان سب سے دستبردار ہو کر اس حق کو قبول کرلیں جسے وہ اچھی طرح پہچان چکے ہیں اور اس قافلۂ ایمان کے ہمسفر بن جائیں، جس کے ہمسفر بننے کی وہ آج تک دعوت دیتے چلے آئے ہیں۔ لیکن یہ عظیم مطالبہ یہود اسی صورت میں پورا کر سکتے تھے جبکہ ان کے اندر قوت و شجاعت اور استغناء و قناعت کی وہ صفات پائی جاتیں، جو صفات صبر و صلوٰۃ کے ذریعہ نصیب ہوتی ہیں۔

صبر کے ذریعہ قوت حاصل کرنے کی بات تو بالکل واضح ہے کیونکہ ہر پر مشقت راہ میں صبر ہی کا توشہ کارآمد ہے اور تمام مشقتوں میں سے اولین اور شدید ترین مشقت وہی ہے جس کا مطالبہ یہود سے کیا جا رہا تھا، یعنی اعترافِ حق اور احترامِ حق کی خاطر قیادت و سیادت اور دنیوی منافع سے دستبرداری کی مشقت۔

لیکن یہ نماز سے استعانت اور قوت حاصل کرنے کا مفہوم کیا ہے؟ بات یہ ہے کہ نماز بندے اور پروردگار کے مابین رابطے اور ملاقات کی ایک عظیم شکل ہے۔ اس رابطہ سے قلب کو وہ قوت نصیب ہوتی ہے جو ہر مزاحم قوت کو شکست دے سکتی ہے اور اس ملاقات کے شعور سے روح کو وہ لذت حاصل ہوتی ہے جو انسان کی سب سے قیمتی متاع ہے۔

چنانچہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی پریشانی یا مشکل کا سامنا ہوتا تھا تو آپؐ نماز کے دامنِ طمانیت میں پناہ لیتے تھے، حالانکہ آنحضور صلی اللہ علیہ کا تعلق اپنے رب کے ساتھ ہر گھڑی نہایت مضبوط تھا اور آپؐ کی روح وحی و الہام کے ذریعہ ہر وقت اپنے رب سے وابستہ رہتی تھی۔ نماز کا یہ چشمۂ رواں آج بھی ہر اس مومن کی دسترس میں ہے جو اپنی تشنہ لبی کو سیرابی سے بدلنے کا آرزومند ہو یا جو راہ کی بے سروسامانی میں برگ و ساز کا طالب ہو یا جو اپنی ہی مانگی توادرِ راہ کا حاجتمند ہو۔ (فی ظلال القرآن، جلد اول)

محدّثینِ عظام کا عظیم کارنامہ

فنِ اسماءُ الرِّجال

(۶)

مولانا تقی الدین صاحب ندوی مظاہری
(استاذ حدیث دار العلوم فلاح دارین ترکیسر (گجرات)

جرح و تعدیل میں ائمہ حدیث کے اختلاف کی حقیقت

حدیث کو پرکھنے اور جانچنے کے جو محکم قاعدے اور ضابطے محدثینِ کرام نے مرتب کیے ہیں اُن پر کسی طرح اعتراض کی گنجائش نہیں، البتہ جو لوگ اس مقدس فن سے ناآشنا ہیں اور جن کا مقصد ہی اس فن کو مشکوک بنانا ہے اُن کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ کسی ایک راوی کی صداقت و عدالت میں دو محدثوں کا بھی اتفاق نہیں، اگر ایک محدث اس کو ثقہ قرار دیتا ہے، تو دوسرا ضعیف، یا اس کے برعکس معاملہ ہے، چنانچہ ڈاکٹر احمد امین وغیرہ نے اس دعوے پر علامہ ذہبی کی ایک عبارت سے استدلال کیا ہے۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں۔

"لم یجتمع اثنان من علماء هذا الشان علی توثیق ضعیف ولا علی تضعیف ثقة" [1]

مگر واقعہ یہ ہے کہ حافظ ذہبی کے الفاظ پر معمولی غور کرنے سے اس مفہوم کی تردید ہوتی ہے"

---

[1] تدریب ص۲۰۲ طبع جدید

جو ان لوگوں نے مراد لیا ہے۔

مصطفیٰ السباعی مرحوم لکھتے ہیں کہ حافظ ذہبی کے کہنے کی غرض یہ ہے کہ ائمہ جرح و تعدیل نقد رجال میں نہایت تثبت و احتیاط سے کام لیتے ہیں، وہ ایسا نہیں کرتے کہ ایک راوی جو ضعف میں مشہور ہو اس کی توثیق کر دیں، یا کسی ایسے راوی کو جو تثبت و صدق میں مشہور ہے، اس کو ضعیف قرار دیدیں، البتہ ان حضرات کا اختلاف ان راویانِ حدیث کے بارے میں ہوا ہے جو ضعف و ثقاہت میں مشہور نہ ہوں، الغرض یہ حضرات راوی کا اسی حیثیت سے تذکرہ کرتے ہیں جو اس میں حقیقۃً ہوتی ہے۔ حافظ ذہبی نے اپنے قول توثیق ضعیف لا علیٰ تضعیف ثقۃ سے اگر وہی مراد لیا ہوتا جو ڈاکٹر احمد امین وغیرہ نے سمجھا ہے، تو الفاظ یہ ہوتے لم یجتمع اثنان علیٰ توثیق راوٍ ولا علیٰ تضعیفہ[1] جو رواۃ ضعف یا ثقاہت میں مشہور نہیں ہیں، ان کے بارے میں ائمہ فن کا اختلاف ہوا ہے اور اس کی دو صورتیں ہیں (۱) کبھی یہ اختلاف اہل سنت و الجماعت رواۃ کے بارے میں واقع ہوا ہے۔ اور یہ اختلاف عام طور پر ائمہ جرح و تعدیل کے نقطہائے نظر کے اختلاف پر مبنی ہے جو ان میں باہم ایک راوی کے صدق و کذب یا اس کی عدالت و فسق اور اس کے حفظ و نسیان میں ہوا کرتا ہے۔ (۲) کبھی یہ اختلاف اہل بدعت رواۃ کے بارے میں ہوا ہے۔ اس صورت میں ائمہ جرح و تعدیل نے مجرد مذہبی اختلاف کی بنا پر نقد نہیں کیا ہے، بلکہ اپنے مخالف پر جرح اس وقت کی ہو، جب اس کی بدعت کفر کی طرف داعی ہو، یا وہ صحابہؓ کرام پر تنقید یں کرتا ہو، یا وہ اپنی بدعت کی طرف داعی ہو، یا داعی تو نہیں ہے، مگر اس کی بدعت اس کے باطل عقیدے کے موافق ہو۔ ان سب صورتوں میں راوی کی عدالت مشکوک سمجھی جائے گی، فی الواقع جرح کا مدار راوی کے صدق و ثقاہت پر ہے، نہ کہ مجرد مذہبی اختلاف پر، کتب ستہ وغیرہ کتابوں میں مبتدع کی ایک جماعت سے روایت کی تخریج کی گئی ہے، جن کے بارے میں تاریخ سے ثابت ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے تھے، جیسے عمران بن حطان خارجی اور ابان بن تغلب شیعی، حافظ ذہبی ابان بن تغلب کوفی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں، "شیعیٌ لکنہ صدوقٌ فلنا صدقہ وعلیہ کذبہ"[2] اہل بدعت رواۃ کی روایت

---

[1] السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی ص ۲۳۵ [2] ایضاً و میزان الاعتدال ص ۴ ج ۱

محدثین کرام نے جن شرائط کے ساتھ قبول کی ہے، اس پر تفصیلی گفتگو ہم پہلے کر چکے ہیں۔

جرح کے معتبر ہونے کے لیے اسباب کا بیان کرنا ضروری ہے

کسی راوی پر جرح و تنقید کے معتبر ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اسباب بیان کیے جائیں، محدثین کرام نے مستقل ضابطہ بنا دیا ہے کہ جرح مبہم معتبر نہیں کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ناقد کی جرح میں غلطی و عصبیت بھی شامل ہو جاتی ہے، جس میں حقیقت واقعیت نہیں ہوتی، جیسے اہلِ حدیث اور اہلِ رائے کا باہم اختلاف مشہور ہے، کہ اہلِ حدیث اجتہاد کے باب میں اہلِ رائے سے متفق نہ تھے اس لیے بہت سے ائمہ رائے کو ضعفاء میں شمار کر دیا ہے حتیٰ کہ امام اعظم ابوحنیفہ پر ان کے زہد و تقویٰ اور جلالتِ شان کے باوجود بہت سے لوگوں نے کلام کیا ہے، اس لیے تعدیل کے مقبول ہونے کے لیے اسباب کا بیان کرنا ضروری نہیں، لیکن جرح کے معتبر ہونے کے لیے اسباب کا بیان کرنا ضروری قرار دیا گیا۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ اسباب جرح کا بیان کرنا اس لیے ضروری قرار دیا گیا، کہ بسا اوقات جرح کرنے والا ایسی چیز کو جرح کا سبب قرار دیتا ہے جو موجب جرح نہیں ہوتی، مجھے ایک شخص پر جرح کی خبر پہنچی تو میں نے ناقد سے اس کا سبب دریافت کیا، تو اس نے بتایا کہ میں نے اس کو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا تھا، اب اس کے کپڑے ناپاک ہوتے ہوں گے، اور اسی حالت میں اس نے نماز پڑھی ہوگی تو صدوق کہاں رہا؟ میں نے اُس سے کہا کہ تم نے انھیں کپڑوں میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا، تو اس نے جواب دیا نہیں، امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس طرح کی جرح لغو و باطل ہے[۱] نیز اس کا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ممکن ہے کہ کسی عذر کی بنا پر رہا ہو۔

حافظ ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں کہ

بخلاف الجرح فانه لا یقبل الا مفسّراً لاختلاف الناس	برخلاف جرح کے یہ قابلِ قبول نہیں جب تک کہ مفصّل نہ ہو، اس لیے کہ فاسق

[۱] الکفایۃ ص۱۰۸

فی الاسباب المفسقة فقد يتهم الجارح شيأ مفسقا فيضعفه ولا يكون كذلك فی نفس الامر اوعند غيره ولهذا اشترط بيان السبب فی الجرح بغير خلاف[1]	بنانے والے اسباب میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ کبھی جرح کرنے والا ایک چیز کو موجب فسق سمجھ کر جرح کر دیتا ہے اور حقیقت حال اس کے خلاف ہوتی ہے۔ اسی لیے بالاتفاق سبب جرح کا بیان کرنا ضروری قرار دیا گیا۔

اس سلسلے میں حافظ ابن صلاح لکھتے ہیں: کہ کوئی جرح مقبول نہیں جب تک کہ اس کا سبب نہ بیان کیا جائے۔ کیونکہ بسا اوقات جارح ایسی جرح کرتا ہے جو موجب جرح نہیں ہوتی۔ فلا بد من بیان سببه لیظهر هل هو جرح ام لا[2]۔ خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ شیخین وغیرہ حفاظ حدیث کا یہی مسلک ہے[3]۔

یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ جرح مبہم صرف ان رواۃ کے بارے میں معتبر نہ ہوگی جس کی پہلے کسی محدث نے توثیق کی ہو، چنانچہ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر فرماتے ہیں، کہ جس راوی کی کسی امام فن نے توثیق کی ہے، اس کے بارے میں کسی کی بھی جرح اس وقت تک قابل قبول نہ ہوگی جب تک کہ مفسر نہ ہو، اور اگر اس راوی کی ثقاہت ثابت ہو چکی ہو تو اس کو زائل کرنے کے لیے واضح دلیل کی ضرورت ہے، کیونکہ ائمہ فن نے اس راوی کی دیانت و روایت کا پورا اندازہ لگا کر اور پرکھ کر فیصلہ کیا ہوگا، ان کے فیصلے کو باطل کرنے کے لیے صریح دلیل چاہیے، البتہ اگر کسی محدث نے اس کی توثیق نہیں کی ہے، تو پھر ماہر فن کی جرح مبہم قبول کی جائے گی[4]۔ امام بیہقی اور محمد بن نصر مروزی وغیرہ ائمہ کا بھی یہی خیال ہے کہ جس آدمی کی عدالت ثابت ہو چکی ہو، اس کے بارے میں کسی کی جرح اس وقت قبول کی جائے گی، جب وہ واضح طور پر اس کا سبب بھی بیان کرے[5]۔

معاصرانہ رقابت و رنجش کے سبب جرح مردود ہے

اگر کسی قرینہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ معاصرانہ رقابت یا رنجش یا خفگی کے سبب جرح کی جا رہی ہے، تو یہ جرح بالاتفاق نا قابل قبول ہے، مولانا عبد الحی لکھنوی تحریر فرماتے ہیں:-

---

[1] اختصار علوم الحدیث صلا۔ [2] مقدمہ ابن صلاح ص۳۵۔ [3] الکفایہ ص۱۰۹ و لسان المیزان ج۱ ص۱۵ و تدریب ص۲۰۳
[4] تدریب ص۲۰۳۔ [5] فتح المغیث ص۱۳۰۔

الجرح اذا صدر من تعصب او	جرح جب تعصب یا عداوت یا باہمی منافرت
عداوة او منافرة او نحو ذالک فهو	وغیرہ سے صادر ہو، تو وہ غیر معتبر ہے، اور
جرح مردود ولا یؤمن الا المطرود[۵۱]	اس طرح کی جرح سے شاید ہی کوئی محفوظ رہ
	سکا ہو۔

حافظ ذہبی فرماتے ہیں معاصرین کی ایک دوسرے پر تنقید نا قابل التفات ہے، جبکہ ثابت ہوجائے کہ یہ جرح عداوت یا مسلک کے اختلاف یا حسد کی بنا پر ہو رہی ہے۔ جس کی اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے صرف وہی لوگ اس طرح کی جرح سے محفوظ رہ سکتے ہیں، انبیاء علیہم السلام و صدیقین کے سوا اور کسی کا تنقید سے محفوظ رہنا میرے علم میں نہیں ہے۔ اگر میں چاہوں تو اس پر کئی کاپیاں سیاہ کر سکتا ہوں۔[۵۲]

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ بعض ائمہ نے ذاتی رنجش سے اور بعض نے اپنے معاصرانہ رقابت کے سبب جرح کی ہے اور بعض ادنیٰ درجہ کے راوی نے اپنے سے اعلیٰ اور افضل اور کامل الضبط ثقہ راوی پر جرح کر دی ہے، حافظ صاحب فرماتے ہیں، فکل هذا لا یعتبر، ایسی تمام جرحیں غیر معتبر ہیں۔[۵۳] مشہور مقولہ ہے المعاصرة سبب المنافرة، اس لیے جب ایک معاصر عالم دوسرے معاصر پر نقد کر رہا ہو تو دیکھنا چاہیئے کہ یہ جرح معاصرانہ رقابت کے سبب تو نہیں ہو رہی ہے، کیونکہ بشری تقاضے سے کبھی اس طرح کی رقابت پیدا ہو جاتی ہے، اور کبھی یہ رقابت باہمی رنجش و عداوت تک پہونچ جاتی ہے،

حافظ شمس الدین سخاوی فرماتے ہیں کہ "رنجش و خفگی کی بنا پر جرح کا مرض عام طور پر دو معاصر عالموں کے درمیان زیادہ ہوتا ہے، بالخصوص متاخرین علماء میں اکثر مراتب میں تنافس اس کا سبب ہے۔ اسی لیے حافظ ابن عبد البر مالکی نے جامع بیان العلم میں ایک مستقل باب قائم کر کے معاصرین کی آپس کی تنقیدوں کو جمع کر دیا ہے، .... دو معاصرین کے آپس کی جرح قابل قبول نہ ہوگی، جب تک کہ جرح پر واضح دلیل نہ قائم ہو، اور اگر ان دونوں کے درمیان

---

[۵۱] الرفع والتکمیل طبع جدید ص۱۸۱۔ [۵۲] میزان الاعتدال ج۱ ص۱۱۲۔ [۵۳] مقدمہ فتح الباری ص۳۹۶ و لسان المیزان ج۱ ص۱۶

عداوت ثابت ہو جائے تو وہ جرح بدرجۂ اولیٰ قابلِ رد ہوگی۔[۵۱]

تنبیہ ایک شبہ یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ جرح و تعدیل کی کتابوں میں عام طور پر جرح کا سبب نہیں بیان کیا گیا ہے، بلکہ اکثر ان مصنفین نے فلان ضعیف، فلان لیس بشیئ وھذا حدیث ضعیف، پر اکتفا کیا ہے، علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے راوی کا مشکوک ہونا معلوم ہوگیا، اس لیے اس کے بارے میں توقف کیا جائے گا۔ غور و فکر اور تحقیق کے بعد اگر شبہ کا ازالہ ہو جائے تو اس راوی کی روایت قبول کرلی جائے گی، صحیحین کے بہت سے رواۃ کے بارے میں ایسا ہی ہوا ہے۔[۵۲]

جرح مبہم تعدیل پر مقدم نہیں ہے اگر جرح مبہم ہے، اس کے اسباب بیان نہیں کیے گئے ہیں، تحقیق و جستجو کے بعد بھی کوئی وجہ معلوم نہ ہو سکی، جس سے راوی کی عدالت ساقط ہو جائے تو ایسی صورت میں جن ائمہ نے اس راوی کی عدالت کو بیان کیا ہے، ان کے بیان کو ترجیح دی جائے گی، مولانا عبدالحئی لکھنوی لکھتے ہیں: جرح غیر مفسّر تعدیل پر مقدم نہیں، بلکہ غیر مفسر جرحوں پر خود تعدیل مقدم ہے۔[۵۳]

ایک غلط فہمی کا ازالہ علامہ تاج الدین سبکی فرماتے ہیں کہ "الجرح مقدم علی التعدیل" کا ضابطہ ہر جگہ نہیں استعمال کیا جائے گا، بلکہ جس راوی کی عدالت و ثقاہت ثابت ہو چکی ہو اس کے بارے میں مدح و توثیق کرنے والوں کی کثرت ہو، اس کے ناقدین قلیل ہوں، اور کوئی ایسا قوی قرینہ موجود ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ یہ جرح مذہبی تعصب کی بنا پر کی گئی ہے، تو یہ جرح غیر معتبر ہے ..... کسی ناقد کی جرح اس شخص کے حق میں مقبول نہ ہوگی، جس کی طاعات معصیت پر غالب ہوں، اور مذمت کرنے والوں کے مقابلہ میں مادحین کی کثرت ہو، اس کی توثیق کرنے والے ناقدین سے زائد ہوں، اور کوئی مذہبی تعصب یا دنیاوی تنافس کا ایسا قوی قرینہ بھی موجود ہے، جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہی اس جرح کا باعث بنا، جیسا کہ معاصر علماء میں ہوا کرتا ہے، چنانچہ سفیان

(باقی ص ۸۸ پر)

---

[۵۱] فتح المغیث ص ۱۹۶ [۵۲] تدریب ص ۲۰۲ [۵۳] ظفر الامانی ص ۲۸۱

یقین و ایمان کا سودا

(از، مولانا سید ابو الحسن علی ندوی)

مرکز لکھنؤ کے ایک تبلیغی اجتماع سے خطاب

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ

(بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت اور محنت کی راہِ خدا میں وہی امیدوار ہو سکتے ہیں رحمت حق کے)

حضرات! سارے علم و مطالعہ، عبادات و ریاضات اور ساری اصلاح و تربیت کا مقصود و ماحصل معرفت اور یقین ہے، لیکن یہ معرفت و یقین کوئی ایسا گرا پڑا مال نہیں ہے جو راستہ چلتے مِل جائے ہم اپنے مشاغل اور تفریحات، اپنی معاشی جدوجہد، اپنی خواہشات کی تکمیل اور زندگی کے لگے بندھے نظام میں مشغول رہیں اور یہ گوہرِ مقصود ہمارے ہاتھ آجائے۔ یہ بات غیرتِ خداوندی کے خلاف ہے نعمتِ ایمان اور دولتِ یقین کوئی ایسی چیز نہیں جو ہر کسی کے گلے لگادی جائے چاہے اس کو اس کی طلب ہو چاہے نہ ہو چاہے اس کو اس کی قدر ہو چاہے نہ ہو۔ قرآن شریف میں ایک پیغمبر کی زبان سے آتا ہے۔ "اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ" (کیا ہم ایمان کی دولت تمھارے گلے لگادیں گے چاہے تم اس کو ناپسند کرتے ہو) اس کے لئے بلند ہمتوں اور حقیقت شناسوں نے بڑے بڑے ہفت خواں سر کئے ہیں، سمندر کھنگالے ہیں پھر گوہرِ مقصود ہاتھ آیا ہے۔ ایک امام غزالیؒ ہی کی مثال لیجئے ——— آپ حضرات میں جنھوں نے تاریخ میں پڑھا ہوگا ان کو معلوم

ہوگا کہ ان کے حلقہ درس میں علماء، جو دوسری جگہ سے فارغ ہوکر آتے تھے اور پورے مکمل عالم تھے، پانچ پانچ سو کی تعداد میں ہوتے تھے۔ اور لکھا ہے مؤرخین نے کہ سلطنت عباسیہ کے دربار سے زیادہ شان وشوکت امام غزالیؒ کے حلقہ درس کی تھی، سلطنت عباسیہ جو اس زمانے کی روئے زمین کی سب سے بڑی سلطنت تھی مسلمانوں ہی کی نہیں مسلمان اور غیر مسلم ملا کر سب سے بڑی سلطنت تھی۔ امام غزالیؒ کی مجلس کے سامنے ماند پڑ گئی تھی وہ امام غزالیؒ جن کو اللہ تعالیٰ نے علم کی بادشاہی عطا فرما رکھی تھی اور جو بوریے پر بیٹھ کر بادشاہت کر رہے تھے ان کو یہ محسوس ہونے لگا کہ میرے اندر جو یقین ہونا چاہئیے وہ نہیں ہے " اَلْمُنْقِذُ مِنَ الضَّلَالِ " جس کا اردو میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے اس میں انھوں نے لکھا ہے کہ میں یہ سوچتا تھا کہ دو اور دو چار پر مجھے جتنا یقین ہے اتنا یقین مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی بات پر کیوں نہیں اس کو میں اپنے ایمان سے اپنے دلائل سے تو صحیح مانتا ہوں لیکن مجھے جس طرح سے مشاہدہ سے یقین ہوتا ہے ویسا یقین میرے اندر کیوں نہیں ہے ایسی کیفیت میرے اندر پیدا ہوئی اور اس سے ایک ایسی تڑپ پیدا ہوئی کہ میری زبان بند ہوگئی اور میرے نظام ہضم نے کام چھوڑ دیا حتیٰ کہ ایک لقمہ بھی مجھے ہضم نہیں ہوتا تھا، اس زمانے کے حکماء نے آکر دیکھا اور نبض پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ کوئی ایسا غم طاری ہو گیا ہے جس کی وجہ سے تمام قوتوں نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ امام غزالیؒ کی یہ حالت دیکھ کر ان کو بہت لوگوں نے سمجھایا اور کہا آپ کو اللہ تعالیٰ نے مرجعیت عطا فرمائی ہے، آپ ایک مقتدا ہیں بغداد میں بیٹھ کر آپ بادشاہی کر رہے ہیں تو اس سے بڑھ کر اور کیا چیز ہو سکتی ہے! لیکن ایک درد تھا جو ان کو تڑپا رہا تھا لوگ کہتے تھے کہ اب اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ اسلام کو نظر لگ گئی ہے شیطان کو اسلام کی یہ شان وشوکت دیکھی نہیں جاتی اس لئے آپ کے دل میں یہ خیال ڈال دیا بہر حال وہ کسی کے سمجھانے سے سمجھ نہیں سکتے تھے آخر میں اس پوری شان وشوکت کو ٹھکرا کر چلے گئے کہ جب تک وہ یقین کی کیفیت میرے اندر پیدا نہیں ہوگی میں واپس نہیں آؤنگا چنانچہ اللہ نے ان کی مدد فرمائی۔

" وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا "

جو اللہ کے راستے میں نکلتا ہے اللہ اس کی مدد فرماتا ہے خدا نے ان کو انکی جستجو میں کامیاب کیا اور وہ دولت عطا کی جس کی ان کو تلاش تھی، وہ ایسا یقین لے کر آئے اور ایسی معرفت لائے جو آج بھی ہزاروں نہیں لاکھوں دلوں کو گرما رہی ہے آج بھی اس سے ایمانی کیفیت پیدا ہوتی ہے، ان کی کتابیں اس وقت بھی ویسی ہی زندہ معلوم ہوتی ہیں کہ آج ہی لکھ کر وہ اٹھے ہیں اور ان کے اندر وہی تاثیر ہے جو احیاء العلوم پڑھتا ہے دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو جاتی ہے اللہ کی سچی طلب اس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے، لاکھوں نہیں بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے وقت سے لیکر اس وقت تک اگر کروڑوں کی تعداد ان لوگوں کی ہو جن کو احیاء العلوم سے فائدہ ہوا تو مبالغہ نہیں ہوگا۔ ہزاروں آدمیوں کی زندگیاں بن گئیں اور ہزاروں آدمی واصل باللہ اور عارف باللہ بن گئے۔ بعض بعض طریقے ایسے ہیں اور ان میں خاص طور پر طریقہ غزالیہ جن کا دستور العمل احیاء العلوم ہی ہے، اللہ تعالیٰ نے انکے صدق طلب کی ان کو یہ جزا عطا فرمائی، یہ صلہ دیا کہ خود بھی انکو یقین عطا فرمایا اور دوسروں میں یقین پیدا کرنے کی بھی ان میں طاقت پیدا کر دی، وہ ہزاروں آدمیوں کے یقین کا سبب بن گئے۔

اسی طرح مولانا خالد رومی کے دل میں ایک تڑپ پیدا ہوئی اور ان کو اپنے اندر ایک باطنی خلا محسوس ہوا کہ سب کچھ ہے باہر سے عالموں کا لباس ہے، عالموں کی زبان ہے، عالموں کا دماغ ہے، عالموں کا علم ہے کتب خانہ کا کتب خانہ میرے دل میں بھرا ہوا ہے لیکن جو چیز ہونی چاہیئے وہ نہیں ہے، میرے اندر وہ احسانی کیفیت جس کا داعی حضور کا ارشاد " اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ " (تمھاری عبادت ایسی ہونی چاہیئے گویا کہ اللہ کو دیکھ رہے ہو) اس سے میرا دل خالی ہے۔

جب حضور سے حضرت جبرئیل نے پوچھا:۔ مَا الْاِحْسَانُ (احسان کسے کہتے ہیں، کمال کیا ہے) فرمایا " اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ " (تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور مشاہدہ کر رہے ہو۔ " فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ " اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو تو پھر خیال کرو کہ وہ تم دیکھ رہا ہے

(فَإِنَّ يَرَاكَ) ـــــــ خالد رومی کو یہ محسوس ہوا کہ میں سب کچھ پڑھتا پڑھاتا ہوں اور بہت لوگوں کو نفع بھی ہے اور لوگ کہتے بھی ہیں لیکن میرے اندر جو بات ہونی چاہیئے وہ نہیں ہے میرے اندر جو یقین ہونا چاہیئے وہ نہیں ہے، میرے اندر مٹنے کا جو جذبہ ہونا چاہیئے وہ نہیں ہے میرے اندر ایثار کا جو مادّہ ہونا چاہیئے وہ نہیں ہے، میرے اندر غیب پر شہود کو قربان کر دینے کی جو طاقت ہونی چاہیئے وہ نہیں ہے، آخرت جس درجہ میرے دل و دماغ پر غالب ہونا چاہیئے اور دنیا کی جو بے حقیقتی مجھ پر واضح ہونا چاہیئے وہ نہیں ہے۔ میرے لئے دنیا چھوڑ دینا جتنا آسان ہونا چاہیئے وہ نہیں ہے، اپنی جان، اپنے مال اپنی اولاد اور ماں باپ سب سے زیادہ اللہ و رسول سے جو محبت ہونی چاہیئے وہ نہیں ہے۔ یہ ان کا احساس تھا اور یہ احساس ان کے دل و دماغ پر پوری طرح مستولی ہو گیا، اللہ تعالیٰ جس کو جتنا ظرف دیتا ہے اتنا ہی اس کو احساس بھی عطا فرماتا ہے، اللہ نے ان کو جو بلند استعداد عطا فرمائی تھی اللہ کو ان سے جو کام لینا تھا اس کی وجہ سے ان کے اندر ذکاوت حس ودیعت فرما دی تھی اور یہ ذکاوت حس اتنی بڑھ چکی تھی کہ ان کو اپنے بارے میں شبہ ہونے لگا تھا کہ میں کہیں منافق تو نہیں ہوں۔ صحابہ کے متعلق آتا ہے، ابن ابی ملیکہ ایک تابعی ہیں وہ کہتے ہیں کہ تیس صحابیوں کی صحبت مجھے حاصل ہوئی ان میں سے کوئی شخص بھی میں نے ایسا نہیں پایا کہ جو اپنے بارے میں نفاق سے ڈرتا نہ ہو۔

یہ تو وہ صحابی ہیں جن کے نام نہیں لئے گئے یقیناً یہ حضرات بھی جلیل القدر صحابی ہونگے لیکن صحابیوں کے پیشوا اور سردار اور دوسرے خلیفہ راشد امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے متعلق آتا ہے کہ وہ حضرت حذیفہ ابن الیمان کو الگ لے جا کر قسم دے دے کر پوچھتے تھے خدا کے لئے بتاؤ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے جو مخصوص طریقہ سے منافقین کی فہرست بتائی تھی اور بتایا تھا کہ فلاں فلاں منافق ہے ان میں میں تو نہیں ہوں اور وہ ان کو اطمینان دلاتے تھے کہ امیر المومنین آپ ہرگز نہیں ہیں مگر ان کو یہ ڈر لگا رہتا تھا۔

ع　　نزدیکاں را بیش بود حیرانی

آئینہ جتنا صاف ہو اتنا ہی عکس اس پر زیادہ پڑتا ہے تو وہ قلب انسانی تھا۔

خالد رومی کو بھی اسی شدید احساس نے بے چین و مضطرب کر رکھا تھا اور اس کی انکو ہر وقت
فکر رہتی تھی کہ میں پڑھتا ہوں پڑھاتا ہوں، قال اللہ اور قال الرسول میری زبان
پر رہتا ہے لیکن میرے اندر جس درجہ کا یقین ہونا چاہیئے، میرے اندر جو سوز ہونا چاہیئے،
میرے اندر دین کی جو تڑپ ہونی چاہئیے، میرے اندر جیسے مشاہدہ کی کیفیت ہونی چاہیئے،
میرے اندر جو احسانی کیفیت ہونی چاہیئے تھی وہ نہیں ہے۔

یہ احسانی کیفیت، یہ مشاہدہ، یہ تڑپ اور بے چینی، اور یقین و توکل کی وہ طاقت
کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ اس کے لئے ایک ایسے صاحب یقین، مرد باخدا کی صحبت درکار ہے
جو بڑے سے بڑے یقین سے خالی دل کو بھی یقین کی دولت بخش سکے۔ اس کے لئے ایک
ایسے یقین و ایمان سے معمور ماحول کی ضرورت ہے جس میں آکر بڑے سے بڑا تشکیک و تذبذب
سے مارا ہوا انسان یقین و ایمان کی دولت سے سرفراز ہو جائے، یقین کے ایک ایسے بازار
کی ضرورت ہے جہاں صرف یقین اور عشق و مستی کا سودا بکتا ہو جہاں کسی دکان پر کوئی اور
سودا ہی نہ ہو کچھ لیجئے تو وہاں تو ایک ہی سودا ملتا ہو ایک ہی چیز ملتی ہو، تم جاؤ تم
بھی عاشق بن جاؤ، تم جاؤ تم بھی صاحب یقین بن جاؤ، جو بھی آئے وہ ایسا ہی بنجائے۔
یقین واعتماد اور عشق کے اس میخانے میں جو آئے گا کچھ نہیں تو اس کی خوشبو اس کو مست
کردے گی۔ اس کی فکر و احساس نے خالد رومی کو اس ضرورت کی طرف متوجہ کیا۔ انکو
یہ معلوم ہوا کہ اس وقت دہلی میں اللہ کا ایک بندہ ہے جو یقین کا سودا بیچتا ہے، جو یقین
کی دولت بانٹتا ہے، جس کے پاس بیٹھنے سے قلب گرما جاتا ہے، جس کے پاس بیٹھنے سے
یقین کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے تو اس اللہ کے نیک بندے کی خدمت میں حاضر ہونے کی
خواہش نے ان پر اپنے بستر پر بھی نیند حرام کر دی، اب ان کا جی نہیں لگتا تھا بس وہ
وہاں سے چل کھڑے ہوئے۔

آپ خیال کیجئے کہ کہاں وہ ملک شام اور کہاں ملک ہندوستان، اور پھر زمانہ
بھی کون سا، ہوائی جہاز اور موجودہ زمانہ کی برق رفتار سواریوں کا تو کیا ذکر ہے یہ تو
ہمارے آپ کے سامنے نکلی ہیں ان کا ابھی بیس پچیس سال کے اندر زیادہ رواج ہوا ہے

لیکن ریلیں جن کو اب ڈیڑھ ڈیڑھ سو برس ہو رہے ہیں بلکہ اسٹیمر اور پانی کے جہاز بھی نہیں تھے بلکہ بادبانی کشتیاں تھیں، وہ وہاں سے پہلے تو مکہ معظمہ آئے کہ فریضہ حج ادا کروں اور وہاں کچھ پتہ بھی چل جائے گا ہندوستان کے لوگ آتے رہتے ہیں ان ہندوستانی حجاج میں دہلی کا قافلہ بھی آیا ہوگا اس سے پوچھ لوں گا کہ بھائی کیا طریقہ ہے وہاں پہونچنے کا؟ کیا آداب ہیں اس محفل اور اس عالی دربار کے میں کیا یہاں سے سامان لے کر چلوں — چنانچہ وہ مکہ معظمہ آئے، انھوں نے اپنی داستان خود لکھی ہے، انکا ایک قصیدہ ہے فارسی میں، یہ پورا قصیدہ بڑا دردانگیز ہے اور ایک عربی کا بھی قصیدہ ہے اس میں انھوں نے اپنی داستانِ سفر بڑے شوق اور جذب و کیف کے ساتھ لکھی ہے۔

انھوں نے لکھا ہے کہ میں مکہ معظمہ پہونچا دہلی کا ایک قافلہ آیا ہوا تھا۔ میں سراپا شوق بن کر یہ خیال کرکے کہ یہ میرے محبوب کے شہر سے آئے ہیں اور ان میں سے ایک ایک ان سے واقف کیا بلکہ ان کے اوپر قربان ہوگا اور صبح و شام کا حاضر باش ہوگا، جب میں اتنی دور سے اتنا مشتاق ہوں اور زیارت کے لئے تڑپ رہا ہوں تو یہ تو اسی کے شہر کے رہنے والے ہیں یہ ہر وقت انکی زیارت کرتے ہوں گے، ہر وقت ان کے کانوں میں انکی آوازیں پڑتی رہتی ہوں گی — چنانچہ میں سراپا شوق بن کر ان کے پاس گیا۔ لیکن افسوس کے ساتھ لکھتے ہیں کہ کوئی بھی واقف نہ نکلا سب بے خبر تھے۔ کوئی رہنمائی ان لوگوں سے ان کو اپنی منزلِ مقصود کے بارے میں نہ مل سکی، لیکن ان کی آتشِ شوق سرد نہیں ہوئی۔ طلب میں فرق نہیں آیا۔ انھوں نے حج کیا اور قافلے کے ساتھ یا جس کسی طرح سے بھی، تفصیل تو معلوم نہیں، یہاں تک کہ وہ خدا جانے کس کس تکلیف سے ہوتے ہوئے کتنے عرصہ میں دہلی پہونچے۔ پھر انھوں نے قصیدے میں اپنے شوق کی کیفیت بیان کی جس طریقہ سے وہ مولانا عبداللہ صاحب اور مولانا شاہ غلام علی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور جس طریقہ سے ان پر ان بزرگوں کی خدمت میں پہونچنے کے بعد جیسی مستی چھائی ہوگی اور ایک عجیب کیفیت ان کے اوپر طاری ہو گئی ہوگی سب قیاس کی جا سکتی ہے۔

بہرحال وہ تشریف لائے اور انھوں نے کہا کہ آپکے پاس صرف ایک چیز لینے آیا ہوں، اللہ کا نام سیکھنے کے لئے آیا ہوں اسم ذات مجھے سکھا دیجئے اور اس طرح سکھا دیجئے کہ میرے دل کی لوح پر نقش ہو جائے اور اس کی محبت ماسوا کی محبت کو جلا کر خاک کر دے اور اس میں میری ہستی فنا ہو جائے۔ اس سراپا شوق و اضطراب کو اس مرد خدا نے جواب دیا کہ اللہ تم کو مبارک کرے اور جگہ بتا دی کہ ابھی سبق شروع ہوگا تم یہاں بیٹھ جاؤ۔ چند دن کے بعد حضرت شاہ عبد العزیز کو کہ اس زمانے میں وہ بھی اللہ کی ایک نعمت تھے اور ان کا بھی آفتاب رشد ہدایت نصف النہار پر تھا، انکی خانقاہ اور ان کا مدرسہ اور ان کا دریائے فیض پورے تلاطم پر تھا۔ جب معلوم ہوا کہ مولانا خالد رومی دہلی میں موجود ہیں۔ وہ اتنے مشہور عالم تھے کہ شاہ صاحب ان کا نام پہلے سن چکے تھے۔ شاہ صاحب ان کی زیارت کے لئے (القادِمُ یُزارُ۔ جب کوئی شخص باہر سے آئے تو اس کی ملاقات کے لئے شہر والوں کو جانا چاہئیے کے اصول کے تحت) تشریف لائے۔ اتفاق سے شاہ ابو سعید صاحب (جو حضرت شاہ غلام علی صاحب کے خلفاء عظام میں ہیں اور شاہ احمد سعید صاحب کے والد ہیں۔ ان کی خانقاہ اب بھی چتلی قبر محلہ میں موجود ہے) جو شاہ عبد العزیز کے شاگرد تھے انھوں نے جا کر تعارف کرا دیا کہ حضرت ہمارے شہر کے سب سے بڑے عالم اور استاذ کل، استاذ الاساتذہ اس وقت آپ سے ملنے کے لئے آئے ہیں اور دروازہ پر ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ آپکو سلام کریں اور ملاقات ہو جائے آپ کو معلوم ہے انھوں نے کیا جواب دیا۔؟ فرمایا سر آنکھوں پر اتنے بڑے عالم سے ملنا میری بڑی سعادت ہے اور مجھے خود انکے پاس حاضر ہونا چاہئیے لیکن میں ایک مقصد کے لئے آیا ہوں جب تک وہ مقصد حاصل نہیں ہو جائے گا میں کسی سے نہیں ملوں گا۔

یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن بر آید

ابھی تو میں صرف ایک سودا لینے کے لئے آیا ہوں وہ سودا مجھے مل جائے گا تو میں خود حاضر ہوں گا۔ آپ انکی خدمت میں سلام عرض کر کے کہہ دیجئے گا کہ میں خود

حاضر ہوں گا۔ آپ تکلیف نہ فرمائیں، وہ اتنے بڑے عالم ہیں ان سے مجھے ملنا چاہئے۔ لیکن مجھے تو بس ایک ہی طلب اور ایک ہی چیز کی دھن لگی ہوئی ہے۔ جب میری وہ دھن پوری ہو جائے گی تو میں حاضر ہوں گا۔ چنانچہ وہ اس خانقاہ میں ایسے گئے اور ماسوا سے ایسے کٹے کہ وہ دولت لے ہی کر اٹھے اور خدا نے ان کی طلب صادق اور محنت شاقہ سے ان کو ایسا سرفراز کیا کہ حضرت شاہ غلام علی صاحب کے خلفائے کبار میں ہوئے ——— شاہ غلام صاحب نے ان کو رخصت کیا اور پورے عراق، کردستان، اور ترکی کی اصلاح کا کام سونپا۔ اور جیسا کہ قرآن شریف میں آتا ہے کہ "مَثَلُ كَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ۔ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا" اللہ نے خالد رومی کو اس آیت کا مصداق بنا دیا۔ ڈیڑھ سو برس ہو گئے لیکن آج بھی ان کا نام زندہ اور ان کے ہی صدقے سے ان علاقوں میں دین کی بہار ہے، آج شام کے چپے چپے پر اس الحاد، لادینیت، اس زندقہ، اس مادیت، اس اسلام دشمنی کے دور میں کہ جب شام میں اسلام دشمنی اپنے پورے عروج پر ہے، ترکی پر ایک دور آچکا ہے کہ خدانخواستہ اسپین کی طرح خدا کا نام وہاں سے مٹ چکا ہوتا تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ لیکن ان دونوں ملکوں میں، عراق میں عراق کے شمالی حصہ میں اور ترکی کی سرحد پر، غرضیکہ ایک بہت بڑا وسیع خطہ ہے جہاں ابھی تک سلسلہ خالدیہ پھیلا ہوا ہے۔ یہ اس اخلاص کی برکت ہے اور اس طلب کی برکت ہے جو شاہ غلام علی صاحب کے پاس مولانا خالد رومی لے کر آئے تھے۔

میرے دوستو اور بزرگو! جیسے میں نے شروع میں پڑھا "إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ" بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے اللہ کے راستے میں اپنا گھر بار چھوڑا اور اللہ کے راستے میں انتہائی کوششیں کیں وہی لوگ کچھ امید کر سکتے ہیں اللہ کی رحمت کی ——— رحمت کا لفظ ایک ایسا لفظ ہے کہ جب اس کی نسبت

اللہ کی طرف کی جائے تو اس سے ایک ایسی رحمت مطلق مراد ہوتی ہے جو غیر معین اور غیر محدود زمان و مکان کی تمام پابندیوں سے آزاد ہوتی ہے۔ اس میں علم ہے، اس میں معرفت ہو، اس میں یقین ہے، اس میں تقویٰ ہے، اس میں احسان ہے، اس میں مقبولیت ہے، اس میں محبوبیت ہے، اس میں کرامت ہے، اس میں خوارق ہیں، اس میں نصرت ہے، اس میں تائید ہے، اس میں غلبہ ہے، اس میں عزت ہے سب کچھ اس میں آتا ہے۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے رحمت کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے ورنہ ہو سکتا تھا "اولٰئک یرجون الرحمۃ" فرما دیا تاکہ معلوم ہو کہ یہ رحمت الٰہی کیسی ہوگی۔ وہ کوئی ایسی ویسی رحمت نہ ہوگی۔ ایک عام آدمی کی مہربانی بھی مہربانی ہے، ایک امیر آدمی کی مہربانی اس سے زیادہ ہوتی ہے، ایک بادشاہ کی مہربانی اس سے بڑھ کر ہوتی ہے لیکن اللہ کی مہربانی کا کیا کہنا "مَا لَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ" کوئی قیاس وہاں تک نہیں پہونچ سکتا اور اس میں کوئی حدود قائم نہیں ہو سکتے کہ اتنی ادھر اتنی ادھر، یہاں سے وہاں تک، کوئی اس کا رقبہ نہیں، کوئی اس کی پیمائش نہیں، کوئی اس کا عمق اور اس کا کوئی عرض و طول نہیں، یہاں تک کہ کوئی اس کا نام نہیں۔ بس وہ اللہ جس طرح چاہے۔ جیسے کہ روزے کیلئے ہی کہ "الصَّوْمُ لِی وَأَنَا أُجْزِی بِہٖ" روزہ خاص میرے ہی لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا اب کیا بدلہ لیں گے؟ بس میں جانوں کہ میں کیا بدلہ دوں گا۔ بدلہ جس کو ملے وہ اس کو سمجھ سکتا ہے یا جو دینے والا ہے وہ جانے۔ ایسے ہی یہاں بھی "اُولٰئِکَ یَرْجُوْنَ رَحْمَۃَ اللّٰہِ" کس شکل میں اللہ کی رحمت ظاہر ہوگی۔ جماعت کے ساتھ کیا ہوگی۔ فرد کے ساتھ کیا ہوگی، امت کے ساتھ کیا ہوگی۔ ملک کے ساتھ کیا ہوگی زمانہ کے ساتھ کیا ہوگی کوئی نہیں بتلا سکتا۔ وہ فرماتا ہے مگر اس کے لئے شرط کیا ہے "ان الذین اٰمنو والذین ھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللّٰہ" ایمان، ہجرت، جہاد تین چیزیں ہوں اس کے بعد اُولٰئِکَ یرجون رحمۃ اللّٰہ۔ اُولٰئِکَ کو مقدم کیا۔ وہی کچھ امید کر سکتے ہیں اللہ کی رحمت کی وہ ہی کچھ اللہ کی رحمت کے مستحق ہو سکتے ہیں اس کے

منتظر رہ سکتے ہیں۔

میں نے آپ کے سامنے ایک طلب کی مثال دی کہ ایک اللہ کا بندہ اقصائے عالم سے دجاءہ رجل من اقصی المدینہ یسعیٰ" لیکن یہ تو من اقصا العالم یعنی اس وقت کی دنیائے اسلام کے آخری حصہ سے آئے تھے یعنی ترکی کے بعد پھر عالم اسلام کا کوئی اور علاقہ نہیں تھا وہاں پر مسلمانوں کی سلطنت ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کی آبادی کی آخری سرحد تھی، اقصائے مغرب سے چل کر اقصائے مشرق میں۔ دہلی میں ایک شخص آتا ہے اللہ کا نام سیکھنے کے لئے کس بات کی کمی تھی کیا وہاں علماء نہیں تھے، کیا وہاں کتب خانے نہیں تھے، کیا ان کے سینے میں علم کی کچھ کمی تھی، لیکن بس یہ خیال ان کو پیدا ہو گیا امام غزالی کی طرح کہ میرے اندر جو یقین کی کیفیت ہونی چاہئیے، میرے اندر جو احسانی کیفیت ہونی چاہئیے وہ نہیں اور اس کی بنا پر وہاں ان کو رہنا مشکل ہو گیا جیسے مچھلی کو پانی سے باہر نکال دیا جائے تو وہ تڑپتی ہے وہ تڑپنے لگے اور یہاں آ کر جب ان کی پیاس بجھی، اور پیاس بھی ہماری آپ کی سی نہیں، بلکہ وہ علامہ خالد رومی کی پیاس، گویا سمندر کی پیاس ایک آدمی کی پیاس ہوتی ہے ایک سمندر کی پیاس۔ آدمی کی پیاس تو بجھ جائے چائے کے ایک چمچہ سے، ایک گھونٹ پانی سے۔ اور اس سے بڑے آدمی کی پیاس اس سے زیادہ سے بجھ جائے لیکن سمندر پیاسا ہو تو اس کی پیاس کون بجھائے، تو سمندر کا پیاسا ہونا بہت بڑی بات ہے اس کی پیاس تو اللہ ہی بجھا سکتا ہے۔ اس کی پیاس تو کوئی عارف کامل اور جو اپنے زمانہ کا امام اور مجدد ہو وہی بجھا سکتا ہے جب ان کو پیاس ہوئی اللہ کی معرفت کی ایمان حقیقی کی تو وہ پیاس دہاں بجھنے والی نہ تھی۔ وہ پیاس اسی اللہ کے بندے کے پاس بجھنے والی تھی کہ جو اپنے اندر سمندر نہیں بلکہ وہ آب حیات لئے بیٹھا تھا، چنانچہ ان کی پیاس بجھی اور انھوں نے جا کر کے سینکڑوں ہزاروں کی پیاس بجھا دی۔ پیاس لگائی اور پیاس بجھائی، پہلے پیاس لگائی جاتی ہے پھر بجھائی جاتی ہے جب تک کہ پیاس نہ لگے اس وقت تک پیاس کا وجود ہی نہیں۔ پہلے تو انھوں نے پیاس لگائی سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کو۔ کس طرح لگائی۔ اللہ کے نام کی گرمی

پیدا کی۔ گرمی سے پیاس پیدا ہوتی ہے بڑھتی ہے، اب جب لوگ پیاسے ہونے لگے تو پانی کا ایک سرچشمہ تھا لوگ دوڑ دوڑ کے آئے اور جب بھی پیاس ہو جائے تو پھر پیاس کا بجھنا ضروری ہے پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی ضمانت ہے کہ پیاس بجھے گی جب پیاس ہی نہ ہو تو پھر نہ پانی کارآمد ہے نہ بارش کا پانی کارآمد ہے، نہ سمندر کا نہ کسی دریا کا پانی، کوئی پانی کارآمد نہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ شربت رکھیئے جس کو پیاس ہی نہ لگی ہو یا جس کو پانی سے نقصان پہونچتا ہو اس کے لئے بیکار ہے۔ اس وقت کچھ اللہ کے بندے دنیا کے دور دراز کے گوشوں سے آئے انھوں نے اپنی پیاس بجھائی اور اللہ کا نام لیکر گئے اور پھیلایا۔

اس وقت پھر بھی لوگوں کے اندر وہ پیاس موجود تھی زمانہ نبوت کا قرب تھا بڑے بڑے مصلحین امت، بڑے بڑے مرشدین، بڑے بڑے علماء ربانی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ جابجا عالم اسلام میں احساس تھا اپنی کمی کا۔ اور طلب بھی ان کے اندر تھی اسکا نتیجہ تھا کہ ایک آدمی کا کسی ایک جگہ بیٹھ جانا کافی تھا۔ دور دور سے لوگ آتے تھے آج یہ کیفیت نہیں۔ آج پیاس لگانے کی پہلے ضرورت ہے۔ پیاس بجھانے کا انتظام بیشک مبارک، مگر پہلے پیاس تو ہو۔ طلب تو ہو، اپنے اندر کمی کا احساس تو ہو۔ یہ شرط پائی جائے تو خدا کی رحمت خود دستگیری کے لئے بڑھتی ہے "جاھدوا فینا" کی توفیق عطا ہوتی ہے اور انسان امام غزالی، مولانا خالد رومی اور اصحاب نبیؐ کی صفات و اخلاق کا حامل ہوتا ہے ـــــــ والحمد للہ رب العالمین

کاروان مدینہ

مدینۃ الرسول اور سیرت الرسولؐ پر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے مضامین اور تقریروں کا جدید مجموعہ قیمت ۱/۵۰

کتب خانہ الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ

سوانح

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

مؤلفہ :۔ مولانا سید محمد ثانی حسنی

یہ کتاب مولانا مرحوم کے ذاتی سوانح حیات کے علاوہ اُن کے بیس سالہ دور امارت میں تبلیغی جماعت کی مکمل تاریخ بھی ہے، سوانح حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے مصنف مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی نگرانی میں لکھی گئی ہے، بلکہ مولانا یوسف صاحبؒ کے خاندانی تذکرہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم کا تذکرہ خود مولانا ہی کے قلم سے ہے۔ اور جو اپنی اہمیت و افادیت کے لحاظ سے اس قابل ہے کہ صرف اسی کی خاطر یہ کتاب خریدی جائے تو بجا ہے۔

کتاب کی جامعیت فہرست مضامین کے ان موٹے موٹے عنوانات سے ظاہر ہے۔

۱۔ پہلا باب۔ (۱) اکابر خاندان (۲) حضرت شیخ الحدیث ظلہ (۳) حضرت مولانا محمد الیاسؒ۔
۲۔ دوسرا ۔ ولادت سے تکمیل علوم تک۔
۳۔ تیسرا ۔ بیعت و ارادت سے خلافت و نیابت تک۔
۴۔ چوتھا ۔ مولانا محمد الیاسؒ کے انتقال سے تقسیم ہند تک۔
۵۔ پانچواں ۔ تقسیم ہند اور متاثرہ علاقوں میں تبلیغی کام۔
۶۔ چھٹا ۔ ہندوستان کے دورے اور اجتماعات۔
۷۔ ساتواں ۔ پاکستان کے دورے اور اجتماعات۔
۸۔ آٹھواں ۔ حجاج اور اہل حجاز میں تبلیغی کام
۹۔ نواں ۔ عرب ممالک میں جماعتوں کی نقل و حرکت۔
۱۰۔ دسواں باب۔ افریشیائی ممالک میں جماعتوں کی چلت پھرت۔
۱۱۔ گیارھواں باب۔ یورپ و امریکہ اور جاپان میں جماعتیں۔
۱۲۔ بارھواں ۔ پیدل جماعتیں اور ان کا کام و نظام۔
۱۳۔ تیرھواں ۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے حج و عمرے۔
۱۴۔ چودھواں ۔ پاکستان کا آخری سفر۔
۱۵۔ پندرھواں ۔ علالت اور وفات۔
۱۶۔ سولھواں ۔ صفات و کمالات اور خصوصی امتیازات۔
۱۷۔ سترھواں ۔ احساسات و خیالات، دعوت و تبلیغ۔
۱۸۔ اٹھارواں ۔ حضرات کی دعا۔

سائز ۱۸×۲۲/۸ صفحات ۴۶۸۔ قیمت مجلد مع دورنگا گرد پوش -/۱۰

تاجروں کے لئے معقول کمیشن

کتب خانہ الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ

نس بندی برائے خاندانی منصوبہ بندی

(از عتیق الرحمٰن سنبھلی)

اللہ تعالیٰ انسان سے اپنی فرمانبرداری کا مطالبہ کیوں کرتا ہے؟ اور انسان کے لیے کیوں لازم ہے کہ وہ اس مطالبہ کو پورا کرنا اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھے؟ —— اس سوال کا صرف ایک ہی جواب ہے کہ انسان اللہ کی مخلوق ہے۔ اس کے پاس اپنا کچھ نہیں ہے۔ اس کا وجود اور اس وجود میں پوشیدہ قوتیں سب اللہ کی عطا کردہ ہیں۔ اُسے اعضاء و جوارح بھی سب اللہ نے دیے ہیں۔ اور اُن سے کام لینے کی طاقت بھی اس کی دی ہوئی ہے۔ اس لیے ان اعضاء اور ان قوتوں کے استعمال کے سلسلے میں اُس نے جو حکم بھی دے دیا ہے وہ واجب الاطاعت ہے اور اپنی مرضی سے انسان کو صرف انھیں معاملات اور انھیں حدود میں کام لینے کا حق ہے جن میں اُسے آزادی دے دی گئی ہے۔

اسی طرح انسان جو کچھ اِن اعضاء اور ان قوتوں کے استعمال سے پیدا کرتا ہے اُس پر بھی اسی بنیاد سے اللہ تعالیٰ کے لیے فرمانبرداری کا حق قائم ہوتا ہے کہ یہ سب خدا کی دی ہوئی قوت و صلاحیت کا طفیل ہے، چنانچہ شریعت جس طرح انسانی اعضاء و جوارح کے بارے میں احکام دیتی ہے کہ انھیں کس کام میں استعمال کیا جائے اور کس کام میں نہ استعمال کیا جائے، اسی طرح انسان کے پیدا کردہ مال و دولت کے بارے میں بھی وہ مثبت اور منفی قوانین کا نفاذ کرتی ہے۔

جس جسم اور اُس کی قوتوں سے کام لینے کے بارے میں انسان کے لیے خود مختاری کا کوئی حق نہیں ٹھہرتا۔ بلکہ اس جسم کی محنت اور عقل و فکر کی صلاحیت سے کام لے کر جو مال و دولت انسان پیدا کرتا ہے اس میں بھی اس کو خدا کے مقرر کردہ حدود سے باہر آزادی کا حق نہیں پہونچتا، تو اُسے یہ حق کیونکر پہونچ سکتا ہے کہ خود اس جسم میں کوئی ایسا تصرف یا اس کی قوتوں کے نظام میں کوئی ایسا تغیر کرے جس کی اجازت شریعت الٰہی میں نہ نکلتی ہو؟ ــــــ نس بندی کے مسئلہ کو اسی روشنی میں دیکھا جانا چاہیے!

انسان کو اپنے جسم میں کسی تصرف کا حق نہ ہونے کی بات محض قیاس نہیں ہے بلکہ کتاب و سنّت میں اس کے لیے نصوص بھی موجود ہیں۔ سورۂ نساء میں شیطان کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۙ وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ ۚ

(رکوع ۱۸ آیت ۱۱۹-۱۱۸)

اور کہا شیطان نے کہ میں ضرور لے کر رہوں گا تیرے بندوں میں سے ایک حصہ ــــ میں گمراہ کروں گا اُن کو، میں سبز باغ دکھاؤں گا اُن کو۔ اور حکم دوں گا اُن کو پس وہ تراشیں گے چوپایوں کے کان[1] اور حکم دوں گا ان کو پس وہ بدل ڈالیں گے تخلیق الٰہی کو۔

یہ آیت صاف طور پر بتاتی ہے کہ تخلیق الٰہی میں تغیر و تصرف (یا تغیر خلق اللہ) ایک شیطانی کام ہے۔ یہ انسان کو شیطان کی طرف سے سجھائی جانے والی اُن باتوں میں سے ہے جو اُس نے راندۂ درگاہ ہونے کی جلن میں نوع انسانی کو بھی عبدیت کی راہ سے ہٹانے اور غضب الٰہی کا نشانہ بنوانے کے لیے طے کیں۔

"تغییر خلق اللہ" کی ممانعت کا دائرہ کہاں تک وسیع ہے اس کا اندازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا۔

---

[1] یہ بعض مشرکانہ رسوم کی طرف اشارہ ہے۔

لَعَنَ اللّٰہُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ وَالنَّامِصَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ۔

(صحیح بخاری جلد ثانی کتاب اللباس)

لعنت ہے اللہ کی گودنے والیوں پر اور گدوانے والیوں پر، چہرے کے بال اکھاڑنے والیوں پر اور اکھڑوانے والیوں پر، دانتوں میں خوشنمائی کے لیے جھری بنانے والیوں پر، جو کہ تغییر کرنے والی ہیں اللہ عزّ وجل کی تخلیق میں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور نے فرمایا۔

لَعَنَ اللّٰہُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ والواشمۃ والمستوشمۃ

(ایضاً)

لعنت ہے اللہ کی بالوں میں جوڑ لگانے والیوں پر اور جوڑ لگوانے والیوں پر، گودنے والیوں پر اور گدوانے والیوں پر۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

"ایک انصاری لڑکی کی شادی ہوئی اور فوراً ہی وہ بیمار ہوگئی جس سے اس کے سر کے بال گر گئے۔ اس کے گھر والوں نے سوچا کہ ایسی صورتوں میں عرب کے رواج کے مطابق اس کے سر میں دوسرے بال لا کر گوندھ دیئے جائیں اس کے بارے میں انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا اللہ کی لعنت ہے بالوں میں جوڑ لگانے والی پر اور جوڑ لگوانے والی پر۔"

(ایضاً)

ان احادیث کو مفسرین نے بھی سورۂ نسا کی مذکورۂ بالا آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے، اور خود حضرت عبداللہ بن مسعود والی روایت میں تو صاف اشارہ ہے کہ ان باتوں کی ممانعت

---

[1] جیسا کہ ہندوستان میں بھی بعض قوموں میں رواج ہے عرب کی عورتیں حسن کے لیے جسم کے بعض حصے گدوا کر پھول پتیاں بنوایا کرتی تھیں۔ نیز چہرہ پر کہیں بال ہوا اور وہاں ہوتا تھا تو اسے نچوا دیتی تھیں۔ اسی طرح سامنے کے دانتوں میں جھری پسند کی جاتی تھی۔

اسی آیت کی وجہ سے ہے۔ "المغیّرات خلق اللہ"

یہ سب ایسے تصرفات ہیں جن سے جسم انسانی کی اندرونی اسکیم پر کوئی اثر نہیں پڑتا، پھر بھی جن الفاظ میں ان سے منع کیا گیا ہے وہ ہمارے سامنے ہیں، تو ایسے تصرفات کی ممانعت کا کیا درجہ ہونا چاہیے جن سے اللہ کی بنائی ہوئی جسم انسانی کی اسکیم ہی میں خلل پڑ جاتا ہے؟——
——نس بندی کے لیے کیا جانے والا آپریشن اسی طرح کے تصرفات میں سے ہے جو انسانی جسم کی اس اندرونی اسکیم میں تغیّر کرتے ہیں جو خدا نے اس کے جسم کے اندر ودیعت فرمائی ہے۔

اللہ نے نسلِ انسانی کی بقا کے لیے انسان کے اندر دو مادّے پیدا فرمائے ہیں۔ ایک مادّہ منویہ، دوسرا مادّہ تولید۔ مادّہ منویہ انسان میں جنسی خواہش کا محرک ہوتا ہے اور مادہ تولید اس میں شامل ہو کر استقرارِ حمل کا موجب بنتا ہے۔ نس بندی آپریشن میں اس نس کو بند کر دیا جاتا ہے جس کے ذریعہ مادّہ تولید مادّہ منویہ میں شامل ہوتا ہے، اور اس کے نتیجہ میں انسان صلاحیتِ تولید سے محروم ہو جاتا ہے۔ اگرچہ جنسی خواہش اور قوت بدستور رہتی ہے۔ یہ کھلے طور پر انسانی جسم میں ایک ایسا تصرف ہے جس کے متعلق صرف اتنا کہہ دینا کافی نہ ہوگا کہ اس سے جسم کے اندر کی مشین کا ایک فعل باطل ہو جاتا ہے بلکہ اس سے خدا کی وہ تخلیقی اسکیم باطل ہوتی ہے جس کے ماتحت جسم کی مشینری کو اس کے موجودہ نہج پر ترتیب دیا گیا ہے——
کیا انسان اپنا کوئی حق بنا سکتا ہے کہ وہ اول سے آخر تک خدا کی پیدا کردہ مشینری میں اس طرح کا تصرف کرے جس سے اس مشین کی ایک خاص مقصدی اسکیم فوت ہو کر رہ جائے؟ اور یہ تصرف کیا بھی اس ارادے کے ساتھ جائے کہ اس مشین کی مقصدی اسکیم بروئے کار نہ آنے پائے؟

اس مضمون کا خطاب اُن لوگوں سے ہے جو اللہ کو اپنا خالق و مالک مانتے ہیں اور شریعت پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان میں شاید کوئی فرد بھی ایسا نہ ہوگا جو شریعت کے اس حکم میں کوئی تردد رکھتا ہو کہ خودکشی حرام ہے۔ زمانہ کی تبدیلیوں نے بہت سے شرعی احکام میں لوگوں کو متردد کر دیا ہے۔ لیکن خودکشی کی حرمت کا حکم ایسا ہے جیسے ایک انسان کے اپنے دل کی صدا ہو۔ کسی مسلمان کے بارے میں کوئی بھی حکم شریعت سے باخبر مسلمان خودکشی کی خبر سنتا ہے تو شاید اس میں

کوئی استثنا رہنیں کر وہ اس کے اُخروی انجام کے بارے میں ڈرتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اور کیوں اس معاملے میں ذہن اس طرف نہیں چلتا کہ ایک انسان کو کسی بھی وقت اپنی زندگی ختم کر دینے کا اختیار ہونا چاہیئے؟ یہ صرف اس لیے کہ جان کے بارے میں خدا کے خالق و مالک ہونے کا ہمارا شعور بہت تیز اور طاقتور ہے۔ لیکن شعور تیز ہو یا کمزور خدا کے خالق و مالک ہونے کے بارے میں جسم اور جان کے اندر کوئی فرق نہیں ہے۔ جو جان کا خالق اور مالک ہے وہی جسم کا بھی خالق و مالک ہے اور کسی کو کوئی حق نہیں پہونچتا کہ اس کی ملکیت کے کسی دائرہ میں بھی اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرے۔ خصوصاً ایک ایسا تصرف جو اپنی تخلیق میں رکھی ہوئی خدا کی کسی اسکیم میں مزاحم ہوتا ہو۔

ایک سچے مسلمان کو نس بندی کا عدم جواز مان لینے اور اس سے باز رہنے کے لیے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن مزید شرح صدر کے لیے اس کی قباحت کا ایک اور پہلو بھی سامنے آجانا چاہیئے۔

انسان کی جنسی خواہش، اس کی نفسانی خواہشات میں سب سے بڑھ کر خطرناک خواہش ہے۔ اس کے بہاؤ پر جب آدمی بہتا ہے تو وہ اس گناہ کا مرتکب ہوتا ہے جس سے بڑھ کر خدا کی ناراضگی کا باعث کوئی دوسری بدعملی نہیں ہوتی۔ اس خواہش کا پیدا کردہ گناہ ہی وہ واحد گناہ ہے جس کی سزا شریعت الٰہی میں سنگسار کر دینا ہے۔ کسی دوسرے گناہ پر شریعت اتنی سخت اور عبرتناک سزا کا حکم نہیں دیتی۔ اس گناہ کے لیے قرآن کہتا ہے۔

اِنَّهٗ کَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِیْلاً۔   یہ ہے بے حیائی، اور بری راہ!   (اسرائیل۔ ۳۲)

اس خواہش کا دباؤ اتنا سخت ہے کہ آدمی اس کی آخری درجہ کی غلط تحریک کا شکار نہیں بھی ہوتا تب بھی ایک خاص عمر تک ایسے تو کم ہی لوگ ہیں جو کسی درجہ میں بھی اس کی غلط تحریکات سے متاثر نہ ہوں۔ کچھ نہیں تو یہ خیالات ہی کو بدراہ کرتی ہے۔ نظر کو ہی گنہگار کر جاتی ہے یا کان کو اپنی تسکین کا ذریعہ بنا لیتی ہے اور یہ اثرات بھی شریعت کی نگاہ میں اتنے

قبیح ہیں کہ تمام کی حد تک انھیں اسی گناہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے جسے قرآن میں "فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا" ٹھہرایا گیا تھا۔ چنانچہ حدیث میں ناجائز جنسی تحریک کے تحت نظر کو آنکھ کا زنا، بات چیت کو زبان کا زنا، اور اس کام میں کان کے استعمال کو کان کا زنا کہا گیا ہے۔

(مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر)

یہ جنسی خواہش کی ہلاکت خیزیاں ہیں۔ ہر دم اس کی بدولت انسان خطرہ میں ہے کہ ہلاکت کی کسی وادی میں جا گرے، ہر دم اندیشہ ہے کہ کسی ایسی حالت میں مبتلا ہو جائے، جو خدا کی نگاہ میں سخت بے حیائی ہے۔ ایک ایسی خواہش خدا نے انسان کے اندر پیدا کی اور پھر اس کی ذرا سی بے راہ روی کو جائز نہیں رکھا، آخر اس کا مقصد کیا ہے؟

اسلام نے ہمیں جس خدا کا تصور دیا ہے وہ اپنے بندوں کو کسی بے فائدہ مشقت میں مبتلا نہیں کرتا۔ کوئی خلقی رجحان اُس نے محض آزمائش کے لیے انسان کے اندر پیدا نہیں کیا۔ وہ "رؤفٌ بالعباد" ہے۔ وہ انسانوں کو جنت کی طرف چلتا ہوا دیکھنا چاہتا ہے۔ انھیں دوزخ میں جھونک دینا اس کے لیے کوئی خوشی کی بات نہیں۔ اُس نے جو کچھ بھی رجحانات انسان کے اندر ودیعت کیے ہیں اُن میں یا خود انسان ہی کا کوئی ذاتی یا نوعی فائدہ اور اُس کی حاجت روائی مقصود ہے یا اس کارخانۂ عالم کو اپنے حکیمانہ منصوبہ کے تحت چلانے کے لیے اُن کی ضرورت ہے۔ یہ جنسی خواہش جس میں انسان کے لیے اتنے خطرے پنہاں ہیں اور جس کی غلط تحریکات انسان کو خدا سے اتنی دور پھینک دیتی ہیں جس کی وہ "ماں سے زیادہ شفیق" ذات ہرگز خواہاں نہیں، صرف اسی عظیم مقصد کے لیے انسان کے ساتھ لگائی گئی ہے کہ یہ کارخانۂ عالم اپنے مقررہ وقت تک اُس منصوبے کے تحت چلتا رہے جو خدا نے اس کے لیے طے کیا ہے اور انسان سے جو کام اس کارخانہ میں خدا کو لینا ہے اُس کے لیے مطلوبہ افراد مہیا ہوتے رہیں۔

یہی وہ مقصد ہے جس کی بنا پر انسان میں افزائشِ نسل کی خواہش پیدا کی گئی۔ اور اُسے یہ ہمت اور فطرت دی گئی کہ اس خواہش کی ذمہ داریوں کو ہنسی خوشی اٹھاتا چلا جائے، ورنہ اس خواہش کے اندر انسان کے لیے تباہ کاری کے جو بے پناہ امکانات پائے جاتے ہیں، اُن کو دیکھتے ہوئے سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ ایک حلیم و حکیم ذات جو انسان کے لیے سراپا رافت و کرم ہو،

کسی ایسی خواہش کو اس کے پہلو میں رکھنا پسند کرے گی جس میں نہ انسان کا کوئی فائدہ ہے نہ کارخانۂ عالم کی کوئی مصلحت!! اور پھر ایک عبث خواہش اس کے نفس میں ودیعت کر کے قانون نافذ کرے گی کہ اس کی تسکین کے لیے اگر انسان ہمارے مقرر کردہ طریقہ سے ہٹا تو پھر آخرت میں اُس کی خیر نہیں ہے!!

اب اس روشنی میں نس بندی کو دیکھئے کہ یہ کتنا بڑا جرم ہے جس کا ارتکاب آپریشن کرنے والا اور کروانے والا دونوں کرتے ہیں۔ نس بندی کے ذریعہ ہم اُس مادّے کو جو افسزائش نسل کا ذریعہ بنے محبوس کر دیتے ہیں اور جنسی خواہش کو متحرک کرنے والا مادّہ آزاد رہتا ہے کہ انسان کو اُکساتا رہے، یعنی حکمت الٰہیہ کے نقطۂ نظر سے جو فائدہ اس جنسی خواہش کو انسان میں پیدا کرنے کا جواز فراہم کرتا تھا جو انسان کو شرف انسانیت سے گرانے میں سب سے زیادہ مؤثر ہے، ہم نے اسی فائدہ پر بندش لگا دی اور یہ جرأت کی کہ خدا کی پیدا کردہ جنسی خواہش اور قوت کو اس کی مقصود افادیت سے خالی کر کے محض نفسانی لذت کے کام کا بنا لیں، جسے خدا کی حکمت ہرگز پسند نہیں کر سکتی اس لیے کہ کتاب وسنّت سے یہ چیز بالکل صاف ہے کہ محض لذّت پسندی خواہ وہ کتنی ہی بے ضرر ہو اور بالکل جائز حدود میں ہو پسندیدہ نہیں، چہ جائیکہ وہ لذتِ نفس جو انسان کو بالکل حیوان بنا سکتی ہے

نس بندی کا یہ پہلو اتنا مجرمانہ ہے کہ اگر عمومی طور پر تحدید نسل (Birth Control) کا جواز کسی ضرورت کے لیے سمجھا جا سکے اور اس کے لیے جسمانی نظام میں کوئی تغیر و تصرف بھی ناگزیر ہو تو محض صلاحیتِ تولید کو معطل کرنے کے مقابلے میں وہ تصرف ہلکا رہے گا جس میں سرے سے جنسی قوت ہی ختم یا معطل ہو کر رہ جائے۔ جنسی قوت اور رغبت تو دی ہی گئی ہے تولید نسل کے لیے۔ اس افادیت سے قطع نظر کر لیا جائے تو خدا انسان کو جس رنگ میں دیکھنا چاہتا ہے اس کے اعتبار سے اس قوت و رغبت کا اس میں رکھا جانا ایک وبال سے کم نہیں ٹھہرے گا۔ پس اگر اس قوت و رغبت کو انسان ہاتھ سے نہیں دینا چاہتا تو اس کی وہ افادیت بھی برقرار رہنی چاہیئے جس کی بنیاد پر حکمتِ الٰہیہ میں اس کی تخلیق

مناسب ٹھہری ہے، ورنہ سرے سے اس قوت و رغبت ہی کو ختم کیا جانا چاہیئے تاکہ تخلیق الٰہی میں تغیر کی یہ صورت تو نہ رونما ہو کہ خیر کا پہلو ختم ہو کر صرف شر کا پہلو باقی رہ گیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ کا کلام

احکام شریعت کی حکمتوں کے بیان میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ایک منفرد مقام رکھتے ہیں ان کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ اس موضوع پر ایک لاثانی اور لافانی شاہکار مانی گئی ہے، تشریعی اور تکوینی قوانین کی مصلحتوں کو اس طرح ہم آہنگ کرکے دکھانا جیسے وہ اپنی آنکھوں سے اس ہم آہنگی کا مشاہدہ کررہے ہوں اور پھر قاری کے فکر و نظر کو اس اطمینان سے بھر دینا کہ شریعت کا ہر ہر حکم سراسر انسان کی نوعی اور شخصی، اور دنیوی اور اُخروی سعادت و مصلحت کے تقاضوں سے اُبھرتا ہے، ان کا خاص الخاص حصہ ہے، خوش قسمتی سے انھوں نے اپنی اس کتاب میں "تغییر خلق اللہ" کے مسئلہ پر بھی کلام فرمایا ہے، اور اپنے خاص انداز میں وجہ بتائی ہے کہ اس کی ممانعت کیوں فرمائی گئی۔ نس بندی کا مسئلہ شاہ صاحب کے زمانے میں نہیں تھا، لیکن جنسی تصرفات کی دوسری شکلیں جن کے متعلق حدیث میں بھی صراحت سے احکام ملتے ہیں اُن کے متعلق شاہ صاحب کا اُصولی کلام اس خاص مسئلہ میں بھی ہمیں کافی روشنی دیتا ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ نے جب اس کارخانۂ عالم کو چلانے میں یہ نہج اختیار فرمایا کہ اسباب کا سلسلہ مرتب کرکے مسبّبات وجود میں لائے جائیں اور اس طرح اس مصلحت کی تکمیل و تنظیم کا سامان کیا جائے جو اس کی حکمتِ بالغہ اور رحمتِ تامّہ کا تقاضہ ہے۔ تو اس تنظیمی حکمت کا تقاضہ یہ ہوا کہ تخلیق الٰہی میں تغیر و تبدل سے شر اور فساد ... لازم کئے اور ایسی کوششوں پر ملأ اعلیٰ سے نفرت کا اظہار ہو۔ چنانچہ جب خدا نے انسان کی تخلیق اس نہج پر فرمائی کہ وہ کیڑے مکوڑے کی طرح زمین سے نہیں پیدا ہوتا اور اس کی حکمت کا تقاضہ ہوا کہ انسان کی نوع نہ صرف باقی رہے بلکہ خوب پھلے پھولے تو اس نے انسان کو افزائش نسل کے قوی بخشے، تناسل کی ترغیب دی اور جنسی خواہش کو ان پر حاوی کردیا، تاکہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس کام کو پورا کرے جو اس کی حکمتِ بالغہ کا تقاضہ ہے۔"

اس تمہید کے بعد فرماتے ہیں کہ :-

"جب اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حکمت و مشیئت کے اس راز سے آگاہی عطا کی اور حقیقت حال آپ پر واضح ہوئی تو اس کا تقاضہ یہ ہوا کہ آپ اس سلسلۂ تناسل کو منقطع کرنے اور ان قوی کو معطل کر دینے یا غلط جگہ صرف کرنے سے منع فرمائیں چنانچہ اسی بنا پر آپ نے اختصاء (خصی ہونے) اور لواطت (اغلام) کی سخت مخالفت فرمائی نیز عزل کو ناپسندیدہ ٹھہرایا۔"

مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

"دیکھو جب افراد انسانی کا مزاج سلیم ہوتا ہے اور ان کے مادہ میں نوعی احکام کے بروئے کار آنے کی صلاحیت ہوتی ہے تو ان کا وجود ایک جانی بوجھی شکل اختیار کرتا ہے یعنی قد سیدھا ہوگا اور جلد صاف ہوگی وغیرہ ذالک۔ یہ ایک نوعی تقاضہ ہے جو افراد میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی جاننے کی ضرورت ہے کہ عالم بالا کی مرضی یہ ہے کہ ہر نوع جو خدا نے پیدا کی ہے وہ باقی رہے اور اس کے اشخاص کا ظہور ہو۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دے دیا تھا پھر منع کیا اور فرمایا " یہ بھی مخلوقات کے گروہوں میں سے ایک گروہ ہے یعنی ہر نوع کو خدا نے کسی ضرورت سے پیدا کیا ہے اور اس کے اشخاص کا مٹا دینا درست نہیں ہے۔

پس جب مرضی الٰہی یہ ہے کہ انواع باقی رہیں اور انواع کے کچھ قدرتی احکام اور تقاضے ہیں، تو ان تقاضوں کا ظہور پانا (یعنی افراد کا خاص ہیئت و شکل اور قویٰ کے ساتھ وجود پانا) بھی عین مرضی الٰہی ہوگی۔ اور ان نوعی تقاضوں سے معارض ہونا ایک قبیح اور کائنات کی مصلحت کلیہ کے مخالف حرکت قرار پائے گی۔"

یہ کلیہ بیان کرنے کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جسم انسانی کے اندر ان تمام تصرفات کا حکم، جو اس کے نوعی تقاضوں سے ٹکراتے ہیں، یہیں سے نکل آتا ہے۔ یعنی ایسے تصرفات ممنوع ہوں گے۔ چاہے وہ اختصاء جیسا بڑا تصرف ہو یا تفلیج (دانتوں میں جھری بنوانے) یا معمولی تصرف۔ اور اس کے برعکس جو تصرفات نوعی تقاضوں سے ٹکراتے نہیں بلکہ ہم آہنگ

مددگار ہوتے ہیں وہ جائز قرار پائیں گے جیسے آنکھوں میں سرمہ لگانا اور بالوں میں کنگھی کرنا۔

(حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مصر (منیریہ) ج ۱ ص)

شاہ صاحب کا یہ کلام ہمیں یہ طے کرنے کے لیے ایک بہت صاف اور واضح معیار دیتا ہے کہ جسم انسان کے اندر کون سے تصرفات جائز ہوں گے اور کون سے ناجائز۔ یہ معیار نہایت صفائی سے بتاتا ہے کہ ایک تصرف کیوں جائز ہوتا ہے اور دوسرا کیوں ناجائز۔ اور کیوں کسی ایک تصرف کے جواز کو دوسرے تمام تصرفات کے جواز کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔

نس بندی ایک آپریشن ہے، بہت معمولی قسم کا۔ لوگ کم فہمی یا حیلہ جوئی سے کہہ سکتے ہیں بلکہ کہتے ہیں ـــ کہ بڑے بڑے آپریشن کیے جاتے اور کرائے جاتے ہیں، انھیں کوئی ناجائز نہیں کہتا، پھر نس بندی آپریشن ہی کی کیا خصوصیت ہے؟ جواب یہی ہے کہ جو آپریشن جسم میں پیدا ہونے والی کسی خرابی یا بیماری کو دور کرنے کے لیے (جو ایک غیر فطری چیز ہوتی ہے) کیا جائے وہ جائز ہوگا۔ یہ عمل تصرف تو ضرور ہو مگر جسم کو اس کی فطری حالت پر استوار کرنے کے لیے اور اس حالت کی بحالی ممکن نہ ہو تو کسی دوسری شکل میں سابقہ حالت ہی کا مقصد پورا کرنے کے لیے۔

اور نس بندی آپریشن کی نوعیت یہ ہے کہ اس میں ہم جسم کے ایک فطری نظام کو بدلتے یا صحیح تر الفاظ میں، اس کے اندر خرابی پیدا کرتے ہیں۔ اور یہ نظام بھی وہ جس کا تعلق صرف ہماری ذاتی یا نوعی مصلحت سے نہیں بلکہ اس کارخانہ حیات میں قدرت کے ایک ایسے مقصد سے بھی ہے جس کے متعلق خدا ہی جان سکتا ہے کہ اس کی حکمت بالغہ کے کیا کیا اسرار اس میں چھپے ہوئے ہیں۔

خود خاندانی منصوبہ بندی؟

نس بندی پر یہ گفتگو اس کے مقصد کے جواز اور عدم جواز سے قطع نظر کر کے تھی اب تک تین پہلوؤں سے غور کیا گیا۔ اوّل یہ کہ نس بندی سے کوئی فرق جسمانی مشین کے کام میں پڑتا ہو، انسان کو اپنے اس جسم میں کسی آزادانہ تصرف کرنے کا کیا حق ہے جس کا وہ مالک نہیں۔ دوم یہ کہ یہ تصرف کوئی بے اثر قسم کا تصرف بھی نہیں ہے، بلکہ جسمانی مشین کے اس

پرزہ کو ناکارہ کرتا ہے جس کی کارکردگی اس مشین کی ایک زبردست مقصدی اسکیم میں نہایت اہم مقام رکھتی ہے! سوم یہ کہ اس تصرف کے ذریعہ ہم نہ صرف اس جسم کے خالق و مالک کی ایک خاص مقصدی اسکیم میں رخنہ اندازی کی جرأت کرتے ہیں بلکہ ایک ایسا عیب بھی اس کی تخلیق میں پیدا کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں جسے اس کی اخلاقی حکمت کبھی پسند نہیں کر سکتی تھی یعنی جنسی قوت اور رغبت جو ذاتی طور پر شر کی قوتوں میں سے ایک قوت ہے اُسے قوت تولید کا آلۂ کار بنا کر انسانی وجود میں لے کھا گیا تھا اور نہ انسان کی اخلاقی اور روحانی مصلحت کے لحاظ سے اس قوت و رغبت کی تخلیق کا بظاہر کوئی جواز نہیں تھا، لیکن ہم اس تخلیق الٰہی کو اُس کے جواز سے محروم کر دینا چاہتے ہیں، جس میں اپنی شر پسندی کا مظاہرہ تو ہے ہی کہ خیر کے عنصر سے خالی شر کو بھی ہم اپنے اندر رکھنا پسند کرتے ہیں۔ مگر اس سے قبیح تر بات یہ ہے کہ خدا کی تخلیق میں بھی یہ عیب پیدا کرنے کی جسارت کی جائے۔

نس بندی کی ذاتی قباحت کے ان تینوں پہلوؤں میں سے ہر ایک بجائے خود ایسا ہے کہ ایک مومن کو اس فعل کے لیے آمادہ نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن ان پہلوؤں سے قطع نظر کر کے فرض کر لیا جائے کہ نس بندی میں کوئی ذاتی قباحت نہیں ہے تو وہ مقصد جس کے لیے نس بندی کا سوال پیدا ہو رہا ہے خود اس قدر مذموم ہے کہ اس کے لیے کوئی کام جائز نہیں ہو سکتا۔

نس بندی تحریک مقصد ہے بچوں کو ایک مقررہ تعداد سے زیادہ نہ پیدا ہونے دینا اسی کا نام خاندانی منصوبہ بندی (FAMILY PLANING) رکھا گیا ہے۔ ایک مومن کے سوچنے کی بات یہ ہے کہ انسانی پیدائش کی منصوبہ بندی خدا کا کام ہے یا انسان کا؟ بالکل سیدھی سی بات ہے کہ منصوبہ بندی اُسی کا کام ہے جس کا کام پیدا کرنا ہے۔ جو چیزیں خالص انسان کے ہاتھ پاؤں اور اس کی ایجاد کردہ مشینوں سے وجود میں آتی ہیں اُن کو ایک منصوبے کے تحت پیدا کرنا یعنی کمی اور بیشی کے پہلو سے ایک حد مقرر کرنا، یہ انسان کا حق ہے۔ ان چیزوں کے وجود میں لانے کو بھی پیدا کرنا بولتے ہیں، لیکن یہ پیدا کرنا وہ ہے جس کے لیے انگریزی میں پروڈکشن (PRODUCTION) کا لفظ لایا جائے گا۔ اسے اُس معنی میں پیدا کرنا نہیں کہا جا سکتا جس معنی میں کری ایشن (CREATION)

بولا جاتا ہے (CREATION) کے معنی میں پیدائش حقیقۃً صرف خدا کا کام ہے۔ کریٹیر (CREATOR) وہی ہے۔ انسان صرف پروڈیوسر (PRODUCER) ہو سکتا ہے۔

پروڈکشن کا بھی اصل مادہ اگرچہ براہ راست خدا کی پیدا کردہ کوئی چیز ہی ہوتی ہے اور اسی پر انسان اپنی محنت اور کاریگری کے پھول کھلاتا ہے، لیکن خدا کے نادیدہ تکوینی ہاتھ اور اس کی صفتِ تدبیر (یُدَبِّرُ الْاَمْر۔ قرآن) کو اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ پروڈکشن (جسے صحیح الفاظ میں صناعتی عمل کہا جا سکتا ہے) کا بننا اور بگڑنا، اپنے مطلوبہ نتائج تک پہونچنا یا نہ پہونچنا یہ سب اس عمل کی درستی و نادرستی پر محول کر دیا گیا ہے، خدا کی صفتِ تکوین و تدبیر کو اس دائرۂ عمل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس لیے بالکل حق بجانب ہے کہ انسان فیصلہ کرے کہ کس مقدار اور کس تعداد میں اسے کوئی چیز پیدا کرنا (بنانا ہے) مگر جن چیزوں کی پیدائش میں انسان کی حیثیت صرف ایک مکلف کارکی ہے، پیدا کرنے والا حقیقت میں خدا ہے، وہ انسانی صناعت (MAN MADE) کے زمرہ میں نہیں آتیں بلکہ خلق الٰہی (GOD CREATED) میں ان کا شمار ہے۔ ان کی تعداد یا مقدار کے لیے انسان کی منصوبہ بندی ایک خللِ دماغ کے سوا کیا ہے؟ کیا خدا کی صفتِ خلق کسی منصوبہ کے بغیر کام کر رہی ہے؟ ایک مؤمن تو ایسی بات نہیں سوچ سکتا۔ وہ اس صنعت کے بارے میں رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (پروردگار تو نے یہ سب عبث نہیں پیدا کیا ہے) پر ایمان رکھتا ہے۔ اس نے اس کتاب کو مانا ہے جس میں "وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ۔ (انبیاء۔ پ ۱۷) (اور ہم نے نہیں پیدا کیا زمین و آسمان کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے کھیل میں) اور "وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ" (اور نہیں ہیں ہم مخلوق سے بے خبر) (مومنون پ ۱۸) جس میں فرمایا گیا ہے "اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ" (ہم نے ہر چیز کو ایک اندازہ سے پیدا کیا ہے۔ (قمر۔ پ ۲۷) "قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (اللہ نے رکھا ہے ہر چیز کا ایک اندازہ۔ (طلاق۔ پ ۲۸) وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ" (اور نہیں ہے کوئی چیز مگر ہمارے پاس ہیں اس کے خزانے لیکن نہیں اتارتے ہیں ہم اس کو مگر ایک مقرر پیمانے سے۔ حجر۔ پ ۱۴)

یا تو ہم خدا نکردہ ان آیتوں کو ماننے سے انکار کر دیں، ورنہ اللہ کے تخلیقی کاموں پر اپنی منصوبہ

بندی جائز کرنا ایک مومن کے لیے کب زیبا ہو سکتا ہے؟ جہاں ساری تخلیق خود ایک منصوبہ بندی کے ساتھ ہو رہی ہے وہاں اس تخلیقی دائرے کی شرح کو زائد قرار دے کر اسے گھٹانے کی جدوجہد کرنے اور اپنی طرف سے ایک "مناسب شرح پیدائش" مقرر کرنے کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ ہم خدا کی منصوبہ بندی کے خلاف عدم اعتماد کا اظہار کر رہے ہیں اور اپنا ایک منصوبہ لے کر اس کے منصوبے سے ٹکرا جانا چاہتے ہیں ـــ اپنا تعدادی منصوبہ نافذ کرنے کے لیے جب ہم یہ طریقہ کار عمل میں لائیں کہ خدا نے جو مشینی سسٹم اپنے اس تخلیقی کام کے لیے ہمارے اندر رکھا تھا اُسے مفلوج اور معطل کرنے لگیں، خواہ دواؤں کے استعمال سے یا آپریشن کے ذریعہ سے، تو اس کا کوئی ترجمہ بجز اس کے ہوتا ہی نہیں کہ ہم خدا کا ہاتھ پکڑنے اور اس کو بجبر روکنے کی جسارت کر رہے ہیں! ہاں عزل اور ضبط نفس کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ یہ طریقہ کار خدا کے کسی کام میں مزاحم ہونے کا اظہار نہیں کرتا۔ کیونکہ خدا نے جس طرح ہمارے کچھ اعضاء اور رگ پٹھوں کو بحکم تکوین اپنے تخلیقی کام پر مامور کیا ہے، اس طرح کوئی تشریعی حکم ہمیں نہیں دیا ہے کہ ہم ضرور جنسی وظیفہ ادا کریں، یا رحم زوج میں وہ مادہ پہونچائیں جس کی اس تخلیقی کام میں ضرورت ہے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے حکم کے بجائے ہمیں خواہش دی گئی ہے، اسی سے خدا اپنے منصوبہ کے مطابق کام لے لیتا ہے۔ ہم پر حکم والی کوئی پابندی نہیں ہے کہ اس خواہش کا تقاضہ ضرور پورا کیا جائے۔ یا کم از کم اتنی بار پورا کیا جائے۔ چنانچہ ہمیں ضبط نفس کی پوری آزادی ہے[1]۔ بشرطیکہ صرف ضبط نفس ہو کسی غیر فطری اور غیر شرعی طریقہ سے رغبت و قوت کو باطل کرنا اس میں شامل نہ ہو۔ صحت کے خیال سے ضبط نفس میں تو کوئی مضائقہ ہی نہیں، لیکن قلت رزق کے خوف سے بہت ممکن ہے اس میں اتنی کراہت پیدا ہو گی کہ خدا کی رزاقی پر کما حقہ بھروسہ نہیں کیا گیا۔ لیکن یہ انسان کی ایک نفسیاتی کمزوری ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس خوف کے اثر سے اتنے مکمل اور وسیع ضبط نفس پر نوع انسانی قادر نہیں ہو سکتی کہ اللہ کے مقررہ وقت سے پہلے یہ معمورۂ عالم ویران ہو جائے، اس لیے اللہ کے اصول شریعت اسے ناجائز نہیں ٹھیراتے، علیٰ ہذا عزل بھی معاشی خوف سے ہو تو بس مکروہ

---

[1] یہاں تجرد والے ضبط نفس کی بحث نہیں ہے، ازدواج کے ساتھ ضبط نفس یعنی "کثرت" سے اجتناب، زیر بحث ہے۔

ہی بتایا گیا ہے کیونکہ یہ عمل بھی انسانوں میں عام طور سے اور مکمل پیمانہ پر رائج نہیں ہو سکتا۔ اور خدا کے تخلیقی نظام میں "مزاحم" ہونے کی نوعیت بھی اس میں نہیں پائی جاتی۔ صرف ایک فرار کی شکل ہے جس میں قدرت کی گرفت سے باہر ہونے کی بات آدمی نہیں سوچتا۔ اور نہ کسی متوازی منصوبہ بندی کو اس کے ذریعہ قدرت پر لادنے کی جسارت دکھاتا ہے کہ اس حد کے بعد اس کی تخلیقی مشین ہی کو فیل کر دیا جائے گا۔

کچھ لوگ اس انسانی منصوبہ بندی کو زرعی منصوبہ بندی پر قیاس کرنے کی بات کرتے ہیں کہ زرعی پیداوار بھی تو نظام قدرت ہی کے تحت ہوتی ہے۔ مگر اس کی منصوبہ بندی آج کی حکومتیں کرتی ہیں اور اس کو کوئی ناجائز نہیں کہتا۔ لیکن یہ کھلا ہوا مغالطہ ہے، آپ زرعی منصوبہ بندی شرح پیدائش میں اضافہ کے لیے کرتے ہیں نہ کہ کمی کے لیے۔ انسانی پیداوار میں بھی اضافہ کے لیے آپ منصوبہ بندی کیجیے تو کوئی نہیں روکے گا۔ یہ قدرت کے اصل نظام کے ساتھ ہم آہنگی ہے، زمین اسی لیے ہے کہ اس سے انسان اور دیگر حیوانات کی ضرورتوں کے لیے زیادہ سے زیادہ اجناس اگیں۔ آپ اپنی ضرورت بھر اگانے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کیجیے تو کیسے اعتراض کی بات ہو سکتی ہے۔ انسان کو خدا نے اپنے لیے پیدا کیا ہے اور وہی جان سکتا ہے کہ اس کے مقاصد کی تکمیل کس حد پر ہوگی اور کن مقاصد کے لیے کن کن افراد کی ضرورت ہے۔ جو انسان پیدا ہو رہا ہے اس کے حکیمانہ مقاصد کے تحت ہو رہا ہے۔ جہاں وہ چاہتا ہے پیدا ہوتا ہے اور جہاں نہیں چاہتا نہیں پیدا ہوتا، خواہ کوئی جوڑا اس کے لیے سر پٹک کر مر جائے وہ اگر شرح پیدائش بڑھاتا ہے تو اپنے حکیمانہ مقصد کے تحت بڑھاتا ہے۔ آپ کو یہ طے کرنے کا حق نہیں کہ اتنی شرح زیادہ ہے اس کو کم ہونا چاہیئے۔ اور وہ اگر گھٹاتا ہے تب بھی عین تقاضائے حکمت ہے، جو آپ کے بڑھائے بڑھ نہیں سکتی، مگر بڑھانے کی کوشش میں کوئی مضائقہ نہیں اس لیے کہ یہ اصل نظام قدرت سے ہم آہنگی ہے۔ اور وہ یہی ہے کہ نت نئے انسان پیدا ہوں۔

بہر حال انسانی شرح پیدائش کو گھٹانے کے لیے منصوبہ سازی کی بات وہ آدمی نہیں

سوچ سکتا جو اس دنیا پر ایک خدائے حکیم کی فرمانروائی مانتا ہے اور خلق (CREATION) کا تعلق اسی سے سمجھتا ہے۔ یہ صرف ان دماغوں میں آنے کی بات ہے جو نظام خلق کو محض مادہ کے طبیعی قوانین کا ثمرہ سمجھتے ہیں۔ اور اس لیے اس میں دخل اندازی سے ان کی نظر میں کوئی قباحت کا پہلو نہیں پیدا ہوتا۔ ایسے لوگ اس طرح کی منصوبہ سازی کرتے ہیں تو انھیں کرنے دیجیے۔ مگر آپ کے لیے کیا جواز ہے کہ ضلالت کی اس وادی میں ان کا ساتھ دینے کے

(بقیہ نگاہ اولین)

خرابیوں سے قطع نظر ایمانی نقطۂ نظر سے جو قباحتیں اس میں پوشیدہ ہیں انھیں ضرور مسلمانوں کے سامنے آنا چاہیئے۔ مسلمانوں میں بھی عام طور پر تجسس ہے کہ اس کا شرعی حکم کیا ہے، خصوصاً نسبندی کا حکم؟ جسے بہت مؤثر طریقہ کار کے طور پر ہندوستان میں اپنایا جا رہا ہے۔ اور اب تو اس طرح کے آثار ہیں کہ اس سرکاری پالیسی سے انحراف کرنے والے لوگ شاید بہت سی شہری مراعات سے محروم کر دیئے جائیں گے۔ کیونکہ ہمارے صوبہ یو، پی کی مرحوم حکومت نے اپنے خاتمہ سے چند ہی پہلے اس طرح کا ایک صاف فیصلہ کیا تھا۔ یہ لئے دوسرے صوبوں میں بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ زیر نظر شمارہ میں اس سوال پر تفصیل سے کلام کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

زیر نظر شمارہ شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ یعنی تین ماہ کی مشترک اشاعت کی حیثیت سے نکالا جا رہا ہے۔ اس کی ضرورت اس لئے محسوس کی گئی گزشتہ اشاعت پر الفرقان ایک مہینہ لیٹ ہو گیا تھا۔ اور ایک مہینہ کا فرق رسالہ کے موجودہ شمسی اور قمری مہینوں کی مطابقت میں پڑ گیا تھا اس فرق کو نکالنے کی یہی شکل تھی کہ تین ماہ کا رسالہ بیک وقت شائع کیا جائے۔ باوجود کوشش کے صفحات میں کچھ کمی رہ گئی۔ اس لئے کہ وقت صرف ایک مہینے کا ملا تھا۔ مگر اس کی تلافی انشاء اللہ اس اشاعت کے مضامین سے ہو جائے گی جن میں سے کئی ایسے ہیں کہ انشاء اللہ ہمارے ناظرین ان کی معنوی قیمت کو ضخامت کی کمی کا نعم البدل محسوس فرمائیں گے۔

ثوری وغیرہ کا امام اعظم ابوحنیفہ پر نقد، اور ابن ذئب وغیرہ کا امام مالک پر، اور ابن معین کا امام شافعی پر، اور امام نسائی کا احمد بن صالح پر، اسی طرح ہے، اگر ہر جگہ "الجرح مقدم علی التعدیل" کا ضابطہ برتا جائے تو کوئی بھی ایسا امام نہیں جو تنقید سے محفوظ رہ سکے[۱] حافظ ابن عبد البر مالکی لکھتے ہیں، کہ جن ائمہ کو امت نے اپنا امام بنا لیا ہو، ان پر کسی کی تنقید معتبر نہ ہوگی[۲]

بہرحال رجال کی کتابوں سے استفادہ کے لیے ان سب اصولوں کا جاننا ضروری ہے، اس کی مزید تفصیلات آئندہ آرہی ہیں۔ (باقی)

---

[۱] مقدمہ اوجز المسالک بحوالہ الطبقات الشافعیۃ ص۱۹۵۔ [۲] جامع بیان العلم ج۲ ص۱۹۵۔

علومِ قرآنی کا بیش بہا خزانہ

مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر

تدبرِ قرآن

جلد اوّل

مشتمل بر مقدمہ و تفاسیر آیۂ بسم اللہ، سورۂ فاتحہ، سورۂ بقرہ و سورۂ آل عمران

سائز ۲۲×۲۹، صفحات ۸۰۰

آفسٹ کی دیدہ زیب طباعت

چرمی پشتہ کی مضبوط و پائیدار جلد کے ساتھ

ھدیہ ۳۰ روپے علاوہ محصول ڈاک

کتب خانہ الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ

حجازِ مقدّس کا تازہ سفر

—— (۲) ——

مقامِ ابراہیم :-

اس سلسلہ کی پہلی قسط میں مقامِ ابراہیم سے متعلق حالیہ تبدیلی کا ذکر کیا جا چکا ہے، اور یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ یہ تبدیلی دراصل بیت اللہ کے گرد طواف کرنے والوں کی ایک بڑی زحمت کو ختم کرنے کے لیے کی گئی ہے جو بعض اوقات بوڑھوں اور ضعیفوں کے حق میں جان لیوا ہو جاتی تھی اور حرمِ پاک کی سخت بے حرمتی ہوتی تھی —— پہلے مقامِ ابراہیم پر ترکی حکومت کے زمانہ کا بنا ہوا ایک جالی دار حجرہ تھا جس کے آگے سائبان بھی تھا، سائبان سمیت اس کا مجموعی رقبہ ۱۰ میٹر مربع کے قریب تھا —— اس عمارت ہی کی وجہ سے مطاف اس جانب میں بہت تنگ تھا اور اسی سبب سے کبھی کبھی ایامِ حج میں وہ حادثات ہو جاتے تھے جن کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔

اب اس حجرہ اور سائبان کو ختم کر دیا گیا ہے اور مقامِ ابراہیم کو (جس کا طول و عرض ایک فٹ سے کچھ ہی زیادہ ہوگا) اس کی قدیمی جگہ ہی پر سنگِ سیاہ کی ایک خوبصورت چوکی قائم کر کے اس پر رکھ دیا گیا ہے اور اس کے اوپر بلور کا ایک قیمتی فانوس ڈھک کر حفاظت کے لیے اس کے گرد نہایت خوبصورت غالباً پیتل کی جالی لگا دی گئی ہے۔

شیخ صالح قزاز نے جن کے زیرِ اہتمام یہ سب کچھ ہوا ہے اپنی رپورٹ میں بلوری فانوس اور جالی [illegible] کے متعلق یہ تفصیلات لکھی ہیں ——

اس قبہ نما بلوری فانوس کا قطر سینٹی میٹر ہے اور وہ قریباً ایک میٹر اونچا ہے۔ اور اسکی دبازت اور موٹائی ۴ سینٹی میٹر ہے اور اس پر تانبہ کا ایک گول حلقہ منڈھا ہوا ہے جس کا وزن ۶۰ کیلو گرام ہے اور بلوری فانوس اور اس کے حلقہ کا مجموعی وزن ۱۷۰ کیلو گرام ہے۔ اور اتنے وزن اور اتنی دبازت کے باوجود یہ بلوری قبہ عینک کے شیشوں کے مانند اتنا شفاف ہے کہ اس میں سے مقام ابراہیم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مبارک قدموں کے نشان صاف نظر آتے ہیں۔ پھر اس بلوری قبہ کے گرد اس کی حفاظت کے لیے نہایت مضبوط اور بیحد خوبصورت خانہ پیتل کی جالی کا شش پہلو احاطہ ہے اب فرش حرم کی سطح سے اس کی بلندی ۳ میٹر کے قریب ہے اور اس نے مجموعی طور سے ڈھائی میٹر سے زیادہ جگہ نہیں گھیری ہے۔

بلوری فانوس کی تیاری اور لاگت کے بارے میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحبؒ کے بھائی مولانا سید محمود سے مدینہ طیبہ میں معلوم ہوا کہ بلجیم کی کسی کمپنی نے اس کو تیار کیا ہے اور یہ ۵۳ لاکھ ریال میں تیار ہوا ہے۔ انھوں نے ذکر فرمایا کہ احتیاطاً دو نیار کرائے گئے ہیں تاکہ اگر خدانخواستہ کوئی حادثہ ہو جائے تو دوسرا فوراً اس کی جگہ رکھ دیا جائے۔ یعنی صرف یہ دو فانوس ۱۰۰ لاکھ ریال میں تیار ہوئے ہیں۔

مقام ابراہیم کی اس نئی تعمیر میں (اگر اس کو تعمیر کہنا صحیح ہو) ظاہری حسن و جمال کا اتنا لحاظ رکھا گیا ہے اور اس کو اتنا سیک بنایا گیا ہے کہ کعبہ مکرمہ کی سادگی سے اب وہ کچھ زیادہ میل نہیں کھاتا۔ لیکن یہ مقصد اس سے بلاشبہ حاصل ہو گیا کہ پرانا حجرہ اور اس کا سائبان ہٹ جانے کی وجہ سے اب اس جانب میں مطاف کی وہ تنگی ختم ہو گئی جس سے طائفین اور طائفات کو بڑی تکلیف ہوتی تھی اور معاذ اللہ موت و ہلاکت تک کے حادثات پیش آجاتے تھے۔

ایک دوسرا فائدہ اس تبدیلی سے یہ بھی ہوا کہ پہلے مقام ابراہیم پر جو حجرہ بنا ہوا تھا اور عرف عام میں اسی کو مقام ابراہیم کہا جاتا تھا بہت سے بیچارے جاہل عوام جو نہیں جانتے تھے کہ "مقام ابراہیم" دراصل ایک پتھر ہے وہی اس حجرہ کے اندر رکھا ہوا ہے، وہ اس حجرہ کا نام جب "مقام ابراہیم" سنتے تھے تو اپنی جہالت اور سادہ لوحی سے سمجھتے تھے کہ یہ ابراہیم علیہ السلام کا مزار ہے۔ اتفاق سے حجرہ پر گنبد بھی تھا جو اس غلط فہمی میں مددگار ہوتا ہوگا۔ ـــــ میں نے

خود بعض جاہلوں کو دیکھا ہے کہ جس طرح وہ اپنے جاہلانہ اور مشرکانہ ذہن کے ساتھ بزرگان دین کے مزارات پر درخواستیں پیش کرتے ہیں اسی طرح اس حجرہ (سابق مقام ابراہیم) کی جالیوں میں عرضیاں ڈالتے تھے —— اب اس تبدیلی کے بعد ہر زائر باہر ہی سے دیکھ لے گا کہ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر نہیں ہے، بلکہ ان کی مبارک یادگار وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر آپ نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی اور اس میں آپ کے مبارک قدموں کے نشانات ہیں۔ بہرحال قبر اور مزار والی جاہلانہ غلط فہمی اب کسی کو نہ ہو سکے گی۔

لیکن یہ بات ذرا افسوسناک ہے کہ اس تبدیلی کے بعد باہر سے مقام ابراہیم نظر آنے لگنے کی وجہ سے اب اس پر بھی جاہل شائقین کا اسی طرح ہجوم اور ہنگامہ ہونے لگا ہے اور ہوا کرے گا جو جہالت اور بدقسمتی سے خاصکر ایام حج میں حجر اسود پر رہتا ہے، جس کی وجہ سے اس پر سپاہیوں کا ایک مختصر سا دستہ ہر وقت رہتا ہے۔ چنانچہ اب مقام ابراہیم پر بھی عسکریوں کا ایک دستہ حکومت کو متعین کرنا پڑا ہے۔

ایک خوشکن تبدیلی کا مشاہدہ :-

عرض کیا جا چکا ہے کہ اس سے پہلے حرمین شریفین کی حاضری جب بھی نصیب ہوئی حج ہی کے موسم میں نصیب ہوئی اور یاد ہے کہ مختلف ملکوں اور علاقوں سے آنے والی بہت سی خواتین میں خاصکر حرم پاک میں بھی پردہ کا اہتمام نہ دیکھ کر بلکہ اس کے برعکس بے پردگی اور تبرج جاہلیت کا رجحان محسوس کر کے بڑی روحانی تکلیف ہوتی تھی۔ اور حجاز مقدس کے رہنے والے اپنے دوستوں سے سنا تھا کہ اس باب میں خود وہاں کی خواتین کا حال بھی بڑا افسوسناک ہے اور یہ بیماری اس ارض پاک میں وبا کی طرح اور بڑی تیز رفتاری سے پھیل رہی ہے۔

لیکن اس دفعہ وسط نومبر میں جب مکہ معظمہ حاضری ہوئی تو حرم میں طواف کرنے والی خواتین میں پردہ کا اہتمام کچھ زیادہ دیکھا۔ یوں تو روزانہ بھی خواتین مغرب سے کچھ پہلے اور مغرب کے بعد بھی خاصی تعداد میں طواف میں ہوتی ہیں لیکن اسدفعہ یہ نئی بات علم میں آئی اور دیکھا کہ جمعرات کے دن

ان کی تعداد مردوں سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ یہاں مکۂ مکرمہ میں قدیم سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ یہاں کی جو خواتین کو کوئی مجبوری اور معذوری نہ ہو وہ جمعرات کی شام کو طواف کے لیے حرم شریف ضرور آتی ہیں۔ الغرض روزمرہ بھی اور جمعرات کے دن بھی جبکہ طواف کرنے والیوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے بے پردگی اور تبرج کے وہ مناظر اب کے نہیں دیکھے جو پہلے دیکھنے میں آیا کرتے تھے —— میں نے وہاں کے اپنے بعض دوستوں کے سامنے تعجب کے ساتھ اپنے اس احساس کا ذکر کیا تو انھوں نے کہا ہاں یہ احساس صحیح ہے —— اور اس کا سبب یہ ہے کہ ابھی چند دن پہلے "جلالۃ الملک" نے، خواتین میں بے پردگی و تبرج اور مغربی طور طریقوں کی تقلید کے خلاف ایک تقریر کی تھی، اس کا بہت اچھا اثر ہوا ہے، اخبارات بھی اس کے بعد سے برابر اس پر لکھ رہے ہیں —— یہ جو کچھ آپ محسوس کر رہے ہیں اُسی کا نتیجہ ہے۔

بے شک مسلمانوں کے فرمانروا اور صاحبِ اقتدار سربراہ اگر قوم کی دینی و اخلاقی اصلاح کو بھی اخلاص اور ایمانداری سے اپنا موضوع بنالیں تو قوم کی کایا پلٹ ہوجائے اور ان کو بھی اپنے عوام میں وہ محبوبیت اور مقبولیت حاصل ہوجائے جو کسی دوسری تدبیر سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو سمجھنے کی اس طبقہ کو توفیق دے۔

رابطۂ عالم اسلامی کے اجلاس:-

رابطۂ عالم اسلامی کا اجلاس اپنے پروگرام کے مطابق ۱۵ رجب (۱۰ اکتوبر) سے شروع ہوا اور دو ہفتہ تک اس کی نشستیں ہوتی رہیں، اس دفعہ رابطہ پر گزشتہ ماہ جون کی عرب اسرائیل جنگ اور بیت المقدس پر اسرائیل کے قبضہ ہی کا مسئلہ چھایا رہا اور ہونا بھی یہی چاہیے تھا، قریباً ایک ہفتہ غور و فکر اور بحث و مباحثہ کے بعد رابطہ کی مجلس نے ایک مفصل بیان تیار کیا جس کا خطاب پوری اسلامی دنیا سے تھا اور جس میں واقعہ کی سیاسی اور دینی سنگینی کا جائزہ لیتے ہوئے مسلمانوں کے تمام طبقات کو ان کے فرائض کی طرف متوجہ کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ کچھ اور ضروری کارروائیوں کا بھی فیصلہ کیا گیا، یہ پوری کارروائی

اسی اشاعت میں اس روداد سفر کے خاتمہ پر درج کی جارہی ہے۔

رابطے کے اہم ارکان میں ایک استاذ کامل شریف بھی ہیں۔ یہ اُردن کی موجودہ حکومت میں وزیر ہیں۔ ان سے اور ان سے بھی زیادہ مفتی امین الحسینی اور بعض دوسری باخبر اہم شخصیتوں سے اس جنگ کے سلسلے کے بعض ایسے افسوسناک واقعات معلوم ہوئے جن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اسلامی تاریخ کا یہ المیہ پھر سامنے آیا ——— "کہ بابا انچہ کرد آں آشنا کرد"

چونکہ ان رسوا کن حقائق و واقعات کو شائع کرنے کا ابھی فیصلہ نہیں کیا گیا ہے اس لیے ہم بھی خاموشی پر مجبور رہیں۔

مسئلہ فلسطین، بعض محیر العقول معلومات:۔

جن لوگوں کو مسئلہ فلسطین سے متعلق کچھ واقفیت ہے وہ ضرور جانتے ہوں گے کہ مفتی محمد امین الحسینی کا اس مسئلہ کے ہر دور میں اس سے وہ تعلق رہا ہے جس میں عالم اسلام کی کوئی بھی شخصیت ان کے شریک وسہیم ہونے کا دعوا نہیں کر سکتی۔

رفیق محترم مولانا علی میاں نے ایک دن مفتی صاحب سے اسی کام کے لیے وقت لیا کہ مسئلہ کی پوری نوعیت کو سمجھ کر آئندہ امکانات اور طریقہ کار کے بارے میں غور کیا جا سکے۔

مفتی صاحب نے پوری تفصیل سے پہلے مسئلہ کی تاریخ بتائی جس کے بعض اجزا نے خاص کر اس سلسلہ میں یہود کے ابتدائی منصوبے اور اس کے لیے ان کی اولوالعزمی اور مسلسل سازشی اور میدانی جدوجہد کی تفصیلات نے ہمیں غرق حیرت کر دیا۔

● مفتی صاحب نے بتایا کہ پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴-۱۹۱۸) سے پہلے فلاں سن میں سلطان عبدالحمید خاں کے زمانے میں جبکہ شام، عراق، حجاز یہ سب ترکی قلمرو میں شامل تھے۔ یہودیوں کی ایک عالمی کانفرنس فلاں جگہ ہوئی (مفتی صاحب نے کانفرنس کا سن اور جگہ کا نام بتایا تھا لیکن راقم سطور کو یاد نہیں رہا) اس کانفرنس میں پوری یہودی دنیا کے نہایت ممتاز نمائندوں نے شرکت کی اس میں فیصلہ کیا گیا کہ فلسطین کو حاصل کر کے اپنا قومی وطن

بنایا جائے اور اس مقصد کے لیے جان و مال کی جو قیمت بھی ادا کرنی پڑے اس سے دریغ نہ کیا جائے اسی کانفرنس میں اس کے لیے جد و جہد کا ایک ابتدائی منصوبہ بھی طے کیا گیا۔

اس وقت برطانوی حکومت دنیا کی سب سے زیادہ با اثر اور طاقت ور حکومت تھی اور ملکوں اور حکومتوں کے بارے میں بڑے بڑے فیصلے وہاں سے ہی ہوتے تھے ـــــ یہودیوں کا ایک نمائندہ وفد اس کانفرنس کے فیصلے کے مطابق انگلستان گیا اور اس نے برطانوی حکومت کے ذمہ داروں سے یہ مانگ کی کہ وہ اپنے اثرات استعمال کر کے ترکی حکومت پر اس کے لیے دباؤ ڈالیں کہ وہ مناسب شرائط پر فلسطین ہم کو دیدے۔ برطانوی مدبرین اس کے لیے آمادہ نہیں ہوئے۔ انھوں نے یہودی لیڈروں سے کہا کہ اس کا کوئی امکان نہیں ہے کہ ترکی حکومت سے یہ بات منوائی جا سکے برطانیہ کے ذمہ داروں نے اس یہودی وفد کے سامنے یوگنڈا کی پیش کش کی کہ وہ فلسطین کے بجائے یوگنڈا کو اپنا قومی وطن بنالیں۔ (اس وقت یوگنڈا یہ بلکہ مغربی افریقہ کے اس پورے علاقہ پر برطانیہ کی حکومت تھی اور وہ اس کے سیاہ سفید کی مالک تھی) لیکن یہودی وفد نے اس کو قبول نہیں کیا۔

اس کے بعد یہودیوں کا ایک وفد براہ راست ترکی پہونچا اور اس نے سلطان عبدالحمید خاں سے اس مسئلہ پر گفتگو کرنی چاہی سلطان نے ملاقات سے انکار کر دیا، وفد نے ان کے سکریٹری سے بات کی۔

اس وقت ترکی حکومت سخت مالی بحران میں مبتلا تھی، اس پر باہر کے قرضوں کا بے انتہا بار تھا اور اس کی وجہ سے خارجی دباؤ بہت زیادہ پڑ رہا تھا، دوسری طرف خزانہ خالی تھا اور حکومت کے روزمرہ کے کاموں میں سخت پریشانی کا سامنا تھا اور اس صورت حال کا خود سلطان کے ذاتی حالات پر جو اثر پڑنا چاہیے تھا وہ پڑ رہا تھا۔

یہودی وفد نے سلطان کے سکریٹری کے سامنے یہ پیش کش رکھی کہ اگر فلسطین ہمیں دے دیا جائے تو ترکی کے سارے قرضے ہم ادا کر دیں گے۔ اس کے علاوہ اتنے کروڑ پونڈ حکومت کی ضروریات کے لیے پیش کریں گے اور اتنے ہی پونڈ سلطان کی خدمت میں ذاتی نذر کے طور پر پیش کریں گے۔ (مفتی صاحب نے پونڈوں کی تعداد بتائی تھی جو مجھے یاد نہیں رہی) سکریٹری نے جب سلطان عبدالحمید خاں کے سامنے اس کا ذکر کیا تو سلطان نے ایمان اور غیرت سے بھرپور جو جواب دیا اس کو مفتی صاحب نے اپنی عربی زبان میں ان لفظوں میں ادا کیا۔

"کل ھذا لایساوی عندی فضۃ من تراب القدس"

یعنی کروڑوں پونڈ کی یہ ساری دولت جس کی پیش کش یہودی وفد کر رہا ہے میرے نزدیک اس کی قدر و قیمت فلسطین کی مقدس سرزمین کی مٹھی بھر خاک کے برابر بھی نہیں ہے۔

یہ جواب دینے کے ساتھ سکریٹری کو منع کر دیا کہ اس مسئلہ پہ یہودی وفد سے قطعاً کوئی بات نہ کی جائے۔

یہودی وفد واپس چلا گیا اور اس کے لیڈر نے الٹی میٹم سلطان کو تار دیا کہ ایک دفعہ پھر اس مسئلہ پہ غور کر لیا جائے ورنہ آپ کو اس کا سخت خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ سلطان نے اس کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی اور جواب تک نہیں دیا اس کے بعد یہودیوں نے اپنی جدوجہد کے دو خاص نشانے مقرر کیے ایک یہ کہ ترکی میں سلطان عبدالحمید خاں کا اقتدار ختم کرایا جائے اور دوسرا یہ کہ عرب ملکوں کو ترکی حکومت سے کاٹ کے چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کرا دیا جائے —— اس کے لیے انھوں نے خود ترکی کے اندر بھی سازشیں شروع کیں اور ترکی سے باہر بھی۔

پھر جب سن چودہ[14] کی جنگ عظیم شروع ہوئی جس کے برپا کرنے میں خود یہودیوں کا بھی ہاتھ تھا تو یہودیوں نے اندرونی اور بیرونی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کے ذریعہ اس کی پوری کوشش کی کہ ترکی حکومت بھی جنگ میں جرمنی کی حلیف کی حیثیت سے شریک ہو جائے ان کے مفکرین کو یقین تھا کہ ترکی حکومت اپنے موجودہ احوال میں جنگ میں پھنس جانے کے بعد کمزور بھی ہو جائے گی۔ اور عرب علاقہ بھی اس کے قبضہ سے نکل جائیں گے پھر اس کے بعد فلسطین حاصل کر لینا اس کے لیے آسان ہوگا۔

مفتی صاحب نے بڑے درد اور تاثر کے ساتھ فرمایا کہ دراصل فلسطین اور بیت المقدس اُسی دن خطرہ میں پڑ گئے جس دن عرب علاقے ترکی سے الگ ہوئے اور پھر چھوٹے چھوٹے ملکوں میں تقسیم ہو گئے۔ ان میں یہ طاقت نہیں رہی کہ وہ یہودیوں اور استعماری طاقتوں کی سازشوں کا مقابلہ کر سکیں۔

پھر جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد دَور انتداب سے لے کر جون ۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ تک جو اہم واقعات فلسطین اور اسرائیل کے سلسلے میں پیش آئے، مفتی صاحب نے

ان کا بھی اجمالاً ذکر فرمایا۔ آخر میں عربوں کی ان کمزوریوں اور غفلتوں اور ان کے بعض لیڈروں کی شرمناک غداریوں کا بھی خاصی تفصیل سے دکھ کے ساتھ ذکر کیا جن کے نتیجے میں بظاہر اسباب یہ رسوا کن شکست ہوئی جس کی تاریخ میں مثال ملنا مشکل ہے اور جس نے پورے عالم اسلامی کو بے وقار کر دیا ہے۔ لیکن ان چیزوں کی عام اشاعت میں کوئی افادیت نہیں بلکہ اس سے ملت کی رسوائی میں اضافہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ ہم سبق لیں اور اپنی ان کمزوریوں کو دور کریں جنھوں نے یہ دن دکھایا ہے۔

رابطہ عالم اسلامی کے اجلاس میں مختلف عرب ممالک کے جو نمائندے آئے ہوئے تھے قریباً وہ سب ہی اس احساس بلکہ اذعان میں متفق تھے کہ عربوں کی شکست کا بنیادی سبب اس دین سے ان کی غفلت اور دوری ہے جس کی ذمہ داری عرب ہونے کی حیثیت سے اُن پر دنیا کے دوسرے مسلمانوں سے زیادہ ہے۔ کیونکہ قرآن ان کی زبان میں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی عرب تھے۔ وہ اس پر بھی اپنے رنج و قلق اور تحیر کا اظہار کرتے تھے کہ اتنے عظیم حادثے اتنی شدید آسمانی تنبیہ کے بعد بھی دین کی طرف رجوع اور انابت الی اللہ کا وہ رجحان پیدا نہیں ہوا جو اللہ کی رحمت اور آسمانی مدد کا مستحق بنا دیتا ہے۔

اس سلسلے میں انتہائی رنج و افسوس مولانا سعید احمد خاں صاحب جیسے ثقہ اور با خدا بزرگ سے خود ان پر گزرا ہوا ایک واقعہ سُن کر ہوا۔ مولانا موصوف کا قیام حجاز مقدس میں قریباً پندرہ سال سے ہے۔ اس عاجز کے نزدیک وہ اُن خاصان خدا میں سے ہیں جو صرف اللہ کے لیے حجاز پاک میں جا پڑتے ہیں، حجاز مقدس میں تبلیغی کام کے وہی ذمہ دار ہیں جو لوگ تبلیغی جماعت کے طور طریقوں سے کچھ واقف ہیں انھیں معلوم ہوگا کہ جب کسی علاقہ پر کوئی آسمانی یا زمینی مصیبت اور تباہی آتی ہے تو تبلیغی کام کرنے والوں کے سامنے فوراً یہ مسئلہ آجاتا ہے کہ وہاں پہونچ کر دینی دعوت کا دینی کام کیا جائے اور اللہ کے بندوں کا رُخ اللہ کی طرف پھیرنے کی کوشش کی جائے، وہ امید رکھتے ہیں کہ جس علاقے میں اخلاص کے ساتھ دعوت الی اللہ کا کام کیا جائے گا اور اس کے کرنے والے دنوں میں اس کے لیے محنت اور راتوں میں

دعائیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس علاقہ کے لیے رحم و کرم کا فیصلہ ہوگا۔ اور مصیبت زدہ لوگوں کے لیے یہ ایک تسکین کا سامان بھی ہوگا اسی لیے جب کہیں زلزلہ آتا ہے یا فسادات ہوتے ہیں تو دیکھا گیا ہے کہ تبلیغی مرکزوں سے اُس علاقے میں جماعتیں بھیجنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

اسی اصول اور طریقے کے مطابق ایسا ہوا کہ گزشتہ جون کی عرب اسرائیل جنگ کے نتیجے میں جب عربوں کے کچھ علاقے اسرائیل کے قبضہ میں چلے گئے اور وہاں کے ہزاروں بلکہ لاکھوں مسلمان خانماں برباد اور پناہ گزیں ہو کر اُردن کے علاقے میں کیمپوں میں آ گئے تو مکہ معظمہ سے مولینا سعید احمد خاں صاحب ایک جماعت لے کر فوراً اُردن پہونچ گئے اور پناہ گزینوں کے اُن کیمپوں میں کام شروع کر دیا۔ مولانا سعید احمد خاں صاحب نے خود بتایا کہ ہم خوشامد درآمد کر کے اُن کو نماز کے نام پر اور دینی باتوں کے عنوان سے جوڑنا چاہتے تھے لیکن پندرہ پندرہ اور بیس بیس ہزار کے کیمپوں میں ہم مشکل سے دس بیس کو جوڑ پاتے تھے۔ ایک ذرا پڑھے لکھے نوجوان عرب سے اپنے نزدیک تو ہم نے بڑی دردمندی کے ساتھ نماز کے لیے اور اللہ کی طرف رجوع ہونے کے لیے کہا تو اُس نے برہم ہو کر جواب دیا۔

إذا راح وطننا راح ديننا، ما نصلي	جب ہمارا وطن گیا تو دین بھی چلا گیا۔ ہم نماز نہیں پڑھیں گے۔

عبرت کے لیے صرف یہی ایک واقعہ کافی ہے، ورنہ مولینا نے اس سلسلے کے اور بھی نہایت افسوسناک واقعات سنائے۔

عرب اسرائیل جنگ ہی کے سلسلے میں مجلس رابطہ کے قریب قریب سب ہی عرب ارکان کو اس احساس میں بھی متفق پایا کہ ظاہری اسباب کے نقطۂ نظر سے اس شکست میں بڑا دخل اس چیز کو ہے کہ عرب عوام و خواص عیش و تنعم کی زندگی کے عادی ہو گئے ہیں، جفاکشی اور جانبازی جو ان کا اصل جوہر اور امتیاز تھا اب اُن میں باقی نہیں ہے۔ استاذ کامل شریف جن کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے اور جو اُردن کی حکومت کے ایک وزیر ہیں، انھوں نے بیان کیا کہ اسرائیل کے وزیر دفاع موشے دایان سے کسی نے پوچھا کہ کیا تمہارے نزدیک اس کا

امکان ہے کہ مسلمان عرب پھر تمہیں شکست دے دیں اور جو علاقے انھوں نے کھو دیئے ہیں وہ تم سے چھین لیں، اُس نے کہا ہاں، اگر ان کی اس وقت کی خصوصیات اور عادات ہمارے اندر آجائیں گی تو ایسا ہی ہو جائے گا۔

کاش ہم دشمن کی اس بات ہی سے کچھ سبق لے لیں۔

استاذ کامل شریف ہی نے بتلایا کہ اسرائیل کے یہودیوں کی معاشرت نہایت سادہ ہے، اور ان کے خواص وعوام جفاکشی اور محنت کے عادی ہیں، گرمی اور سردی کے لیے لباس کا مہیا تک مقرر ہے، ہر شخص کو آزادی نہیں ہے کہ جیسا چاہے قیمتی اور بڑھیا لباس پہن سکے، حتیٰ کہ بچوں کو دھوپ میں چلنے اور دوڑنے کی عادت ڈلوائی جاتی ہے۔

اسرائیلیوں کے بارے میں یہ باتیں سن کر رنج اور دکھ کے ساتھ زبان پر آگیا: ؎

مجھے خندۂ گل پہ آتا ہے رونا کہ اس طرح ہنسنے کی خو تھی کسی کی

ہندوستانی مسلمانوں کے بارے میں غلط فہمی:-

اس دفعہ کی حاضری میں اس بات کا کچھ زیادہ احساس ہوا کہ حجاز مقدس اور دوسرے ممالک عربیہ و اسلامیہ کے اکثر خواص بھی ہندوستانی مسلمانوں کی اہمیت سے واقف نہیں ہیں۔ اور اس ناواقفیت کی وجہ سے کچھ ایسا تصور ہے کہ ہندوستان میں جو مسلمان ہیں وہ گویا "مستضعفین" ہیں جو محض درماندگی اور بیچارگی کی وجہ سے اپنے ایمانوں تک کو خطرہ میں ڈالے ہوئے وہاں پڑے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ناواقفی اور غلط فہمی عالم اسلام کے لیے بھی سخت مضر ہے، اور ہم ہندوستانی مسلمانوں کے لیے بھی بے حد نقصان دہ، بلکہ اس میں ہماری سخت توہین بھی ہے، اس لیے اس دفعہ ایک مقصد کے طور پر یہ کام بھی سامنے رہا کہ اسلامی دنیا میں مسلمانانِ ہند کا جو واقعی مقام ہے لوگ اس سے باخبر ہوں، اس سلسلے میں ہر مناسب موقع پر مندرجہ ذیل حقائق و واقعات کو اجاگر کرنے کی خاص کوشش کی گئی۔

(۱) ہندوستان میں مسلمانوں کی جتنی تعداد ہے اتنی انڈونیشیا اور پاکستان کے سوا دنیا

کے کسی اسلامی ملک میں بھی نہیں ہے۔

(۲) ہندوستان میں جتنی مسجدیں ہیں اتنی دُنیا کے کسی ملک میں بھی نہیں ہیں۔

(۳) اسی طرح مسلمانوں کی جتنی دینی تعلیم گاہیں ہندوستان میں ہیں اتنی دنیا کے کسی بھی ملک میں نہیں ہیں۔ حتیٰ کہ انڈونیشیا اور پاکستان میں بھی نہیں ہیں، پھر ان میں دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ جیسے عظیم الشان مرکزی مدارس بھی ہیں جو اپنی خصوصیات کی وجہ سے عالمی عظمت و شہرت کے مالک ہیں اور جن کی حیثیت دراصل اسلامی یونیورسٹیوں کی ہے، جن کے لاکھوں کے بجٹ ہیں۔

ان کے علاوہ ہزارہا ہزار اوسط درجے کے اور چھوٹے دینی مکاتب اور مدارس ہیں، ان کی کثرتِ تعداد کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ صرف ایک صوبہ اتر پردیش کے ایک ادارہ "دینی تعلیمی کونسل" سے جن مکاتب کا باضابطہ الحاق ہے ان کی تعداد قریباً آٹھ ہزار ہے۔

ان تمام مساجد، مدارس اور مکاتب کا سارا خرچ ہندوستانی مسلمان خود اٹھاتے ہیں حکومت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۴) ہندوستان میں مسلمانوں کے سیکڑوں تصنیفی اور اشاعتی ادارے ہیں جو اسلامیات پر تازہ بتازہ کتابیں شائع کرتے رہتے ہیں جن میں سے بہت سی کتابوں کے دُنیا کی دوسری زبانوں میں ترجمے ہوتے ہیں۔ ان اشاعتی اداروں میں "دائرۃ المعارف حیدرآباد" جیسا ادارہ بھی ہے۔ جس نے خاص کر حدیث اور اسماء الرجال کی وہ کتابیں چھاپ کر عالمِ اسلام کو دی ہیں جن کے بغیر اسلامی کتب خانہ مکمل نہیں تھا اور جو پہلے کہیں چھپی نہیں تھیں اور اس کا یہ کام اب بھی جاری ہے۔

(۵) اسی طرح ملک کی مختلف زبانوں میں مسلمانوں کے سیکڑوں اخبارات اور رسائل ہیں۔ جو مسلمانوں کی وکالت اور ترجمانی کا کام کرتے ہیں اور حکومت اور سیاسی پارٹیوں کی غلطیوں پر پوری جرأت مندی کے ساتھ تنقید کرتے ہیں۔ ملکی زبانوں کے علاوہ مسلمانوں کے چند اخبارات اور رسالے انگریزی اور عربی میں بھی نکلتے ہیں۔

(۶) ہندوستان میں تحریر و تقریر کے ذریعہ اظہارِ خیال اور تنقید و احتساب کا جو حق عام کتنا

حاصل ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ دوسرے بہت سے ملکوں کے رہنے والے ہمارے مسلمان بھائی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے اور اس حق کو ہندوستان کے مسلمان بھی اسی طرح آزادی اور جرأت سے استعمال کرتے ہیں جس طرح دوسرے فرقوں کے لوگ استعمال کرتے ہیں۔

(۷) ہندوستانی دستور نے عوام کو جو یہ حق دیا ہو کہ اگر وہ گورنمنٹ کے کسی حکم یا قانون کو غیر منصفانہ اور بنیادی حقوق کے خلاف سمجھیں تو ملک کی بڑی عدالت میں اس کو چیلنج کر سکتے ہیں — اور گورنمنٹ کے خلاف اس طرح کے دعوے عدالتوں میں دائر ہوتے رہتے ہیں۔ اس حق کے استعمال میں بھی مسلمان پوری جرأت سے کام لیتے ہیں اور دوسروں کی طرح ان کے بھی دعوے دائر ہوتے رہتے ہیں۔

(۸) یہ صحیح ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کو وہاں کے مخصوص حالات کی وجہ سے کچھ خاص پریشانیوں کا بھی سامنا ہو اور ان میں سے بعض بڑی سنگین ہیں۔ لیکن وہ ہمت اور حوصلے کے ساتھ ان مشکلات کا مقابلہ کرتے ہیں اور اُن کے اندر اس کا عزم ہے کہ وہ اللہ کی مدد سے ان مشکلات پر قابو پا سکیں گے اور اپنے مسائل حل کر سکیں گے۔ انھیں اس بارے میں خدا کی مدد کے بعد اپنی صلاحیتوں پر پورا اعتماد ہے۔

(۹) ہندوستانی مسلمان اگرچہ اپنے وسیع ملک کی مجموعی آبادی کے لحاظ سے ایک اقلیت ہیں لیکن اپنی تاریخ، خصوصیات اور صلاحیتوں کے لحاظ سے وہ اسلامی دُنیا کا ایک اہم عنصر ہیں، اور وہ ہرگز اپنے کو کسی دوسرے ملک میں بسنے والے مسلمانوں سے کمتر نہیں سمجھتے اور نہ کسی کو حق ہے کہ وہ انھیں کمتر سمجھے۔ وہ ہمیشہ عالم اسلام کا بوجھ اٹھانے میں سب کے شریک بلکہ پیش پیش رہے ہیں لیکن انھوں نے اپنا بوجھ کبھی عالم اسلام پر نہیں ڈالا۔

مکۂ معظمہ کے قیام کے آخری دنوں میں ایک اخباری نمائندہ نے رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور اس عاجز سے ہندوستان میں مسلمانوں کے حالات اور مستقبل کے بارے میں کچھ سوالات کیے تھے، ہم نے ان کے جوابات دیئے تھے۔ اس انٹرویو میں بھی یہ باتیں قریب قریب سب آگئی تھیں۔ یہاں واپسی کے بعد ایک خط سے معلوم ہوا کہ ہمارے آنے کے بعد یہ انٹرویو روزنامہ "البلاد" میں شائع ہوا تھا۔

ینۂ طیبہ کا قیام :-

رابطۂ عالم اسلامی کا اجلاس ۸۰ اکتوبر سے شروع ہو کر ۱۳ر اکتوبر کو ختم ہوا تھا، یہ عاجز
ے دوسرے ہی دن مدینۂ طیبہ روانہ ہو گیا رابطہ کی طرف سے مدینۂ منورہ میں میرے قیام کا
م وہاں کے مشہور ہوٹل "فندق التیسیر" میں کیا گیا تھا، لیکن میرا ارادہ مولینا امجد اللہ صاحب
پوری کے پاس قیام کرنے کا تھا، موصوف مصلح الامۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ قدس سرہٗ
اص مسترشدین میں سے ہیں، اس عاجز کے نزدیک ان پر اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص فضل ہے
کے بڑے حصہ میں مدینہ طیبہ میں قیام رہتا ہے اور چند مہینے ہندوستان میں، ہم طالب علموں
احت اللہ کے ایسے بندوں کے پاس قیام میں ملتی ہے وہ کہیں نہیں ملتی ـــــ لیکن
سے موٹر نے رات کو بہت دیر سے ایسے وقت مدینہ طیبہ پہونچایا جبکہ مسجد نبوی کے دروازے بھی
چکے تھے، اس لیے اس رات "فندق التیسیر" ہی میں قیام کا فیصلہ کیا، فجر سے پہلے جب مسجد نبوی کے
ے کھلنے کا وقت آیا تو مسجد شریف میں حاضری دی اور روضۃ الجنۃ میں تحیۃ المسجد پڑھ کر
وسلام کے لیے مواجہہ شریف میں حاضر ہوا اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اور جس طرح عرض کرنے
ق دی عرض کیا۔

پھر اشراق کے بعد باہر نکلا تاکہ مولانا امجد اللہ صاحب کے مکان کا پتہ چلاؤں، فکر مند تھا کہ
ہندوستانی ہی سے پتہ چل سکے گا۔ اللہ تعالیٰ نے آسانی فرمائی، مولانا حافظ عبد العزیز بخاری
دی جو چند ہی سال پہلے لکھنؤ سے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے ہیں، وہ سامنے آگئے، انھوں
ہمائی فرمائی اور پہونچادیا۔ مولانا امجد اللہ صاحب کا مکان مسجد شریف سے تقریباً ڈیڑھ سو قدم
، ایک ہفتہ موصوف کے پاس اور ان ہی کا مہمان رہا، اندازہ ہوا کہ حضرت تھانوی نور اللہ
ی معاشرتی تعلیمات و وصایا کو خوب ہی جذب کیا ہے۔ ان کی یہ خصوصیت ہے کہ ہر فریق کو بڑی
ت رہتی ہے۔ یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں پڑھنے والے اکثر
تانی طلبہ کا مولانا سے رابطہ ہے، یہ ان نوجوان طلبہ کی خوش بختی اور سعادت کی نشانی ہے۔

بیماری اور جدہ واپسی:-

میرے لیے اس دفعہ صرف چھ دن مدینہ طیبہ میں قیام کی گنجائش تھی۔ ۸ر نومبر کو جدہ سے بمبئی جانے والے سعودی ہوائی جہاز میں میری سیٹ ریزرو تھی، پروگرام یہ تھا کہ ۶ر نومبر کی صبح اشراق کے بعد مکہ معظمہ کے لیے روانہ ہو جاؤں گا اور وہاں آخری عمرہ کرکے اور ایک دن مزید قیام کرکے ۸ر نومبر کی صبح طواف وداع کرکے جدہ آجاؤں گا اور وہاں سے بمبئی کے لیے روانہ ہو جاؤں گا لیکن ۶ر نومبر کو جبکہ مسجد نبوی میں فجر کی نماز میں شریک تھا، پیٹ میں ایک خاص قسم کی تکلیف کا احساس ہوا، نماز کے بعد تکلیف میں ایک دم زیادتی ہوئی اس وقت خیال یہی تھا کہ ریاح کا احتباس ہو گیا ہے مولانا سعید احمد خاں صاحب اور بعض دوسرے احباب جنھیں یہ معلوم تھا کہ میں اس وقت روانہ ہونے والا ہوں۔ رخصت کرنے کے لیے تشریف لائے، جب ان حضرات کو میں نے اپنی تکلیف کا حال بتایا تو سب کی رائے یہ ہوئی کہ فوراً ڈاکٹر کو بلاکے کوئی دوا استعمال کر لی جائے اور سفر جب شروع کیا جائے جب تکلیف نہ رہے۔ مولانا سعید احمد خاں صاحب خود جاکر ڈاکٹر کو لے آئے۔ دوا علاج کا سلسلہ شروع ہو گیا لیکن تکلیف بجائے گھٹنے کے برابر بڑھتی رہی اور تیزی سے بڑھتی رہی۔ ۶ر نومبر کی شام کو میں نے کہا کہ چونکہ پرسوں کے ہوائی جہاز میں میری سیٹ ریزرو ہے اس لیے کل مجھے ان شاء اللہ بہرحال جانا ہے۔

ایک بہت ہی مخلص اور باتوفیق دوست حاجی محمد یوسف دہلوی جو اب سے قریباً بیس سال پہلے حجاز مقدس چلے گئے تھے۔ مدینہ طیبہ ہی رہتے ہیں، وہاں انھوں نے حال ہی میں مکان بھی بنا لیا ہے جس کے ساتھ ایک چھوٹی سی خوبصورت مسجد اور مدرسہ کی عمارت بھی بنائی ہے جس میں اپنی ہی طرف سے حفظ قرآن کا مدرسہ کھولنے کی نیت ہے۔ موصوف کے دو بڑے صاحبزادے حاجی محمد صالح اور حاجی محمد یونس مکہ معظمہ رہتے ہیں اور وہیں کاروبار ہے یہ دونوں بھائی میرے قیام ہی کے دنوں میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ مدینہ طیبہ آئے ہوئے تھے۔ جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ میں کل صبح جانے کا فیصلہ کر چکا ہوں تو انھوں نے طے کیا کہ وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔ چنانچہ ۷ر نومبر کی صبح یہ عاجز ان کے ساتھ اس طرح روانہ ہوا کہ انھوں

نے کار کی ایک پوری سیٹ میرے لیے خالی کر دی اور اصرار کے ساتھ مدینہ طیبہ سے جدہ تک برابر مجھے اس پر لٹائے رکھا۔ میرا حال یہ رہا کہ تکلیف میں کوئی تخفیف نہیں ہوئی بلکہ کچھ اضافہ ہی ہوتا رہا۔ اور ان دو دنوں میں سادہ چائے کے سوا نہ کچھ کھایا نہ پیا اس لیے قدرتی طور پر ضعف بھی اتنا ہو گیا کہ کسی طویل بیماری میں بھی اتنا ضعف یاد نہیں۔

جدہ میں نوردلی گھرانہ ہم لوگوں کا مستقل اقامت خانہ اور مہمان خانہ ہے مولانا علی میاں اس گھر کو بیت الاولیاء اور ان کی مسجد کو مسجد اولیاء کہا کرتے ہیں۔ یہ خاندان پٹن (گجرات) کا ہے۔ وہی "پٹن" جہاں کے شیخ محمد طاہر پٹنی (صاحب مجمع بحار الانوار) ہیں۔ اس گھر کے چھوٹے بڑوں کو اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں سے نوازا ہے۔ جیسے ہی میں پہونچا اور معلوم ہوا کہ میری طبیعت خراب ہے، اسی وقت ایک بڑے ڈاکٹر کو بلایا میں نے ڈاکٹر سے کہا کہ میرا یہ حال ہے اور مجھے کل روانہ ضروری ہے۔ میری سیٹ ریزرو ہے۔ ڈاکٹر نے دیکھ کر کہا کہ اس کا تو کوئی امکان نہیں ہے کہ آپ کل سفر کر سکیں اس لیے سیٹ تو اسی وقت کینسل کرا دی جائے۔ آپ کا مرض معمولی نہیں ہے، سنگین ہے، پتہ میں ورم آگیا ہے جس سے اس کا سوراخ بند ہو گیا ہے۔ کم سے کم ایک ہفتہ کے بعد آپ سفر کے قابل ہوں گے چنانچہ سیٹ کینسل کرا دینی پڑی۔ اگرچہ علاج سے کچھ تخفیف اگلے ہی دن سے شروع ہو گئی لیکن میں مکہ معظمہ جانے کے قابل بھی چار پانچ دن کے بعد ہو سکا۔

مولانا علی میاں میرے جدہ آجانے کے بعد مدینہ طیبہ گئے اور طے یہ ہوا کہ وہ ۱۵ / نومبر سے پہلے ہی جدہ واپس آجائیں گے اور پھر ساتھ ہی ۱۵ کے ہوائی جہاز سے بمبئی چلیں گے۔ چار پانچ دن کے بعد جب میں مکہ معظمہ جانے کے قابل ہو گیا تو وہاں چلا گیا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ جس وقت میں جدہ سے مکہ معظمہ کے لیے روانہ ہوا ہوں تو میرے احساس ضعف کا یہ حال تھا کہ دس قدم چلنا بھی مشکل معلوم ہوتا تھا اور مجھے عمرہ کا احرام باندھ کر جانا اور مکہ معظمہ پہونچ کر عمرہ کرنا تھا، مجھے فکر تھی کہ میں وہاں پہونچ کر طواف اور سعی کس طرح کر سکوں گا [illegible]

آئی تو انائی محسوس کی کہ عمرہ کے لیے چل کر [illegible]

کرلوں گا سعی گاڑی پر کرسکوں گا لیکن طواف کے بعد اپنے اندر سعی کی بھی ہمت پائی، پھر الحمدللہ صفا مروہ کے ساتوں پھیرے خود ہی کر لیے۔ مجھے خود حیرت ہوئی کہ اتنے تھوڑے سے وقت میں صحت و توانائی میں اتنی ترقی کیسے ہوگئی، واقفین نے بتایا کہ مکہ معظمہ کی آب و ہوا اتنی ہی صحت بخش ہے۔ بہرحال اس عاجز نے خود اس کا تجربہ کیا۔

ریاض کا سفر

مولانا علی میاں ۱۴ر نومبر کو مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ واپس آگئے، ۱۵ر نومبر کی صبح طواف وداع کرکے جدہ کے لئے روانگی کا ہم دونوں کا پروگرام تھا اور جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے ۱۵ ہی کے سعودی طیارہ میں ممبئی کے لئے ہماری سیٹیں رزرو تھیں ـــــــ ۱۴ر کی شب میں رابطہ کے جنرل سکریٹری شیخ محمد سرور الصبان کا مولانا علی میاں کو پیغام ملا کہ مجھے کل صبح آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے ـــــــ موصوف کا نیا مکان جس میں آج کل رہائش ہے جدہ کے راستہ ہی میں ہے، طے کیا کہ صبح جدہ جاتے ہوئے موصوف سے ملاقات کرتے ہوئے جائیں گے ـــــــ چنانچہ ۱۵ر کی صبح کو طواف وداع کرکے جدہ کے لئے روانہ ہوگئے، راستہ میں شیخ محمد سرور الصبان سے ملاقات کی، انھوں نے فرمایا کہ رابطہ کی مجلس تاسیسی نے جو تجاویز اس اجلاس میں پاس کی ہیں، ان میں سے فلاں اہم تجویز کا تعلق حکومت کی وزارت اعلام سے ہے اور اس کے سلسلہ میں ایک وفد کا وزیر اعلام سے ملنا بھی طے ہوا تھا، امید تھی کہ وہ اس ہفتہ جدہ آئیں گے، اور یہیں ان سے وفد گفتگو کرلے گا، لیکن وہ نہیں آسکے۔ میں نے ٹیلیفون پر ان سے بات کی تھی، طے یہ ہوا ہے کہ وفد ان سے ریاض ہی میں ملاقات کرلے، اور اس وفد میں آپ حضرات کا ہونا ضروری ہے، اسلیے آج روانگی ملتوی کر دیجئے۔ وزیر اعلام سے میں نے شنبہ کے دن (نومبر) کو وفد کی ملاقات طے کی ہے، اسی دن صبح آپ وفد کے ساتھ ریاض تشریف لے چلیں اور وہاں سے جو پہلا ہوائی جہاز ملے اس سے ہندوستان تشریف لے جائیں ـــــــ

مقصد کی اہمیت اور ضرورت کا لحاظ رکھتے ہوئے ہمیں یہی طے کرلینا پڑا، اس طرح مکہ معظمہ میں ۳ دن کا قیام اور بڑھ گیا ـــــــ یہ ۱۵ر نومبر بدھ کا دن تھا ہم لوگ

اس وقت تو جدہ ہی چلے گئے، رات کو پھر مکہ معظمہ واپس آگئے۔ اگلے دن جمعرات تھی، اور شعبان کی ۱۴ر تاریخ تھی، ہمیں معلوم نہیں تھا کہ شعبان کی پندرھویں شب (شب برات) کو لوگ دور دور سے عمرہ کرنے کے لئے اور وہ رات حرم شریف میں گزارنے کے لئے اتنی کثرت سے آتے ہیں، مغرب ہی کے وقت حرم شریف بالکل ایام حج کی طرح بھر چکا تھا اور رات بھر یہی حال رہا، بلکہ آنے والے آخر شب تک بوٹروں سے آتے رہے، بالکل ایام حج کا سا سماں رہا، شاید اس میں شب برات اور شب جمعہ کے مل جانے کو بھی دخل ہو۔

مکہ معظمہ کا قدیمی قبرستان جنۃ المعلیٰ جو اس اُمت کی پہلی مومنہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے لیکر ہمارے اس دَور تک کے لاکھوں کروڑوں مغفور و مقبول بندوں اور بندیوں کو اپنے آغوش میں لئے ہوئے ہے، اُس کی زیارت اس سے پہلی حاضریوں میں بھی نصیب ہوئی تھی ——— اس دفعہ ۱۴ر شعبان والی اسی جمعرات کو محب مکرم قاری محمد سلیمان صاحب کی معیت اور رہنمائی میں وہاں پھر حاضری ہوئی اور وہاں کی قبور کی نوعیت اور دفن کے نظام کو پہلی مرتبہ اسی دفعہ اچھی طرح سمجھا اور جانا۔ وہاں کے عام مدفونین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تلقین فرمایا ہوا عمومی سلام اور اسی کے ساتھ ان کے لئے اور اپنے لئے مغفرت کی ماثور دعا کے علاوہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور اپنے شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ اور ان کے پہلو میں مدفون مخلص دوست محمد ارشد شہید مرحوم اور حضرت حاجی صاحبؒ کے ایک خلیفہ حضرت حاجی محمد شفیع بجنوری رحمۃ اللہ علیہ کی قبور پر فاتحہ خوانی کی اور ان کے اور اپنے لئے کچھ خاص دعائیں بھی کیں ——— ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی آرام گاہ پر دیر تک حاضری رہی اور ابتدائی دور نبوت میں ان کی ناقابل فراموش وفادارانہ خدمت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے کاموں میں اُن کی رفاقت اور غمخواری کے واقعات یاد آتے رہے۔

جنۃ المعلیٰ سے واپسی پر مغرب کی نماز حرم شریف میں پڑھی، اگلے دن جمعہ تھا اور

مکہ معظمہ کے قیام کا آخری دن تھا، پورے دن حرم شریف ہی میں قیام کا میرا ارادہ تھا اور اسی نیت سے میں فجر سے پہلے حرم شریف آ گیا، مگر نماز جمعہ سے قریباً ایک گھنٹہ پہلے مولانا علی میاں تشریف لائے اور بتایا کہ ابھی شیخ صالح قزاز صاحب نے کہا ہے کہ کل وزیر اعلام سے گفتگو کرنے کے لئے ریاض جانے کے واسطے پہلے یہ سوچا گیا تھا کہ کل ہی صبح جدہ سے ریاض کے لئے پرواز کرنے والے پہلے طیارہ سے چلا جائے گا، لیکن چونکہ اس میں یہ خطرہ ہے کہ اگر وہ طیارہ ذرا بھی لیٹ ہو گیا تو آپ لوگ مقررہ وقت تک ریاض نہیں پہنچ سکیں گے اسلئے یہ مناسب سمجھا گیا ہے کہ وفد آج ہی شام کے طیارہ سے ریاض روانہ ہو جائے۔ اس لئے نماز جمعہ پڑھ کر اسی وقت جدہ چلنا ہے۔ چنانچہ یہی طے کر لیا گیا اور طواف وداع نماز جمعہ سے پہلے ہی کر لیا گیا اور نماز پڑھ کر جدہ روانہ ہو گئے۔

وفد میں ہم دونوں کے علاوہ شیخ محمود الصواف بھی تھے جو رابطہ کے اہم ارکان میں سے ہیں اور وزارت تعلیم میں مستشار ہیں۔ امین عام شیخ محمد سرور الصبان پہلے جا چکے تھے ___ مغرب سے کچھ پہلے جدہ روانگی ہوئی اور قریباً ڈیڑھ گھنٹے میں ریاض کے ہوائی اڈے پر اتر گئے اور اس ہوٹل میں پہنچا دیئے گئے جس میں قیام کرنا تھا مغرب اور اسی کے ساتھ عشاء ہوٹل پہنچ کر ادا کی۔

یہاں کے ہوٹل بھی امریکہ اور یورپ کے معیار کے ہیں، مگر یہ دیکھکر خوشی ہوئی کہ چائے اور کھانا وغیرہ پہنچانے والے اور کمروں کی صفائی کرنے والے ادنیٰ ملازمین بھی یا ان میں سے اکثر نماز کے پابند ہیں۔ ہم لوگ جب کمرے سے باہر جماعت سے نماز پڑھتے تو ان میں سے بہت سے جماعت میں شریک ہو جاتے۔

شنبہ کی صبح وزیر اعلام سے ملاقات کی اور رابطہ کی تجویز کے سلسلہ میں گفتگو کے بعد ایک لائحہ عمل طے ہو گیا، اور ہم اپنے کام سے فارغ ہو گئے۔ لیکن ہندوستان آنے کے لئے پہلا ہوائی جہاز ہمیں اگلے دن اتوار کی رات میں ظہران سے مل سکتا تھا۔ اسی میں ہماری سیٹیں ریزرو کرائی گئی تھیں اسلئے طے کیا کہ آج قیام یہیں رہے گا اور کل صبح ظہران چلیں گے۔

راقم سطور کو اس سے پہلے کبھی ریاض آنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ یہ مملکت سعودیہ عربیہ کا دارالسلطنت

ہے۔ اب یہ جدید طرز کا ایک شہر ہے، کہیں کہیں پرانے قسم کے کچے مکانات بھی نظر آجاتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ پہلے یہ کیا تھا۔ یہاں کے لوگوں میں اسلامیت اور عربیت کچھ زیادہ محسوس ہوئی، معلوم ہوا کہ ترکِ نماز کا رواج بالکل نہیں ہے۔

شام کو مولانا علی میاں نے استاذ محمود الصوّاف سے کہا کہ کسی وقت مفتیٔ اکبر شیخ محمد ابن ابراہیم کے ہاں چلیں، یہ مناسب نہ ہوگا کہ ریاض آئیں اور مفتی صاحب سے ملاقات کئے بغیر چلے جائیں۔ طے ہوا کہ مغرب اور عشاء کے درمیان چلیں گے وہی وقت زیادہ مناسب ہے، جب وہاں جانے کے لئے کار میں سوار ہونے لگے تو صوّاف صاحب نے کہا کہ ہم لوگوں کا یہاں ریاض آنا جلالۃ الملک کے علم میں ضرور آئے گا، کل ہی اخبارات وزیر اعلام سے وفد کی ملاقات کی خبر چھاپ دیں گے۔ ملک کو افسوس ہوگا کہ ہم لوگ ریاض آئے اور ان سے ملے بھی نہیں اس لئے ان سے بھی مل لینا چاہئے۔ ہم لوگوں نے ان کی اس رائے سے اتفاق کر لیا۔ انھوں نے کہا ملک سے ملنے کے لئے یہی وقت مناسب ہے، پھر اُن کے کھانے کا وقت ہو جائے گا اس لئے مفتی صاحب سے پہلے ان سے مل لیا جائے۔ صوّاف صاحب نے ڈرائیور کو بتا دیا اور وہ راستہ بدل کر شاہی محل کی طرف چل دیا۔

مجھے اس پر تعجب تھا کہ "جلالۃ الملک" سے ملاقات کے لئے پہلے سے وقت مقرر کرنے بلکہ ان کو اطلاع تک دینے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، صواف صاحب نے بتایا کہ لوگ ان سے اسی طرح ملتے رہتے ہیں، اس معاملے میں وہ بہت ہی بے تکلف اور عوامی آدمی ہیں، ہم لوگ شاہی محل ایسے وقت پہنچے کہ ملک کھانے کے لئے اٹھ چکے تھے۔ معلوم ہوا کہ ان کے کھانے میں چند ہی منٹ صرف ہوتے ہیں ابھی تشریف لے آئیں گے۔ چنانچہ دس پندرہ ہی منٹ کے بعد تشریف لے آئے، بڑے تپاک سے ملے، اور اس ملاقات پر خوشی بلکہ ممنونیت کا اظہار کیا۔ دیر تک عرب ممالک، مسلمانانِ عالم اور اقوامِ عالم کے بارے میں گفتگو فرماتے رہے، انگریزوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ تمام یورپین قوموں میں انکا حال پہلے بہتر تھا اب کے طویل مدت کے بعد میرا جانا ہوا تو میں نے دیکھا کہ اخلاقی بگاڑ بہت زیادہ آگیا ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں میں تمیز کرنا مشکل ہے۔ یہ چیز قوموں کو بالکل بے جان کر دیتی ہے۔

عربوں اور مسلمانوں کے بارے میں کہا کہ ان کی کمزوری کا بنیادی سبب بھی اخلاق اور کردار کی خرابی ہے اور ہمارے لئے انابت الی اللہ، اعتصام بحبل اللہ اور تمسک بکتاب اللہ وسنۃ رسولہ کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اپنے اس احساس کا بھی بڑی صفائی سے اظہار فرمایا کہ غیر عرب ملکوں کا دورہ کر کے میں نے محسوس کیا کہ وہاں کے مسلمانوں کو اسلام کے ساتھ ہم عربوں کی بہ نسبت زیادہ تعلق ہے۔ تقریباً آدھا گھنٹہ یہ صحبت جاری رہی۔ وہاں کے معمول کے مطابق چائے اور قہوہ کا دور بھی چلتا رہا۔ جب عشاء کی اذان کی آواز کانوں میں آئی تو ہم لوگ رخصت ہوئے۔ باہر نکل کے محل ہی کی مسجد میں نماز پڑھی۔ حالانکہ شاہی محل کی مسجد تھی لیکن بہت سادہ، زیب و زینت کے سامانوں سے بالکل خالی۔ فرش بھی معمولی بس دریوں کا تھا۔ اندازہ ہوا کہ محل سے تعلق رکھنے والے سارے ہی لوگ پہرہ دار سپاہی تک جماعت میں شریک ہوئے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ محل میں بھی جماعت ہوتی ہے اور ملک اکثر وہیں پڑھتے ہیں۔

جدہ کا شاہی محل اس سے پہلے دیکھا تھا۔ وہ زینت و آرائش کے سامانوں سے بہت زیادہ مزین ہے، سنا تھا کہ ریاض کا شاہی محل اس سے بھی زیادہ شاندار اور آراستہ ہے، لیکن وہ کوئی اور محل ہوگا۔ جہاں ہم لوگوں نے ملک سے ملاقات کی اور جس کے بارے میں معلوم ہوا کہ یہی ان کی قیام گاہ ہے اس کو تو ہم نے جدہ کے شاہی محل کے مقابلہ میں بہت سادہ اور معمولی پایا۔

اگلے دن صبح ہم لوگ پروگرام کے مطابق ریاض سے ظہران آگئے۔ یہاں کے تبلیغی احباب کو کسی ذریعہ سے اطلاع مل گئی تھی۔ وہ ہوائی اڈے پر آگئے تھے۔ ان مخلص دوستوں کا یہاں اچھا خاصا حلقہ ہے۔ دوپہر کا کھانا الخبر میں بھائی عبدالرؤف کے ہاں کھایا۔ مغرب کی نماز کے بعد عربوں کے حلقہ میں مولانا علی میاں نے تقریر فرمائی اور اردو بولنے سمجھنے والوں سے اس عاجز نے کچھ بات چیت کی۔ مولانا علی میاں کی تقریر سننے کے بعد عرب حضرات نے بے حد اصرار کیا کہ ہم لوگ دو چار دن قیام کریں تاکہ یہ باتیں زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچ سکیں لیکن پروگرام میں بالکل گنجائش

نہیں تھی۔ اسی رات میں آنے والے امریکی طیارہ میں ہم لوگوں کے لئے سیٹیں رزرو تھیں۔ اس طیارہ کے ظہران پہنچنے کا وقت ہندوستانی ٹائم کے حساب سے رات کے ۲ بجے کے بعد کا تھا۔ الغرض سے قریباً ۱۱ بجے ظہران کے ہوائی اڈے پر آگئے، طیارہ آجانے پر دوستوں نے خدا حافظ کہا اور ہم بمبئی کے لئے روانہ ہوگئے، قریباً سوا دو گھنٹے میں اس نے بمبئی پہنچا دیا۔ بمبئی کے دوستوں کو تار سے اطلاع دیدی گئی تھی، حاجی اسماعیل ہاشم صاحب، حاجی علاؤ الدین صاحب، حاجی ریاست علی صاحب صوفی عبدالرحمن صاحب ہوائی اڈے پر آگئے تھے، کسٹم وغیرہ کے مراحل سے فارغ ہوکر فجر کی نماز کھوکھا بازار کی مسجد میں ادا کی۔ اشراق کے بعد ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہوکر مصلح الامہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب (قدس سرہ) کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہ عاجز رات کو بعد نماز عشاء دوبارہ حاضر ہوا اور حضرت کے رفقا کے لئے "آپ حج کیسے کریں" اور "آسان حج" کے کچھ نسخے خدمت میں پیش کئے، حضرت نے دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا اور دعا کے لئے ارشاد فرمایا۔ کیا معلوم تھا کہ حضرت کی یہ آخری زیارت اور آخری ملاقات ہے۔

اگلے دن علی الصبح پروگرام کے مطابق دہلی روانگی ہوگئی۔ اور ۲۳ کی صبح کے جہاز نے الحمدللہ بخیر و عافیت لکھنؤ پہنچا دیا۔

اگلے صفحہ پر رابطہ عالم اسلامی کی تجاویز درج کی جارہی ہیں۔ یہ اس سے پہلے ندائے ملت میں بھی شائع ہوچکی ہیں۔

اسرائیلی جارحیت پر رابطہ عالم اسلامی کی مجلس تاسیسی کا بیان اور دوسری تجاویز اور کارروائیاں

[مجلس کی کارروائیوں میں سب سے پہلے ایک مفصل بیان منظور کیا گیا جو حسب ذیل ہے۔]

"رابطۂ عالم اسلامی کی مجلس تاسیسی محسوس کرتی ہے کہ آج کے سخت حالات میں مسلمان ہمیشہ سے زیادہ باہمی اتفاق اپنی منتشر طاقتوں کے اتحاد اللہ کی طرف رجوع اپنے تمام معاملات میں اس کے دھیان اور اس کی عالی ذات پر گہرے اعتماد اور یقین کے محتاج ہیں۔

مجلس تاسیسی کا خیال ہے کہ موجودہ المیہ حقیقت میں نتیجہ ہے دین حنیف کی تعلیمات سے مسلمانوں کے اعراض، اس کے احکام کی پیروی میں کوتاہی، اس کے پسندیدہ اخلاق سے روگردانی، منکرات کے عموم، لذت پرستی اور نمود و نمائش میں انہماک، اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کرنے والے علانیہ افعال و اقوال' اور ان تمام باتوں کا جو امت سے میدان میں جمنے کی صلاحیت، اُصولوں میں پختگی کی طاقت، اپنی عزت، عقائد اور حق کے لیے مصائب برداشت کرنے کا حوصلہ سلب کرلیتی ہیں، حتیٰ کہ وہ اللہ کی نصرت سے محروم ہو کر خذلان کا شکار ہو جاتی ہے۔

صیہونی خطرہ کی وسعت مجلس نے صیہونی خطرہ کی وسعت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ:۔

اس المیہ نے صیہونی سازش کی وسعت اور اس کے ان دور رس مقاصد کو بالکل کھول

دیا ہے جو تنہا سرزمین فلسطین پر غاصبانہ قبضہ کی تکمیل سے ختم نہیں ہو جاتے بلکہ ان کا نشانہ اسلام اور مسلمان ہیں اور منتہائے مقصود اس دین کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ ڈالنا ہے اور سازش کے پس پشت کئی وہ بین الاقوامی طاقتیں کام کر رہی ہیں جو اسلام سے کد رکھتی ہیں اور مسلمانوں کو غلام بنا کر ان کے ملک اور ان کی دولتوں پر قبضہ جمانے کی خواہاں ہیں۔

چنگاری شعلہ بن چکی ہے یہ وسیع سازش مسلمانوں کے اہل نظر پر مخفی نہیں تھی اور اس کی چنگاریوں کو شعلہ بننے سے پیشتر بہت تھوڑی کوششوں کے ذریعہ سرد کیا جا سکتا تھا۔ لیکن مسلسل بے عملی اور پست ہمتی نے اس کو اس قدر بڑھ جانے کا موقع دیا کہ اب اسے زبردست کوششوں کے بغیر قابو میں نہیں کیا جا سکتا۔

بیان میں صیہونی خطرہ کے مزید امکانات سے مسلمانوں کو صفائی کے ساتھ آگاہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:۔

حالیہ سانحہ میں وطن اسلامی کے ایک حصہ کو جو کچھ پیش آیا ہے اور دشمن نے بیت المقدس کے اسلامی مقدسات کے ساتھ جو کچھ کیا ہے۔ اس سے مسلمانانِ عالم کو آگاہ ہونا چاہیے کہ یہی سب کچھ دوسرے بلاد اسلامیہ میں پیش آ سکتا ہے۔ اور بیت المقدس سے زیادہ اہم مقدسات اسلامی کا بھی خدا نہ کرے یہی انجام ہو سکتا ہے۔ دشمن نے یہ بات چھپا کر بھی نہیں رکھی ہے بلکہ ہر مناسب موقع پر اس کے بڑوں نے اظہار کیا ہے کہ ایک لمبے منصوبے کے تحت یہ سب کچھ ان کے مقاصد میں ہے۔

یہ حوصلے کیوں کر؟ بیان میں کہا گیا ہے کہ اسرائیلی خطرہ کو اس حد تک پہونچانے میں جس چیز کا سب سے بڑا ہاتھ ہے وہ یہ ہے کہ عام طور پر سب ہی عرب حکومتیں اور خاص طور پر وہ جو اسرائیل کے ارد گرد واقع ہیں۔ اس خطرہ کے علی الرغم آپس کے اختلافات میں الجھی رہیں جس نے ان کی قوت اور دشمن کے مقابلہ کی طاقت کمزور ہوتی رہی۔ پھر عربوں کے ان اختلافات کو بین الاقوامی طاقتوں نے اور بڑھایا جن کا واحد مقصد یہ تھا کہ عرب پارہ پارہ ہو جائیں اور اپنے دین، وطن، ماضی کی عظیم وراثت کو چیلنج کرنے والے خطرات کی کوئی فکر نہ کر سکیں۔

مجلس نے اس سیاق میں تمام مسلم حکومتوں اور قوموں کو آگاہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر مسلمان اپنی موجودہ غفلت پست ہمتی، اختلافات اور لاپروائی کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتے ہیں اور اس عظیم خطرہ کے مقابلہ میں بس دیسے طریقے اختیار کرنا پسند کرتے ہیں جنھیں اب تک آزماتے رہے ہیں تو انھیں کل آج سے زیادہ بدتر واقعات کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

الجہاد

مجلس نے اس موقع پر فرضیتِ جہاد کا اعلان کرتے ہوئے کہا ہے کہ بیت المقدس اور دوسرے تمام علاقوں کا مسئلہ جو اسرائیل کے قبضے میں آگئے ہیں، ایک اسلامی مسئلہ ہے اور ان کی آزادی کے لیے جہاد بلا کسی تخصیص کے دنیا بھر کے مسلمانوں کا فریضہ ہے عینی فریضہ!۔ اور مجلس اعلان کرتی ہے کہ عالم اسلامی نہ تو مقدسات اسلامیہ کے غصب کیے جانے اور ان کی بے حرمتی کیے جانے کا خاموشی سے تماشہ دیکھے گا۔ اور نہ کسی ایسے سمجھوتے کو منظور کرے گا جس میں بیت المقدس کو سابقہ حالات پر واپس کیے جانے کی بات نہ ہو۔ مجلس کو یقین ہے کہ مسلمان اپنے عقیدہ و ایمان کی اس جنگ کو اس وقت تک لڑتے رہنے کی طاقت رکھتے ہیں جب تک اللہ کے حکم سے وہ بامراد ہوں۔

بیان میں کہا گیا ہے کہ فرضیتِ جہاد کی روشنی میں تمام مسلم حکومتوں اور قوموں پر واجب ہے کہ وہ کامل یک جہتی اور اتحاد کی شان سے میدان میں آجائیں۔ اللہ کا کلمہ بلند کرنے اور اسلام کی مقدس سرزمین کو دشمنوں سے پاک کرنے کے لیے جان اور مال کی بازی لگائیں اور خدا کے اس انعام و اکرام کو اس جاں سپاری کی سب سے بڑی قیمت سمجھیں جس کا وعدہ شہداء اسلام سے کیا گیا ہے۔

مجلس کے بیان میں مزید کہا گیا ہے کہ:-

وسیع تر تیاری

اسلامی مملکتوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے باشندوں کو صحیح اسلامی تربیت سے آراستہ کریں، ان میں جہاد اور قربانی کی روح پھیلائیں عیش پسندی و اخلاقی بے راہ روی کا سد باب کریں۔ سادہ اور سنجیدہ زندگی کو لازم قرار دیں، عسکری تربیت کے قابل افراد پر بلا استثناء یہ تربیت فرض کی جائے۔ صحافت اور ادب کو صحیح اسلامی رہنمائی دی جائے۔ نظام تعلیم کو ملحدانہ افکار کی آمیزش سے پاک کرکے اس سانچے میں ڈھالا

جائے جس سے صحتمند اور صاحب ایمان نسلیں تیار ہوں۔ اس سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ:۔
موجودہ المیہ مسلم حکومتوں کے لیے ضروری قرار دیتا ہے کہ وہ آرائش و زیبائش کے حکم میں آنے والی اسکیموں کو بند کر دیں۔ اور زیادہ سے زیادہ روپیہ حربی تیاری پر صرف کریں۔

اتحاد اسلامی

مجلس نے اس موقع پر اپنی "تضامن اسلامی" (اتحاد اسلامی) کی تجویز کا بھی اعادہ کیا ہے اس سلسلے میں کہا گیا ہے کہ اس المیہ کے بعد تضامن اسلامی کی اہمیت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہ گئی۔ اس اتحاد کو بروئے کار نہ لاکر دراصل ہم نے خود کو اپنے سب سے کارگر ہتھیار سے محروم رکھا۔ چنانچہ مجلس کی رائے ہے کہ ہم اپنی کمزوری کے اسباب سے صرف ایک ایسے باہمی اتحاد ہی کے ذریعہ عہدہ برآ ہو سکتے ہیں جس کی بنیاد کتاب و سنت پر ہو۔ اور آج مسلمان قوموں اور حکمرانوں کا سب سے بڑا فریضہ یہی ہے کہ وہ جلد سے جلد اس اتحاد اسلامی کو بروئے کار لانے کی جدوجہد کریں۔

دوسری تجاویز اور کارروائیاں

رابطہ کی مجلس تاسیسی نے جو مختلف تجویزیں منظور کی ہیں ان میں سب سے اہم تجویز یہ ہے کہ:۔

"مجلس تاسیسی تمام اسلامی حکومتوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اسرائیل کے مکمل بائیکاٹ کی پالیسی پر گامزن ہوں۔ باہمی مشاورت سے ایسے اقدامات بروئے کار لائیں جن سے یہ بائیکاٹ موثر اور مثبت ہتھیار بن سکے۔ جن اسلامی حکومتوں نے کسی شکل میں اسرائیل کو تسلیم کر رکھا ہے مجلس ان سے اپیل کرتی ہے کہ اب جبکہ اسرائیل تمام عالم اسلام سے برسرِ پیکار ہو چکا ہے، مقدسات اسلامیہ پر قبضہ کر کے ان کی حرمت و تقدیس کا خون اس کے ہاتھوں ہو رہا ہے۔ وہ بلا کسی تاخیر کے اسرائیل سے اپنے تعلقات ختم کریں۔ اسی طرح مجلس عالم اسلام کی عوامی جماعتوں کا بھی فرض سمجھتی ہے کہ وہ اسرائیل کے مقاطعہ کی آواز بلند کریں۔ نہ صرف اسرائیل کے مقاطعہ کی بلکہ اس کے تمام اعوان و انصار کے مقاطعہ کی بھی جو کسی بھی شکل میں اس کے حامی و مددگار ہوں۔"

مسلم حکمرانوں کے نام رابطہ عالم اسلامی کے برقیے

رابطہ کی مجلس تاسیسی نے دنیا بھر کی مسلم حکومتوں کے سربراہوں کے نام فرداً فرداً بھی برقیے ارسال کیے ہیں۔

ایک برقیے میں مجلس نے اسرائیلی جارحیت سے متعلق اپنی اس مفصل قرارداد کا حوالہ دیتے ہوئے جو ایک بیان کی شکل میں منظور کی گئی ہے، مسلم ارباب حکومت سے کہا ہے کہ وہ بیت المقدس کی بازیابی کی جدوجہد کو اپنا دینی فریضہ سمجھیں اور اسے بین الاقوامی شہر قرار دیئے جانے یا یہودیوں کے ہاتھ میں چھوڑ دیے جانے کی کسی تجویز کو قابل اعتنا نہ سمجھیں، کیونکہ ان دونوں ہی صورتوں میں بیت المقدس دارالاسلام سے کٹ کر اپنی اسلامی رنگت کھو بیٹھے گا۔

دوسرے برقیہ میں مسلم حکام کو اسرائیل کی اس شرانگیز تجویز کے خلاف آگاہی دی گئی ہے کہ فلسطین کے ایک حصہ میں فلسطین عربوں کی ایک جداگانہ ریاست قائم کر دی جائے۔ برقیہ میں کہا گیا ہے کہ یہ فلسطین کے قبضہ کو من مانے طریقہ پر ختم کرنے کے لیے اسرائیل اور اس کے پشت پناہوں کی ایک پر فریب چال ہے۔

برقیہ میں کہا گیا ہے کہ اس تجویز کا واحد مقصد فلسطینی عربوں کو ایک گھیرے میں ڈال کر باقی عربوں سے کاٹ دینا ہے۔ کیونکہ یہ ریاست جس نقشے پر وجود میں آئے گی اس کے مطابق وہ قدرتی طور سے اسرائیل کی ایک ماتحت ریاست ہو گی اور اس کے بعد عربی اور اسلامی دنیا کو ان کی مدد کرنے کا کوئی راستہ نہیں رہ جائے گا۔

فلسطین کے مسئلہ پر عالم اسلامی کے شعور کو بیدار کرنے کی مہم کا فیصلہ

مجلس نے ایک دوسری تجویز میں بھی فیصلہ کیا ہے کہ ارکان مجلس کے ذریعہ نیز رابطہ عالم اسلامی سے تعلق رکھنے والی جو تنظیمیں اور ادارے مختلف جگہوں پر کام کر رہے ہیں اور حسب ضرورت وفود کے ذریعہ اسلامی ملکوں میں ایک وسیع جدوجہد شروع کی جائے تاکہ مسئلہ فلسطین پر مجلس کا جاری کردہ بیان کی وسیع پیمانہ پر نشر و اشاعت ہو سکے نیز مسلمانان عالم کو صیہونی خطرہ کی پوری اہمیت اور اسکے مقابلہ میں انکے فرائض سے زیادہ سے زیادہ آگاہی ہو سکے۔ یہ وفود ممالک اسلامیہ میں ہر سطح پر لوگوں سے ملاقات کرینگے تاکہ مجلس کے بیان کے مقاصد کی تکمیل کیلیے تمام طبقوں کا زیادہ سے زیادہ تعاون حاصل ہو سکے — مجلس نے اس سلسلہ میں اپنے سکریٹریٹ کو خاص طور سے ہدایت کی ہے کہ اس تجویز کو بروئے کار لانے پر اپنے تمام وسائل مرکوز کر دیے جائیں۔ خاص طور سے موسم حج سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے۔

مولانا سندھی کا سفر روس و ترکی

(ظفر حسن ایبک کی "آپ بیتی" سے اخذ و تلخیص)

(ع - س)

خلیفۃ المسلمین سلطان روم (ترکی) نے جب ۱۹۱۴ء کی جنگ میں انگریزوں کے خلاف شریک ہونے پر دنیا بھر کے مسلمانوں کو اس جہاد میں حصہ لینے کے لئے پکارا تو انگریزی حکومت میں رہنے والے پنجاب کے کچھ منچلے نوجوانوں نے جو لاہور میں ایم اے اور بی اے کی تعلیم حاصل کر رہے تھے، اپنی تعلیم کو ترک دینے اور وطن کو خیرباد کہہ کر جہاد میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔ دریائے راوی کی لہروں میں کشتی پر رازداری کا حلف اٹھایا اور اس حلف سے ایک ماہ بعد ۵ فروری ۱۹۱۵ء کو افغانستان ہوتے ہوئے ترکی پہنچنے کے ارادہ سے انھوں نے لاہور چھوڑ دیا۔

ان نوجوانوں میں سے ایک کا نام تھا ظفر حسن، جو اب ظفر حسن ایبک کے نام سے ترکی ہی کے باشندے ہیں۔

ان نوجوانوں کے افغانستان کی حکومت سے جو توقع کی تھی وہ سراب ثابت ہوئی انھوں نے سمجھا تھا کہ انھیں وہاں سے ترکی پہنچنے میں مدد مل سکے گی۔ لیکن وہاں انگریز پرستی اور منافقت کا وہ دور دورہ تھا کہ صرف افغانستان میں قدم رکھنے کے بعد جب افسران کو ان کا مقصد سفر معلوم ہوا تو یہ لفظاً "مہمان شاہی" قرار دے کر عملاً نظر بند کر دیئے گئے۔ یہ نظر بندی کسی نہ کسی درجہ میں ۱۹۱۹ء میں والی افغانستان امیر حبیب اللہ خاں کے قتل تک جاری رہی۔

ان لوگوں کی خوش قسمتی سے چند ہی مہینے بعد (۵ر اکتوبر ۱۹۱۵ء کو) حضرت مولانا

عبیداللہ سندھی مرحوم بھی کابل پہنچ گئے۔ مولانا سندھی حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کے تاریخی مشن پر کابل تشریف لے گئے تھے۔ مولانا سندھی کے پہنچنے پر ان لوگوں کی نگرانی کچھ ہلکی ہوئی، اور ان سب کو آپ ہی کے ساتھ رہنے کی اجازت مل گئی۔

ان سب میں شاید ظفر حسن ہی نے سب سے زیادہ مولانا سندھی کی قدر و قیمت پہچانی اور انھیں اپنا استاذ و مربی قرار دے کر اپنی ذات کو بالکلیہ اُن سے وابستہ کر دیا۔ افغانستان میں سات سال ان کے ساتھ رہے، پھر روس گئے، اور روس سے جب مولانا سندھی ترکی منتقل ہو گئے تو کچھ دن بعد یہ بھی وہیں پہنچ گئے۔ مولانا سندھی اب اس دنیا میں نہیں ہیں نہ انھوں نے اپنی سرگزشت لکھی۔ لیکن ظفر حسن ایبک نے اپنی "آپ بیتی" کے عنوان سے دراصل مولانا سندھی کی سرگزشت قلمبند کر دی ہے۔ اس آپ بیتی کا حصّہ اوّل ۱۹۶۴ء میں لاہور سے شائع ہوا تھا جس کی تلخیص الفرقان بابت ماہ اپریل ۱۹۶۵ء (ذی قعدہ و ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ) میں شائع ہو چکی ہے۔ دوسرا حصہ ۱۹۶۶ء میں لاہور ہی سے شائع ہوا ہے۔ ذیل میں اُس کی تلخیص پیش کی جا رہی ہے۔

کابل چھوڑنے کے اسباب

مولانا سندھی ۱۵ر اکتوبر ۱۹۱۵ء سے ۱۵ر اکتوبر ۱۹۲۲ء تک کابل میں رہے، ان کا مقصد سفر یہ تھا کہ افغانستان کو ہندوستان کی انگریزی سلطنت کے خلاف ایسے وقت میں کھڑا کر کے، جب کہ انگریز ترکی اور جرمنی سے جنگ میں اُلجھے ہوئے ہیں، ہندوستان کی تحریک آزادی کے لئے کامیابی کے امکانات پیدا کئے جائیں۔ لیکن افغانستان کے اس وقت کے حالات میں کسی ایسی کوشش کی کامیابی کے بالکل امکانات نہیں تھے۔ کیونکہ ٹھیک یہی وہ وقت تھا جب والیٔ افغانستان امیر حبیب اللہ خاں فرض شناسی اور کارکردگی کی زندگی چھوڑ کر عیش و عشرت میں مبتلا ہو چکے تھے۔ ۱۹۱۹ء میں امیر حبیب اللہ خاں کے قتل کر دیئے جانے پر امیر امان اللہ خاں کا دور شروع ہوا تو مولانا کے لئے کامیابی کے امکانات کچھ روشن ہوئے افغانستان میں دراصل انگریزوں کے خلاف خود بھی اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی خواہش پائی جاتی تھی، کیونکہ افغانستان بھی صرف داخلی طور پر آزاد تھا خارجہ معاملات

پر بالکلیہ وائسرائے ہند کا تسلط تھا، امیر امان اللہ خاں نے تخت نشین ہونے کے بعد اپنے والد کے اس وعدہ کا اعادہ کیا کہ افغانستان کے لئے استقلال حاصل کریں گے۔ جنگ عظیم اگرچہ ختم ہو چکی تھی اور برطانیہ کو فتح ہوئی تھی مگر ہندوستان میں برطانوی حکومت کے حالات اچھے نہیں تھے۔ تحریک آزادی انتہائی زور پر تھی، جلیان والہ باغ کا واقعہ پیش آ چکا تھا، اور ترکی سلطنت کے حصے بخرے کرنے کے خلاف تحریک خلافت وجود میں آ چکی تھی جس نے ہندوستان کے بام و در ہلا دیئے تھے۔ مولانا سندھی نے جب اس موقع پر امیر امان اللہ خاں کو ابھارا تو بظاہر انھیں کامیابی ہو گئی۔ افغانستان نے حملہ کر دیا، لیکن انگریزوں نے حالات کی نزاکت کے پیش نظر فوراً ہی افغانستان کا استقلال منظور کرنے کی پیش کش کر دی، اور امان اللہ خاں نے جنگ بندی کا حکم جاری کر دیا۔ اس کے بعد کوئی سال ڈیڑھ سال تک افغانستان اور ہندوستان کی انگریز حکومت کے درمیان متعلق شرائط صلح کے لئے وفود کا تبادلہ ہوتا رہا اور بالآخر مستقل سمجھوتہ ہو گیا۔

مولانا نے اس صورت میں اندازہ کر لیا کہ اب انھیں انگریزوں کے خلاف خفیہ سیاسی کارروائی کی اجازت افغانستان میں نہیں مل سکے گی۔ چنانچہ عارضی حکومت کا عنوان ختم کر کے "کابل کانگریس کمیٹی" کی بنیاد ڈالی، اور سنہ ۲۲ء میں آل انڈیا کانگریس کے گیا سشن میں اس کا الحاق آل انڈیا کانگریس کمیٹی سے منظور ہوا۔ دوسری طرف ایک ہندوستانی اردو یونیورسٹی کابل میں قائم کرنے کی اسکیم بنائی، اور افغان گورنمنٹ سے اس کے لئے چارٹر طلب کیا۔ وزیر خارجہ افغانستان کے اس وعدہ پر کہ وہ اس اسکیم کو گورنمنٹ سے منظور کرا دیں گے ایک اسکول کی شکل میں اس یونیورسٹی کی ابتدا بھی کر دی گئی، لیکن بعد میں افغان گورنمنٹ نے یونیورسٹی کا چارٹر دینے سے انکار کر دیا۔ جس سے مولانا کی فراست نے سمجھ لیا کہ اب وہ افغانستان میں کوئی کام نہیں کر سکتے ہیں، یا تو عضو معطل ہو کر بیٹھ جائیں یا پھر کسی دوسری ملک میں قسمت آزمائی کریں، مولانا کے لئے پہلی صورت ناقابل تصور تھی۔ مجبوراً ترکی جانے کا فیصلہ کیا۔ ترکی جانے کا ایک راستہ ایران ہو کر تھا، مگر یہ راستہ

ایران پر برطانوی اثرات کی وجہ سے پُر خطر تھا۔ دوسرا راستہ روس کا تھا جو ۱۹۱۷ء کے انقلاب کے بعد ایک مذہب دشمن ملک تھا اور مولانا جیسی مذہبی شخصیت کے لئے وہاں کا عبوری قیام بھی ایک بڑا امتحان۔ لیکن مولانا روس کے نئے حکمرانوں کے لئے اجنبی نہیں تھے، کابل کانگریس کمیٹی کے پریسیڈنٹ کی حیثیت سے ان لوگوں سے اُن کا رابطہ قائم ہو چکا تھا، ہندوستان میں کانگریس نے تحریک عدم موالات کے سلسلہ میں ایک کروڑ روپیہ جمع کرنے کی مہم چلائی تھی جس کی بابت مولانا کو کابل میں معلوم ہوا کہ اس مہم کی تکمیل کا مقررہ وقت قریب ہے اور ابھی چند لاکھ روپئے کی کمی باقی ہے، چنانچہ اس موقع پر مولانا نے افغانستان کے روسی سفارت خانہ کے ذریعہ ایک لاکھ روپئے کی امداد روسی گورنمنٹ سے منظور کرا لی تھی۔ اور پھر ضرورت باقی نہ رہنے پر اسے شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا تھا۔ اس طرح مولانا کا نہ صرف تعارف روسی حکمرانوں کو حاصل ہو چکا تھا بلکہ ایک اعتبار اور وقار بھی ان کی نظر میں ہونا چاہیئے تھا۔ بہرحال مولانا نے روس کے راستہ سفر کا قصد کیا۔

روانگی

۱۵/اکتوبر ۱۹۲۲ء کو مولانا اور اُن کے نوجوان ساتھی کابل سے روانہ ہوئے۔ ایک ہفتہ کا انتہائی دشوار گزار پہاڑی راستہ گھوڑوں اور خچروں سے طے کر کے ۲۲/اکتوبر کو افغانستان کے سرحدی شہر مزار شریف پہنچے، اور ۲۳/کو روسی علاقے میں داخل ہو کر شہر ٹپاکیسر پہنچ گئے ۔۔۔ یہ آپ بیتی کی پہلی جلد کا اختتام تھا اور یہیں سے دوسری جلد کا آغاز ہوتا ہے[۱]۔

رفقائے سفر

مولانا سندھی کے ساتھ جو پارٹی سفر کر رہی تھی اُس کے ارکان میں آپ بیتی کے مصنف ظفر حسن ایبک کے علاوہ ان کے لاہور کے ساتھیوں میں سے خوشی محمد، مولانا کے ایک بھتیجے عزیز احمد، حیدرآباد دکن کے ڈاکٹر نور محمد، تحریک ہجرت کے تحت کابل آنے والے اقبال شیدائی، عمر ظفر مسعود، عبدالرشید، عبدالعزیز اور حبیبیہ اسکول کابل کے ایک بنگالی ٹیچر سینا تھ بنرجی شامل تھے۔

سات روزہ دریائی سفر

ٹپاکیسر سے یہ پارٹی کشتی کے ذریعہ ترکی کے لئے روانہ ہوئی (جسے قرشی اور کرکی بھی کہا جاتا ہے) بظاہر تین دن کا

[۱] دونوں حصے کتب خانہ الفرقان سے دستیاب ہو سکتے ہیں۔ قیمت اول ۵/- دوم ۴/-

سفر تھا، لیکن ہوا کی مخالفت نے کشتی کی رفتار سست رکھی اور تین دن کا یہ سفر ساتویں دن تمام ہوا۔ دریائے آمو کا یہ سفر بھی افغانستان کے پہاڑی علاقے کے ہفت روزہ سفر سے کچھ کم صبر آزما نہ تھا۔ یہ ترکستانی علاقہ تھا جس میں بولشویکوں (کمیونسٹوں) کے مخالف ترکستانی غارتگری کرتے رہتے اور مسافروں کے لئے ہر وقت خطرہ تھا۔ چنانچہ ایک طرف ہر وقت یہ خطرہ لگا رہتا تھا اور دوسری طرف کھانے کا سامان تین چار دن کے اندازہ سے تھا جس میں ان لوگوں کو چھ سات دن بسر کرنا پڑے۔

دو دن بخارا میں خدا خدا کر کے ساتویں دن ان لوگوں کو اس آزمائش سے نجات ملی اور کرشی اُتر کر یہ لوگ ریل گاڑی سے بخارا روانہ ہوئے۔ بخارا سے تاشقند کے لئے ٹرین ملی اور تاشقند سے ماسکو کے لئے۔ کرشی سے ماسکو تک کا یہ سفر ان لوگوں نے روسی حکومت کے مہمان کی حیثیت سے کیا۔ دو راتیں اور ایک دن سفر کرنے کے بعد بخارا آیا۔ اور وہاں کے دو روزہ قیام میں بخارا گورنمنٹ ان کی میزبان رہی۔

بخارا، تاشقند اور ماسکو وغیرہ میں جو کچھ حالات ان لوگوں نے دیکھے۔ ظفر حسن ایبک ان کا موقع بہ موقع ذکر کرتے گئے ہیں۔ کمیونسٹ حکومت کے اس دور میں بخارا کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

> "بخارا جو ایک زمانے میں اسلامی تہذیب اور علم کا مرکز تھا، جہاں امام بخاری جیسے جید عالم پیدا ہوئے تھے اور جہاں ابن سینا اور شیخ نقشبندی جیسے فلاسفر حکیم اور صوفی رہ چکے تھے، آج بالکل ایک ویرانہ سا قصبہ ہو گیا تھا۔ پرانے مدرسے اور مسجدیں خراب حالت میں پڑی ہوئی تھیں۔"

عام حالات کے متعلق لکھتے ہیں کہ :-

> "بولشویکی انقلاب کے بعد روسیوں نے کمیونسٹ اصولوں کے مطابق لوگوں کی جائدادوں، گھروں، دوکانوں اور سرمایہ پر اور ان کے کارخانوں پر قبضہ کر لیا تھا .... اس طرح ہر شخص مزدور کے درجہ پر گر کر اپنی قوت لایموت کے لئے حکومت کا محتاج ہو گیا تھا .... گھروں کی اتنی کمی ہو گئی تھی کہ

ایک سارا خاندان صرف ایک کمرے میں رہنے پر مجبور تھا۔ انقلاب کو پانچ سال گزر چکے تھے لیکن اسکے باوجود بھی ہر جگہ افراتفری پھیلی ہوئی تھی، صرف وہ لوگ جن کو گورنمنٹ کی طرف سے مزدوری یا کوئی اور کام مل جاتا تھا، روٹی کما سکتے تھے، جو شخص کوئی کام نہ کرے اس کا بھوکا رہنا ضروری تھا، بوڑھے اور کمزور یا بیمار لوگ ایسی ناداری کی حالت میں تھے کہ انسان کو ان پر رحم ہی آتا تھا۔" ص۹۱

تاشقند کے تاثرات بخارا میں دو دن رہنے کے بعد یہ قافلہ تاشقند روانہ ہوا۔ تاشقند کے مشاہدات میں ظفر حسن ایبک لکھتے ہیں کہ:-

" شہر کے پرانے حصے میں ترکستانی لوگ اور نئے حصے میں روسی آباد تھے۔ وسط ایشیا کے سارے شہروں میں یہی حال ہے۔ زار کے زمانہ میں یہاں روسی خاندان لاکر بسائے گئے تھے، تاکہ آہستہ آہستہ یہاں کے لوگ روسی تہذیب اور روسی طرز معاشرت کے دلدادہ بن کر بالکل روسی ہو جائیں۔ زار روس کی اس سیاست کو بولشویکی حکومت نے اور بھی زور سے چلایا۔ اور یہاں کے لوگوں کو روسی بنانے کے لئے مختلف اصول اور طریقے برتنا شروع کر دیا تھا......... روسی زبان کا ان لوگوں میں رواج دینا ان کا اصلی مقصد ہے۔ ترکستانی زبانوں کو روسی حرفوں میں لکھنے کے لئے قانون بنا دیا ہے، حالاں کہ شروع میں رومن حرفوں کا رواج دینا چاہا تھا۔ لیکن جب ترکی میں رومن حرف جاری ہو گئے تو روس میں ان کو بدل کر روسی حرفوں کے جاری ہونے کا حکم دے دیا گیا، تاکہ روس کے مسلمان جو ترکی نسل کے ہیں ترکی میں رہنے والے ترکوں سے کوئی رابطہ نہ پیدا کر سکیں۔ ترکستان میں مذہبی تعلیم بالکل بند کر دی گئی ہے۔ ترکستانی تاریخ کو بالکل ادل بدل کر کے لکھ دیا گیا ہے۔" (ص۱۰۱)

تاشقند سے ماسکو تاشقند سے یہ قافلہ ماسکو جانے والی ٹرین پر سوار ہوا، جو اس کی آخری منزل تھی۔ ہندوستانی انقلابی ہونے کی حیثیت سے روسی حکومت کی طرف سے ان کی مہمانی کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ ٹرین میں کوئی

ڈائننگ کار (کھانے کی گاڑی) موجود نہ تھی جس کی بنا پر کرایہ ریل کے ساتھ ان لوگوں کو کھانے کا خرچ بھی حکومت کی طرف سے دیا گیا تھا، مگر اسٹیشنوں پر جو کھانا میسر آتا تھا اس سے پیٹ بھرنا بس انہیں جفاکشوں کا حصہ ہو سکتا تھا۔ ظفر حسن ایبک تاشقند سے ماسکو کے سفر کی روداد میں لکھتے ہیں کہ:۔

"اسٹیشنوں پر ابلتا ہوا پانی مفت ملتا تھا جس سے ہم چائے بنا لیتے تھے، اور باجرہ کی سیاہ روٹی خرید کر اس کو جھاڑی والوں کے بیچے ہوئے گھوڑے کے گوشت کے ساتھ کھا لیتے تھے"

ماسکو میں ورود اور ایک نئی زندگی کا آغاز

۱۰ر نومبر ۲۲ء کو عصر کے وقت مولانا سندھی اپنی پارٹی کے ساتھ ماسکو میں اترے۔ لکس ہوٹل (Lux Hotel) میں ٹھیرائے گئے، جہاں روسی حکومت کے غیر ملکی مہمان یا صوبائی کمیونسٹ پارٹیوں کے لیڈر ماسکو آنے پر ٹھیرا کرتے تھے۔ مولانا کا قیام روس میں ۸۔۷ مہینے رہا، بظاہر انھوں نے روسی حکمرانوں پر یہ بات ظاہر نہیں کی تھی کہ وہ اصل میں ترکی جانا چاہتے ہیں، بلکہ روس میں بھی اُن کو تحریک آزادی ہند کے لئے امداد حاصل کرنے کے امکانات تلاش کرنا تھے۔ وہ روس کی کمیونسٹ تحریک کو بھی سمجھنا چاہتے تھے، وہ اس تحریک کی عالمی اپیل اور اسکے مذہب دشمن فلسفہ کی بنا پر یہ سوچنے کے لئے مجبور تھے کہ کہیں ہندوستان بھی آزاد ہونے کے بعد اس راہ پر نہ پڑ جائے اور ہندوستان میں بھی اسلام کے ساتھ وہی ہو جو روس میں ہو رہا ہے۔ اسلئے انھیں جائزہ لینا تھا کہ آزاد ہندوستان کے لئے کونسا راستہ مناسب ہوگا جس پر چل کر وہ اپنے سیاسی اور معاشی مسائل اس طرح حل کرے کہ مسلمان اپنے دین و مذہب کو بھی سلامت رکھ سکیں ـــــ ان کاموں میں ظفر حسن مولانا کے بہت ہی کام آئے۔

ظفر حسن صاحب کا ماسکو یونیورسٹی میں داخلہ

مولانا کے ساتھی نوجوانوں میں خوشی محمد کابل ہی سے کمیونسٹ ہو چکے تھے۔ افغان حکومت کے رویہ سے یہ تمام نوجوان ہی قدرتی طور پر بددل ہوئے تھے جو خالص

اسلامی جذبہ سے اپنا وطن ہی چھوڑ کر نہیں بلکہ زندگی اور زندگی کا مستقبل سب کچھ داؤں پر لگا کر کابل پہنچے تھے، اسی دوران میں جب راجہ مہندر پرتاب ترک جرمن مشن کے ساتھ کابل پہنچے اور مولانا سندھی سے بھی اُن کا رابطہ قائم ہوا تو روس کو انگریزوں سے کاٹنے کے لئے ایک وفد روسی حکومت کے پاس بھیجنا طے کیا گیا۔ مولانا سندھی نے اس وفد میں خوش محمد کو بھی شامل کرادیا تھا۔ افغانستان کی "اسلامی" حکومت کے رویہ نے جو ردعمل خوش محمد میں پیدا کیا تھا اس نے اس سفر میں خوشی محمد کو کمیونزم کا اسیر بنادیا جو روس میں شاہی کے خلاف جدوجہد کررہا تھا۔ خوشی محمد اب دوبارہ مولانا کے ساتھ روس پہنچا تو پہلے ہی دن سے اسکی کوشش شروع ہوئی کہ اپنے ساتھیوں کو مع مولانا کے کیمونسٹ بناڈالے۔ چنانچہ ان لوگوں کے ماسکو پہنچنے کے دو ہی ہفتے بعد روسی حکام اور ہندوستان کیمونسٹ پارٹی کے پریسیڈنٹ مسٹر ایم، این رائے (مقیم ماسکو) کے ایماء سے خوشی محمد نے ان کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ ان میں سے چند نوجوان ماسکو کی مشرقی یونیورسٹی میں داخل ہوجائیں۔ اس یونیورسٹی میں مشرقی اقوام کے نوجوان انقلابیوں کو اس مقصد سے کیمونزم کی تعلیم دی جاتی تھی کہ یہ اپنے اپنے ملکوں میں کیمونسٹ تحریک چلانے کا کام انجام دے سکیں۔ چنانچہ مولانا نے اپنے مقاصد کے تحت ظفر صاحب سے کہا کہ وہ بھی داخلہ لینے والوں میں شامل ہوجائیں اور اس طرح بسرجی اور عبدالعزیز کے ساتھ ظفر حسن بھی اس یونیورسٹی میں داخل ہوگئے، اور اسکے بعد سے ان کا قیام ہوٹل کے بجائے ہوسٹل میں ہوگیا۔

ظفر صاحب کی نئی تعلیم سے مولانا کا استفادہ

ظفر صاحب لکھتے ہیں کہ:۔ "میں ہر روز شام کے وقت یونیورسٹی کے لیکچر ختم ہونے پر ہوٹل لکس میں جاکر اس روز پڑھے ہوئے سبقوں کا خلاصہ قبلہ مولانا صاحب کو سنایا کرتا تھا جس سے ان کو کیمونسٹ نظریوں، کیمونسٹ اصول حکومت، لیبر موومنٹ اور کیمونسٹ انٹرنیشنل یعنی تھرڈ انٹرنیشنل کے بارے میں آہستہ آہستہ کافی سے زیادہ معلومات حاصل ہوگئی تھیں۔ یہ معلومات ان کے لئے دو سال بعد جب انھوں نے استانبول میں رہ کر ہندوستان کی آزادی کے لئے

پروگرام بنایا اور آزاد ہندوستانی فیڈرل گورنمنٹ کا خاکہ کھینچ کر اس کو ایک رسالہ کی شکل میں استانبول میں ۱۹۲۲ء میں چھاپ کر خفیہ طور پر ہندوستان بھیجا، بہت مفید ثابت ہوئیں۔"

آگے لکھتے ہیں:۔

"اس سلسلہ میں کمیونسٹ تعلیم کے وہ پہلو جو اسلامی احکام اور عقائد کے خلاف تھے وہ بھی مولانا صاحب پر واضح ہو گئے۔ میرے دل میں اس منفر تعلیم کی وجہ سے اسلام کے بارے میں جو شکوک و شبہات اور ذہنی تشویش پیدا ہو سکتی تھی، میں اس کو قبلہ مولانا صاحب کی خدمت میں عرض کر کے ان سے اس کا کافی و شافی اطمینان بخش جواب اور صورت حل پوچھ لیا کرتا تھا۔" (صفحہ ۳۰)

روسی وزیر خارجہ سے ملاقات کی تدبیر روسی وزارت خارجہ کے ملازمین کے لئے ضروری تھا کہ وہ روسی زبان کے ساتھ ... ... ایک یوروپین اور ایک ایشیائی زبان بھی سیکھیں۔ اس چیز نے ظفر حسن صاحب کے لئے ایک موقع فراہم کیا کہ وہ روسی وزیر خارجہ سے مولانا کی ملاقات کے لئے راہ پیدا کریں۔ لکھتے ہیں:۔

"روسی وزارت خارجہ کا ایک ملازم رائسنر (Reisner) نامی جس سے میری ملاقات کابل میں ہو چکی تھی جہاں وہ روسی سفارت میں فرسٹ سکریٹری تھا، ماسکو میں اردو سیکھ رہا تھا۔ میں اس کو اردو کا پرائیویٹ سبق دینے کے لئے ہفتہ میں دو دفعہ رات کے وقت اس کے گھر جایا کرتا تھا۔ اس ٹیوشن کے بدلے میں رائسنر سے کوئی فیس نہ لیتا تھا۔ لیکن مجھے اس سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ اس سے آہستہ آہستہ میری دوستی بڑھ گئی۔ اس سے فائدہ اٹھا کر میں نے ایک دن اس کو قبلہ مولانا صاحب کے بارے میں کہا کہ روس میں ایک ایسا ہندوستانی لیڈر مدت سے آیا ہوا ہے جس کا رسوخ نہ صرف اپنے ہم وطنوں میں بہت زیادہ ہے، بلکہ جس نے افغانستان کو انگریزوں سے لڑوا دیا تھا، اور جس کے افغانستان میں

آج کل بھی جرمنی نادرخاں جیسے بڑے بڑے سربراہ دوست ہیں، اور جو آل انڈیا نیشنل کانگرس کی کابل کمیٹی کا پریسیڈنٹ اور حکومت موقتہ ہند کا وزیر داخلہ رہ چکا ہے، تو کیا روسی گورنمنٹ ایسے شخص کے ساتھ تعاون کرکے انگریزوں کے خلاف، جو روسی بولشویک حکومت کے دشمن جان ہیں .... کوئی کارروائی کرنا نہیں چاہتی"

آج روسیوں کو ایسا موقع نصیب ہوا ہے کہ اسکی نظیر بھی نہیں مل سکتی M. N. Roy ہندوستانی کیمونسٹ پارٹی کا لیڈر رہے ابھی تک ہندوستان میں کوئی انقلابی تحریک پیدا نہیں کرسکا۔ حالانکہ قبلہ مولانا صاحب جو بڑے بڑے ہندوستانی لیڈروں کے ذاتی دوست ہیں، ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف بہت کام کرسکتے ہیں۔ بشرطیکہ روسی حکومت ان کو مدد دینے کو تیار ہو" (ص۱۶۲)

ملاقات ظفر صاحب کی یہ تقریر نشانہ پر بیٹھی۔ راسکن نے اپنے افسر اعلیٰ مسٹر سوکرمان (SUKERMAN) سے، جو وزارت خارجہ کے وسط ایشیائی شعبہ کے ڈائرکٹر تھے اس کا ذکر کیا اور اس بات کی اہمیت ذہن نشین کرائی کہ مولانا سے روسی وزیر خارجہ کی ملاقات ہونی چاہیئے۔ چنانچہ ایک ہی ہفتہ کے بعد جون ۱۹۲۳ء کی ابتدائی تاریخوں میں روسی وزیر خارجہ مسٹر چیچرن سے مولانا کی ملاقات کا وقت مقرر ہو گیا۔

یہ ملاقات رات کو ۱۰ بجے مسٹر چیچرن کے دفتر میں ہوئی تھی۔ ملاقات کے کمرہ کا منظر بیان کرتے ہوئے ظفر صاحب لکھتے ہیں:-

"چھت میں ایک بڑا آویزہ (فانوس) لٹک رہا تھا، جس میں بہت سے برقی چراغ جل رہے تھے۔ اسکی دیواروں پر کارل مارکس، لینن اور انگلز کی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ کمرہ کا فرنیچر یعنی میز کرسی وغیرہ زار کے زمانے کا فرنیچر تھا، دروازے کے بائیں طرف دیوار کے پاس چیچرن ایک بڑی میز کے پیچھے کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اٹھ کر قبلہ مولانا صاحب کا استقبال کیا۔

اور اپنے سامنے میز کی دوسری طرف تین کرسیاں دکھلائیں۔ ان میں سے بیچ کی کرسی پر قبلہ مولانا صاحب، دائیں جانب کی کرسی پر راسنسرا اور بائیں طرف کی کرسی پر میں بیٹھا تھا۔" (صفحہ ۵۰-۵۱)

اس ملاقات میں راسنسرا اور ظفر صاحب کی حیثیت مترجم کی تھی۔ ملاقات پون گھنٹے رہی۔ اس گفتگو کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے ظفر صاحب لکھتے ہیں:۔

"قبلہ مولانا صاحب نے انڈین نیشنل کانگرس سے جو اُن کا تعلق بحیثیت پریزیڈنٹ کانگرس کمیٹی کابل کے تھا اس کا ذکر کرکے چیچرن سے کہا وہ ہندوستان سے انگریزی حکومت کا قلع قمع کرنے کے لئے روس کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار ہیں لیکن یہ تعاون روسی کمیونسٹ پارٹی کے ساتھ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ پارٹی کے بجائے روسی گورنمنٹ سے اس بارے میں گفتگو کرکے ایک سمجھوتے پر پہنچا ان کا مقصد ہے۔ چیچرن کو اس پر کچھ تعجب ہوا کیونکہ روس میں کوئی سرکاری کام پارٹی کی منظوری کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ لیکن قبلہ مولانا صاحب نے یہ بات بہت ہی کھلے الفاظ میں چیچرن پر واضح کردی کہ وہ بحیثیت انڈین نیشنل کانگرس کمیٹی کے ایک ممبر کے روسی کمیونسٹ پارٹی سے کوئی لین دین نہیں کر سکتے۔" (صفحہ ۵۱)

پہلی کامیابی اس پہلی ملاقات ہی کا نتیجہ یہ ہوا کہ روسی وزیر خارجہ نے مولانا کی تجویز کو کیبنٹ (Cabinet) میں رکھنے کا وعدہ کرلیا، اور پھر ایک ہی ہفتہ کے بعد مولانا کو راسنسر کے ذریعہ دوسری ملاقات کا پیغام موصول ہوا۔ اس ملاقات کا حال بیان کرتے ہوئے ظفر صاحب لکھتے ہیں:۔

"چیچرن نے قبلہ مولانا صاحب کو بتایا کہ روسی گورنمنٹ ہندوستانی قومی تحریک میں مدد دینے پر تیار ہے مگر اس بارے میں قبلہ مولانا صاحب سے پوچھنا چاہتی ہے کہ یہ مدد مالی ہوگی یا ہتھیاروں کی شکل میں ہوگی اور اس کو ہندوستان کیسے پہنچایا جائے گا؟

قبلہ مولانا صاحب نے اس کا جواب یوں دیا کہ "انڈین نیشنل کانگرس کا

اصول پر امن عدم تعاون ہے۔ اس لئے ہتھیاروں کی مدد کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔
مدد صرف روپے کی صورت میں ہونی چاہیئے اور اس کے لئے فی الحال انڈین نیشنل کانگرس
کو ایک کروڑ روپیہ دیا جانا چاہیئے جس کو ہندوستان قرض سمجھے گا۔ اور آزاد ہونے پر
واپس ادا کر دے گا۔" (ص۵۳)

اسی سلسلہ میں مولانا نے ایک بات یہ بھی کہی کہ ہماری امداد کے لئے ضروری ہو کہ روس اور افغانستان میں تعاون ہو کیونکہ روس اور ہندوستان کی قومی تحریک کے درمیان تعلق کا سب سے محفوظ راستہ افغانستان ہی ہو۔ اور افغانستان کا تعاون حاصل کرنے کے لئے اسے مالی امداد دینا ضروری ہوگا۔ اس سلسلہ میں افغانستان سے معاہدہ کے لئے میں خود کابل جاؤں گا۔ چیچرن نے دریافت کیا کہ "اس کی کیا ضمانت ہوگی کہ افغانستان اس مدد کے بعد بھی انگریزوں سے پھر نہ مل جائے گا اور آپ کو جیسا کہ پچھلی دفعہ کیا تھا پھر ملک بدر نہ کر دے گا؟" مولانا نے جواب دیا کہ اسکے ضامن سردار سپہ سالار محمد نادر خاں ہوں گے، وہ اس قسم کی مالی امداد حاصل کرنے کے بعد اس قدر طاقت پکڑ جائیں گے کہ امیر امان اللہ خاں ان کے مشورہ کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھا سکے گا۔ (ص۵۳)

ظفر صاحب لکھتے ہیں کہ "چیچرن نے یہ باتیں سننے کے بعد اگلے ہفتہ کی ملاقات میں ان کا جواب دینے کا وعدہ کیا۔ اس پر یہ ملاقات ختم ہوئی۔

تیسری ملاقات تیسری ملاقات کا حال بیان کرتے ہوئے ظفر صاحب نے لکھا ہے کہ۔

"چیچرن نے قبلہ مولانا صاحب کو مطلع کیا کہ سوویٹ گورنمنٹ نے اُن کی ساری تجویزیں مان لی ہیں اور وہ ہندوستان کو اُس کی قومی تحریک میں مدد دینے کے ساتھ ساتھ افغانستان کو بھی روپے کی کمک بھیجنے پر تیار ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ یہ مدد ہندوستان اور افغانستان کو کیسے پہنچائی جائے۔ روسی گورنمنٹ اس بارے میں قبلہ مولانا صاحب کے خیالات معلوم کرنا چاہتی ہے۔"

مولانا نے جواب دیا (ص۵۴)

"میں ترکی جانا چاہتا ہوں اور وہاں کسی نہ کسی انگریز مسلم لیڈر کو بلا کر یا کسی

قابل اعتماد شخص کے ذریعہ کانگرسی لیڈروں کو یہ پیغام دوں گا کہ روسی گورنمنٹ ہندوستان کی قومی تحریک کو ایک کروڑ روپے تک مالی مدد دینے پر تیار ہے، ہندوستانی لیڈروں کو اس پیغام کے پہنچنے کے بعد میں انڈین نیشنل کانگرس اور روسی گورنمنٹ کے درمیان ایک معاہدہ کراؤں گا۔ مدد صرف اس قسم کا معاہدہ ہو جانے کے بعد کانگرس کو دی جائے گی معاہدہ کے بغیر یہ رقم یا اس کا کوئی حصہ کسی کانگرسی لیڈر حتیٰ کہ خود مجھ کو بھی نہیں دیا جائے گا"

افغانستان کے سلسلہ میں مولانا نے کہا کہ :-

"افغانستان کو مالی مدد دینے سے پہلے ضروری ہے کہ میں سردار محمد نادر خاں سے خط و کتابت کرکے افغانستان کے ماحول کو تیار کروں۔ تاکہ افغانستان اس کے بعد کبھی بھی اپنے وعدہ سے نہ پھر سکے۔ (صفحہ ۵۶)

اس امکان کے پیش نظر کہ ترکی میں رہ کر ہندوستان سے رابطہ قائم کرنے میں شاید کامیابی نہ ہو پائے، مولانا نے اسی موقع پر کہا کہ ایسی صورت میں حجاز جاکر یہ مقصد حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔

چوتھی ملاقات مسٹر چیچرن کو یہ تفصیلات پھر کیبنٹ کے سامنے پیش کرنا تھیں۔ اسلئے ایک ہفتہ کے بعد چوتھی ملاقات ہوئی جس میں مولانا کو بتایا گیا کہ سوویت گورنمنٹ نے اُن کی سب تجاویز منظور کرلی ہیں اور وہ ترکی جاکر اپنا کام شروع کرسکتے ہیں۔ یہ بھی پیش کش کی گئی کہ اخراجات سفر روسی حکومت برداشت کرے گی اور وہاں رہ کر کام کے سلسلہ میں جتنے روپئے کی ضرورت وقتاً فوقتاً ہوگی وہ اُن کو استانبول کے روسی قنصل خانہ کے ذریعہ دیا جائے گا۔ (صفحہ ۵۶)

مولانا اپنی نئی جدوجہد کا پہلا مرحلہ کامیابی کے ساتھ طے کرکے وسط جولائی ۱۹۲۳ء میں اپنے بھتیجے عزیز احمد کے ساتھ ترکی روانہ ہوگئے۔ ظفر صاحب اُن کے ساتھ نہ جاسکے کیونکہ روسی حکومت نے اُن کو جانے کی اجازت نہیں دی۔

غیر معمولی کامیابی مولانا سندھی نے ہندوستانی کی قومی تحریک کے لئے روسی حکومت

سے اس طرح امداد کا وعدہ لے کر کہ کمیونسٹ پارٹی سے اُن کا کوئی سمجھوتہ نہیں ہوگا، جو کامیابی حاصل کی تھی، اس کی اہمیت کا ایک خاص پہلو سمجھنے کے لئے ظفر صاحب کی تحریر کا ایک اور اقتباس بھی قابل مطالعہ ہے۔ ظفر صاحب لکھتے ہیں :-

"یہ قبلہ مولانا صاحب کی بڑی کامیابی تھی۔ کیونکہ روسی کمیونسٹ جب تک کسی نو آبادی اور غلام ملک سے کمیونسٹ پروگرام پوری طرح منوا لیں اس کو اس کی قومی آزادی کی لڑائی میں کبھی مدد دینے کو تیار نہیں ہوتے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ جانتے تھے کہ قومی گورنمنٹیں بھی آخر کار سرمایہ داروں کے ہاتھ میں آجایا کرتی ہیں۔ اور وہ بھی امپیریلیٹوں کی طرح اقتصادی اور سماجی اصلاحات کی مخالف ہوا کرتی ہیں اور کمیونسٹوں کو اپنے ملک میں پنپنے کی اجازت نہیں دیا کرتیں۔ اب تک روس نے صرف غازی مصطفےٰ کمال پاشا (اتاترک) کی قومی گورنمنٹ کو انگریزوں اور یونانیوں کے خلاف بلا قید و شرط مدد دی تھی۔ اسکے سوا روس اور کسی کو کمیونسٹ اصولوں کو منظور کرائے بغیر مدد دینے کو تیار نہ تھا۔"

(باقی آئندہ)

جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

صدر پاکستان جناب محمد ایوب خاں کی خود نوشت

سیاسی سوانح حیات

کا اُردو ایڈیشن

۴۳۲ صفحات ، بہترین کاغذ ، ٹائپ کی طباعت

قیمت /۱۵ روپئے

کتب خانہ الفرقان لکھنؤ

ایک شخص نے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْد کا مفہوم دریافت کیا تو فرمایا ــــ کہ علما قربِ علمی اور صوفیہ قربِ وجودی مُراد لیتے ہیں۔ بعض لوگوں نے محفلِ مبارک میں عرض کیا کہ اس زمانے میں حضرت والا جیسا بزرگ (شاید) تمام دنیا میں نہ ہوگا۔ اولیاء اللہ کو امراض لاحق ہوتے ہیں۔ حضرت والا کو بھی متعدد امراض لاحق ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ کی تعریف میں یہ بات بھی لکھی گئی ہے کہ وہ اتنے مشہور ہوئے کہ اُن کے حالات کتبِ ولایت میں مندرج ہیں، فضلِ الٰہی سے حضرت والا کا نام بھی روم، شام، بلخ، بخارا، سمرقند، دمشق، مکہ و مدینہ، مصر و عراق، بغداد اور علاقہ فرنگ میں مشہور ہے اور وہاں کی کتابوں میں آپ کا ذکرِ خیر ہے۔ حضرت والا نے یہ سُن کر تواضع اور انکسار کا اظہار کیا ــــ اسی اثنا میں فیض یاب ہونے کی بات بیان فرمائی اور یوں فرمایا کہ محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں بائیس بزرگ دہلی میں تھے جو ہر خانوادے سے تعلق رکھتے تھے اور صاحبِ ارشاد تھے اور ایسا اتفاق کم ہوتا ہے کہ ایک وقت میں اتنے مشائخ ہر سلسلے کے موجود ہوں۔

منجملہ ان بزرگوں کے ایک شاہ دوست محمد قادریؒ بھی تھے۔ ایک دن اُن سے کسی نے دریافت کیا آپ کا سلسلہ کون سا ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ اگرچہ میں (ایک سلسلے میں) ایک بزرگ کا مرید ہوں اور ان سے سلوک کو طے کیا ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ میں نے خدا کو ایک خرمہرہ کے ذریعہ پایا ہے اور اس کا واقعہ اس طرح ہے کہ میں بادشاہ کا ملازم تھا۔ اس کے ایک کام کو انجام دینے کے لیے گرمی کے زمانے میں نکلا۔ پیاس لگی۔ صراحی دار سے پانی مانگا اس کے پاس بھی پانی نہ تھا۔ سقہ بھی کوئی نظر نہ پڑا قریب بہ ہلاکت تھا۔ ناگاہ اجمیری گیٹ کے قریب ایک سقے سے ملاقات ہوئی ایک کٹورہ پانی ایک خرمہرہ کے عوض دستیاب ہوا میں پانی پینا ہی چاہتا تھا کہ ایک سائل نے بڑی لجاجت سے اپنی تشنگی کا اظہار کر کے وہ کٹورہ مجھ سے طلب کیا، اگرچہ نفس نہیں چاہتا تھا مگر اس پر قابو پا کر وہ کٹورہ سائل کو دے دیا، جب اس پیاسے نے پانی پینا شروع کیا اسی وقت مجھے ایک خنکی، ایک سُرور کی کیفیت اور تجلّیِ الٰہی کی جھلک اپنے اندر محسوس ہوئی، بعد کو میں نے جو ترکِ دُنیا کا شیوہ اختیار کیا اس کی اصل وبنیاد یہی پیاسے کو پانی پلانا ہے، مابعد کی سب باتیں اسی کی طفیلی ہوئیں ــ

ایک صاحب جو حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر آئے تھے حضرت والا کی خدمت میں آب زمزم لائے حضرت والا برائے تعظیم چارپائی سے نیچے اتر کر کھڑے ہوئے اور بعد دعا قدرے آب زمزم نوش فرمایا اور ایک مرید کو دیا انھوں نے دیگر حاضرین مجلس کو بھی وہ تبرک دیا۔ ایک صاحب نے فرمایا کہ آب زمزم قدرے کھاری ہوتا ہے اور یہ میٹھا پانی تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں دوسرا پانی زیادہ ملا لیا ہوگا ارشاد فرمایا کہ ہم تو معتقد غائبانہ ہیں ہمارے حق میں ہر وہ پانی جو زمزم کے نام سے ہو (اور اس سے تھوڑا بہت تعلق رکھتا ہو) زمزم ہی ہے یعنی اس کا ثواب ہم پائیں گے ــ پھر ارشاد فرمایا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ آب زمزم جس نیت سے پیا جائے گا حصول مطلب کی امید ہے اور جو شخص آب زمزم شکم سیر ہو کر پیے گا آتش دوزخ اس پر اثر نہ کر سکے گی ــ

ارشاد فرمایا ــ دو ماہ ہوئے روضۂ سلطان المشائخؒ پر حاضر ہوا تھا عجیب کیفیت نمودار ہوئی ــ وہاں کوئی شخص مزامیر سے گا رہا تھا میں اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا اور نہ مجھے کوئی ظلمت بھی اس وقت محسوس نہیں ہوئی پھر کسی نے مزار پر سجدہ تعظیمی کیا اس کی ظلمت مجھے محسوس ہوئی ــ

ایک صاحب سے جنھوں نے اپنے مقاصد میں کامیاب ہونے کے لیے دعا کی درخواست کی تھی ــ فرمایا کہ میں دعا کرتا ہوں، اختیار بدست مختار ہے ــ

شیخ علی حزیں کا جو کہ مذہباً شیعہ تھے ذکر کرتے ہوئے فرمایا ــ جس وقت وہ دہلی آئے اور ایک حویلی کرائے پر لی تو اس حویلی کے دروازے پر ایک فقیر رہتا تھا وہ بدستور فقرا صبح کے وقت اپنے سلسلے کے بزرگوں کے نام پڑھتا تھا (شیخ علی حزیں کے کانوں میں بھی آواز پہونچتی تھی) ایک دن صاحب خانہ نے شیخ علی حزیں سے حویلی کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ یہاں ہر قسم کا آرام ہے مگر دروازے پر "تذکرۃ الاولیاء" جو بیٹھے ہوئے ہیں ان کو ہٹاؤ ــ

فرمایا کہ میں ۲۵ رمضان کی رات میں بوقت سحر پیدا ہوا تھا چونکہ والدین کے بہت سے بچے مجھ سے پہلے انتقال کر چکے تھے اس لیے میرے پیدا ہونے پر مجھ سے ان کی بہت سی آرزوئیں وابستہ تھیں اس وقت بہت سے بزرگ اور اولیاء حضرت والد ماجدؒ کے خلفاء میں سے مثل

شاہ محمد عاشق پھلتی وغیرہ کے مسجد میں معتکف تھے ہم کو غسل دے کر محراب مسجد میں لاکر ڈال جاتا گویا کہ نذر خدا کر دیا تھا ۔

ہاتھی کی چالاکی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے زمانے ہی میں اب سے کچھ عرصہ پہلے ایک فیلبان تھا جو ایک درزی سے دوستی رکھتا تھا ایک دن درزی سُرخ کپڑا سی رہا تھا ہاتھی کو سُرخ کپڑے سے طبعاً محبت ہوتی ہے اس لیے اپنی سونڈھ کو بار بار اس کپڑے کی طرف لے جاتا تھا درزی سوئی اس کی سونڈھ میں چبھو دیتا تھا۔ اس کے بعد ہاتھی جب دریا پر سے لوٹ کر اس درزی کی دوکان پر سے گذرا تو (انتقاماً) وہ پانی جو سونڈھ میں بھر کر لایا تھا اس کی طرف پھینکا جس سے دوکان کے تمام کپڑے تر بتر ہو گئے ۔ درزی نے اقرار کیا کہ جرم میرا ہی تھا (کہ میں نے اس کی سونڈھ میں سوئی چبھوئی تھی) ۔ پھر فرمایا کہ میرے ہی زمانے میں بادشاہ کا ایک فیلبان مرگیا بادشاہ نے چاہا کہ کوئی دوسرا فیلبان اُس کی جگہ مقرر کرے اس لیے کہ فیلبان سابق کا لڑکا کم عمر تھا اور ہاتھی بہت بڑا اور جنگی تھا۔ مگر ہاتھی نے کسی دوسرے فیلبان کو قابو نہیں دیا۔ مستی و شوخی آغاز کی اور آب و دانہ نہیں استعمال کیا۔ تمام فیلبان حیران ہوئے اور انھوں نے یہ سب ماجرا بادشاہ سے بیان کردیا بادشاہ بھی حیران تھا کہ کیا کرے ناگاہ ایک سمجھدار شخص بات کی تہ تک پہونچ گیا اُس نے بادشاہ سے عرض کیا کہ فیلبان سابق کے بچے کو لایا جائے اُس بچے کو لایا گیا پھر تو وہ ہاتھی قابو میں آگیا۔

اہل دہلی کے بیجا خرچ اور اسراف کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ (نواب) قمرالدین خاں کی عورتیں پانی سے غسل کرنے کے بعد عرق گلاب سے غسل کرتی تھیں، اور دوسرے نوابوں کے گھروں میں سو سو روپئے کے نقد پھول پان (غالباً یومیہ) عورتوں کے خرچے میں آتے تھے ۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ باوجود اشتداد امراض، حضرت والا کے ہوش وحواس بالکل بجا اور صحیح ہیں، یہ قوت ملکیہ ہے طاقت بشری نہیں ہے۔ ارشاد فرمایا کہ مشہور بات ہے اور تجربے میں بھی آئی ہوئی ہے کہ خادم علم حدیث کے ہوش وحواس خراب نہیں ہوتے اگرچہ اس کی عمر سو سے بھی متجاوز ہو جائے بندے کا تو بچپن ہی سے علم حدیث کا مشغلہ ہے۔

ایک شخص نے اثنائے گفتگو میں عرض کیا کہ حضرت والا، قطب زمانہ ہیں، ارشاد فرمایا۔ اَسْتَغْفِرُ اللہ ـــ پھر فرمایا کہ اسی وجہ سے تو زمانہ خراب ہے کہ مجھ جیسے قطب، اس زمانہ میں ہیں۔

کتابیں طلب کرنے والے حضرات سے

چند ضروری باتیں

- — اپنا پتہ صاف خوشخط اردو میں لکھئے اور ہو سکے تو انگریزی میں بھی۔
- — کتابیں ریلوے سے منگوانی ہوں تو قریبی ریلوے اسٹیشن کا نام بھی لکھئے
- — اگر کسی کتاب کے بھیجنے میں یا بل میں ہم سے غلطی ہو جائے تو یقین کیجئے کہ غلطی نادانستہ ہوئی ہے اور فوراً اطلاع کیجئے، تلافی کی جائے گی۔
- — پاکستان کے حضرات کتابیں منگوانا چاہیں تو پہلے خط لکھ کر دریافت کر لیں کہ ہم ان کی مطلوبہ کتابیں بھیج سکیں گے یا نہیں اور طریقہ کار کیا ہوگا۔
- — دوسری تمام چیزوں کی طرح کاغذ اور سامان طباعت کی قیمتوں میں بھی بہت اضافہ ہو گیا ہے۔ اس لیے قریب قریب سب ہی اداروں اور کتب خانوں نے اپنی مطبوعات کی قیمتوں میں اضافہ کر دیا ہے، مجبوراً کتب خانہ الفرقان کو بھی یہ اضافہ کرنا پڑا ہے۔ اس فہرست میں موجودہ قیمتیں لکھی گئی ہیں۔

منیجر کتب خانہ الفرقان لکھنؤ

شوال ۱۳۸۰ھ ، جنوری ۱۹۶۱ء

وقت کے ایک اہم مطالبہ کا جواب

ہمارے اس زمانہ کا ایک اہم مطالبہ یہ تھا کہ اس بیسویں صدی کے نفسیات اور فکری رجحانات کو سامنے رکھ کر دینی تعلیمات کو براہ راست قرآن و حدیث سے اخذ کر کے ایسے سادہ، دلنشیں اور آج کی علمی دُنیا کے لیے قابل قبول انداز میں پیش کیا جائے کہ ذہن و دماغ بھی اُسے قبول کرلیں اور دل بھی متاثر ہوں۔

مولانا نعمانی نے اب سے قریباً بیس سال پہلے اللہ کی توفیق سے اور اسی کے بھروسہ پر اس کام کو اپنا خاص موضوع بنایا اور خاموشی سے اپنے کو اس میں مصروف کردیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تنہا ان سے وہ کام لے لیا جو دراصل کسی ادارہ کے کرنے کا تھا۔ انھوں نے اسکے لیے کبھی قوم سے کوئی اپیل نہیں کی، کسی فرد سے بھی کبھی کوئی اعانت اس سلسلہ میں طلب نہیں کی، خاموشی کے ساتھ خود ہی کتابیں لکھتے رہے اور ان کے چھپوانے کا اہتمام کرتے رہے۔

الحمدللہ معارف الحدیث کی چوتھی جلد چھپ جانے کے بعد یہ سلسلہ ایک حد تک مکمل ہوگیا ہے۔ اسکی دو جلدیں باقی ہیں ان کا کام جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ جلدی تکمیل کو پہونچائے۔

خدا کے فضل سے اس سلسلہ کی کئی کتابوں کے ترجمے بھی ہندوستان اور بیرون ہند کی مختلف زبانوں میں ہوچکے ہیں اور امید ہو کہ انشاءاللہ یہ پورا سلسلہ جلد ہی دوسری زبانوں میں منتقل ہو جائے گا۔

ہم چاہتے ہیں کہ ان کتابوں کی خصوصیت اور قدر و قیمت کو عام طور سے سمجھا جائے اور وسیع پیمانے پر ان سے وہ فائدہ اُٹھایا جائے جس کی امید میں اللہ کے ایک بندہ نے اسی کی توفیق سے یہ کام کیا ہے۔

یہ اردو زبان میں مندرجہ ذیل چند کتابیں ہیں

۱	۲	۳
اسلام کیا ہے؟	دین و شریعت	قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟

۴	۵	۶	۷
معارف الحدیث جلد اول	جلد دوم	سوم	چہارم

ان کا مختصر تعارف کتب خانہ الفرقان کی اس فہرست میں ملاحظہ ہو

اسلام کیا ہے؟

نہایت آسان زبان اور بیحد دل نشیں اور پر اثر انداز میں اسلامی تعلیمات کا جامع اور مکمل خلاصہ۔
دین کی ضروری واقفیت حاصل کرنے ہی کے لیے نہیں بلکہ کامل مسلمان اور اللہ کا ولی بننے کے لیے بھی اس کا مطالعہ اور اس پر عمل ان شاء اللہ کافی ہے ____ اس کتاب کے دیکھنے والوں کا عام احساس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کوئی خاص مقبولیت اور تاثیر بخشی ہے، جو پڑھتا ہے لازمی طور پر متاثر ہوتا ہے۔ ان بندوں کی تعداد اللہ ہی جانتا ہے جن کی زندگیاں اور جن کے گھروں کے نقشے اس کتاب نے بدل ڈالے۔

کتابت و طباعت اعلیٰ اور معیاری ... ... مجلد ۲/۵۰
ہندی اڈیشن کی قیمت ۲/۵۰ ... ... انگریزی اڈیشن کی قیمت ۸/-

دین و شریعت

یہ "اسلام کیا ہے؟" سے اونچی سطح کی کتاب ہے جس میں توحید، آخرت، رسالت، نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج، اخلاق و معاملات، دعوت و جہاد، سیاست و حکومت، اور احسان و تصوف کے مباحث پر ایسی محققانہ روشنی ڈالی گئی ہے کہ دل و دماغ اور عقل و وجدان، ایمان و اطمینان سے معمور ہو جاتے ہیں۔
بڑے بڑے ارباب نظر نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اسلامی تعلیمات کے بارے میں ذہنی اطمینان حاصل کرنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بالکل کافی ہے۔

کتابت و طباعت معیاری، مجلد مع گرد پوش، قیمت ۴/۷۵

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟

یہ کتاب اسم با مسمیٰ قرآنی دعوت اور اس کی اہم تعلیمات کا ایک جامع مرقع ہے۔
جس میں ۳۰ عنوانات کے تحت متعلقہ قرآنی آیات کو نہایت مؤثر اور روح پرور تشریحات کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔
خاص طور پر قرآن کی دعوت توحید کا بیان اس کتاب کا شاہکار ہے۔ یہ ایک بالکل نئے طرز کی کتاب ہے جو قرآن کی دعوت و تعلیم سے روشناسی کے ساتھ قرآن کے اعجاز بیان کا بھی لذت شناس کرتی ہے

معیاری کتابت و طباعت مجلد مع گرد پوش، قیمت ۵/-

اُردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ

احادیث نبوی ؐ کا ایک نیا اور جامع انتخاب

"معارف الحدیث"

احادیثِ نبوی ؐ کا محفوظ ذخیرہ اُمت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے قائم مقام ہے، ایک صاحب ایمان اُسکے مطالعہ کے وقت تصور کے راستہ سے مجلس نبوی ؐ میں پہونچ جاتا ہے۔ آپ کے ارشادات سنتا ہے اور آپ کے اعمال و افعال اور حرکات و سکنات کو دیکھتا ہے۔

مولانا نعمانی نے احادیث کے مستند مجموعوں سے گہرے غور و فکر کے بعد وہ حدیثیں منتخب کیں جن کا انسانوں کی فکری و اعتقادی اور عملی زندگی سے خاص تعلق ہو اور جن میں اُمت کے لیے ہدایت کا خاص سامان ہے۔

پھر ان کی ترتیب اور ترجمہ و تشریح میں زمانہ کی نفسیات اور آج کے فکری ماحول کو خاص طور سے سامنے رکھا اور عالمانہ یا مدرسانہ بحثوں کے بجائے مطمح نظر بس یہ رکھا کہ پڑھنے والے کا ذہن مطمئن اور دل متاثر ہو اور اس میں اتباع کا جذبہ اور کسی درجہ میں وہ ذوقِ عمل پیدا ہو جو صحابہ کرام میں آپ کے ارشادات سے پیدا ہوتا تھا۔

اس سلسلہ کی ۴ جلدیں الحمدللہ مکمل ہو چکی ہیں

جلد اوّل۔ کتاب الایمان۔ یعنی ایمان، آخرت، قیامت، حشر، صراط، میزان، حساب، جنت، دوزخ وغیرہ سے متعلق حدیثیں......۲۰۰ صفحات، بڑا کتابی سائز، اعلیٰ کتابت طباعت...... قیمت ۵/-

جلد دوم۔ کتاب الرقاق والاخلاق۔ یعنی تزکیہ نفس اور اصلاح اخلاق کی حدیثیں۔ اس جلد کا خاص موضوع دین کا وہ شعبہ ہے جو سلوک اور تصوف کا موضوع ہے۔ ۲۰۴ صفحات، کتابت طباعت اعلیٰ قیمت...... ۵/۷۵

جلد سوم۔ کتاب الطہارۃ والصلوٰۃ۔ یعنی طہارت اور نماز کے ابواب کی حدیثیں، اس جلد کی جامعیت کا اندازہ مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے...... ۴۹۲ صفحات، کتابت طباعت اعلیٰ، قیمت ۷/-

جلد چہارم۔ کتاب الزکوٰۃ والصوم والحج۔ یعنی زکوٰۃ، روزہ، رمضان اور حج کے ابواب کی حدیثیں...... ۲۹۶ صفحات، کتابت طباعت اعلیٰ، قیمت ۵/۲۵

ہر جلد کے شروع میں مقدمہ ہے جو بجائے خود علمی و عرفانی تحفہ ہے، جس کے مطالعہ سے ایمان و یقین میں اضافہ ہوتا ہے۔

مجلد منگوانے کی صورت میں ہر جلد کی قیمت میں سوا روپے کا اضافہ ہو جائے گا۔
پوری جلد ریگزین کی خوبصورت اور پائیدار ہوگی۔

منیجر کتب خانہ الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ

کلمۂ طیبہ کی حقیقت

اسلام کے کلمہ کی دعوت

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

کی ایمان افروز تشریح

قیمت ۵۰/-

نماز کی حقیقت

ہر تعلیمیافتہ مسلمان کو ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ نماز کے مقام اور اسکی روح و حقیقت سے واقف ہونے کیلئے اور اپنی نماز میں خشوع کی کیفیت پیدا کرنے کیلئے اس رسالہ کا مطالعہ ضرور فرمائیں

قیمت ۱/۴

برکات رمضان

ماہ رمضان اور اسکے خاص اعمال اور وظائف، تراویح، اعتکاف وغیرہ کے فضائل و برکات اور انکی روحانی تاثیرات کا نہایت مؤثر و شوق انگیز بیان اور حکیم امت شاہ ولی اللہ کے طرز پر اس سلسلہ کی احادیث کی حکیمانہ تشریح ..... قیمت ۱/-

آپ حج کیسے کریں؟

حج کے موضوع پر اردو میں بیشمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں لیکن یہ کتاب (جو دراصل مولانا نعمانی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی مشترک تالیف ہے) اپنی اس خصوصیت میں اب بھی ممتاز اور منفرد ہے کہ یہ بہت آسان اور دلنشیں انداز میں حج کا طریقہ اور اسکے احکام و مناسک بھی بتاتی ہے اور وہ ذوق و شوق اور جذبۂ عشق بھی پیدا کرتی ہے جو حج و زیارت کی جان ہے۔

اللہ کے جن بندوں نے اس کتاب کو لے کر اور اسکی رہنمائی میں حج کیا ہے ان کا بیان ہے کہ بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ماہر اور مخلص معلم اور صاحب دل مرشد انگلی پکڑ کر مسنون اور عاشقانہ حج کرا رہا ہے۔ آخر میں شوق انگیز اور وجد آور نظمیں بھی شامل ہیں .... قیمت مجلد .... صرف ۲/-

آسان حج

یہ آسان زبان میں "آپ حج کیسے کریں" کا خلاصہ ہے۔ کم تعلیمیافتہ حضرات کیلئے بہترین معلم و رہنما ہے۔ جیبی سائز آفسٹ کی طباعت قیمت ۶۰/-

قریباً دو سو سال پہلے کا قابل دید سفر نامۂ حج

مرادآباد کے ایک درویش صفت عالم دین اور رئیس مولانا شاہ رفیع الدین صاحب نے جو حضرت شاہ ولی اللہؒ کے شاگرد تھے سنہ ۱۲۰۱ھ میں سفر حج کیا تھا ان کا یہ سفر دو سال میں پورا ہوا تھا۔ انھوں نے فارسی زبان میں تفصیل سے روداد سفر لکھی تھی۔ ادارۂ الفرقان نے اس کا اردو ترجمہ شائع کیا تھا جو اہل علم اور ارباب ذوق کیلئے خاص تحفہ ہے۔ قیمت ۲/-

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ پر معاندین کے الزامات

مولانا محمد منظور نعمانی کے قلم سے ان الزامات کا تحقیقی جواب

قیمت ۷۵/-

قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ

از:- مولانا نعمانی قیمت ۵۰/-

اسلام و کفر کے حدود اور قادیانیت

از:- مولانا نعمانی قیمت ۵۰/-

معرکۃ القلم

اکابر علماء دیوبند پر مولینا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے سنگین تکفیری الزامات کا تحقیقی جواب۔ مولانا نعمانی کے قلم سے ۱/۵۰

تذکرہ مجدد الف ثانیؒ

مرتبہ :- مولانا محمد منظور نعمانی

امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کے سوانح حیات، آپ کی عرفانی اور ارشادی خصوصیات، اور اس عظیم تجدیدی کارنامہ کی تفصیل جس کے نتیجہ میں اکبر اور اس کے حواریوں کا چلایا ہوا "دین الٰہی" بس تاریخی قصہ ہو کر رہ گیا اور سلطنت مغلیہ کا رخ الحاد سے صحیح اسلام کی طرف مڑ گیا۔

مجدد الف ثانیؒ کا یہی وہ خاص کارنامہ ہے جسکی وجہ سے امت نے آپ کو ایک صدی کے بجائے پورے ہزار برس (الف ثانی) کا مجدد مانا۔ یہ دراصل ماہنامہ "الفرقان" کے مجدد الف ثانی نمبر کا کتابی اڈیشن ہے۔ قیمت مجلد -/۵

مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بعد آپ کی مسند اصلاح و ہدایت کو آپ کے صاحبزادہ اور خلیفہ حضرت خواجہ محمد معصومؒ نے سنبھالا اور آپ کے کام کو تکمیل تک پہونچایا۔ آپ ہی کی تربیت نے اورنگ زیب عالمگیرؒ کو تخت حکومت پر مجاہد فی سبیل اللہ اور ذاتی زندگی اور معاشرت میں فقیر بنایا۔ آپ کے مکتوبات کا ذخیرہ جو فارسی میں تین جلدوں میں تھا اسکو تلخیص کے ساتھ اردو میں مولانا نسیم احمد فریدی نے منتقل کیا ہے۔ یہ حضرت خواجہ کے ارشاد و ہدایت کے پورے کام کا آئینہ ہے۔ بطور ضمیمہ عالمگیرؒ کا مفصل تذکرہ بھی اس کے ساتھ شامل ہے۔ شروع میں مولانا نعمانی کا مقدمہ قیمت ۴/۵۰

حضرت مولانا الیاس اور انکی دینی دعوت

تالیف :- مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
شروع میں علامہ سید سلیمان ندوی کا فاضلانہ مقدمہ قیمت مجلد -/۳
غیر مجلد ۲/۵۰

ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ :- مولانا محمد منظور نعمانی

جن لوگوں نے حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کو نہیں دیکھا وہ ان "ملفوظات" کے مطالعہ سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو پوری طرح جان سکتے ہیں۔ قیمت مجلد ۲/۵۰ غیر مجلد -/۲

انیس النساء

از : محترمہ بیگم سید اصغر حسین صاحب۔
خواتین خاص کر تعلیم یافتہ بہنوں میں دین کی طرف سے جو بے فکری اور آخرت کی طرف سے جو غفلت تیزی سے بڑھ رہی ہے اس کے علاج اور انسداد کے لیے ایک محترم بہن نے یہ رسالہ لکھا ہے شروع میں مولانا نعمانی کی طرف سے پیش لفظ ہے
قیمت ..... ۵ /۰

امام ولی اللہ دہلوی

از مولانا عبید اللہ سندھیؒ قیمت ۱/۰

دوسرے اداروں کی مطبوعات

کتب خانۂ الفرقان میں اپنی مطبوعات کے ساتھ دوسرے اداروں اور کتب خانوں کی منتخب علمی و دینی مطبوعات کا بھی ذخیرہ رہتا ہے، یہاں صرف ان کتابوں کی فہرست پیش کی جا رہی ہے جو عام طور پر کتب خانہ میں رہتی ہیں

علوم قرآنی

تفسیر ابن کثیر (اردو)

تفسیروں میں یہ سب سے زیادہ قابل اعتماد مانی گئی ہے۔ اس کے مصنف ابن کثیر دمشقی بلند پایہ محدث اور مورخ بھی ہیں، یہ سب سے پہلے قرآن کی تفسیر خود قرآن سے کرتے ہیں اس کے بعد احادیث نبوی سے اسکے بعد صحابہ و تابعین اور بعد کے ائمہ تفسیر کے اقوال نقل کرتے ہیں۔

پانچ ضخیم جلدیں، پوراسٹ مجلد ریگزین

قیمت ... ۔/۶۴

قصص القرآن

مولانا محمد حفظ الرحمان صاحب مرحوم کی بہت مشہور و مقبول تالیف جس میں امم سابقہ کے سلسلہ میں قرآن کے بیانات پر تاریخ و حدیث اور علوم عمرانی کی مدد سے تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے اور ان واقعات کے ہر ہر پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اپنے موضوع پر ایک پورا کتبخانہ ہے۔

جلد اول ۔/۱۰، جلد دوم ۔/۵، جلد سوم ۔/۷، جلد چہارم ۔/۹، مجلد منگوانے کی صورت میں جلد کی اجرت کا اضافہ ہوگا۔

تفسیر تدبر قرآن

(از مولانا امین احسن اصلاحی)

اردو کے تفسیری کتب خانے میں تابناک اضافہ

یہ تفسیر مولانا اصلاحی کے ۴۰ سالہ تدبر قرآن کا نتیجہ ہے قرآن پاک کی تفہیم کے بارے میں اسکو بجا طور پر اس دور کا شاہکار کہا جا سکتا ہے۔ اس کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ مطالعہ کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔

ابھی صرف پہلی جلد شائع ہوئی ہے جو سورۂ فاتحہ بقرہ اور آل عمران کی تفسیر پر مشتمل ہے۔

آفسٹ کی طباعت۔ بڑا کتابی سائز ۸۰۰ صفحات

نہایت مضبوط اور حسین جلد قیمت ۔/۳۰

درس قرآن (مکمل)

گھر بیٹھے قرآن سمجھیے اور سمجھائیے

نہایت سادہ انداز میں قرآن کی تعلیم کو پیش کرنے والا ایک قابل قدر سلسلہ جو عوامی افادہ کی غرض سے ایک ایک صفحہ کے سبق کی شکل میں مرتب کیا گیا ہے۔ اس کے ذریعہ ہر گھر میں درس قرآن جاری کیا جا سکتا ہے۔ صفحہ کے بالکل شروع میں قرآن کی ایک دو آیتیں اُن کے نیچے پہلے ہر لفظ کا ترجمہ پھر دوسرا بامحاورہ ترجمہ پھر مطلب و مقصد کی تشریح ہر نمبر کی الگ جلد مجلد ریگزین جلد اول ۔/۱۰، جلد دوم ۔/۱۰، جلد سوم ۔/۹، جلد چہارم ۔/۹، جلد پنجم ۔/۸، جلد ششم ۔/۷، جلد ہفتم ۔/۸ پوراسٹ مکمل، جلد قیمت ... ۔/۶۰

الجمال والکمال

(تفسیر سورۂ یوسف)

سیرت کی مقبول ترین کتاب (رحمۃ للعالمین) کے مولف قاضی سلیمان منصور پوری کی یہ کتاب پاکستان سے بڑے اہتمام سے شائع ہوئی ہے جس میں مرقع جمال و کمال سیدنا یوسف علیہ السلام کی قرآنی تصویر کو بڑے حسن و خوبی کیساتھ پیش کیا گیا ہے۔ قیمت مجلد ... ۔/۶

تفسیر آیت کریمہ (از شیخ الاسلام ابن تیمیہ)

مصنف کے نام ہی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس میں عقیدہ و عمل کی درستی اور نور ایمان میں اضافہ کا کتنا سامان ہوگا۔ قیمت ... ۳/۵۰

فہم قرآن

ازمولانا سعید احمد اکبرآبادی، ایم اے

قرآن مجید کے آسان ہونے کے کیا معنی ہیں؟ قرآن کو صحیح طور پر سمجھنا کن علوم اور کن شرائط پر موقوف ہے؟ اس سلسلہ میں احادیث نبویہ کا کیا مقام ہے یہ اس کتاب کے خاص مباحث ہیں۔ قیمت ہے ...... -/۴

وحی الٰہی

ازمولانا سعید احمد اکبرآبادی۔ اپنے موضوع پر فاضلانہ اور محققانہ کتاب ہے۔

قیمت مجلد -/۵ غیر مجلد -/۴

قرآن اور تعمیر سیرت

فلسفہ و نفسیات کے ماہر جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب کی ایک نہایت قابل قدر کتاب ہے جس میں سیرت و کردار سازی کے جامع نقطۂ نظر سے قرآن کی بعض اہم تعلیمات کا جائزہ لیا گیا ہے متعدد مقالوں پر مشتمل ہے۔

قیمت ۶/۰

قرآن اور تصوف

یہ بھی ڈاکٹر میر ولی الدین کی تصنیف ہے، موضوع نام سے ظاہر ہے۔ ڈاکٹر صاحب اپنی جدید تعلیم کے باوجود تصوف کے حامل اور داعی ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے تصوف کے بارے میں بہت سے شکوک رفع ہو جاتے ہیں۔ قیمت ...۔ ۳/-

ارض القرآن: قرآن پاک میں جن مقامات اور شہروں کے نام آئے ہیں ان پر فاضلانہ جغرافیائی مباحث ازمولانا سید سلیمان ندوی۔ قیمت

رہنمائے قرآن: قرآن کریم کے مطالعہ میں اس مختصر مقالے سے بڑی رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے، خاصکر جدید تعلیمیافتہ طبقہ کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہے۔ قیمت ۱/۰

لغات القرآن

تمام قرآنی الفاظ کی نہایت جامع اور مفصل ڈکشنری الفاظ کے معانی متعین کرنے میں جہاں علمی بحث اور تاریخی تشریح کی ضرورت پڑی ہے اس کا بھی التزام کیا گیا ہے۔ خاص طور پر اہل علم کے کام کی ہے۔ بڑے سائز کی چھ جلدوں میں مکمل ہوئی ہے،

قیمت مکمل سٹ -/۲۳

قاموس القرآن

یہ متوسط درجہ کی مگر کافی شافی قرآنی ڈکشنری ہے۔ ہر لفظ کے معنی اور لبقدر ضرورت اس کی صرفی و نحوی تشریح، نیز اہم الفاظ پر مفصل نوٹ

۸۰۰ صفحات، قیمت مجلد -/۹

مفسر قرآن مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کے

چند تفسیری رسالے

جو اپنے اپنے موضوع پر ان کے گہرے اور وسیع مطالعہ کا نچوڑ ہیں۔

قرآنی شخصیتیں:۔ قرآن میں اول سے آخر تک جن شخصیتوں کا ذکر آیا ہے ان کے بارے میں مختصر تحقیقی معلومات۔ قیمت ۲/۲۵

حیوانات قرآنی:۔ قرآن میں جن حیوانات کا تذکرہ آیا ہے ان کے بارے میں معلومات۔ قیمت ۲/-

قصص و مسائل:۔ بعض قرآنی مسائل اور قصص پر چند تحقیقی و علمی مقالات کا مجموعہ۔ قیمت ۲/-

بشریت انبیاء:۔ قرآن مجید کی بہت سی آیات سے انبیاء علیہم السلام کی بشریت کا اثبات، بہت ہی مفید رسالہ ہے۔ قیمت ۲/۲۵

الفوز الکبیر

(اردو)

تفسیر کے اصول و مبادی پر حضرت شاہ ولی اللہؒ کا بے نظیر رسالہ۔ کوزہ میں دریا۔

قیمت ۱/-

اصول تفسیر

از شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ قیمت ... ۱/۷۵

تدوین قرآن

ازمولانا سید مناظر احسن گیلانی مرحوم

قرآن کی تدوین کب اور کیسے ہوئی اور قرآن کی محفوظیت کس طرح ایک بے غبار تاریخی حقیقت ہے۔ قابل دید ہے

قیمت ۱/۵۰

عِلمُ الحدیث
حدیث کی مستند کتابوں کے ترجمے
(اکثر کراچی یا لاہور کے مطبوعہ ہیں)
بخاری شریف
تین جلدوں میں مجلد قیمت مکمل سیٹ ...... -/۴۵
مشکواۃ شریف (اردو)
دو جلدوں میں مجلد
قیمت مکمل سیٹ ‎-/۲۴
مشارق الانوار
بخاری و مسلم کی قولی احادیث کا
مجموعہ۔ مجلد ...... -/۸
شرح شمائل ترمذی (اردو)
شمائل ترمذی کی عارفانہ اور فاضلانہ
شرح۔ از شیخ الحدیث مولانا
محمد زکریا مدظلہ قیمت غیر مجلد -/۶
مختصر خصائل نبوی
یعنی شمائل کا ترجمہ بلا متن
قیمت ...... -/۱
الادب المفرد اردو ترجمہ
امام بخاری کا مرتب کردہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرتی اور
اخلاقی تعلیمات کا قابل دید مجموعہ۔
ترجمہ مع عربی متن مجلد -/۱۲ بغیر متن صرف اردو ترجمہ مجلد -/۱۰
ترمذی شریف
دو جلدوں میں مجلد قیمت مکمل سیٹ ...... -/۲۴
موطا امام مالک رح (اردو ترجمہ مع عربی متن)
ایک ہی جلد میں قیمت مجلد -/۱۲
سبل السلام شرح بلوغ المرام
ترجمہ مع عربی متن مجلد قیمت -/۱۲
حصن حصین مع عربی متن اردو ترجمہ
حضورؐ سے منقول دعاؤں کا مجموعہ
قیمت مجلد ...... -/۱۲
انتخاب صحاح ستہ
(اردو ترجمہ مع عربی متن)
قیمت مجلد ...... -/۵
مختصر شعب الایمان
از امام بیہقی قیمت ...... -/۱
موضوعات کبیر
موضوع حدیثوں کے بیان میں ملا علی
قاری رح کی مشہور کتاب کا اردو ترجمہ
قیمت ...... -/۸
ترجمان السنۃ
(از مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی)
جلد چہارم بھی آ چکی ہے
حدیث کے تشریحی لٹریچر میں یہ کتاب بلاشبہ عدیم النظیر ہے تین
جلدیں پہلے شائع ہو چکی تھیں۔ حال میں چوتھی جلد کراچی
سے شائع ہوئی ہے۔ قیمت جلد اول -/۱۲، جلد دوم -/۱۰
جلد سوم -/۱۲ (مجلد کے لیے ہر جلد کی اجرت -/۲)
جلد چہارم مجلد ...... -/۱۲
حجۃ اللہ البالغہ (مترجم)
(شیخ عبدالحق حقانی صاحب تفسیر حقانی کے ترجمہ کیا ہوا)
حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس کتاب کا موضوع
اگرچہ اسرار شریعت کا بیان ہے لیکن اس کے مطالعہ سے
احادیث نبوی کی روح کو سمجھنے کا ایک خاص دروازہ
کھل جاتا ہے
ماہرین نے اس کتاب کو شرح حدیث کی کنجی کہا ہے۔
قیمت کامل دو جلد غیر مجلد -/۳۰ مجلد -/۳۴
زاد سفر امام محی الدین زکریا نووی کی ریاض الصالحین
کا اردو ترجمہ۔ از امۃ اللہ تسنیم۔ مکمل دو حصے
قیمت مجلد ...... -/۵
لغات الحدیث (اردو) مشہور خادم احادیث مولانا وحید الزماں خاں صاحب رح
کی مرتب کردہ لغات حدیث جو اپنے موضوع پر اساتذہ اور طلبہ کیلیے
بالکل کافی وافی ہے چھ ضخیم جلدوں میں۔ قیمت مکمل ...... -/۸۰

متعلقات علم حدیث

تدوین حدیث

حدیثوں کی تدوین کس زمانہ میں شروع ہوئی اور کیونکر یقین کیا جاسکتا ہے کہ آج جو حدیثی مجموعے پائے جاتے ہیں ان کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صحیح ہے؟ یہ سوالات آج کا خاص موضوع بحث ہیں۔ یورپ کے مستشرقین اور ان سے فیض یافتہ مشرقی مصنفین نے اس معاملہ میں حد درجہ شکوک و شبہات پھیلائے اور غلط بیانیاں کیں ہیں۔ مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی مرحوم کی یہ مایۂ ناز تصنیف ان شکوک و شبہات کا بھرپور جواب ہے۔ قیمت مجلد ٦/٥٠

نصرۃ الحدیث

حدیث کے بارے میں مذکورۂ بالا سوالات کے علاوہ ایک سوال یہ بھی ہوتا ہے کہ کیا حدیث بھی قرآن کی طرح واجب العمل ہے؟ اور کیونکر ہے؟ ہمارے وقت کے مشہور صاحب نظر فاضل اور محقق عالم دین حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی نے اپنی اس کتاب میں اس سوال کا بھی مدلل جواب دیا ہے اور حدیث کی حجیت کے مسئلہ کو بے غبار کر دیا ہے قیمت ١/٥٠

محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے

از مولانا تقی الدین ندوی مظاہری۔ ائمۂ اربعہ اور اصحاب صحاح ستہ اور امام طحاوی کا مفصل تذکرہ اور تدوین حدیث کی تاریخ۔ شروع میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا بصیرت افروز مقدمہ قیمت مجلد ٤/٥٠

فن حدیث کے دو نایاب تحفے

مسند حمیدی

امام بخاری کے خاص الخاص استاد امام حمیدی کا مرتب کیا ہوا یہ مجموعہ جو در اصل صحیح بخاری کا خاص ماخذ ہے اب تک نایاب سا ہو گیا تھا اس بلند پایہ صحیفے کے جگہ جگہ بکھرے ہوئے اوراق کو ہمارے ملک کے مایۂ فخر محدث مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے بڑی تلاش و جستجو سے اکٹھا کیا اور اپنے گرانقدر حواشی و تعلیقات کے ساتھ نئے علمی مذاق کے مطابق ایڈٹ کر کے اعلیٰ اشاعت کا انتظام کرایا۔ بہترین عربی ٹائپ سے اعلیٰ درجے کے کاغذ پر دو جلدیں طبع ہوئی ہیں .... قیمت مکمل -/١٤

کتاب الزہد والرقائق

امت کے جلیل القدر امام عبداللہ بن المبارک کے نام سے کون عالم واقف نہیں ہے وہ امام بخاری کے استاذ الاستاذ اور امت کے متفق علیہ امام ہیں۔ ان کی اس جلیل القدر کتاب کا بھی بس نام سنا جاتا تھا اسکو بھی مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی نے ایڈٹ کر کے نہایت مفید اور ایمان افروز مقدمہ کے اضافہ کے ساتھ بڑے اہتمام کے ساتھ نہایت اعلیٰ کاغذ پر شائع کرایا ہے ہر عالم دین کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے اور ہر کتب خانہ میں اس کا نسخہ ضرور ہونا چاہیے۔
قیمت -/٣٠

بستان المحدثین

کتب حدیث کا تعارف اور ائمۂ حدیث کا تذکرہ حضرت شاہ عبدالعزیز کی بہت مفید اور جامع کتاب ہے۔ فن حدیث کے طول و عرض اور اس کی گہرائی سے واقف ہونے کے لیے اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ قیمت مجلد -/٦

عجالۂ نافعہ مع شرح فوائد جامعہ

عجالۂ نافعہ فن حدیث پر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی بے نظیر تصنیف ہے۔ اس شرح نے اس کی افادیت میں بڑا اضافہ کر دیا ہے اب فن حدیث سے دلچسپی رکھنے والوں کیلئے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے۔
قیمت مجلد -/١٥

علم الحدیث (از مولانا عبداللہ [illegible]) علم حدیث پر ایک مفید مختصر رسالہ جس سے بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں۔ قیمت ١/٢٥

کتابت حدیث از مولانا سید منت اللہ رحمانی۔ حدیث کی کتابت کا مسئلہ ایک مشہور مسئلہ ہے جس پر اس رسالہ میں روشنی ڈالی گئی ہے۔
قیمت ١/٢٥

اصول حدیث۔ از مولانا محمد ادریس ندوی نگرامی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء۔ قیمت -/٢٥

فقہ الحدیث۔ از مولانا اصغر حسین صاحبؒ دیوبندی۔
قیمت -/١

سیرتِ نبوی ﷺ پر منتخب کتابیں

زاد المعاد (اردو) از حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر جو کتابیں گزشتہ صدیوں میں لکھی گئی ہیں ان میں علم و تحقیق کے لحاظ سے زاد المعاد کا خاص مقام ہے۔ یہ چار جلدوں میں ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی ۴ ہی جلدوں میں ہے۔
قیمت مکمل سٹ، مجلد -/۴۸

رحمۃ للعالمین کامل ۳ جلد از قاضی سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ سیرت پر بے نظیر مقبول اور محبت آفریں کتاب ہے۔ تعارف سے بے نیاز ہے۔
قیمت کامل -/۲۰

اسلام (آغاز و ارتقا) از حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی۔ قیمت -/۶

اصح السیر مولانا عبد الرؤف دانا پوری مرحوم کی تالیف کردہ نہایت محققانہ اور مستند سیرت نبوی ﷺ۔
قیمت -/۱۰

خطبات مدراس حیات نبوی ﷺ کے مختلف پہلوؤں پر علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کے خطبات جو مرحوم کے علم و تحقیق کا نچوڑ ہیں۔
قیمت -/۳

رحمت عالم از مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ یہ کتاب خاص طور سے مدارس اور اسکولوں کے طلبہ کے لیے لکھی گئی ہے۔ قیمت ۱/۷۵

پیغمبر عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر ایک نئی مستند فاضلانہ کتاب۔ از مولانا عبد الصمد رحمانی نائب امیر شریعت صوبہ بہار
قیمت ۶/۷۵

مقالات سیرت (جدید ایڈیشن) از ڈاکٹر محمد آصف قدوائی ایم اے پی ایچ ڈی) سیرت نبوی پر آٹھ گرانقدر مقالات کا مجموعہ جسکو مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے اپنے مقدمہ میں دل کھول کر خراج تحسین ادا کیا ہے قیمت -/۵

سیرت محمدیہ از سر سید احمد خاں مرحوم۔ صوبہ یو پی کے ایک انگریز گورنر سر ولیم میور نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک کتاب "لائف آف محمد" لکھی تھی جو زہر افشانیوں اور افترا پردازیوں سے لبریز تھی، سر سید مرحوم نے لندن میں بیٹھ کر اسکے جواب میں "سیرت محمدیہ" لکھی۔ تاریخی اور معرکۃ الآرا کتاب ہے۔
قیمت مجلد -/۱۲

سیرۃ الرسول مصری فاضل ڈاکٹر محمد حسین ہیکل کے قلم سے سیرت کے موضوع پر ہمارے اس دور کی نہایت اہم اور معرکۃ الآرا کتاب ہے۔ ترجمہ از مولانا محمد وارث کامل۔
قیمت -/۱۲

دعوت اسلام مصنفہ سر تھامس آرنلڈ۔ ترجمہ از مولوی عنایت اللہ دہلوی۔ سر تھامس علامہ اقبال کے استاد تھے انکی کتاب "پریچنگ آف اسلام" کا یہ ترجمہ سر سید احمد خاں نے کرایا تھا پڑھنے کے قابل کتاب ہے۔
قیمت مجلد -/۹

پہلی تقریر سیرت سیرت نبوی ﷺ پر مولانا احمد سعید صاحب دہلوی مرحوم کی ایک معرکۃ الآرا تقریر
قیمت ۱/۷۵

دوسری تقریر سیرت سیرت ہی کے موضوع پر مولانا مرحوم کی یہ دوسری معرکۃ الآرا تقریر ہے۔
قیمت ۲/۵۰

اشاعت اسلام
مولانا حبیب الرحمن عثمانی سابق مہتمم دار العلوم دیوبند کی مشہور و مقبول تصنیف۔
قیمت -/۶

اسوۂ حسنہ
مصائب سرور کونین ﷺ کا مفصل بیان۔ مولانا ظفیر الدین مفتاحی کے قلم سے۔ قیمت -/۳

سیرت خلفاء راشدین و اکابر صحابہ

صدیق اکبر:۔ از مولانا سعید احمد اکبرآبادی مولانا شبلی مرحوم کے "الفاروق" کے بعد اردو زبان میں سیرت صدیق اکبر کا جو خلا محسوس ہوتا تھا اس کو اس کتاب نے کافی حد تک پُر کر دیا ہے۔ ندوۃ المصنفین کی شائع کردہ ہے۔ قیمت .. .. .. -/۸

الفاروق علامہ شبلی مرحوم کا مشہور شاہکار قیمت .. .. -/۶

ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم:۔ از ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری ترجمہ۔ (از شاہ حسن عطا ایم اے) حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا زمانہ خلافت دراصل عہد نبوی کا تتمہ تھا۔ ان ۱۲ سالوں میں جو ہوا جس نے دنیا کا رخ بدل دیا، اور جو بلاشبہ تاریخ انسانی کا ایک معجزہ ہے، پوری تفصیل اس کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے۔ قیمت مجلد ۶/۷۵

تاریخ ردّہ:۔ از ڈاکٹر خورشید احمد صدر شعبہ عربی دلی یونیورسٹی عہد صدیقی کی بغاوتوں اور عسکری سرگرمیوں کی مفصل تاریخ۔ قیمت .. .. .. -/۴

حضرت ابوبکرؓ کے سرکاری خطوط:۔ ڈاکٹر خورشید احمد صاحب کی فاضلانہ تصنیف قیمت .. .. -/۵

حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط:۔ بڑی محققانہ اور فاضلانہ قابل مطالعہ تالیف ہے۔ قیمت .. .. -/۸

حضرت عثمانؓ کے سرکاری خطوط:۔ از ڈاکٹر خورشید احمد صاحب۔ قیمت .. .. -/۴

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کی فقہ:۔ شائع کردہ ندوۃ المصنفین دہلی۔ قیمت .. .. -/۴

کرامات صحابہؓ: از مولانا تھانوی۔ قیمت ۱/۵۰

خلفائے راشدین اور اہلبیت کے باہمی تعلقات از مولانا احتشام الحسن کاندھلوی۔ قیمت ۱/۷۵

خلافت راشدہ:۔ از فرید الوحیدی قیمت .. .. .. -/۱

فاطمہ کا چاند:۔ از مولانا عبدالصمد رحمانی قیمت ۲/۲۵

شہید کربلا:۔ از قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی قیمت .. .. .. -/۱

ترجمہ تاریخ الخلفاء (سیوطی) خلافت راشدہ سے مصر کے فاطمی خلفاء تک کی تاریخ۔ قیمت .. .. -/۱۲

فاتح مصر:۔ فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کی شخصیت اسلام لانے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی سیاسی بصیرت و کردار اور جنگ کی مہارت کے لحاظ سے بہت ممتاز تھی۔ انکی مفصل سوانح مصر کے ایک فاضل استاد محمد فرج نے لکھی ہے اس کا کامیاب اردو ترجمہ شیخ محمد احمد نے کیا ہے۔ قیمت .. .. -/۱۲

ابوذر غفاریؓ:۔ از مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ صحابہؓ میں حضرت ابوذر غفاری کی ایک نرالی شان تھی۔ ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ابوذر سے زیادہ سچے انسان پر آسمان نے سایہ نہیں ڈالا۔ مولانا گیلانی مرحوم نے یہ سیرت بڑے فاضلانہ اور ساتھ ہی مجذوبانہ انداز میں لکھی ہے سطر سطر سے دل میں ایمان پیدا ہوتا ہے۔ قیمت ۴/۲۵

حیات الصحابہ کامل:۔ داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی فاضلانہ تالیف حیات الصحابہ جو عربی زبان میں تین ضخیم جلدوں میں ہے اس کا ترجمہ تین ہی جلدوں میں۔ آفسٹ کی طباعت مجلد رنگین قیمت جلد اول -/۱۲ جلد دوم -/۱۲ جلد سوم -/۱۲ مکمل سٹ -/۳۴

محسن اعظم اور محسنین:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے تذکرہ میں قابل مطالعہ کتاب ہے۔ قیمت -/۵

حکایات صحابہ:۔ قیمت ۱/۵۰

ملت اسلامیہ کی تمدنی و سیاسی تاریخ

تاریخ طبری مکمل (نو حصوں میں)

(ترجمہ سید ابراہیم ندوی و علامہ عبداللہ العمادی)

حصہ اول (عہد نبوت) قیمت -/۱۶

حصہ دوم (خلافت راشدہ از سنہ ۱۱ تا سنہ ۱۳)
قیمت -/۱۲

حصہ سوم (خلافت راشدہ از سنہ ۱۳ تا سنہ ۳۲) قیمت -/۱۴

حصہ چہارم (از سنہ ۱۲ تا سنہ ۶۶)
قیمت -/۱۵

حصہ پنجم (اموی دور حکومت از سنہ ۶۷ تا سنہ ۹۹) قیمت -/۱۵

حصہ ششم (از سنہ ۹۹ تا سنہ ۱۳۱) -/۱۵

حصہ ہفتم (عباسی دور حکومت (اول))
قیمت -/۱۵

حصہ ہشتم (عباسی دور حکومت (دوم))
قیمت -/۱۵

حصہ نہم (عباسی دور حکومت سوم)
قیمت -/۱۵

تاریخ ابن خلدون (کامل)

(ترجمہ حکیم احمد حسین الہ آبادی)

حصہ اول (عہد نبوت و خلافت راشدہ)
قیمت -/۱۵

حصہ دوم (خلافت معاویہ و آل مروان)
قیمت -/۱۵

حصہ سوم (خلافت بنو عباس (اول)) قیمت -/۱۰

حصہ چہارم (خلافت بنو عباس (دوم)) -/۱۱

حصہ پنجم (امرائے اندلس و خلفائے مصر)
قیمت -/۱۵

حصہ ششم (غزنوی اور غوری سلاطین)
قیمت -/۱۵

حصہ ہفتم.. (سلجوقی اور خوارزم شاہی سلاطین)
قیمت [illegible]

تاریخ ملت

شائع کردہ ندوۃ المصنفین، دہلی
عہد رسالت سے سلاطین ہند تک
گیارہ حصوں میں
قیمت مکمل سٹ -/۳۵

تاریخ اسلام

(مصنفہ مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی)
کامل ۳ حصوں میں

حصہ اول۔ عہد نبوی اور خلافت راشدہ

حصہ دوم۔ بنو امیہ و بنو عباس کا عہد۔

حصہ سوم۔ اندلس، دولت معاویہ، سلجوقیہ، عثمانیہ، خوارزم شاہیہ اور اس دور کی تمام مسلمان حکومتوں کے تفصیلی حالات جو اپنے اندر بڑی عبرتیں اور بصیرتیں لیے ہوئے ہیں۔

قیمت مکمل ہر سہ حصہ ...... -/۴۲

تاریخ اسلام پر ایک نظر

ندوۃ المصنفین کی شائع کردہ قابل دید فاضلانہ کتاب ہے۔ قیمت مجلد -/۷

خلافت بنو امیہ

امام ابن الاثیر جزری کی تاریخ کامل سے اردو ترجمہ۔ از سید ہاشم ندوی
خلافت بنو امیہ کے بارے میں سوچنے والوں کے لیے اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ دور بنی امیہ کا سارا سیاہ و سفید آپ کو اس میں ملے گا۔

حصہ اول۔ سنہ ۴۰ سے سنہ ۶۴ تک
قیمت ..... -/۱۲

حصہ دوم۔ سنہ ۶۴ سے سنہ ۱۳۲ تک
قیمت ..... [illegible]

فتوح البلدان بلاذری

احمد بن یحییٰ البلاذری متوفی سنہ ۲۷۹ کی "فتوح البلدان" تاریخ اسلام کی قدیم مستند کتابوں میں سے ہے اور اکثر مورخین کا خاص ماخذ ہے ــــ اردو ترجمہ سید ابو الخیر مودودی نے کیا ہے۔ قیمت -/۱۸

تاریخ غرناطہ

لسان الدین محمد الخطیب الغرناطی کی کتاب الاحاطہ فی اخبار غرناطہ کا سلیس اردو ترجمہ۔ از حکیم [illegible]
قیمت حصہ اول -/۱۲ حصہ دوم [illegible]

خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر

[illegible] ترجمہ
اندلس میں اسلامی [illegible]
صبح درخشاں طارق [illegible]
سے طلوع ہوئی تو [illegible]
اس کا صحیح نصف [illegible] صاحب
[illegible] تقریر

تاریخ فاطمیین

از ڈاکٹر زاہد علی ڈاکٹر (آکسفورڈ) مرحوم
یہ کتاب خود فاطمی مصنفین [illegible] سے ماخذ کرکے لکھی ہے۔ حصہ اول [illegible]
حصہ دوم ۹۰

تاریخ تمدن اسلام

جرجی زیدان کی شہرۂ آفاق [illegible]
ترجمہ۔ دو حصے۔ قیمت

مقدمہ ابن خلدون

فلسفہ تاریخ پر عدیم النظیر [illegible]
متعلقہ نقشوں اور تصاویر [illegible]
قیمت ..... [illegible]

اسلامی ہند کی تاریخ

مغلیہ دورِ حکومت :۔ چار حصوں میں۔ یعنی
۔ ۔ ۔ ۔ خافی خان نظام الملک کی "منتخب اللباب" کا اردو
ترجمہ۔ از محمود احمد فاروقی۔ حصہ اول۔ بابر سے
جہانگیر تک ۷۵/۱۰ حصہ دوم۔ دورِ شاہجہانی
۷/۲۵ حصہ سوم۔ دورِ عالمگیری ۔/۱۱
حصہ چہارم۔ شاہ عالم سے محمد شاہ تک ۔/۱۲

۔ ۔ ۔ ۔ تاریخ جہانگیری :۔ جہانگیر کے دورِ
حکومت کی مکمل تصویر تصنیف معتمد خان بخشی۔ ترجمہ
۔ ۔ ۔ ۔ قیمت مجلد ۔۔ ۔۔ ۶/۷۵

۔ ۔ ۔ ۔ کے ایام اسیری اور عہد اورنگ زیب
۔ ۔ ۔ ۔ برنیر (فرانسیسی) ترجمہ خلیفہ
ایک معتبر ۔ ۔ ۔ ۔
۔ ۔ ۔ ۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔/۱۲

۔ ۔ ۔ ۔ اس کا مصنف ساقی خان
تاریخ ۔ ۔ ۔ ۔ حیثیت سے زندگی بھر اورنگ زیب
۔ ۔ ۔ ۔ کے مطالعہ سے حیات عالمگیری
عہد بعہد ۔ ۔ ۔ ۔ وں کے سامنے آجاتی ہے۔
تاریخ۔ علی طالب قیمت

حضرت ۔ ۔ ۔ ۔ :۔ شہزادہ داراشکوہ کی
۔ ۔ ۔ ۔ ۔۔ ۔۔ ۔/۴
احمد صاحب ۔ ۔ ۔ ۔ قیمت ۔۔ ۔/۴

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ترجمہ عنایت اللہ دہلوی
۔ ۔ ۔ ۔ ۔۔ ۔۔ ۔/۱۲

۔ ۔ ۔ ۔ دورِ شاہی :۔ آٹھویں صدی ہجری
کے بادشاہ فیروز شاہ تغلق کی مکمل
۔ ۔ ۔ ۔ اور اس کے پرشکوہ عہد حکومت
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کا قابلِ اعتماد تذکرہ
۔ ۔ ۔ ۔ ایک مصنف نے قلمبند کیا ہے
قیمت ۔۔ ۸/۲۵

۔ ۔ ۔ ۔ روشنی :۔ شائع کردہ
کرامات ۔ ۔ ۔ ۔ دہلی۔
۔۔ ۔۔ ۔/۳

سفر نامہ ابن بطوطہ :۔ ترجمہ رئیس احمد
جعفری۔ ابن بطوطہ نے جب دنیا کی سیاحت
کے لیے کمر ہمت باندھی تو وہ ۲۵ سال کا نوجوان
تھا اور جب یہ سیاحت ختم کی تو ۵۰ سال کا بوڑھا
ہوچکا تھا۔ محمد تغلق کے زمانہ میں وہ ہندوستان
بھی آیا اور اس کا سفر چین تک بھی گیا۔
ہر تعلیم یافتہ کو یہ سفرنامہ ضرور پڑھنا چاہیے مکمل
دو حصے قیمت مجلد ۔ ۔ ۔ ۔/۱۸

آئینۂ حقیقت نما :۔ از اکبر شاہ خاں
نجیب آبادی انگریزوں نے سیاسی اغراض
کے تحت مسلمان بادشاہوں کے ظلم و ستم کی جو
داستانیں تاریخ کا جزبنا دی تھیں جن کو پڑھ کر
ہندوؤں کو آج تک مسلمانوں کا دشمن بنا رکھا
ہے مولانا نے اس کتاب میں ان سب کا پردہ
چاک کیا ہے۔ قیمت ۔ ۔ ۔ ۔/۱۲

سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات
از پروفیسر خلیق احمد نظامی۔ قیمت ۔/۸

ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ کی ایک جھلک
از سید صباح الدین عبدالرحمٰن
قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔/۸

ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ کا فوجی نظام
از سید صباح الدین عبدالرحمٰن
قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔/۸

بزمِ مملوکیہ ۔ از سید صباح الدین
عبدالرحمٰن۔ ہندوستان کے غلام سلاطین
کا تذکرہ اور ان کے کارنامے۔
قیمت ۔۔ ۔۔ ۵/۵۰

ہندوستان شاہانِ مغلیہ کے عہد میں
از مولانا سید محمد میاں صاحب۔
قیمت ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔/۴

ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں
شائع کردہ ندوۃ المصنفین دہلی۔
قیمت ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔/۴

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء
مصنفہ سید خورشید مصطفیٰ بی، ایس، سی۔
۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی میں اہل وطن
کا جذبۂ ایثار و قربانی اور اس کی واقعاتی
تصویر پیش کرنے میں یہ کتاب بے نظیر
ہے۔ قیمت ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔/۴

۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ
قیمت مجلد ۔/۵ غیر مجلد ۴/۵۰

ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء
از مفتی انتظام اللہ شہابی
قیمت ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۱/۲۵

غدر کے چند علماء
از مفتی انتظام اللہ شہابی۔
قیمت ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۱/۵۰

علماءِ حق اور ان کی داستانیں
از مفتی انتظام اللہ شہابی۔
قیمت ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۱/۲۵

اکابر و مشائخ کے سوانح و تذکرے

حیات امام ابو حنیفہؒ: تالیف شیخ ابو زہرہ (ترجمہ اردو) قیمت ۱۵/-

سیرۃ النعمان: از علامہ شبلی نعمانی قیمت ... ۴/-

امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی

از مولانا سید مناظر احسن گیلانی ۱۵/-

حیات امام مالکؒ: تالیف استاذ ابو زہرہ (ترجمہ اردو) ۱۰/-

امام شافعی: از استاد ابو زہرہ ترجمہ اردو قیمت ۱۲/-

حیات امام ابن حزم: تالیف شیخ ابو زہرہ ترجمہ ۱۸/-

حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ از استاذ ابو زہرہ ترجمہ اردو ۲۶/-

تذکرہ امام غزالی: از مولانا مطیع الحق دیوبندی ... ۲/-

امام غزالی کا فلسفہ مذہب و اخلاق شائع کردہ ندوۃ المصنفین دہلی ۹/-

حیات ابن القیمؒ (اردو) قاہرہ یونیورسٹی کے استاذ عبدالعظیم شرف الدین کے قلم سے ... ۱۵/-

حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی از پروفیسر خلیق احمد نظامی ... ۸/-

تذکرہ شیخ محمد طاہر محدث پٹنی شائع کردہ ندوۃ المصنفین ۱/۵۰

تذکرہ مجدد الف ثانی: مرتبہ مولانا محمد منظور نعمانی۔ قیمت ۵/-

تذکرہ شاہ ولی اللہؒ: شاہ صاحب کا سیاسی ماحول اور ان کا تجدیدی کارنامہ از مولانا گیلانی مرحوم ۴/۵۰

طبقات الاولیاء

(امام شعرانی کی الطبقات الکبریٰ کا ترجمہ) صدیق اکبرؓ سے کر کتاب کے زمانہ تصنیف (۹۵۲ھ) تک کے اولیاء امت کا جامع و مفصل اور مستند تذکرہ۔ بڑا سائز ۷۰۵ صفحات۔ قیمت ... ۱۵/-

تاریخ دعوت و عزیمت (کامل): مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی اہم تالیف جس میں امت کے مجددین و مصلحین کے تجدیدی کارناموں پر ایمان افروز روشنی ڈالی گئی ہے۔ جلد اول میں عمر بن عبدالعزیزؒ، حسن بصریؒ، ابو الحسن اشعریؒ، امام غزالیؒ، شیخ جیلانیؒ علامہ ابن جوزیؒ کا، جلد دوم میں ابن تیمیہ اور ان کے تلامذہ کا، جلد سوم میں خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور خواجہ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ قیمت جلد اول ۶/- جلد دوم ۶/۵۰ اور جلد سوم ۵/-

شاہ محمد غوث گوالیاری: از پروفیسر مسعود احمد ایم اے قیمت ۶/۵۰

حیات امداد: حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی سوانح حیات۔ از پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی ... ۴/-

تجلیات عثمانی: سوانح مولانا شبیر احمد عثمانیؒ۔ از پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی۔ قیمت ... ۱۰/-

تذکرۃ الرشید (کامل) از مولانا عاشق الٰہی میرٹھی۔ قیمت ... ۸/-

سوانح قاسمی (کامل ۳ جلد) از مولانا سید مناظر احسن گیلانی۔ قیمت ... ۱۵/-

سوانح حضرت رائے پوری: از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی۔ زیر طبع

تاریخ فلاسفۃ الاسلام

تصنیف ڈاکٹر محمد لطفی جمعہ۔ ترجمہ ڈاکٹر میر ولی الدین پی ایچ ڈی۔ کندی، فارابی، بو علی سینا، امام غزالی، ابن رشد، ابن خلدون جیسے فلاسفۂ اسلام کے حالات اور ان کے خاص افکار و نظریات اور دنیا پر ان کے اثرات۔ قیمت ... ۸/۷۵

نظام الملک طوسی: از مولانا عبدالرزاق کانپوری ... ۱۵/-

البرامکہ: از مولانا عبدالرزاق کانپوری قیمت ... ۱۵/-

المامون: علامہ شبلی کی پہلی تاریخی تصنیف ... ۶/-

علماء ہند کا شاندار ماضی

مولانا سید محمد میاں کی شہرہ آفاق کتاب ۱۰/۵۰

علماء صادق پور: از مولانا سید محمد میاں صاحب۔ قیمت ... ۲/-

تذکرہ مولانا فضل الرحمٰن: از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی ... ۲/۵۰

سیرت مولانا محمد علی مونگیری

از سید محمد الحسنی اڈیٹر تعمیر حیات ... ۶/-

نقش حیات حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی خود نوشت سوانح حیات جلد اول ۵/- دوم ۵/-

سیرت فریدیہ: از سر سید احمد خاں قیمت ... ۳/-

مولانا محمد احسن نانوتوی

از محمد ایوب قادری ... ۴/-

سوانح مولانا محمد الیاسؒ ۳/-

سوانح مولانا محمد یوسفؒ ۱۰/-

مختلف موضوعات پر قابل مطالعہ کتابیں

عرب دُنیا مصنفہ سجلا عزالدین ترجمہ ڈاکٹر محمود حسین — اس کے آئینہ میں پوری عرب دنیا دیکھی جا سکتی ہے۔ قیمت مجلد -/۱۲

اسلامی معاشیات از مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ علم و تحقیق کا شاہکار ہے۔ قیمت -/۱۵

ہزار سال پہلے از مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کے سیاحوں نے جو کچھ اپنے سفرناموں اور تالیفات میں لکھا مولانا گیلانیؒ کے ذہن رسا نے ان سے اخذ کرکے یہ مرقع تیار کیا تھا۔
قیمت ۴/۲۵

مقالاتِ احسانی تصوف و سلوک کے موضوع پر مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کے مقالات کا ضخیم مجموعہ...... قیمت مجلد ... ۶/۵۰

مسلمانوں کی فرقہ بندی کا افسانہ
از مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ ۱/۵۰

اسلام کا نظامِ حکومت
شائع کردہ ندوۃ المصنفین۔ قیمت -/۸

مسلمانوں کا نظمِ مملکت قیمت -/۷

اسلام کا اقتصادی نظام۔ از مولانا حفظ الرحمٰن مرحوم۔ قیمت -/۸

اسلام کا زرعی نظام " -/۵

اسلام کا نظامِ عفت و عصمت -/۵

اسلام کا نظامِ مساجد قیمت -/۵

اسلام کا نظامِ اراضی " ۷/۵۰

اسلامی حکومت کے نقش و نگار ۱/۷۵

مسلمانوں کا عروج و زوال۔ از مولانا سعید احمد اکبر آبادی۔ قیمت -/۷

فقہ الاسلام تصنیف حسن احمد الخطیب ترجمہ سید رشید احمد ارشد ایم اے — اس میں اسلامی شریعت کے اصولوں اور فقہی قوانین کو جدید انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اور قرآن و حدیث اور ائمہ مجتہدین کے اصول اور طرز عمل کی روشنی میں بتایا گیا ہے کہ اسلامی قوانین میں اسقدر وسعت اور لچک ہے کہ وہ ہر زمانہ کے تقاضوں کو پورا کر سکتے ہیں۔ نیز اسلامی قوانین کا مغربی قوانین سے مقابلہ کرکے انکی برتری ثابت کی گئی ہے۔
قیمت مجلد -/۱۲

تاریخ عالم کا انسائیکلوپیڈیا
مشہور مغربی فاضل ولیم لینگر کے زیر اہتمام دنیا کے سو معروف و ممتاز تاریخ دانوں نے تاریخ عالم کی یہ انسائیکلوپیڈیا مرتب کی تھی۔ مولانا غلام رسول مہر نے نئی ترتیب اور تہذیب کے ساتھ اسکو اردو میں منتقل کیا۔ اور بڑی جانسوزی اور جگر کاوی سے نہایت اہم معلومات کا حواشی میں مستقل اضافہ بھی کیا۔ ماضی اور حال سے پوری طرح باخبر رہنے کے لیے یہ کتاب اتنی مفید ہے کہ تھوڑی سی مدت میں امریکہ میں اسکے تین اڈیشن قریباً دس لاکھ کے نکل چکے ہیں۔ تین ضخیم جلدیں ہیں۔ جلد اول۔ تاریخ اسلام۔ جو ابتداء اسلام سے لیکر اس زمانہ تک کے مسلمانوں کے مد و جزر اور دنیا بھر کی اسلامی حکومتوں کے احوال کا نہایت جامع مرقع ہے گویا پوری چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ کا آئینہ ہے۔ جلد دوم۔ ابتداء سے عہد نپولین کے آخر تک کی پوری دنیا کی عام تاریخ۔
جلد سوم عہد نپولین کے بعد سے ۱۹۵۰ء تک۔
قیمت کامل مجلد -/۳۶

آپ سے پچاس سال پہلے۔ پہلی جنگ عظیم کے زمانہ میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور انکے چند جانباز رفیقوں نے مجاہدانہ جذبے اور منصوبے کے تحت ہندوستان سے کابل ہجرت کی تھی یہ سات سال کابل میں رہے اسکے بعد روس میں رہے اسکے بعد ترکی گئے۔ ان میں ایک نوجوان ظفر حسن ایبک تھے جو مولانا سندھی مرحوم کے گویا سکریٹری تھے انھوں نے اس معرکہ کی سرگزشت "آپ بیتی ظفر حسن ایبک" کے نام سے لکھی ہے۔ ہندوستان و پاکستان کے ہر پڑھے لکھے مسلمان کو اسے ضرور پڑھنا چاہیے۔
قیمت۔ جلد اول -/۵ جلد دوم ۴/۵۰

عبرت نامہ اندلس مکمل ۲ جلد تصنیف پروفیسر رین ہارٹ ڈوزی۔ ترجمہ مولوی عنایت اللہ دہلوی مرحوم — مرحوم اندلس پر پروفیسر ڈوزی کی یہ کتاب علم و تحقیق و جامعیت کے علاوہ اس لحاظ سے بھی ممتاز ہے کہ اس سے بہت سی ان غلط اور شر انگیز باتوں کی پوری تردید ہو جاتی ہے جو اس سے پہلے اکثر مغربی مصنفین نے اندلس ہی کے سلسلے میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف لکھی ہیں اور جنہوں نے اہل مغرب کی ذہنیتوں کو مسموم کر رکھا ہے۔
قیمت کامل ... مجلد ... -/۲۰

سرکشی ضلع بجنور از سر سید احمد خان یہ نیا اڈیشن شرافت حسین مرزا نے اپنے تعارف و مقدمہ کے اضافہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔ قیمت -/۶

مختلف مصنفین اور اداروں کی قابل مطالعہ مطبوعات

تصانیف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ

خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی قیمت -/۶
فضائل درود شریف ۱/۰۵
حکایات صحابہ ۱/۵۰
فضائل نماز ...... [illegible]
فضائل قرآن مجید ...... -/۶۰
فضائل رمضان شریف ...... -/۵۵
فضائل تبلیغ ...... -/۳۰
فضائل ذکر ۱/۶۰
فضائل حج ۲/۵۰
فضائل صدقات (مکمل مجلد) ۶/۵۰
الاعتدال (اسلامی سیاست) ۳/-

مجلس تحقیقات و نشریات لکھنؤ کی اہم مطبوعات

اسلام اور مغربیت کی کش مکش
مولانا علی میاں کی معرکۃ الآرا کتاب ۵/-

انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر
یہ مولانا علی میاں کی عربی تصنیف "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" کا اردو اڈیشن ہے۔ اس کا انگریزی اور ترکی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ اہل نظر نے اسکو اس دور کی عظیم ترین تصنیف کہا ہے۔
نیا اڈیشن۔ قیمت ۶/-

ہندوستانی مسلمان
از مولانا علی میاں۔ قیمت ۳/۵۰

طوفان سے ساحل تک
آسٹریلین نو مسلم محمد اسد کی معرکۃ الآرا کتاب "روڈ ٹو مکہ" کا تلخیصی ترجمہ۔ قیمت ۵/-

علم جدید کا چیلنج وحید الدین خاں کی معرکۃ الآرا تصنیف ۵/-

مقالات سیرت۔ قیمت ۵/-

چند تصانیف حضرت حکیم الامتؒ

تعلیم الدین ...... مجلد ۱/۷۵
حیات المسلمین ...... " ۱/۷۵
اصلاح الرسوم ...... " ۱/۰۵
اعمال قرآنی ۱/۶۰
کرامات صحابہ ۱/۵۰
بہشتی زیور ۱۳/۵۰

تصانیف مولانا عبد الباری ندوی

تجدید دین کامل ۶/-
تجدید تعلیم و تبلیغ ۳/-
تجدید معاشیات ۵/-
نظام صلاح و اصلاح ۲/-

ندوۃ المصنفین دہلی کی وہ مطبوعات جن کا پہلے ذکر نہیں آیا ہے

اخلاق اور فلسفۂ اخلاق۔ از مولانا حفظ الرحمٰن مرحوم ۱۰/-
اسلام میں غلامی کی حقیقت
از مولانا سعید احمد اکبر آبادی۔ ۵/-
غلامان اسلام از مولانا اکبر آبادی۔ ۸/-
اسلامی دنیا دسویں صدی عیسوی میں
از ڈاکٹر خورشید احمد پی ایچ ڈی ۵/-
اسلامی کتب خانے ۵/-
تاریخ ادبیات ایران ۸/-
لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر ۴/-
العلم والعلماء (اردو) تصنیف ابن عبد البر ترجمہ عبد الرزاق ملیح آبادی ۵/۵۰
مرزا مظہر جانجاناں کے خطوط ۴/-
عرب و ہند عہد رسالت میں ۴/-
نیل سے فرات تک ۳/-
عروج و زوال کا الٰہی نظام ۳/-
فلسفہ کیا ہے ۲/-
قرن اول کے ایک مدبر ۳/-
جامع بنارشاہ ۵/-

مصباح اللغات

مجلد چرمی ۱۶/-

تصانیف مولانا احمد سعید صاحب

ترجمہ قرآن و تفسیر تسہیل القرآن
اس تفسیر میں وہ سب کچھ ہے جو قدیم معتبر تفسیروں میں ہے اور سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ترجمہ و تفسیر دونوں کی زبان اتنی آسان ہے کہ اس سے زیادہ آسان لکھنا ممکن نہیں ہر گھر میں یہ ہونا چاہیے۔ آفسٹ کی طباعت ہر طرح دیدہ زیب
قیمت ۲ جلد مجلد ۳۰/-
خدا کی باتیں ۲/۷۵ رسول کی باتیں ۲/-
صلوٰۃ و سلام ۱/- پہلی تقریر سیرت ۱/۷۵
دوسری تقریر سیرت ۲/۵۰ جنت کی کنجی ۳/۲۵
جنت کی ضمانت ۱/- مشکل کشا (دعا و وظائف) ۲/۲۵

دار العلوم ندوۃ العلماء کی نصابی مطبوعات

قصص النبیین حصہ اول قیمت -/۷۵
" " حصہ دوم " -/۷۵
" " حصہ سوم " -/۷۵
القراءۃ الراشدہ اول " ۱/۱۲
" " دوم " ۱/۳۸
" " سوم " ۲/۲۵
معلم الانشاء اول " ۱/۷۵
" " دوم " ۲/۶۲
" " سوم " ۲/۵۰
تمرین النحو ...... " ۱/۳۷
تمرین الصرف ...... " ۲/۲۵
مختارات حصہ اول " ۴/-
" حصہ دوم " ۵/-

منشورات

الادب العربی ...... " ۴/-
النبوۃ والانبیاء ...... " ۳/-
جزیرۃ العرب ...... " ۵/-

سوانح

حضرت مولانا محمد یوسف (رحمۃ اللہ علیہ)

جسے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی نگرانی میں
مولانا سید محمد ثانی حسنی مدیر ماہنامہ رضوان لکھنؤ نے مرتب کیا

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی پوری تبلیغی زندگی کا مستند ریکارڈ
ہند و بیرون ہند کے ایک ایک سفر کی تفصیل، ایمان افروز مکاتیب اور تقریریں
بے شمار مکاتیب اور تقریروں کے اقتباسات
مولانا کے افکار و خیالات اور زندگی کی مکمل تصویر
تبلیغی تحریک پر سب پہلی مفصل اور بصیرت افروز تصنیف
کتاب کے مواد کا سب اہم ماخذ خود حضرت مولانا کے مکاتیب اور حضرت شیخ الحدیث کی تحریری یادداشتیں ہیں
شروع میں آباو اجداد اور مشاہیر خاندان، خاص کر حضرت مولانا محمد الیاس کا مفصل تذکرہ
اسی ضمن میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے قلم سے
قریباً ستر صفحات پر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ کا مفصل تذکرہ
اس طرح یہ حضرت مولانا محمد یوسف کے ساتھ حضرت شیخ الحدیث کی بھی سوانح حیات ہے
قریباً ۸۰۰ صفحات، سائز ۲۲×۳۶/۱۶ اور جلد رنگین کی پائیدار خوبصورت گرد پوش

قیمت:- دس روپے ۱۰/-

کتب خانہ الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ

مطبوعہ تنویر پریس لکھنؤ

Regd. No. L-353

Monthly 'ALFURQAN' Lucknow

VOL. 35 NO. 10, 11 & 12 MARCH 1968

پکوان کے
عمدہ تیلوں میں
آپ کی خاص پسند۔

پوسٹ مین برانڈ
صاف کیا ہوا مونگ پھلی کا تیل
۱، ۲، ۴ اور ۵ر۱۵ کیلو

عمدہ وناسپتی
۱، ۲، ۴ اور ۵ر۱۶ کیلو

مہتابلولا، بتل کا تیل
۲، ۴ اور ۵ر۱۵ کیلو

اگ برانڈ خالص ناریل کا تیل
۲، ۴ اور ۱۶ کیلو

کوکوجار
صاف کیا ہوا ناریل کا تیل
۲، ۴ اور ۵ر۱۵ کیلو

امی سلاڈ تیل
۲، ۴ اور ۵ر۱۵ کیلو

احمد سنز، بمبئی ۸

AHPL 2870 URD

صرف نامیل پرنٹرس اینڈ پبلشرز، ٹکسال امین روڈ، لکھنؤ ۔۳۔ میں چھپا۔